حصہ اول

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۱ - عدد ۲ | بابت ماہ فروری ۱۹۳۵ء | عدد مسلسل ۴۲

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور بابو این این مترا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شایع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجراسے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تاحد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں، غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی فارسی اردو اور پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی بحروف گورمکھی۔ ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا۔

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عہ اور اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا۔

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلم تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

میر علیشیر کی بزم شعر و سخن

دور بیقرا کی شاعری کی خصوصیات پر مجمل تبصرہ

سلطان حسین اور علی شیر کا زمانہ، ایرانی فنون لطیفہ کی ترقی اور نشو و نما کا بہترین زمانہ تھا۔ ایرانی مصوّرین کا شاہنشاہ بہزاد اسی زمانے میں پیدا ہوا اور ایک نئے دبستان کی تعمیر کا سبب بنا۔ ہرات اور خراسان کے کئی گوشے شعر و سخن، علم و فن اور نکتہ آفرینی و سخن فہمی کے مرکز بن گئے تھے۔ گویا وہ ایک گلستان تھا جس پر گل و غنچہ، سرو و شمشاد، سبزہ و آب رواں سب اپنی پوری بہار پر تھے۔ کیونکہ جب کسی قوم میں علم و ادب کا ذوق صحیح پیدا ہو چکا ہو اور فن لطیف کی تخلیق کی بدولت اسکا دماغ نئی نئی راہیں تلاش کر رہا ہو۔ تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ قوم اپنے عین شباب میں ہے۔ اور خزاں کہولت کے اثر سے مصئون،

سلطان حسین اور میر علی شیر کا دور علم و فن کے حق میں ایسا ہی دور تھا جہاں تک شعر فہمی اور سخن آفرینی کا تعلق ہے ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ہرات کا بچہ بچہ شعر کی زبان میں گفتگو کرتا نظر آتا ہے۔ مولانا صاعدی ہیں تو گل کار گر شعر کے گلدستے بھی تیار کر رہے ہیں۔ مولانا غیاث الدین علی اُدھر ہاتھوں سے ابریشم کو رنگتے ہیں مگر ادھر اپنے اشعار سے مجلس کو بھی رنگین بنا رہے ہیں۔ قلیچہ فروشی اور قلیچہ بِنی کو نازک خیالی سے بظاہر کوئی خاص مناسبت نہیں۔ مگر سرزمین ہرات کے قلیچہ فروش بھی شعر

لہ اس سے مراد صرف درباری شعرا کی بزم نہیں، بلکہ اس زمانے کے عام شعر و سخن پر تبصرہ کرنا مقصود ہے چونکہ میر خود بھی اس عہد کے اکابر شعرا میں ہیں۔ اسلئے رعایتاً اس تذکرہ کو "بزم علیشیر" کہہ دیا گیا ہے،

گوئی میں کسی سے کم نہیں۔ غرض اور تو اور حنا تراش، حکاک، لعبت باز، روغن گر، اور تیر گر بھی، اپنے منثور جذبات کو موزون شکل دینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس راہ کا قافلہ سالار میر علی شیر، مجالس النفائس میں ان لوگوں کا بتفصیل ذکر کرتا ہے،

شخصی حکومتوں میں شاہی دربار، تمدن کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ وہیں سے کلچر پیدا ہوتی ہے اور عوام میں پھیلتی ہے۔ جب شاہی تخت و تاج کو زینت دینے والا خود بھی نہ صرف شعر کو سمجھتا اور اس کی داد دیتا ہو۔ بلکہ شعر اور شگفتہ شعر لکھ لیتا ہو۔ تو شعر کی خوشبو ساری فضا کو کیوں نہ معطر کرے گی۔

سلطان حسین مجالس العشاق کا حقیقی مصنف ہو یا نہ ہو۔ مگر اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ ترکی اور فارسی کا اچھا شاعر تھا۔ مجالس اور تحفہ سامی میں جو اشعار اس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ ان کے کہنے والے کو معمولی قافیہ توڑ تو نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ ان میں ہمیں ایک پختہ کار شاعر اور سخن فہم کا دل و دماغ جلوہ گر نظر آتا ہے،

تیموریوں کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کو نقد و نظر کا ملکہ قدرت سے ودیعت ہوا تھا۔ وہ شعر کو قبول کرتے تھے اور اس کی قدر دانی کرتے تھے۔ مگر پہلے اسکو فن شعر کے صحیح تنقیدی معیار کے مطابق جانچ تول بھی لیتے تھے۔ مولانا کمال الدین عبدالواسع انظامی جو فن انشا میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ جب سلطان حسین کے پاس وقایع منظوم لے کر حاضر ہوئے۔ تو سلطان نے اپنے حق میں تعریف و توصیف کے اس انبار کو عام انسانی کمزوری سے متاثر ہو کر قبول نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں تشبیہات و استعارات کی اتنی بھرمار تھی۔ کہ ایک سلیم ذوق رکھنے والا انکو کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ کام کسی اور آدمی کے سپرد کر دیا گیا[1]۔

---

[1] حبیب السیر جزو ۳ - جلد ۳ - ص ۲۲۸،

تحفۂ سامی میں ذیل کے اشعار سلطان حسین کی طرف منسوب کئے گئے ہیں جن میں نزاکت خیال اور لطف بیان دونوں موجود ہیں :-

جانا! جفا برائے وفا می کشیم ما ترک جفا مکن کہ جفا می کشیم ما
نقاش چین چو صورتش آورد در نظر زد بر زمین قلم کہ چہا می کشیم ما[1]

مجالس میں سلطان حسین کی جو غزل درج کی گئی ہے وہ کوئی زیادہ بلند تو نہیں اور نہ اس میں کوئی بلند شاعرانہ خصوصیت ہے تاہم بادشاہانہ تبرک ہے اور اگر ملک الکلام نہیں تو نہ سہی کم از کم کلام الملک تو ضرور ہے وہ غزل یہ ہے :-

از غم عشقت مرا نہ تن نہ جانے ماندہ آن خیالے گشتہ و این یک گمانے ماندہ
ای کرمی جوئی نشانم رو بکوی یار بین خاک گشتہ جسم و سر بر آستانے ماندہ
با قد خم گشتہ ام در ہجر آن ابرو کمان چون کمانم بی بروی استخوانے ماندہ
داغہا بین بر تن من ہمچو خال کعبتین بر یکی از ناوک آن مہ نشانے ماندہ
چون حسینی باز خواہم خویش را پیرانہ سر مست سر بر سجدۂ زیبا جوانے ماندہ

(مجالس النفائس)

اس پر شعرا کی قدردانی کا وہ حال ہے کہ باید و شاید، بالخصوص میر علی شیر کی قدر دانیاں جنکا تذکرہ دانستہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر اسی میگزین میں ایک مفصل مضمون لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ میر کے نام پر صرف شعر و شاعری کی جو کتابیں معنون کی گئیں وہ اگرچہ تمام و کمال یہاں درج نہیں کی جاسکتیں تاہم ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :-

(۱) جامی کی تحفۃ الابرار، لیلی مجنوں، خرد نامہ سکندری، یوسف زلیخا، خسرو شیریں،

---

[1] ورق ۵۵ تحفۂ سامی نسخہ آذر۔

رسالہ در صنایع و بدایع } از امیر برہان الدین عطاء اللہ
رسالہ قافیہ

مثنویات مولانا علاء الدین کرمانی

قصیدۂ مصنوع مولانا اہلی شیرازی

یوسف زلیخا خواجہ مسعود گلستانی

سحر حلال از مولانا غیاث الدین محمد مولانا جلال

رسالہ معما شمس الدین محمد بدخشی

رسالہ معما کمال الدین میر حسین وغیرہ [مکارم الاخلاق نسخہ عکسی ق]

جہاں میر جیسے صاحب اثر بزرگ دربار میں موجود ہوں۔ جنکی شاعری اور شخصیت دونوں یکساں طور پر جاذب توجہ ہوں وہاں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اہل دربار میں یہ ذوق سرایت نہ کرے اور شعر و شاعری کا جنون عام سارے امراے دربار پر تسلط نہ پائے۔ آرٹ اور علوم و فنون ایک تحریک ایک رہنمائی ایک حرکت کے محتاج ہوتے ہیں۔ جہاں ان خوابیدہ نغموں کو کوئی بیدار کرنے والا موجود ہو۔ وہاں یہ نغمے ضرور بیدار ہوتے ہیں اور فطرت کے ساز سے وہ راگ نکلتے ہیں جو مردہ دلوں کو بھی قم باذنی کہہ کر زندہ دل بنا دیتے ہیں۔ اکبر کے دربار میں صرف ایک عبدالرحیم خانخاناں نظر آتا ہے۔ مگر سلطان حسین کے دربار میں علی شیر کے فیض صحبت سے ہر امیر عبدالرحیمی شان لئے ہوئے ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ یہ جماعت قدرت کی طرف سے اسی لئے پیدا ہوئی تھی کہ ان میں سے ہر فرد کا ہاتھ جب قبضۂ شمشیر سے ہٹے تو قلمدان میں ہو۔ رزم آرائیوں سے زمانہ فرصت دے تو بزم نوازیاں ان کا مشغلہ ہو۔ کبھی میدان جنگ میں داد شجاعت دے رہے ہوں تو کبھی بزم سخن میں خراج تحسین وصول کرتے نظر آئیں۔

امیر دولت شاہ سمرقندی کے تذکرۃ الشعراء سے کون ناواقف ہوگا؟ اور اسکے ذوق شعر کو ثابت کرنے کے لئے اس تصنیف سے بڑھ کر کون سی دستاویز ہوگی '
حسین علی جلایر طفیلی کا مشہور قصیدہ تقریباً تمام نقادان سخن سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے :

سرو قدرت جلوہ کرد قدر صنوبر شکست		لعل لبت خندہ زد قیمت شکر شکست

اسی قصیدہ میں ہے ۔

ہندوی دربان تو چوب سیاست بقہر		از کف خاقان کشید بر سر قیصر شکست

مولانا حاجی محمد امیر فرماتے ہیں : ۔

نے بسا توبہ کہ چون توبہ دیدۂ من		خوبرویان بشکستند بیک چشم زدن

خواجہ شہاب الدین عبد اللہ مروارید جو سلطان حسین کے زمانے میں منصب صدارت پر قائز رہ چکے تھے ۔ اور بالآخر منصب رسالت سے بھی مفتخر ہوئے ۔ جو مناصب تیموری میں سب سے بڑا منصب تھا ۔ بیانی تخلص رکھتے تھے ۔ ان کا دیوان مونس الاحباب کے نام سے شہرت رکھتا ہے ۔ وہ ایک مثنوی کے بھی مالک ہیں جو خسرو شیریں کے نام سے مشہور ہے ۔ فن انشا میں ایک کتاب انشاے عبد اللہ مروارید بھی ان ہی کی تصانیف میں ہے '
سفینۂ خوشگو میں بیانی کی ذیل کی رباعی تعریف کے ساتھ نقل کی گئی ہے '

یارب کہ مرا صحبت جاں بی تو مباد		انجام زمانہ یک زمان بی تو مباد
کوتاہ کنم سخن جہاں بی تو مباد		وز ہستی من نشان بی تو مباد

(سفینہ قلمی ورق ۷ الف)

غزل کا نمونہ یہ ہے : ۔

خوش آنزماں کہ خلت گرد آن عذار نبود		میان حسن تو و عشق من غبار نبود

مرا ازان گلِ رو بود خار خار و ترا | هنوز دامنِ گل مبتلای خار نبود
نبود چون تو گلے در ہمہ کبودی چرخ | ویکہ باغ رخت را بنفشہ زار نبود
بشب رساند خلطت روز بیقراری من | وگرنہ بی تو مرا روز و شب قرار نبود
بیانی از ستمِ یار کرد دل خالی | وگرنہ این ہمہ تشنیع ہم بکار نبود

(تحفہ سامی نسخہ آذر ق ۵۱)

دیوان قصاید و غزلیات کے علاوہ بیانی نے ایک تاریخ منظوم اور مثنوی شیریں خسرو بھی لکھی،

علما کا کلام بے مزہ ہے۔ مگر شعر و سخن کے اس عام ذوق سے وہ بھی لذت گیر تھے۔ بے شمار مورخین، ارباب انشا اور علمائے دین یکساں طور پر شعر لکھتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ کوئی اسی دَور پر موقوف نہیں۔ تاریخ اسلام کے تقریباً ہر عہد میں شعر لکھنا، علما کے لئے ایک عام مشغلہ رہا ہے۔ اگرچہ ان کے اشعار میں وہ لذت اور سوز و گداز نہیں ہوتا۔ جس سے حقیقی اور فطری شعرا بہرہ ور ہوتے ہیں تاہم یہ شعبہ تحریر ان کے علمی مشاغل سے باہر نہ تھا،

مولانا حسین واعظ کاشفی، ایک واعظ، مفسر اور انشا پرداز ہیں۔ مگر کبھی کبھی جذبۂ دل کا اظہار شعر میں بھی کرتے ہیں:۔

سہ خطاز مشکِ تر غالیہ بر سمن زن | سنبل تاب دادہ را بر گل نسترن زن!

میرخواند روضۃ الصفا کے مصنف ہیں۔ مگر شاعر بھی ہیں۔ میر کمال الدین حسین مصنف شرح منازل السایرین، عرفان و تصوف کے میدان کے شاہسوار ہیں۔ مگر انکی طبیعت، ادھر بھی جولانیاں دکھاتی ہیں۔ غرض کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اس عام ذوق میں برابر کا حصہ لینے کے لئے بیتاب نہ ہو یہ اور بات ہے کہ بعض تو ان میں صدر نشین محفل ہیں اور بعض صف نعال میں بیٹھنے والے،

جہاں تک شعر و شاعری کی عمومیت کے مجمل تذکرہ کا تعلق ہے ہو چکا۔ مگر ابھی تک جنس لطیف کا ذکر نہیں ہوا۔جس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بزم شعر و سخن اس لطیف مخلوق سے خالی تھی۔ یہ کہنا واقعیت کے خلاف نہ ہوگا کہ اس زمانے میں بہت سی خواتین شعر و شاعری میں اچھی خاصی شہرت رکھتی تھیں۔

اس زمانے کے ایک شاعر شیخ زادہ انصاری کی والدہ بیدلی تخلص رکھتی تھیں۔ صاحب مجالس نے انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔جس میں نزاکت خیال کا اچھا خاصا عنصر موجود ہے:-

روم بباغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم　　　کہ تا نظارۂ آن سرو خوش خرام کنم

(لطایف نامہ ص ۱۷۳)

مولانا نظام استرابادی ہرات کے مشہور شعرا میں سے تھے۔ ان کی وفات پر ان کی لڑکی نے سلطان حسین کی خدمت میں یہ قطعہ لکھ کر روانہ کیا:-

سرفراز آن نظام سحر کلام　　　داشت از جان و دل محبت تو

از چہ رو ماندہ قبر او بے سنگ　　　عجبم آمد از مروت تو

در زمان حیات چون نکشید　　　منت دیگران بدولت تو

در تہِ خاک نیز آن بہتر　　　کہ بود زیر بار منت تو

(سفینۂ خوشگو قلمی ق ۷ ب)

آفاق بیگم، جو امیر علی جلایر کی دختر اور میر علی شیر کے بھائی درویش علی کی منکوحہ تھیں۔ اپنے زمانے کی بے نظیر شاعرہ تھیں۔ صاحب لطایف نامہ نے ان کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ جنکی خوبی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ؎

حل شد از غم ہمہ مشکل کہ مرا در دل بود　　　جز غم عشق کہ حل کردن آن مشکل بود

من اگر توبہ زشت کردہ ام اے سرو سہی! تو خود این توبہ نہ کردی کہ مرا مے نہ دہی

مولانا حسن شاہ ہزّال کی لڑکی عنیفی کا یہ شعر کس درجہ برجستہ ہے :-

اگرچہ مہر بتقدیر لایزال برآید بماہِ من نرسد گر ہزار سال برآید

(لطایف نامہ ص ۲۸۳ - ۲۸۴)

اب تک میں نے شاعری کے عام ہونے کے متعلق لکھا ہے - اس زمانہ کے نخول شعرا کا ذکر نہیں کیا اور نہ انکی شاعری پر تبصرہ کیا ہے - کیونکہ اس مقالہ سے ان اکابر شعرا کی سوانح حیات کو قلمبند کرنا مقصود نہیں - نہ ان کی شاعری پر سیر حاصل بحث - ذیل کی سطور میں شاعری کی مختلف اصناف پر ان نامور شعرا کے خاص تعلق سے مختصر ریو کیا جائے گا -

اس عہد کے اکابر شعرا کے نام یہ ہیں :-

۱- علی شیر ۲- جامی ۳- اہلی ۴- ہاتفی ۵- ہلالی
۶- مکتبی ۷- بنّائی ۸- طفیلی ۹- سہیلی ۱۰- آصفی
۱۱- فغانی '

اس ضمن میں بعض درجہ دوم کے شعرا کا ذکر بھی کر دینا چاہیے :

۱- سید میر حاج ۲- میرم سیاہ ۳- خواجہ مسعود قمی
۴- بیانی ۵- سیفی ۶- حسین معمائی

یہاں یہ ذکر کر دینا نامناسب نہیں معلوم ہوتا - کہ اس عہد میں جہاں تک فارسی زبان کا تعلق ہے - جامی کے علاوہ کوئی اول درجے کا شاعر نہیں پیدا ہوا - جامی کو تمام اصناف سخن میں یکتا تسلیم کیا گیا ہے - ان کے معاصرین انکو اپنے لئے نمونہ خیال کرتے تھے - یہی وجہ ہے کہ ان کے مقلدین انکی تقلید میں گرفتار ہو کر کسی میدان میں نام نہ پیدا کر سکے '

جامی اور علی شیر ہر دو ترکی کے بہترین شاعر تھے - علی الخصوص موخرالذکر تو ترکی ہی میں کمال دکھاتے ہیں، شاید یہی وجہ ہو کہ فارسی گو شعرا کے عہد میں وہ شاندار نام نہیں ملتے - جو ترکی گو شعرا میں ملتے ہیں،

یہ دور آرٹ کے اعتبار سے بہترین زمانہ ہے - مگر تعجب ہے کہ مصور کا موقلم جو گلکاریاں ہمارے سامنے پیش کر سکا - وہ شاعر کے کلک تحریر سے نہ بن آئیں؛ غزل وغیرہ میں بعض نئی طرزیں نکلیں مگر وہ خراسان میں مقبول نہ ہوئیں - مثلاً فغانی مگر بے چارہ فغانی کو مجبور ہو کر عراق کی طرف رخت سفر باندھنا پڑا -

مثنوی میں بعض نئے طریقے دکھائی دیتے ہیں مثلاً مناظرۂ گل وبلبل، مناظرہ شمس و قمر، مناظرۂ تیغ و قلم، وغیرہ اور انکو اس عہد کی جدت خیال کرنا چاہیے،

جہانتک لفظ کا تعلق ہے - یہ دور صنعت، مشکل پسندی اور معمے کا دور ہے اور معنی کے تغیر اور انقلاب کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے - ہاں یہ ہوا کہ مثنویوں میں اب واقعات کی بجائے متصوفانہ طریق پر خیالی تمثیلات کو پیش نظر رکھا جانے لگا مثلاً شمع و پروانہ، گل و بلبل وغیرہ اور ان ہی میں عشق کی تمام اصطلاحات کو استعمال کیا گیا[1]،

یہ مختصراً اس عہد کی خصوصیات ہیں - اب اسی اجمال کو کسی قدر پھیلا کر بیان کیا جاتا ہے،

قصیدہ - جہاں تک قصیدہ کی خصوصیات نوعی کا تعلق ہے - یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان پر وہی لفظی و معنوی رنگ غالب تھا جو اس دور کی عام شاعری پر نظر آتا ہے - یوں تو اہلی، بنائی، ہلالی وغیرہ سب شعرا نے قصائد لکھے - مگر محض بعض قصیدہ نگاروں کے اسما شماری سے کوئی خاص مقصد حاصل نہیں ہو سکتا -

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو گب، ہسٹری آف آٹومن پوئٹری جلد ۲، صـ۱۲ تا صـ۱۶

اس میں شبہ نہیں کہ مشرقی شاعری میں قصائد سے بہت عظیم الشان کام لئے گئے ہیں۔ اور خود فارسی شاعری میں قصیدہ کو بلند درجہ حاصل ہے۔ مگر اس دور میں اس پایہ کے قصیدہ نگار نظر نہیں آتے۔ جن سے پہلا دور نمایاں نظر آتا ہے۔ ان میں یا بالفاظ صحیح تر میر حاج، نظام استرآبادی، طفیلی اور اس قسم کے بعض حضرات نے خاص طور پر قصیدہ نگاری میں شہرت حاصل کی۔

میر حاج کے متعلق صاحب لطایف نامہ لکھتے ہیں :-

"کہ او اکثر و بیشتر قصیدہ گوید واحیاناً غزل می گوید" ص۱۱۳

حضرت علیؓ کی مدح میں میر حاج کے قصیدے خاص شہرت رکھتے ہیں مثلاً وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے :-

اے دل حکایت از شرف بوتراب کن
در مطلع سخن سخن از آفتاب کن

پیرایہ جمال عروس ثنای او
از جوہر معانی امّ الکتاب کن

(دیوان قلمی بانکی پور)

اہل بیت اور حضرت علیؓ کی ذات اکثر قصاید کا موضوع ہے۔ جن کو اگر جمع کیا جائے۔ تو اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو جائے۔ ابن حسام کے قصاید اس ضمن میں خاص شہرت رکھتے ہیں (حبیب السیر ج ۴، جزء ۳۔ ص ۳۳۶)

قصاید میں پند و موعظت فارسی شاعری کا کوئی نیا مضمون نہیں۔ اس دور میں بھی ہمیں یہ صنف بہ کثرت ملتی ہے۔ امیر خسروؔ کے قصیدہ کے جواب میں میر علی شیر اور جامیؔ دونوں نے جو قصاید لکھے۔ ان میں

اخلاقیات کا درس دیا گیا ہے

آتشین لعلے کہ تاج خسروانرا زیور است　　اخگرے بہر خیال خام پختن در سر است

یا دہان خشک و چشم تر قناعت کن ازانکہ　　ہر کہ قانع شد بخشک و تر شہ بحر و بر است

تخم رسوائی دہد پروانۂ تسبیح زرق　　آری آری دانہ جنس خویش را بار آور است

راہرو را فاقہ و نعمت کند منع سلوک　　اسپ راہ آنست کو نی فربہ و نی لاغر است

عقل و کنج نیکنامی، عشق و ہردم عالمے　　خانہ داری کار زن لشکر نصیب شوہر است

اہلی نے اپنے ایک قصیدہ میں اوضاع روزگار کی بے حقیقتی اور اسکے لئے متفکر رہنے کی بیہودگی پر کیا خوب لکھا ہے:

عقل می خندد بر آں کو کو غم دنیا خورد　　دیدہ می گرید بر آں روی کہ زرد از بی زر است

بی قضا از سقف برگ گلے عاجز بود　　قادر اندازے کہ بر صد من کمانش قادر است

غم نہ تنہا از طپانچہ روے ما ساز د کبود　　روے گردوں ہم ازیں سیلی غم نیلوفری ست

قصیدہ کا موضوع اگرچہ عام طور پر مداحی اور بے جا خوشامد رہا ہے۔ مگر اس شہرستان رسوائی میں بعض ایسے صحیح الدماغ بھی نکلتے رہے ہیں۔ جنہوں نے قصیدہ کو آزادی رائے کے اظہار کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے اور افراد اور حکومت کی بے عنوانیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اس سلسلے میں آگہی (آہی)، کا شہر آشوب خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جس میں اسنے ہرات کے حکام اور لوگوں کے متعلق آزادانہ اظہار خیال کیا ہے۔

نظام استرآبادی جسے صاحب تحفۂ سامی "سرآمد قصیدہ گویاں" کا خطاب دیتا ہے۔ مداحی سے سخت نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ صاحب سفینہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"بغیر از منقبت اہل بیت شعر کم گفتہ و بمداحی دنیا داران سرفرو

نیاوردہ"

چند شعر ملاحظہ ہوں :۔

زان پیش کز نائرہ چرخ جفا رقم | نخل حیاتِ ما شکند صرصر عدم
پُر دہانِ خاک کہ از لقمہ پر نشد | ما را کند نوالہ سپہر تہی شکم
آن بہ کہ نقد عمر گرامی کنیم صرف | در مدحتِ امام نجف کعبۂ امم
روشن کند دقایق مجموعۂ حدوث | مشروح سازِ نکتہ دیباچۂ قدم
عمریکہ آن بفکر مدیح تو بگذرد | مانند روزگار جوانی ست مغتنم

(سفینہ ق ۸۱)

قصاید میں مناظرہ کی ایک اچھی مثال انسی کا گل و مل کا مناظرہ ہے :۔

دوش در مجلس احباب گل و مل باہم | بزوندے بمباہات دم از فخر و کرم

اس عہد میں بعض عمدہ مصنوع قصاید لکھے گئے ۔ مثلاً اہلی کا قصیدہ مصنوع در مدح علی شیر در جواب سلمان ،

قصیدہ اور مرثیہ ایک ہی جنس کی دو انواع ہیں۔ قصیدہ کسی زندہ ممدوح کی مدح کا نام ہے اور مرثیہ متوفی ممدوح کی مدح کا ۔ صاحب بلخی نے علی شیر کا ایک مصنوع مرثیہ لکھا ۔ جس میں صنعت یہ ہے کہ ہر شعر کے ابتدائی مصرع سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اور مصارع ثانی سے تاریخ وفات ،

امیدی (۹۲۵ھ) اگرچہ اس دور کی نسبت صفوی دور سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں ۔ تاہم ان پر اس عہد کے اثرات بوجوہ تمام موجود ہیں اسلئے یہاں ان کے ایک قصیدے کے بعض اشعار نقل کئے جاتے ہیں :۔

تو ترک نیم مستی من مرغ نیم بسمل | کار تو از من آسان کام من از تو مشکل

تو پا نہی بمیدان من دست شویم از جان تو خوی چکانی از رخ من خون فشانم از دل
دنبال آن مسافر از ضعف و ناتوانی برخیزم و نشینم چون گرد تا بمنزل
کو بخت آنکہ گیرم مستش ز خانۂ زین وان ساعد بلورین در گردنم حمائل
خنجر کشی و ساغر، اہل وفا سراسر خون خوردہ در برابر جان دادہ در مقابل
ما ایم چو شد طے بشنو حکایت رے ویرانہ ایست در وے دیوانہ ایست عامل
دیوانۂ کہ تدبیر در وے نکردہ تاثیر دیوانۂ کہ زنجیر او را نکردہ عاقل
دیوانہ ایست پرفن دیرینہ دشمن زن از وے مباش ایمن و ز من مباش غافل
ای داور سخندان این نکتہ نیست پنہان کاندیشۂ پریشان نبود بنظم مائل
طبعم ز ہر کہ بودے گوے سخن ربودے اما اگر نبودے در خانہ ام محصّل

امیدی کا یہ قطعہ بھی بہت پسند کیا جاتا ہے:

رواق مدرسہ گر سرنگوں شود سہل است قصور میکدۂ عشق را مباد قصور
بنائے مدرسہ در عکس عالی و سافل خراب گشت و خرابات ہمچنان معمور

غزل غزل کا مایہ خمیر عشق سے بنتا ہے۔ اور عشق سرزمین ایران کے خمیر میں ہے۔ مزید یہ کہ تصوف نے عشق حقیقی اور عشق مجازی کی ساری قیود بالکل اٹھا دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر کوچہ و برزن سے عشق کے ترانے سامعہ نوازی کرنے لگے۔

غزل کی اس عمومیت کے باوجود غزل کا کوئی نیا اسلوب پیدا نہ ہوا۔ فغانی نے جو روش اختیار کی۔ وہ ہرات میں مقبول نہ ہو سکی۔

خود جامی میں تصوف نے ایک جوش بیان پیدا کر دیا ہے مگر حافظ کی شیرینی اور وفور جذبات اور سعدی کی سادگی اور واقعیت کہاں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر قلوب حافظ اور خسرو کی تقلید کے لئے مائل نظر آتے ہیں۔ بنائی جو غزل میں حالی

تخلص کرتے ہیں۔ حافظ کی طرز کے شیدا ہیں اور ان کا تتبع کرتے ہیں۔
امیر حاج انسی حافظ کے دکھائے ہوئے راستے پر چلتے نظر آتے ہیں اگرچہ
یہی وہ چیز ہے جس سے اکثر دماغی قوتیں صحیح نشو و نما سے محروم ہو کر مردہ ہو
گئیں اور وہ برگ و بار جو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے چاہئیں نہ ہو سکے۔
تاہم میکدہ شیراز سے ہی پینے میں لطف آتا ہے۔ حافظ کہتے ہیں:

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا	کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

انسی اسی زمین میں فرماتے ہیں:

انا واسد فی روح نشاط الروح ناولہا	کہ ہست آن رنگ آب زندگانی حل مشکلہا

غریب ہندوستان نے فارسی کی جو خدمات انجام دیں۔ انکے باوجود اہل ولایت
کے نزدیک ان کا کلام بے اعتبار اور زر کم عیار رہا۔ تاہم اس تاریکی میں، کچھ
شعاعیں نورانی بھی نظر آتی ہیں جنکی روشنی سے بعض لوگ استفادہ کرتے نظر
آتے ہیں۔ جامی، علی شیر، انسی، بنائی وغیرہ، اکثر لوگ خسرو کے تتبع میں
نظمیں لکھتے ہیں،

جامی کے علاوہ جن غزل گو شعرا کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ ہلالی
آصفی، اہلی اور سیفی ہیں،

ہلالی ترک قوم کے چشم و چراغ تھے اور استرآباد کی خاک سے پیدا ہوئے
مثنویات کے علاوہ دیوان غزل بھی ہے جو طبع ہو چکا ہے۔ نرگسی کے ساتھ اکثر
معارضہ رہتا تھا۔ انکی غزل طلبہ میں بہت پسند کی جاتی تھی (سفینہ قلمی ق ۱۹)
تحفہ سامی میں وہ اشعار یکجا جمع کر دیے ہیں۔ جن میں ہلالی تخلص خوبصورت
معلوم ہوتا ہے۔ بعض اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

روزے کہ فلک تام مرا کرد ہلالی	مے خواست کہ من مائل ابروے تو باشم

بسعی کوش ہلالی کہ عاقبت چو ہلال بلند مرتبہ گردی فلک مقام شوی

نہفتہ از نظر خلق باش ماہ بماہ گرت ہواست کہ منظور خاص و عام شوی

ہلالی جب پہلے پہل علی شیر سے ملے تو علی شیر نے پوچھا آپ کا تخلص کیا ہے شاعر نے کہا ہلالی! علی شیر بولے بدر ہی بدر ہی۔ میر نے اس شعر کو بہت پسند کیا ہے ؎

چنان از پا فگند امروز آن رفتار و قامت ہم
کہ فردا بر نخیزم بلکہ فردای قیامت ہم

ہلالی کے ان اشعار میں کس درجہ سوز و گداز پایا جاتا ہے :۔

چو من بداغ تباہ ہر کہ سوخت یک چندے
ہوس کند کہ دگر بارہ بیشتر سوزد
بپائے شمع فتد چونکہ سوخت پروانہ
کہ شعلہ اش کہ بپایان رسد دگر سوزد

ایک شعر میں کیا معنی پیدا کئے ہیں :۔

ہلالی از پے آن شہسوار تند مرو کہ تا رسیدہ بگردش غبار خواہی شد

اے آنکہ بر نصیحتِ ما لب کشودۂ معلوم می شود کہ تو عاشق نبودۂ
اے دل وفا مجوی کہ خوبان شہر را ما آزمودہ ایم تو ہم آزمودۂ

از خیال آن قد رعنا گذشتن مشکل است راست می گویم بلے از راستی نتوان گذشت
پیش ازین کاش گرفتار غمت می بودم بے غم عشق تو صد حیف ز عمرے کہ گذشت

لطفِ تو بود اندک و اندوہِ تو بسیار — من خود گلۂ اندک و بسیار ندارم

ہلالی کی اس غزل سے سعدی کی دلکش غزل یاد آتی ہے:

سوے شکار اے بتِ رعنا چہ میروی — شہرے خرابِ تست بصحرا چہ می روی

گو میروی بشہر کہ صیدے فتد بدام — اینجا مرا گذاشتہ تنہا چہ می روی

صید تو اند گوشہ نشینان شہر و کوی — بر عزم وحش بادیہ پیما چہ می روی

بے سگ نمی روند سواران بعزم صید — چوں ما سگ تو ایم تو بے ما چہ می روی

ہمراہِ تست لشکر حسن و سپاہِ ناز — با صد ہزار فتنہ و غوغا چہ می روی

آئینۂ بگیر و تماشاے خویش کن — سوے چمن بعزم تماشا چہ می روی

چون یار وعدہ کرد ہلالی بقتلِ تو — اُو می کشد تو بہر تقاضا چہ می روی

غزل میں سوال وجواب کا نمونہ یہ ہے:

یار گفت از من مکن قطع نظر گفتم بچشم (دیکھو دیوان مطبوعہ)

بعض سادہ غزلیں چھوٹی بحر میں اَور بھی پُر لطف ہیں:

برمن اے شوخ ستمہا کردی — بارک اللہ کہ کرمہا کردی

ہلالی کی غزلیات میں عاشق تسفل اور ذلت کے جذبات سے لبریز نظر
آتا ہے اور کیوں نہ ہو - جب حافظ شیراز بھی یہ کہہ اٹھتے ہوں کہ

شنیدہ ام کہ سگان را قلادہ می بندی
چرا بگردن حافظ نمی کنی رسنے

ہلالی نے کئی جگہ "سگ" کا لفظ استعمال کیا ہے - اور ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ کتا ولایت ایران میں ولایت یورپ کی طرح محبوب چیز ہے:

گہ گہم خوانی و پرسی کہ چہ حالست ترا — حالِ من حال سگان این چہ سوالست ترا

دیدیم ز یاران وفاداری بسے را لیکن چو سگان تو نہ دیدیم کسی را

بے سگ نمی روند سواران بعزم صید چون با سگ تو ایم تو بی ما چہ می روی

آصفی قہستانی الاصل اور جامی کے شاگرد تھے۔ کہتے ہیں کہ جامی، آصفی کے اشعار کو سب سے پیچھے اصلاح دیتے تھے۔ کیونکہ آصفی کے اشعار غور و فکر کے محتاج ہوتے تھے۔

میرزا بیدل آصفی کے دو اشعار کو بے حد پسند کرتے تھے

تا برافروختہ از آتش می روے سفید شمع پیرانہ سر آتش زدہ در موے سفید

در شفق دیدہ مہ عید و اشارت ہا کرد پیر ما سوی مے سرخ با بروئے سفید

سراج الدین علی خان آرزو کا انتخاب یہ ہے:

کام خسرو از لب شیرین شور انگیز یافت کوہ را فرہاد کند و لعل را پرویز یافت

چنداں مے اش دہید کہ بیہوشی آورد باشد کہ یاد ما بفراموشی آورد

زمن پرسید راہ و رسم شہرستان رسوائی کہ چون فرہاد و مجنوں نیستم کوہی و صحرائی

جمعے خوباں دیدم و دل از پریشانی ہر در میاں گم شد نمی دانم کرا خواہم گرفت

تو ہم در آئنہ حیران حسن خویشتنی زمانہ ایست کہ ہر کس بخود گرفتار است

آن کس کہ یاد او نکنی در ہزار سال روزے ہزار بار ترا یاد می کند

چو دیدہ کہ با ئینہ مالی شب و روز زمن نہفتہ مدار آنچہ رخ نمود آنجا

می توانی کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانے را
(سفینہ)

ان تمام اشعار میں طرزِ ادا کی پیچیدگی اور نکتہ آفرینی کی خوبیاں موجود ہیں۔ آصفی کے اشعار میں بیساختہ پن اور آمد کا جوہر بھی نظر آتا ہے۔ اگرچہ نقادانِ فن نے اسیات کی طرف کہیں اشارہ نہیں کیا۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ فغانی کی طرح آصفی میں بھی کلاسکل روایات کے خلاف بغاوت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

محبت کی شان میں فرماتے ہیں:

زسخت دردی مے محتسب ز دیر گذشت
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

آصفی نے جامی کی غزلیات کے جواب لکھے ہیں۔ اور یہ وہ عادت ہے جس میں شاعر اپنی ہستی اور انفرادیت کو کھو بیٹھتا ہے،

میر علی شیر ان اشعار کو پسند کرتے ہیں:۔

بدین چشم بلاکش کس نکرد است آنچہ من کردم
درین چشم سیاہ رو کس ندید است آنچہ من دیدم

ما با ئینہ برابر نہ کنیم آن رو را حیف باشد کہ درین دائرہ داریم او را

صاحب تحفہ سامی نے یہ شعر منتخب کیا ہے :

دل کہ طومار وفا بود من محزون را پارہ کردند ندانستہ بتان مضمون را

(تحفہ نسخہ آذر قلمی ق ۶۷ ب)

اس شعر میں فغانی کا رنگ نظر آتا ہے '

اہلی اس دور کے اچھے غزل گو شعرا میں سے ہیں - اس کمال فضل کے ساتھ جو انہیں حاصل تھا - تہمت عشق سے بھی متہم تھے - فریدوں حسین بن سلطان حسین کے ساتھ تعشق تھا - پہلے فارس میں تھے - پھر علی شیر کے پاس ہرات میں چلے گئے اور بالآخر شاہ اسمعیل ماضی کے ملازم ہوئے -

ان کی غزل میں کوئی خاص بات نہیں - وہ ساری خصوصیات جو اس دور کے شعرا کے کلام میں ہیں - ان میں بھی پائی جاتی ہیں -

خان آرزو کا انتخاب یہ ہے :

حق نمک خندہ شیریں نشناسند کافر نمکانے کہ دل ریش ندارند

متاع تفرقہ در باد ماہمیں دل بود خدائش خیر دہد ہر کہ این ربود از ما

کنجے و ساقی و شرابے و ہمدمے از نسخہ زمانہ ہمیں انتخاب بس

پوری غزل کا نمونہ یہ ہے :-

چناں ز بادہ شوق تو سرگراں شدہ ام کہ فارغ از خود و وارستۂ جہاں شدہ ام
گرفتہ دامن من گرد غم بہر طرفے اسیر محنت این تیرہ خاکداں شدہ ام

چنانکہ تشنہ بآب زلال مشتاقست | بخاک پاے تو مشتاق ترازان شدہ ام
مرا زعشق تو بر دل ہزار بار غم ست | عجب نباشد اگر بر دلت گران شدہ ام
تو آفتابی و من در ہوات آن ذرہ | کہ ذرہ ذرہ ز مہرت بر آسمان شدہ ام

شمع رخسار ترا آفت جان ساختہ اند | جان صد دل شدہ پروانۂ آن ساختہ اند
سوختم بی تو ندانم کہ اسیران فراق | باچنین آتش جان سوز چسان ساختہ اند

سرمہ چشم مرا گفتی کہ خاک پاست این | خاک پاے تست اما نور چشم ماست این

ان شعرا کے علاوہ نرگسی ، خواجہ مسعود قمی ، سیفی ، درویش حسامی ، فارغی اور مانی مشہدی قابل ذکر ہیں :

فارغی کے یہ دلپسند اشعار قارئین کرام کے تفنن طبع کے لئے درج کئے جاتے ہیں :

عمرے کہ دل بوصل تو ام بہرہ مند بود | ننمود آن قدر کہ توان گفت چند بود
القصہ در فراق بسر شد شمار عمر | سرمایہ وصال کہ واند کہ چند بود
اغیار دوش پیش تو بودند و فارغی | از دور ہا بہ آتش حرمان سپند بود

اب صرف مانی کی ایک غزل نقل کرنے کے بعد غزل کا ذکر ختم کر دیا جاتا ہے :

تو لبے بخشی و من بخیال ہر زمانے | لبت آنچنان ببوسم کہ ترا خبر نباشد
دل ما و درد عشقت ، مگر آنکہ جاں برآید | سر ما و خاک پایت مگر آنکہ سر نباشد
شب عیش و شادمانی بگذشت و روز ہا شد | چہ شبی تو اے شب غم کہ ترا سحر نباشد

تو قدم نہی بخاک و نہی بچشم ما آنی ‌ ‌ ‌ بنگر کہ قدر مردم برت اینقدر نباشد
سر راہ آں پری وش ہمہ گل کنم بگریہ ‌ ‌ ‌ کہ چو گل بود بزودی زمنش گذر نباشد

مثنوی

جس طرح غزل قصیدہ اور دوسرے اصناف سخن میں ایرانی شاعر اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کو اپنے لئے باعث فخر خیال کرتا ہے۔ اور کلاسکل طرز کی دلدادگی میں نئی راہیں پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اسی طرح مثنوی میں بھی وہی خمسہ نظامی سب لوگوں کے لئے نمونہ ٹھہرتا ہے۔ مانا کہ بعض لوگ اس پر ادھر ادھر سے اعتراض کرتے ہیں۔ مثلاً ہاتفی سکندر نامہ کے جواب میں تیمور نامہ لکھتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ سکندر کی کہانیاں ایک افسانے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ مگر تیمور کی فتوحات حقیقی واقعات ہیں۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہاتفی اس احساس کے باوجود کوئی نئی طرز نہ نکال سکا اور لوگوں کی نگاہیں اس میدان میں صرف نظامی یا ان کے چند نامور تتبع کرنے والوں پر ہی اٹھتی ہیں۔

اس عہد میں پرانی روشوں کے خلاف کچھ نہ کچھ بغاوت کے آثار تو نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ بغاوت کوئی خاص شکل اختیار نہ کر سکی۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ نہ صرف الفاظ بلکہ معنی کی طرف بھی توجہ کی گئی۔ مثلاً ہلالی کی مثنوی شاہ و گدا کے پلاٹ پر بابر کا یہ اعتراض کس درجہ معقول ہے کہ " در مثنوی شاہ و درویش، عاشق را درویش و معشوق را شاہ قرار دادہ و بجہت مصلحت مثنوی خود یک جوانے بادشاہ را بسیار بی ادبی کردہ است " یہاں بابر افراد کے تعینات پر معترض ہوتا ہے۔ اسی زمانے کے ایک اور امیر شاعر میر سر برہنہ کی داستان امیر حمزہ پر بابر معترض ہوتا ہے۔

"کہ در مقابلہ داستان امیر حمزہ عمر خود را ضایع نمودہ دور و دراز دروغ قصّہ بستہ ایں امر مخالف طبع و عقل است" [ریو - فہرست موزہ برطانیہ ص ۷۶۰]

بزمیہ مثنویاں بے شمار لکھی گئیں - مگر یہ نہ ظاہر ہو سکا کہ آخر اس طول طویل قصہ بافی سے غرض کیا ہے - جامی کی تحفۃ الاحرار وغیرہ میں بھی تصوف و عرفان کی گفتگو کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا -

البتہ بنائی نے باغ ارم میں "فسانہ" کی غرض و غایت بیان کی ہے جو آج کل کے فسانہ نویسی کے نظریے سے مشابہ ہے - مثلاً" کہتا ہے :

ظاہراً" گر فسانہ گوئی بود   راہ حق را بہانہ جوئی بود

آنچہ مقصود ازیں سوادم بود   نفع خلق خدا مرادم بود

[بانکی پور فہرست ج ۲ - عدد ۲۱۶]

ظاہری لفظ بندی اور استعمال صنعت کا جنون یوں تو اس دور میں بہت عام ہے - مگر کہیں کہیں اس کے خلاف بھی آوازیں بلند ہوتی سنائی دیتی ہیں مثلاً" ہاتفی' شیریں خسرو میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے'

اس دور کے نام آور ترین مثنوی گو یہ ہیں :

ہاتفی جنہوں نے لیلی مجنوں ' شیریں خسرو ' تیمور نامہ اور فتوحات شاہ اسمٰعیل لکھیں -

ہلالی جن کی شاہ و درویش ' صفات العاشقین اور لیلی مجنوں شہرت رکھتی ہیں '

اہلی کی سحر حلال مصنوع کے علاوہ شمع و پروانہ وغیرہ بھی ہے '

مکتبی کی ایک ہی مثنوی لیلی مجنوں ہے - مگر بہت مشہور ہے اور میرزا بیدل اسے بہت پسند کیا کرتے تھے '

ان کے علاوہ بے شمار مثنوی گو اس دور میں پیدا ہوئے۔ جن میں خواجہ مسعود قمی مصنف وقایع بیقرا مناظرہ تیغ و قلم وغیرہ، جوہری (مصنف سیر النبی) ابن حسام (خاور نامہ)، بیانی (خسرو شیریں)، قاضی اختیار (مثنوی عدل وجور) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ باقی تفصیل کسی آئندہ فرصت میں نذر قارئین کی جائے گی۔

معمات

اس سلسلے میں اب ایک صنف شعر باقی رہتی ہے یعنی مطایبات و معمات۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بھی مختصراً ایک دو لفظ کہہ دئے جائیں۔ جہاں تک معمات کا تعلق ہے۔ ہم اگر اس دور کو معمات کا زمانہ کہیں تو مناسب ہوگا۔ کیونکہ جامی سے لے کر معمولی شاعر تک ہر شخص معما گوئی میں مصروف نظر آتا ہے۔ تاہم ان میں میر حسین معمائی، بخشی وغیرہ خاص طور پر شہرت رکھتے ہیں اور انہوں نے اس خاص فن میں رسائل قلمبند کئے ہیں۔

مطایبات و ہزلیات

زندہ دل اقوام میں مطایبات بھی ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جب قوم کی ملی صورت متغیر ہو جائے تو یہی مطایبات، بیہودہ گوئی اور ہزل سرائی کی طرف مایل ہو جاتے ہیں۔ اس عہد کے دو شاعر اسی موخر الذکر صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔ یعنی میرم سیاہ اور حسن شاہ ہزال۔ میرم سیاہ اپنے دیوان کے دیباچے میں ہزل گوئی کی غرض بیان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جس طرح سعدی اور دوسرے شعرا نے تصوف کے جذبات کو عشق کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح میں بھی اصطلاحات ہزل میں حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔ 'مثنوی' مطایبات اور معمات کا بیان چونکہ نسبتاً تشنہ ہے اس لئے اس مبحث پر پھر کبھی لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

محمد عبد اللہ

بسلسلۂ شیخ جمالی و فرزندانِ او

اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۴ء میں شیخ جمالی کنبوہ اور اسکے بیٹوں کے سلسلہ میں ایک قابل قدر مضمون شایع ہوا ہے۔ مضمون نگار نے اس ضمن میں ایک دو ایسے نادر الوجود غیر مطبوعہ تذکروں کے حوالے دئے ہیں جو رامپور لائبریری میں موجود ہیں اور جن میں جمالی اور اسکے بیٹوں کی بابت بصیرت افروز مواد محفوظ ہے۔

مضمون نگار نے بعض استدراکات کے بعد شیخ جمالی کے دیوان سے اسکی غزل کے نمونے بھی پیش کئے ہیں،

چونکہ تا حال شیخ عبد الحی حیاتی پسر شیخ جمالی اور سلیم شاہ سور کے تعلقات پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے اور نہ ہی شیخ جمالی کی مثنوی مہر و ماہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس لئے ذیل میں حیاتی اور سلیم شاہ کے تعلقات کے بارے میں صاحب منتخب التواریخ کا مختصر مگر اہم نوٹ نقل کرنے کے بعد مثنوی مہر و ماہ پر تبصرہ کیا جائیگا،

بدایونی سال ۹۵۹ھ کے ضمن میں شیخ عبد الحی کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

"و در ہمیں سال شیخ عبد الحی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی کہ بفضائل علمی و شعری آراستہ و صاحب سجادہ و ندیم و مصاحب خاص الخاص اسلیم شاہ بود ودیعت حیات سپرد و سید شاہ میر آگرہ این تاریخ یافت
گفت نام مہے شود تاریخ   بندہ وقتیکہ درمیان نبود

(جلد اول صـ ۴۱۰)

مثنوی مہر و ماہ

مثنوی مہر و ماہ مصنفہ شیخ جمالی المتوفی ۹۴۲ھ ایک نادر الوجود کتاب ہے چنانچہ مشرق اور مغرب کے گرانمایہ اور نامور کتبخانوں کی فہرستوں میں اسکا مذکور نہیں ملتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف اور دوسرے اہل قلم نے جو شیخ کی بعض تصانیف پر تبصرہ کر چکے ہیں اسے نایاب لکھا ہے ۔

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے[1] یہ نسخہ ایک سو اٹھارہ اوراق پر مشتمل ہے ۔ تقطیع معمولی، ہر صفحہ میں سترہ سطریں آغاز کے چند صفحات نہیں ہیں ۔

کاتب کا نام نہیں مگر سن کتابت ۱۰۸۲ھ دیا ہے ۔

تاریخ تصنیف یوں بیان کی ہے :

چو تاریخش بجوئی اے خدابیں   نگر در مہر و ماہ مرشد دین
۹۰۵

مثنوی کے عنوانات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) مناجات

(۲) نعت

(۳) مدح حضرت سلطان العارفین سماء الحق والدین

(۴) در شان نفس امارۂ نابکار و نصیحت بعض ابنائے روزگار

(۵) سبب نظم کتاب جو یوں بیان کیا ہے :

عشق رسول میں وطن مالوف اور خویش و اقارب کو خیر باد کہتا

بدار الملک دہلی جای کرده   فلک را سر بزیر پای کرده

بگلزار سخن گوئی چو بلبل   غزل گویان بعشق روی ہر گل

صریر کلکم آن آواز دادی   نوائی عاشقی را ساز دادی

---

[1] اس نسخہ کا پتہ ہمیں اپنے دوست سید محمد عبد اللہ اسسٹنٹ لائبریرین سے ملا ہم اسکے لئے سید موصوف کے مرہون منت ہیں ۔

نہ کلکے بلکہ طوطیٔ شکر بار چکیدی آب حیوانش ز منقار
خضر وقتان عہد من بصد جان حیاتی یافتہ زان آب حیوان
من خاکی مزاج آتشین دل شدہ زان آب حیوان پای در گل
ز شوق کعبہ و مہر مدینہ چو مہرم روز وشب می سوخت سینہ
کہ آن خورشید عالمتاب آن جاست مدار کعبہ ارباب آن جاست
شہ پیغمبران یعنی محمدؐ گرامی کوکب افلاک سرمد
ز مہرش درکشیدم بادۂ ذوق بجام عشق از میخانۂ شوق

. . . .

ز خویشان و عزیزان دل کشیدم عزیمی را صلاح خویش دیدم

. . . .

قدم برداشتم در راہ بانخیر فضائی ربع مسکون را زدم سیر

تبریز پہنچنا

بدیں اندیشہ بعد از مدتے چند قضا در عرصۂ تبریزم افگند

اہل تبریز کا جمالی کے ساتھ حسن سلوک مگر اس کا اُنکی دوستی سے اجتناب کرنا۔

مبادا با کسے پیوند گیرد کہ بعد از وصل در ہجران بمیرد

اہل تبریز کا مثنوی مہر و ماہ کی تصنیف کی بابت درخواست کرنا

بگفتند ای چراغ عشق بازی ز تو پروانۂ جاں در گدازی
ترا راہ حجاز از اشتیاق است سزاوار تو این راہ عراق است
نشین در پردہ ہائے دیدۂ ما کہ جائی مردم بینا است این جا
کتابی ہست مہر و مشتری نام بشہرت ہمچو مہر و مشتری عام

ز تصنیفِ سپہرِ فضل عصارؔ   کہ او استادِ استادانست درکار
تو ہم در فکرِ مہر (و) مشتری باش   بمہرِ دل مر او را مشتری باش

مثنوی مہر و ماہ کی تصنیف شروع کرنا :-

دلِ غواصم از بحرِ معانی   بدست آورد دُرِّ کامرانی
ملک گنجینہ بر طبعم کشادہ   فلک بر پای فکرم بوسہ دادہ
باسرارِ نہانی یافتم بار   سعادت ہمنشین و دولتم یار
دلم اسرارِ نقشِ لوحِ محفوظ   بہ ہمرازانِ عالم کردہ ملفوظ
چو عیسیٰ از دمِ جاں بخشِ اشعار   حیاتِ تازہ بخشیدم بعصّار
بجانِ مہر و مہ را مشتری گشت   ز مہر و مشتری جانش بری گشت

استادانِ مثنوی کی یادیں :

چہ لافم من کہ استادانِ ایں کار   ازیں نوعی سخن راندند بسیار
تواریخِ کہن و افسانۂ نو   حدیثِ رستم و دستانِ خسرو
ز فردوسی و استادِ نظامی   بنظم آمد معانی را تمامی
در آخر خسروِ ہند آمد از پی   کہ شد کامِ جہاں شیریں ز لبِ وی
چو خسرو پخت دیگِ کامرانی   صلا در داد بر خوانِ معانی
بداں خوانِ کرم خبزیکہ بگذاشت   ازاں جامی نصیبِ خویش برداشت
چو بر خوانش رسیدم من ازاں پس   نشد میلِ دلم بر خوردۂ کس

بحمد اللہ مرا ہم توشۂ بود
اگر خرمن نبودہ خوشۂ بود

نہ کلکے بلک طوطئ شکر بار — چکیدی آب حیوانش ز منقار
خضر وقتان عہد من بعد جان — حیاتی یافتہ زان آب حیوان
من خاکی مزاج آتشین دل — شدہ زان آب حیوان پای در گل
ز شوق کعبہ و مہر مدینہ — چو مہرم روز و شب می سوخت سینہ
کہ آن خورشید عالمتاب آن جاست — مدار کعبہ ارباب آن جاست
شہ پیغمبران یعنی محمدؐ — گرامی کوکب افلاک سرمد
ز مہرش درکشیدم بادۂ ذوق — بجام عشق از میخانۂ شوق

. . . .

ز خویشان و عزیزاں دل کشیدم — غریبی را صلاح خویش دیدم

. . . .

قدم بر داشتم در راہ بالخیر — فضائی ربع مسکون را زدم سیر

تبریز پہنچنا

بدیں اندیشہ بعد از مدتے چند — قضا در عرصۂ تبریزم افگند

اہل تبریز کا جمالی کے ساتھ حسن سلوک مگر اس کا انکی دوستی سے اجتناب کرنا۔

مبادا با کسے پیوند گیرد — کہ بعد از وصل در ہجران بمیرد

اہل تبریز کا مثنوی مہر و ماہ کی تصنیف کی بابت درخواست کرنا

بگفتند ای چراغ عشق بازی — ز تو پروانۂ جاں در گدازی
ترا راہ حجاز از اشتیاق است — سزاوار تو ایں راہ عراق است
نشین در پردہ ہائے دیدۂ ما — کہ جائی مردم بینا است ایں جا
کتابی ہست مہر و مشتری نام — بشہرت ہمچو مہر و مشتری عام

ز تصنیف سپہرِ فضلِ عصاں که او استاد استادانست درکار
توہم در فکر مہر و مشتری باش بمہر دل مر او را مشتری باش

مثنوی مہر و ماہ کی تصنیف شروع کرنا :۔

دل غواصم از بحر معانی بدست آورد دُرّ کامرانی
ملک گنجینه بر طبعم کشاده فلک بر پائی فکرم بوسه داده
باسرار نہانی بانستم یار سعادت ہمنشین و دولتم یار
دلم اسرار نقش لوح محفوظ به ہمرازان عالم کرده ملفوظ
چو عیسی از دم جاں بخش اشعار حیات تازه بخشیدم بعصّار
بجان مہر و مہم را مشتری گشت ز مہر و مشتری جانش بری گشت

استادانِ مثنوی کی یاد میں :

چه لافم من که استادان این کار ازین نوعی سخن راندند بسیار
تواریخ کہن و افسانهٔ نو حدیث رستم و دستان خسرو
ز فردوسی و استاد نظامی بنظم آمد معانی را تمامی
در آخر خسرو ہند آمد از پی که شد کام جہاں شیریں از نی وی
چو خسرو بخت دیگ کامرانی صلا در داد بر خوان معانی
بدان خوان کرم خبزیکه بگذاشت ازاں جامی نصیب خویش برداشت
چو بر خوانش رسیدم من ازان پس نشد میل دلم بر خوردهٔ کس
بحمد الله مرا ہم توشهٔ بود
اگر خرمن نبود خوشهٔ بود

(۶) حکایت در تکلف شعر

(۷) داستانِ مہر و ماہ

بدخشاں کے ایک بادشاہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ وہ فقرا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے اولاد نرینہ کی دعا مانگتا ہے۔ بادشاہ کو معلوم ہوتا ہے کہ بدخشاں کے پہاڑوں میں ایک باکمال درویش رہتا ہے۔ چنانچہ وہ وزرا سمیت اسکی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور حسب معمول تولد فرزند کی دعا مانگتا ہے۔ درویش کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور بادشاہ کے گھر لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ جس کا نام ماہ رکھا جاتا ہے۔

شاہزادہ سن بلوغت کو پہنچتا ہے۔ ایک رات شاہزادی مہر کی شبیہ خواب میں دیکھتا ہے اور غائبانہ طور پر اسکے دامِ محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

شہزادی مہر کی تصویر یوں کھینچی ہے:

نہ حوری بلک خورشیدی پری رنگ	کہ از عکس رخش گوہر شود سنگ
گہر در درج لعلش وقت خندہ	ہوا در برگ گل شبنم فگندہ
زبانش در دہن یا دُرِّ دنداں	نگارگ و سوسن اندر غنچہ پنہاں
لبش از شہد و از شکر سرشتہ	ذباب شکر و شہدش فرشتہ
بت خورشید عالمتاب دلخواہ	چو خورشید یکہ آمد رہزن ماہ
دہانش پستۂ خنداں شکستہ	صدف را گوہر دندان شکستہ
لبش جان خضر را آب دادہ	رخش خورشید و مہ را تاب دادہ
بگیسو کافر و از رخ مسلماں	بہ نرگس خون خورد و زلب دہد جان

. . . .

دو زلفش تا میانش پیچ در پیچ | دہانش چوں میانش ہیچ در ہیچ
بشوخی غمزہ را خونخوار کردہ | جہاں از غمزہ در خوں غوار کردہ
گلش را جعد سنبل بر کرانہ | جہش را چاہ بابل در میانہ
بزیر ابروئی او چشم پر خواب | دو ہندو سر نہادہ زیر محراب

بادشاہ کو شاہزادہ کے فرط عشق اور غم و اندوہ کی اطلاع ہوتی ہے لیکن شاہزادہ دریافت کرنے پر اپنا راز محبت افشا کرنے سے گریز کرتا ہے۔ بادشاہ اس بلائے بے درماں کی چارہ جوئی کے لئے اپنے وزیر کے ساتھ مشورہ کرتا ہے۔ وزیر اسے درویش موصوف کی خدمت میں حاضر ہونے کی تدبیر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ۔ وزیر اور شاہزادہ درویش کے پاس جاتے ہیں۔ درویش طول طویل غور و فکر کے بعد شاہزادہ کو شاہزادی مہر و ماہ کے باپ بہرام کا نام اور اس کے مستقر سلطنت مینا کا پتہ دیتا ہے۔ وزیر شاہزادہ کے لئے اپنے بیٹے عطارد کی وفاشعاری اور جاں نثاری کی دعا مانگتا ہے۔ درویش وزیر کو یقین دلاتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہوگی۔

بادشاہ ایک نقاش بلواتا ہے جو درویش کے بیانات کے مطابق مہر کی تصویر تیار کرتا ہے۔ لیکن تصویر مکمل ہونے پر شاہزادہ دوئی کے اندیشہ سے تصویر پھاڑ دیتا ہے۔

ماہ، عطارد اور شاہی لشکر تلاش مہر میں وطن کو خیرباد کہتے ہیں۔ اور آخرکار ساحل سمندر پر پہنچتے ہیں۔ کشتیوں میں بیٹھ کر منزل مقصود کو روانہ ہوتے ہیں۔ لیکن دفعتاً ایک قیامت کا طوفان نمودار ہوتا ہے۔ کشتیاں تتر بتر ہو جاتی ہیں۔ شاہزادہ اکیلا رہ جاتا ہے۔ اسکی کشتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ شکستہ کشتی کے ایک ٹکڑہ سے چمٹ جاتا ہے جو طوفان تھمنے کے بعد ساحل

پر جا لگتا ہے،

سمندر سے نکل کر ماہ خشکی کا راستہ لیتا ہے۔ اور چلتے چلتے کوہ قاف میں جا نکلتا ہے۔ وہاں ایک مجذوب سے ملاقات ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد موسلا دھار بارش آتی ہے۔ ماہ بارش کے سیلاب میں بہ جاتا ہے۔

ادھر وزیر زادہ عطارد طوفان کی مہلک تکالیف سے جانبر ہو کر ایک ہولناک دشت میں وارد ہوتا ہے۔ چلتے چلتے ایک قلعہ دکھائی دیتا ہے۔ جس کا نام طربلوس ہے۔ اس قلعہ میں ایک دیو رہتا ہے۔ جس کے کو اُف سنکر عطارد دہل جاتا ہے

اسی اثنا میں عطارد کو شہزادہ کی آمد کی بشارت ہوتی ہے۔ ماہ طربلوس میں وارد ہوتا ہے اور ایک ہجرورانہ کے بعد برسوں کے بچھڑے ہوئے دوست بغلگیر ہوتے ہیں،

طربلوس کا مالک اہرمن ماہ اور عطارد کے ہاتھوں مارا جاتا ہے اور طربلوس میں ماہ کا سکّہ رائج ہو جاتا ہے،

بہرام کو ماہ کی شجاعت اور مردانگی کا علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے وزیر سعد اکبر کو اس مرد دیو افگن کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کرتا ہے۔ سعد اکبر طربلوس میں پہنچتا ہے۔ شاہزادہ کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے جس سے وہ بہت متاثر ہوتا ہے۔

سعد اکبر مینا کی جانب واپس لوٹتا ہے۔ بادشاہ کے یہاں حاضر ہو کر اپنے مشاہدات بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد شاہزادی کے پاس جاتا ہے اور اسے شہزادہ ماہ کی رعنائی اور مردانگی کی داستان سناتا ہے،

مہر شاہزادہ پر عاشق ہو جاتی ہے اور اپنا راز محبت سعد اکبر کو بتاتی ہے۔ سعد اکبر شاہزادی کی عشق و محبت کی اطلاع اپنے خادم شہاب کی وساطت

سے ماہ تک پہنچا تا ہے '

ماہ اور عطارد شہزادی کی ملاقات کے لئے ایک مخصوص باغ میں جاتے ہیں

شہزادہ اور شہزادی کی ملاقات ہوتی ہے '

ماہ :-

نمی دانی کہ من ماہم و توئی مہر — مرا روشن نگردد بے رخت چہر

چو ذرہ مہرے از خورشید یابد — شود سرگشتہ سوی او شتابد

منم ذرہ توئی مہر جہانتاب — ز مہر خود دل ایں ذرہ دریاب

دلم از محنت غمہائے ماضی — بہ پیشت عرض دادن نیست راضی

در ایام وفا ذکر جفا را — نمودن روی می پوشد وفا را

بدطینت کیوان غمازی کرتا ہے اور بہرام شاہ کو شاہزادہ اور شاہزادی کے عشق و محبت کی معرکہ آرائیوں کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ مواخذہ کے لئے سعد اکبر کو طلب کرتا ہے۔ شاہزادہ اور عطارد جان بچا کر اپنے دارالسلطنت طرابلس پہنچتے ہیں '

اسی اثنا میں اسد شاہِ روم شاہزادی مہر کے شہرۂ آفاق حسن سے آگاہ ہو کر بہرام شاہ سے لڑکی کا رشتہ طلب کرتا ہے اور اسے دھمکاتا ہے کہ اگر معاملہ اسکے حسب منشا نہ ہوا تو نتائج برے ہونگے '

بہرام شاہ اسد کی تعمیل حکم کے لئے رضامند نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ اسکا مقابلہ کرنے کے لئے ماہ سے مدد چاہتا ہے۔ ماہ بخوشی بہرام کی مدد کرتا ہے۔ حریف میدان کارزار میں شکست فاش کھا کر ماہ کے ہاتھوں گرفتار ہوتا ہے اور داغ غلامی قبول کرنے پر اسکی جان بخشی ہوتی ہے '

اسکے بعد مہر و ماہ کی شادی منائی جاتی ہے۔ اور وہ بادشاہ کی اجازت

ہے مہرکو طرابلوس لے جاتا ہے '

فصل بہار میں جشن نوروزی منایا جاتا ہے جس میں عیش و عشرت کے تمام سامان مہیا کیٔے جاتے ہیں۔ مگر خضر شاہزادہ کو باپ کی وفات کی خبر سنا کر راگ رنگ کو منغص کر دیتا ہے '

شاہزادہ کو والد کی وفات کی خبر سے اسقدر رنج ہوتا ہے کہ وہ بیہوش ہو جاتا ہے اور اس روح فرسا صدمہ سے جانبر نہیں ہو سکتا '

ماہ کے فوت ہونے کے بعد عطارد اسکی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرتا ہے اور وہ وہیں صحن باغ میں دفن ہو جاتا ہے '

مہر شاہزادہ کی موت کے صدمہ کی تاب نہیں لا سکتی۔ زار و قطار روتی ہے۔ یہاں تک کہ اسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ ماہ کی قبر شق ہوتی ہے اور مہر کے لاشہ کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے '

پری چوں تربت دلدار خود دید	بصد زاری زبان بکشاد و نالید
کہ در خاک ای قمر رخسار چونی	تو ماہی درمیان غار چونی
بری از بار گل آزردہ گشتی	تنی کز پیرہن افسردہ گشتی
کنوں در زیر چندیں بار چونست	نمیدانم دریں آزار چونست
عذار نازکت کان بود چوں مشک	شدی از سایۂ زلف تو مجروح
چہ سانست این زماں افتادہ در گل	ز جور آسماں مجروح چوں دل

. . . .

بیک معدن دو گوہر گشت پنہان — یکے بود آں دو تن را جوہر جان

چو بود آن ہر دو تن را جان ز یکتو

دل ایشاں شد از دال دوئی دور

مہر و ماہ کی وفات کے بعد ان کے رفقا کی نظروں میں یہ جہان ناپائیدار بے وقعت ہو جاتا ہے - وہ بچھڑے ہوئے مخدومین سے ملنے کے لئے بیتاب ہیں - چنانچہ وہ موت کو حیات مستعار پر ترجیح دیتے ہیں اور عالم بے ثبات کو خوشی خوشی خیرباد کہتے ہیں

گذشتند از جہان یاران یکدل / بفردوس برین کردند منزل
ہمیں ہم راست گوئی اندرین دیر / یکی ساکن یکی در سرعت سیر
یکی زین خانہ بیرون می نہد پای / بیاید دیگری در وی کند جای
درین خانہ قراری نیست کس را / کہ این شکر ہمی راند مگس را

(۸) خاتمہ کتاب

درایا بیکہ گشت این نامہ بنیاد / کہ بنیادش چو بنیاد ابد باد
بجان بودم ز دشت غربت سخت / کشیدہ در طریق بیدلی رخت
گہی با دام و دد دمساز گشتہ / گہی با خار و خس ہمراز گشتہ
درازی شب و درد و غم و راہ / نہ دامن مرادم دست کوتاہ
توکل را رفیق خویش کردہ / غم و درد و بلا در پیش کردہ
جدا از خلق و دل را داشتہ پاس / لہ طوبی لمن لا یعرف الناس
نہ ہمدردیکہ رازش میتوان گفت / غم راہ درازش می توان گفت
گہی در روم و گاہی جانب شام / ندادہ خویش را یک لحظہ آرام
بہر وادی رواں تنہا و بیکس / گہ از مصر و گہ از بیت المقدس
سرشک آسا دوان از سوز سینہ / گہی در مکہ گاہے در مدینہ
چو زلف دلبران خاطر پریشاں / ضعیف و ناتواں چون چشم ایشان

مثنوی مہر و ماہ کی ادبی حیثیت :

جمالی اپنے آپ کو مثنوی نویسی کے میدان کا شہسوار تصور کرتا ہے ۔
چنانچہ وہ اپنے آپ کو نظامی کا ہم پایہ بتاتا ہے :

چو نظم لولوی من با نظام است   نظامی وار مقبول تمام است
مرا از طعنہ حاسد غمی نیست   کہ نظمم از نظامی ہیچ کم نیست

اس میں شک نہیں کہ جمالی نے امیر خسرو اور آسمان ادب کے دیگر درخشندہ ستاروں کے برعکس حضرت نظامی کے استعمال کردہ افسانوں پر اپنی مثنوی کی داغ بیل ڈالنے سے اجتناب کیا ہے اور اپنی جولانی طبع کے لئے ایک نیا میدان تلاش کیا ہے ۔ لیکن زور بیان نظامی ہی کا حصہ ہے اور یہ جمالی کے ہاں کہاں' بندش کی چستی اور تراکیب کی شگفتگی جمالی کے ہاں کم مگر تکرار زیادہ ہے ' وہ ایک بات بیان کرتا ہے اور دو چار اشعار کے بعد اسے دوبارہ دہراتا ہے ۔ مثلاً ایک جگہ مہر کے ہونٹوں کی تعریف میں لکھا ہے :

لبش از شہد و از شکر سرشتہ   ز باب شکر و شہدش فرشتہ

اس کے بعد کے شعروں میں اسکے جسم کی تابندگی اور دہان کی خوبیوں کی تعریف کرتے ہوئے تیسرے شعر میں پھر اسکے لب ' جان بخش ' کی کے فیض اور آب تاب کو خضر پرور اور مہر و ماہ آرا لکھا ہے '

لبش جان خضر را آب داده   رخش خورشید و مہ را تاب داده

خط و خطاطان

اورینٹل کالج میگزین میں جو محققانہ مضمون خط اور خطاطان کے عنوان سے شائع ہوا ہے اسکے سلسلے میں یہ سطریں امید ہے کہ شوق سے پڑھی جائینگی۔

مسلمانوں نے وقائع نگاری کی جو خدمت کی وہ تنوع کے اعتبار سے بھی ممتاز ہے۔ ایک سلسلہ معاصرین کے تذکرے کا ہے۔ اسی سلسلے میں امیر علی شیر نوائی کی مجالس النفائس کا تکملہ شعرا کی حد تک صفوی شہزادے سام میرزا نے تحفۂ سامی تالیف کرکے کیا تھا۔ عام مشاہیر اور اہل کمال کی تکمیل بہاء الدین حسین نے تذکرۂ احباب لکھ کر کی۔ ابوالغازی عبداللہ بہادر خاں[1] کے عہد میں یہ کتاب سنہ [illegible]ھ میں تالیف ہوئی۔ نام تاریخی ہے۔ اس تذکرے میں جن خطاطوں کا تذکرہ ہے انکا اقتباس مضمون بالا کے تکملے کے طور پر کیا جاتا ہے بمعہ سات خطاطوں کا حال لکھا ہے۔

(اول) شیخ بایزید پورانی۔ خراسان کے بزرگان معتبرین سے تھے اہل ہرات کو ان کے اجداد سے اعتقاد و تعظیم تھا۔ شیخ کے فضائل میں ممتاز وصف خوشنویسی ہے۔ بعض ضرورتوں کی وجہ سے سندھ چلے گئے۔ وہاں انکی بہت قدر ہوئی '

---

[1] عبداللہ خاں بن اسکندر اوزبک ۹۶۴ میں والی بخارا ہوا۔ اور سنہ ۹۹۱ھ میں اپنے باپ کے انتقال کے بعد سارے ماوراء النہر پر حکومت کرنے لگا۔ اسکی تاریخ وفات سنہ ۱۰۰۶ھ ہے۔ (اڈیٹر)

عزت و دولت دونوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔ شعر بھی کہتے تھے۔ نمونۂ کلام

ے نہ آں خشت ست برہم قبرہائے دردمنداں را
قضا بر یکدگر برچیدہ دفترہای ہجران را

از رہ دیرم بمسجد زاہدے ناگاہ برد
من نمی رفتم بدانجا او مرا از راہ برد

(از راہ برد کا لطف قابل داد ہے)

(دوم) حافظ سلطان اوبہی - مشہور فاضلوں میں سے تھے۔ پانچ واسطے سے انکی سند مصافحہ حضرت سرورِ عالم تک پہنچتی تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ انکے مصافحے سے اور اسکی سند سے مشرف ہوئے۔ میرے حال پر خاص توجہ تھی۔ سندِ مصافحہ سے میں بھی شرف یاب ہوا۔ نزع کی حالت میں حاضر ہوا تو دستِ خاص کا لکھا ہوا رسالۂ مصافحہ مجھ کو عنایت کیا[1]۔ اکثر خطوط را نیکومی نوشت"۔ خطاطوں کے بادشاہ سلطان علی مشہدی پر تعریض کرتے تھے۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک شعر میں نظم کیا ہے ے

گرچہ آں سلطان علی از مشہدست
لیک ایں سلطان علی از اوبہ ست

(اپنے وطن اوبہ کے مناسبت سے مضمون پیدا کیا ہے)

شیبانی خاں نے آیہ فسیکفیکہم اللہ جلی لکھی تھی۔ اوبہی نے اس کی تعریف میں کہا ے

---

[1] کاش مولف وہ سند نقل کر دیتے۔ امتدادِ زمانہ کے لحاظ سے صرف پانچ واسطوں کا ہونا تعجب انگیز ہے (شروانی)

اے خان جہانگیر کہ از لطف الہی | بر مسند اقبال توئی خسرو جم جاہ
تا لوح و قلم ہست کسی در ہمہ عالم | ننوشت بخوبی چو خط خوب تو دلخواہ
خوبی خطت[1] را دو گواہی بعدالت | کافی ست و و کاف فسیکفیکہم اللہ

یہ رباعی بہت لطیف کہی ہے ؎

لعلیست لبت کہ بہ ز یاقوت ترست
درجیست دہانت کہ لبالب گہرست
بر ماہ جہت نہ یک ہلال ابروست
ہر موئے ز ابروت ہلال دگرست

خواجۂ احرار ان سے فرمایا کرتے تھے ع

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

(سوم) مولینا کمال الدین ابوالخیر - جامع فروع و اصول حاوی معقول و منقول - ان سے اکثر بادشاہ پورے احترام سے ملاقات کرتے تھے - خصوصاً شاہ سلطان - سلطان ممدوح ملا کی طب کا بہت قائل تھا - ایک روز مجھے کہا کہ میرا اعتقاد ان کی طب پر یہ ہے کہ اسباب و علامات دیکھ کر وہ یہ بتا دیتے ہیں کہ میں کب بیمار ہو جاؤں گا اور کب اچھا -

ملا بہت لطیف و نازک طبع تھے - ظرافت میں کوئی نکتہ ان سے نہ چھوٹتا مجلس میں بیقاعدگی پر اس خوبی سے ٹوکتے کہ سارے حاضرین شگفتہ ہو جاتے - جب ہلالی اپنی مثنوی شاہ و گدا لکھ رہا تھا تو ملا کو لا کر سناتا - کبھی ایسا ہوتا کہ ملا بسبیل بداہتہ شعر کہہ دیتے اور ہلالی انکو مثنوی میں شامل کر لیتا - چنانچہ یہ دو شعر منجملہ انکے ہیں ؎

سرو قدیکہ چون قدم می زد | ہر قدم عالمے بہم می زد

۱۲۷۵۸

[1] اصل: بر خوبی خطت

شوخ چشمے کہ تا نگہ می کرد　خانۂ مردمان سیہ می کرد

"خط نسخ تعلیق بسیار نیکو می نوشت" انشا بھی خوب لکھتے تھے۔ "اشعار خوب وقصائد مرغوب" ان سے یادگار ہیں'

(چہارم) مولینا سروری حافظ شیرازی کے بیٹے[1]۔ عبید اللہ خان کے واقعہ نویس تھے۔ اپنی خدمت فی الواقع خوبی سے انجام دیتے تھے۔ اخلاق عمدہ اوصاف دلکش تھے۔ یہ مطلع انکا ہے ؎

در فصل خزاں گرچہ ز گل نام و نشاں نیست
خوش رنگی اوراق خزاں ہم کم از ان نیست

(اس شعر کو پڑھ کر مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کے سفرنامۂ پغمان کا یہ فقرہ یاد آگیا" جس کی خزاں یہ ہے اسکی بہار کیا ہوگی" شبروانی)

(پنجم) خواجہ حسین - خواجہ میر دوست کے فرزند - بخارا میں تحصیل علم کی - خط نسخ و تعلیق خوب لکھتے ہیں - فنون شعر میں ماہر ہیں - ہندوستان چلے گئے - وہاں بادشاہ نے قدر کی - مرتبہ بلند پایا - منصب صدارت پر فائز ہوئے - یہ شعر نقش نگین تھا ؎

شد از التفات شہنشاہ عادل　حسین بن منصور صدر افاضل

بادشاہ کی وفات کے بعد کعبہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوئے پھر ہندوستان واپس گئے - طبیعت خوب موزون تھی - ایک غزل بطور نمونہ نقل کی ہے - آخر شعر یہ ہے ؎

---

[1] بظاہر 'بیٹے' سے مراد یہ ہے کہ سروری حافظ شیرازیؒ (م ۷۹۱) کی اولاد سے تھے - ورنہ عبید اللہ خان اوزبک (۹۳۹ تا ۹۴۶) کے عہد میں کسی ایسے شخص کا واقعہ نویس ہونا جو ۷۹۱ سے پہلے پیدا ہوا ہو محال ہے (اڈیٹر)

تا بود روئے زمین آرام گاہِ نیک و بد
دور بادا چشمِ بد از عارضِ نیکوئے تو

(۶) میر علی کاتب - سیادت میں مشہور ہیں - بسیار کاتب خوشنویس بود " مولینا سلطان علی پر انکے خط کو لوگ ترجیح دیتے ہیں - مگر خود انکا مقولہ تھا کہ جو لطافت مولینا کے خط میں ہے میرے خط میں نہیں - نظم میں اظہار مضمر خوب کرتے تھے (نمونہ بھی دیا ہے)

میرزا بیگ نے خواب میں میر علی کاتب سے تاریخ وفات ان کی پوچھی - جواب میں کہا " میر علی فوت نمودہ " میرزا بیگ نے یوں نظم کر دی ؎

آن بحرِ فضائل سرِ ارباب ہنر را | در واقعہ دیدیم با طوار ستودہ
گفتیم کہ تاریخ وفاتِ تو چہ گوئیم | گفتا کہ بگو " میر علی فوت نمودہ "
۹۵۱ھ

ستر برس کے قریب عمر پائی - فتح آباد میں حضرت شیخ العالم کے جوار میں مدفون ہوئے -

(ھفتم) مولنا عبدی - " نویسندۂ راست قلم بود " راست بازانہ زندگی بسر کی - طبیعت خوب موزون تھی - ایک مکان بنایا تھا - اسکی تاریخ کہی جس میں نام بھی ہے ؎

صاحبش این خانہ را تاریخ و نام
بیت الاحزانِ فقیران کردہ است
۹۵۱

(انتہی خلاصۂ مذکر احباب)

۱؎ میر علی کاتب کے قلم کا لکھا ہوا مثنوی گوئے چوگان عارفی کا ایک نسخہ میرے یہاں ہے - بمقام ہرات ۹۴۰ھ میں لکھا گیا تھا - فتح گولکنڈہ کے وقت عالمگیری مال غنیمت میں داخل ہوا - شاہی تحویلدار کتابخانہ نے لکھا ہے " بخط ایام کمال " اندازاً " پینتالیس برس کی عمر کی لکھی ہوئی ہے " ۱۲ شیروانی '

آخر میں تذکرہ احباب کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر غالباً بے موقع نہ ہوگا۔ قیام حیدرآباد کے زمانے میں ایک صاحب سے (جو خوشنویسوں اور اقسام خط پر کتاب لکھ رہے تھے) دورانِ ملاقات میں خطاطین کے حالات کی تفسیر کی تو میں نے تذکرہ احباب کا حوالہ دیا۔ رخصت پر وہ صاحب ہندوستان آ رہے تھے۔ اس سلسلے میں حبیب گنج آنے اور کتاب دیکھنے کا خیال ظاہر کیا چنانچہ یہاں آئے۔ واپسی پر حیدرآباد میں ملے تو تذکرہ احباب کے نسخے کا ذکر کر کے جو حلیہ اور صفت بیان کی وہ اس سے بالکل مختلف تھے جو میرے علم میں تھی۔ مجھ کو تعجب تھا کہ کیا دیکھ آئے۔ جب میں یہاں آیا اور مہتمم کتاب خانہ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ صاحب موصوف کے یہاں آنے سے پہلے ایک عنایت فرما تذکرہ احباب کا ایک نادر مکمل نسخہ ہدیۃً داخل کتاب خانہ کر کے چلے گئے تھے۔ میرا پہلا نسخہ ناقص بھی تھا۔ اور اگرچہ خوشخط تھا تاہم نادر نہ تھا۔ دوسرا نسخہ خط۔ کاغذ اور نقاشی و طلاکاری اور قدامت کے لحاظ سے نوادر میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ یہ واقعہ کشش شوق کی دلکش مثال ہو سکتا ہے'

ضمیمہ

اپنے زمانے کے مشہور ادیب قاضی صادق محمد خاں اختر نے بطور کشکول ایک کتاب محامد حیدریہ[1] لکھی ہے۔ مولف کا بیان ہے کہ یہ نام غازی الدین حیدر

---

[1] پیش نظر نسخہ شاہی مطبع لکھنؤ کے ٹائپ میں چھپا ہوا ہے۔ سال طبع ۱۲۳۵ھ ہے۔ بڑے بڑے مشاہیر عصر کی تقریظوں سے مزین ہے۔ مثلاً شیخ احمد شروانی یمنی صاحب نفحۃ الیمن اور مولوی اوحد الدین بلگرامی صاحب منتہی الارب (شیروانی)'

بادشاہ اول نے تجویز کیا تھا۔ اصل موضوع کتاب تو لوازمہ درباری مداحی ہے تاہم ادبی و تاریخی ذوق بھی نمایاں ہے۔ ایک باب خطاطین کے حال میں بھی ہے۔ سابق مفہوم پر حسب ذیل اضافہ باب مذکور سے کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کے خطاطوں میں حافظ نور اللہ۔ حافظ محمد خورشید اور حافظ محمد ابراہیم تھے،

عمدۃ التجار حاجی محمد کربلائی کی رفاقت میں محمد نصیر الدین منشی، اور محمد بہار اللہ منشی تھے اور دونو خطاط تھے،

اس دور کے خطاطوں میں سرآمد و یگانہ غفران مآب حاجی محمد محسن تھے، شہر ہوگلی کے رؤساے عالی تبار سے تھے۔ چند سال ہوئے انتقال کیا۔ خط نسخ میں انکی فوقیت دانشوران ہندوستان کو مسلم ہے،

علاوہ خط کے اور صنایع میں بھی ممتاز تھے۔ رئیس ابن رئیس تھے۔ جود و سخاوت میں شہرۂ آفاق۔ اپنے پرگنہ کے تمام سالانہ محاصل جناب سید الشہدا رضؔ کی تعزیۃ داری اور فقرا اور گوشہ نشینوں کی خدمت میں صرف کر دیتے تھے۔ مرحوم کا نام آج بھی وقف تحسینہ اور ہوگلی کالج کے سلسلے میں مشہور ہے +

صدر یار جنگ

رسالۂ خط و سواد

از

مجنوں بن محمود الرفیقی

رسالۂ "خط و سواد" کا متن مندرجہ ذیل نسخوں پر مبنی ہے:

(۱) ب : برٹش میوزیم کا عکسی نسخہ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری
(۲) ع : محمد عبداللہ صاحب چغتائی کا نقل کردہ نسخہ
(۳) م : حافظ محمود خان صاحب شیرانی کا قلمی نسخہ
(۴) ش : پروفیسر محمد شفیع صاحب کا قلمی نسخہ

مندرجہ بالا نسخوں میں سے کسی کا سن کتابت نہیں دیا۔ ب و ع قیاساً ایک ہی نسخہ کی نقل ہیں۔ م و ش میں اختلافات بہت کم ہیں۔ اس لئے یہ بھی ایک ہی نسخہ کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔

تمام نسخوں کا متن ناقص ہے۔ اس لئے بعض موقعوں پر قیاس سے کام لیا گیا ہے اور قیاسات کو قلابتین کے درمیان محدود کیا گیا ہے۔

عربی عبارات کو خطوط فوقانی سے ظاہر کیا گیا ہے۔

مصنف رسالہ کے حالات اورینٹل کالج میگزین بابت اگست سنہ ۱۹۳۴ء میں بوضاحت دئے جا چکے ہیں۔ اس لئے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ورق ۹) حمد و سپاس استادیرا که کاتب لوح و قلم بیچون و حافظ نٓ وَالقلم وَ ما یسطرون است - خوشنویسی که سرخط نوخطان قلم[1] و کلک صنعتش اوّل ما خلق اللہ القلم است و معلمی که سبق سواد خوانان مکتب خانه علمش علّم بالقلم[2] علّم الانسان مالم یعلم **نظم**

استاد ازل کین خط مشکین رقم اوست

یارب چه رقمهای عجب در قلم اوست

(ورق ۱۹) [سر؟ ورق ۱۹ ب] القلمی که چون در ازل قلم[3] بر لوح نهاد حالات ابدرا بطرفة العینی بدو حرف کاف و نون بر صحیفه[4] هستی شرح داد که جف القلم بما هو کائن الی یوم الدین خطاطی که ورق گلگون گونه[5] لیلی صفتانرا[6] بخط و سواد خال و خط مخلل [مخیّل ؟] و مخطط ساخت و مجنون وشان سودائی نامه سیاه را بعشق آن سواد در خط انداخت **قطعه**

صفحه روی بتان از خال و خط کاتب لوح و قلم زیبا نهاد

چشم صاد و زلف دال و قد الف طره لامست و دهان میم مراد

کلک استاد ازل زین پنج حرف صد الم بر روی جان ما نهاد

طرفه دستیکه اگر[7] کرام الکاتبین بدستیاری و امداد سپهر بو قلمون تا قیامت بکتابت

---

[1] م و ش: که در کلک صنعتش، ش: خطاطان قلم . . . خ - [2] م و ش 'علم بالقلم' ندارد

[3] ب و ع: 'قلم' ندارد [4] م و ش: صفحه [5] م و ش 'گونه' ندارد.

[6] ب: صفات [7] م و ش 'اگر' ندارد

مصحف جمالش خواهند پرداخت محقق است که ثلثی از توقیع کمالش در نامه و رقاع درج نتوان ساخت ـ نص که قل[۱] لو کان البحر مدادا [ورق ۱۹ ب] (ق ۲۰ الف) لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثله مددا

گر دریاها مداد گردد صد بار ور خامه شود شاخ درختان بهار
کاغذ شود اوراق سپهر زنگار نتوان صفتش[۲] یکی نوشتن ز هزار

جل[۳] جناب جلاله

و درود بیقیاس عالمی را که مبتدیان انسان را بتعلیم خط نصف علم داد که الخط نصف العلم و فرزندان بزرگوار ایشان را[۴] بدست خط تاج کرامت بر سر نهاد که اکرموا اولادکم بالکتابة ـ خطاب خطیبه خطیب[۵] خطه خطائی بر نام اوست و رقم کتاب[۶] کنایت مرقوم خط و پیغام او ـ امی یعنی که اگرچه هرگز[۷] دستش قلم بر کاغذ ننهاد بدستیاری استاد ازل او را نسخ و تعلیق[۸] کتب سماوی دست[۹] شد:

شد غبار[۱۰] خط قرآنش[۱۱] ز نور ناسخ توریت و انجیل و زبور

صلوات الله علیه و آله و اصحابه خصوصاً آن قلمور قلمرو دوستی[۱۲] [درستی] و آن مدبر دبیرستان خدا پرستی، قلمزنی که درماندگان بی روزی را به تعلیم حسن خط مفتاح گنجینهٔ رزق بدست داد که علیکم[۱۳] بحسن (ق ۲۰ ب) الخط فانه من مفاتیح الرزق * نظم

چو حسن خط اندر سر انگشت تست کلید در رزق در مشت تست

---

[۱] م و ش "قل" ندارد [۲] ب و ع: صفت [۳] ب و ع "جل جناب جلاله" ندارد [۴] م و ش: انسان را [۵] م و ش: خطب [۶] م و ش: کتابت [۷] ب و ع "هرگز" ندارد [۸] م و ش "و تعلیق" ندارد [۹] م و ش و ع: داد [۱۰] م و ش: ضیائی [۱۱] م و ش: قرآنش [۱۲] م و ش: متقی [۱۳] م و ش ** ندارد [۱۴] م و ش "کرم" ندارد

بلکہ ہمان کلید در خزینہ[1] بہشت بر روے ایشان[2] کشادہ کہ[3] من کتب بسم اللہ
الرحمن الرحیم بحسن الخط دخل الجنۃ بغیر حساب

ہر کہ بلہ نام تو نیکو نوشت   نکوئی نوشتہ است ویرا[4] بہشت

اما بعد بر خاطر خطیر[5] خطاطان خطہ خط کہ مرأت جلیست مخفی نباشد کہ بہترین
فضیلے در فضل نیز نوع انسان از جنس حیوان تواند بود یکے فضیلت نطق است
ویکے قابلیت کتابت کہ ماخذ[6] ہر دو زبان است یکے زبان فم و دیگرے زبان
قلم اول ذاتی و دوم کسبی و چون حدیث اکرموا اولادکم بالکتابۃ
بحقیقت امر ادا شدہ پس بر ہمہ کس واجب است کہ[7] فرزندان را تا آنکہ بر ایشان
تمام تکلیف نیست بگرفتن قلم تکلیف کنند و ایشان[8] را صید این علم
آرزو بسلسلہ خط قید سازند کہ العلم صید و الکتابۃ قید - اما باید کہ بہ[9]   (ورق ۱۲۱ ا)
الخط ما یقرء قانع نشوند و دران کوشند کہ حسن خط بدست آید[10] چنانکہ بیت ے

خط[11] چنان بہ قلم رانندہ   کہ بیاساید ازو خوانندہ

چہ بر حسن خط دو فائدہ مرتب[12] است یکی در دنیا و یکی در آخرت، در دنیا
بدست آوردن کلید رزق و در آخرۃ در آمدن بہشت چنانکہ[13] قلمی شدہ
نقل است از حکما کہ دیدن خط خوب چشم را روشن سازد چنان کہ گفتہ اند

---

[1] م و ش. خزانہ   [2] م و ش: شان   [3] ب کہ ندارد   [4] ب: براہ
[5] ب خطیر ندارد   [6] م و ش: کہ ماخذ ندارد   [7] م کہ ندارد   [8] م و ش: انسان
[9] م و ش 'بہ' ندارد   [10] م و ش: آرند
[11] ب. خط چنان بہ قلم رانند کہ بیاسایند ازو خوانند   م و ش: بقلم رانندہ کہ بیاساید ازو خوانندہ
[12] م و ش. میہرید   [13] ب 'چنانکہ قلمی شدہ' ندارد -

شعر نور چشم آدمی روشن[1] شود از هشت چیز
گر میسر گرددت[2] در وی نظر کن هر زمان
در زر و در مصحف و شیخ کبار و شاه عصر
خط خوب و روی خوب و سبزه و آب روان

چون کاتب[3] منسوب[4] حقیقی مجنون بن محمود الرفیقی اصلح الله شانه ابداً[5] بمقتضی الولد الحر یقلد بابا به[6] الحر از اوان طفولیت تا زمان کهولیت در تحصیل علم (ورق ۱۲ ب) خط و تکمیل اعداد شنافت[7] و سعادت خدمت استادان ماهر و خطاطان نادر دریافت، از هر خرمنے خوشه و از هر انجمنے توشه بر میداشت اما چون از نقصان قابلیت دران صنعت لطیف کامل نشد[8] و ازان علم شریف مقصود وش حاصل نگشت و ازان ممدرسے نکشود[9]* وو در پناه (؟) اختراع مزید خطوط ابداع نمود که ازان جمله است توامان قد اخترعته اختراعاً خطاً غریباً مرکباً من المعکوس و غیر المعکوس مشکلا بشکل الانسان وغیره وسمیته بالتوامان تقسمه (فقسمته ؟) صورتین متشابهتین المتقابلتین (متشابهتین متقابلتین) برین صورت [صورت ندارد]

بیت

توامان مخترع مجنون است کز قلم چهره کشائیها کرد
[تا شدم مخترع صورتکش خطکم صورتکی پیدا کرد][10]

---

[1] ب و ع : افزون [2] م ب : میشود [3] م و ش 'کاتب' ندارد [4] م و ش : منسوب
[5] م و ش 'ابداً' ندارد [6] م و ش ندارد۔
[7] م و ش : شتافت [8] م و ش 'کامل نشد' ندارد
[10] ب و ع ** ندارد و از ش بیت دوم افتاده است برای این ابیات رجوع کنید به اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۲ء ص۱۰

وقبل ازین در قواعد خطوط[1] نسخ و رسم الخط نظم کرده بود و ما یحتاج آنرا بنوعیکه از استادان شنیده بود بنظم در آورده ، اگرچه میل طبع موزون بنظم بیشتر است اما مبتدی را دریافتن سخن نثر از نظم بیشتر[2]* بنابران در نثر نیز بهمان طریق ورقی چند ساخته شد و سطری چند در قواعد نسخ و تعلیق که هیچ یکے از استادان پیرامن آن نه گشته اند پرداخته آمد تا طالبان صورت[3] خطی را خطی باشد و چون مبتدیان را از سواد[4] الخطش هم خط و هم سواد حاصل بود تام این نسخه خط و سواد مناسب نمود والاعانة من الله الودود

و ترتیب آن بر شش باب اتفاق افتاد :

باب اول - در بیان خطوط[5] و سطح و دور و وجه تسمیه هریک

باب دوم[6] - در ذکر استادان و مخترعان و بیان مرتبه ایشان

باب سیوم - در بیان آداب کتابت

باب چهارم - در بیان قواعد خط

باب پنجم - در شکل هریک از حروف و وجه تسمیه به شکل باسم مخصوص

باب ششم[7] - در حسن خط و اتصال حروف و مداد*

باب اول[8] در بیان خطوط و سطح و دور و دوره و وجه تسمیه هریک

از آن بدانکه در قدیم الایام خط معقلی[9] بوده و منبع آن سطح است و هیچ دور نیست و بهترین خط معقلی آن است که سواد و هم بیاض را توان خواند ، و را معقلی برای آن خوانند که محل تعقل است [ا] برین شکل [شکل ندارد]

---

[1] م و ش : خط [2] ب ** ندارد [3] ب : او اصول خطی حاصل باشد [4] ب : سواد آن خط [5] ب ا : خط [6] ب ** ندارد [7] م و ش : ** ندارد [8] ب : معلّی [9] ب : معقلی

بعدازان خط کوفی را وضع کردند۔ درین خط دانگی[1] دور است و باقی سطح،
او را کوفی برای آن گویند که در کوفه پیدا شده برین صورت [صورت ندارد]
و[2] بهترین کسی که این خط نوشت شاه مردانست   و بهترین خط[3] خط
ایشان است، نقل آن کردن و مثل آن نوشتن امکان بشر نیست و بدان
معجزه بجز عجز[4] چاره دیگری نی،

۲۲ب

بنابران ابن مقله علیه الرحمة قلمی دیگر اختراع نموده[5] [و] او را ثلث نام نهاد؛
زیرا که ثلث او دور بود و بنای آن[6] بر نقطه کرده استخراج[7] یعنی بمیزان نقطه
برای هر حرفی مقداری مقرر ساخت،
و از ثلث پنج قلم دیگر استخراج نمود برین طریق که یک نقطه برو افزود
وسطح[8] او را بیشتر کرد و او را محقق خواند[9] زیرا که خوانا تر است و یک نقطه ازو کم
ساخت و دور بیشتر داد، او را توقیع نام نهاد چه توقیعات بدان[10] مینوشتند[11]
برین نوع[12] بسم[13] الله الرحمن الرحیم و به نقتی *
و چون آن قلم را باریک کرد سه قلم دیگر شد۔ باریکی ثلث را نسخ گفت
که ناسخ خطهاست چه[14] اکثر کتابها[15] بآنست برین هیئات[16] الحمد لله[17] رب العالمین *
و باریکی[18] محقق را ریحان نام کرد[19] که رنگ و بوی محقق داشت برین منوال[20]

---

[1] م وش: یکی   [2] ب 'و' ندارد   [3] ب 'خط' ندارد
[4] م وش: بغیر عجیب   [5] م وش: کرده   [6] م 'آن' ندارد   [7] ع و م وش 'استخراج' ندارد
[8] ب 'وسطح او' ندارد   [9] م وش خوانند   [10] ع م وش: بآن   [11] م وش: نویسند:
[12] ب 'نوع' ندارد   [13] م وش ** ندارد، در اصل بخط مروج نوشته است نه بتوقیع، در همه نسخه
اشکال و صور موجود نیست نه درین موضع و نه در مواضع دیگر،   [14] م وش چه ندارد   [15] م وش کتابها
[16] م وش: سالک   [17] رگ به ح ه   [18] ب: باریک   [19] م وش: نهاد   [20] م وش: شکل،

و[1] الصلوٰة و السلام* و باریکی توقیع را رقاع نامیدند[2] که رقعها بداں می نوشتند[3] و[4] بدین شکل: الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین والسلام علی سید المرسلین* 　ورق ۲۲

بعد ازاں تعلیق پیدا شد که یک دانگ او[5] نیز سطح است و پنج دور و تعلیق برائے آں خوانند که تعلیق به نسخ تعلق[6] دارد و او را نامه نیز خوانند که نامه‌ها[7] بآں مے نویسند بدیں طور: محمد[8] و آله والمعصومین اجمعین*

پس ازاں نسخ و تعلیق پیدا شد[9] از ین[10] یک دانگ او نیز سطح است و پنج دور و او را نسخ و تعلیق* بداں سبب[11] گویند که از نسخ و تعلیق[12] گرفته اند[13] و بدیں دستور که مرقوم گشته

باب دوم در ذکر استادان مخترعان و بیان مرتبهٔ ایشان

بدانکه[14] قدوة[15] الاستاذین ابن مقله علیه الرحمة والرضوان[16] مخترع شش قلم است چنانچه مذکور شد و زبدة الکاتبین ابن[17] بواب علیه[18] المغفرة شاگرد ویست 　ورق ۲۲ ب
و قبلة الکتاب خواجه جمال[19] الدین یاقوت علیه الرحمة شاگرد ابن بواب است

---

[1] م و ش: * و* ندارد [2] م و ش: نام نهاد، ب: نامیدند [3] م و ش: نویسند [4] م و ش: * * ندارد، ع، و،
[5] م و ش: او نیز، ندارد [6] ب: تعلیق 　　والحمد... للمتقین ندارد [7] م و ش: مهمات
[8] م و ش: منوال [9] م و ش: * * ندارد [10] م و ش: * * ندارد، ع، م و ش: از ین ندارد [11] ب: ازاں
[12] ب: و تعلیق، ندارد [13] م و ش: و بدیں دستور که مرقوم گشته ندارد، ع: که مرقوم گشته، ندارد،
[14] م و ش: بدانکه، ندارد [15] ب و ع: قبله [16] م و ش: اولیں [17] م و ش: والرضوان، ندارد
[18] م و ش: ابن نوان که غلط است [19] م و ش: الرحمة والغفران [20] م و ش: کمال الدین که غلط است،

اما[1] به از هردو نوشته و اصول ابن مقله را نمود و صافتر ازو نوشت

نقل است که قلم ابن مقله و ابن بواب هردو جزم[2] بوده اما خواجه یاقوت

حضرت شاه مردانرا کرم[4] الله وجهه در خواب دید که فرمودند قلمرا[5] محرف قطزن[6]

چون چنان کرد خط او صافتر شد

و اینکه خط او بر خط ابن مقله ترجیح می نهند[7] نه از جهت اصول است بلکه از

حیثیت صفا است وگرنه در اصول هردو برابر اند

خواجه ارغون رضوان الله علیه شاگرد خواجه یاقوت است کاهی[8] چنان

تقلید او کرده که مردم فرق نکردند

ورق ۱۲۴ ب و خواجه عبدالله (ورق ۱۲۴ ب) صیرفی طیب الله مرقده صافتر از خواجه یاقوت

نوشت اما در اصول[9] باو نرسید

اما مولانا و استادنا و مخدومنا المسمی بعبدالله الهروی و المشتهر بطباخ[10]

طاب الله ثراه و جعل الجنة مثواه اصول[11] خواجه یاقوت را با صفای خط خواجه صیرفی

جمع کرده نسخ ایشانرا بسیارے از استادان بر نسخ خواجه یاقوت ترجیح کرده

اند

اما خط تعلیق را خواجه تاج[13] السلمانی علیه التحیة اختراع نموده هیچ مخترع

---

[1] م وش: بهترین هردو نوشته اصول ابن مقله را نموده صافتر ازو نوشته

[2] جزم، رجوع کنید به اورینٹل کالج میگزین بابت ماه اگست ۱۹۳۴ء صفحه ۱۷ [3] م ش: ولایت

[4] م وش 'کرم الله وجهه' ندارد ع: علیه السلام [5] ب: محرف کن و محرف قط بزن [6] م وش: کنند

[7] م وش: صافی ب: صفات [8] م وش: آن [9] م وش: اصل نکرد یا و ندارد

[10] م وش: اشتر [آشپز] [11] ش ** ندارد [12] م وش ** ندارد [13] م وش: تاج سلیمان

خط مخترع خود را به اندازه ننوشته و مولانا عبدالحی نور مرقده روشی دیگر نوشت و تا اکنون
مانند او پیدا نشده

و خواجه میر علی تبریزی[1] انار الله برهانه خط نسخ و تعلیق را اختراع نمود و
مولانا جعفر قدس سره به اندازه نوشته لیکن مولانا اظهر رضی الله عنه در برابر مولانا
جعفر حکم خواجه عبدالله صیرفی دارد[2] نسبت به خواجه یاقوت یعنی اگرچه صافتر از
مولانا جعفر در مشق[3] نوشته لیکن در اصول به او[4] نرسیده

اما حضرت مخدومنا و استادنا المشتهر بسلطان علی المشهدی* سلمه[5] الله
و ابقاه من الله علینا* بشرف بقائه و ابقاء[6] شرفه الی یوم الدین[7]
در برابر ایشان حکم مولانا عبدالله طباخ[8] نیز[9] دارد نسبت بخواجه یاقوت و
خواجه عبدالله صیرفی یعنی هم اصول مولانا جعفر را نموده و هم صافی مولانا اظهر
دارد

باب سیوم در بیان آداب کتابت

بدانکه چون حسن کتابت موقوفست بر کتابتخانه[10] و ادوات خوب[11] لاجرم
تعریف آنها[12] در[13] ضمن هفت فصل نوشته می شود :

فصل اول در کتابتخانه : بدانکه خانه کتابت را از چهار طرف دریها کشاده
باید اما کاغذ لیف[14] نهاده ، صباح در پیش جانب[15] شرقی نشیند[16] و نیم روز در جانب
جنوبی و آخر روز در طرف غربی اما تابستان هوای حوض خانه بهتر باشد ،

---

[1] ب "تبریزی" ندارد [2] م و ش "با او" ندارد [3] م و ش : علیه الرحمة
[4] م و ش ** ندارد [5] ب "الدین" ندارد [6] م و ش نیز ندارد [7] ب : داده [8] ب و ع
کتابخانه و ندارد [9] م و ش هر یک [10] م و ش حل خود در میان مشق [11] م و ش : لیق
[12] ب : جانب ندارد [13] م و ش ...

فصل دوم در شناختن سیاهی: بدانکه سیاهی[1] خوب آنست که سیاه و براق و روان[2] باشد (ورق ۱۲۵ ا) و اگر در آب افتد نوشته تغیر نکند و اجزای ضروری او چهار است چنانچه گفته اند

نظم

همسنگ دوده زاگ[3] است، همسنگ هر دو مازو[4] همسنگ هر سه صمغ[5] است آنگاه زور بازو

نوع دیگر - **فرد**

بستان دو درم دود چراغ بی نم صمغ عربی در و فگن چهار درم
مازو دو درم و نیم[6] درم ترکی زاک - از بهر مرکبش فرو سای بهم

اما اگر خواهی که سیاهی مطموس باشد کیفیت او آنست که اول دوده را بگیری در سفال آب نارسیده و روغن او را بستانی و طریق روغن گرفتن او آنست که دوده را در کاغذ کنی و آن کاغذ را در خمیر گیری و در تنور گرم بر سر خشت پخته نهی چندانکه خمیر[7] پخته شود - پس بیرون آری و در هاون رویین ریزی بعد ازاں صمغ عربی خوب که برنگ نبات نماید بے جرم و براق در ظرفی کنی و آب برو ریزی و آن مقدار بگذاری که بقوام[8] نبات آید، پس قدرے (ورق ۲۵ ب) ازاں صمغ حل کرده در هاون بر سر دوده ریزی و دوده را[9] بآن صمغ خمیر کنی و بسیار بکوبی، بعد ازاں مازو را بکوبی و مازوی خوب آنست که سبز و بے سوراخ باشد و ده چندان آب برو ریزی و بعد ازاں برگ حنا و برگ

---

۱ م و ش 'سیاهی' ندارد ۲ ب روان ندارد ۳ زاک. سنگی بالوان مختلف که چون آب بروزنند سیاه می گردد (انند) ۴ مازو: ثمر درختیست که بدان پوست را دباغت کنند (انند) ۵ صمغ: او را در هندی گوند می گویند (انند) ۶ ب 'نیم درم' ندارد ۷ م و ش 'خمیر' ندارد ۸ م و ش: بقوت عسل ۹ م و ش 'را' ندارد

ورق ۱۲۵ ا
ورق ۲۵ ب

موردو وسمه وافتیمون از هرکدام نیم درم، این مجموع را بر سر مازو ریزی و یک
شبانه روز بگذاری و بعد ازان بر سر آتش نهی و بجوشانی و تجربه کنی تا چند[1] انکه
آب مازو بر کاغذ نشو نکند پس از آتش برگیری[2] و بکرپاس تو بپالائی[3] و آب صاف
را نگاه داری، بعد ازان زاک قبرسی[4] را در آب اندازی تا حل شود بعد ازان
مقداری[5] آب مازوی صاف بے زرد[6] بر وریزی، بعد ازان آب قدرے در هاون
بریزی و صلایه[7] کنی، پس پاره[8] نیل سراب[9] باندکے صبر[10] در هاون اندازی و
میسایید که صد ساعت آن مواد[11] را صلایه کنی وصبر کنی[12] تا آن صلایه تمام شود
نحو[13] در پنج شبانه روز خواه[14] بیشتر که (ورق ۱۲۰) صلایه تمام آنست که از[15] صد (ورق ۱۲۹)
ساعت کم نباشد، چون صلایه تمام شود قدرے نمک هندی با نبات مصری در
هاون اندازی[16] و صلایه میکنی و تجربه کنی تا بحد مطوس[17] برسد یعنی برنگ پر[18] طاؤس
رنگ رنگ[19] نماید، بعد ازان از هاون بیرون آری[20] و بحریر بپالائی[21] پس ونیم
درهم مشک با مثقال[22] زعفران در ده درم گلاب حل کنی چنانچه جرم آنها همه
حل شود[23] پس ازان بروالا[24] ریزی و بیفشاری و صافی، او[25] را در سیاهی ریزی
وکتابت کنی بغایت براق و روان و مطوس باشد،

---

۱ م وش ' چند ' ندارد ۲ ب : زیر ۳ م ش : سائی ۴ م وش : ترکی ۵ ب وم وش : مقدار
۶ م وش ' بے زرد ' ندارد ۷ م وش ' زردی ' دارد ۸ صلایه : سنگی که بدست گیرند و بدان دارو بسایند
صلایه کردن : سائیدن (آنند) ۹ م : پارها ۱۰ سراب : موضع ایست در آذربائیجان که آنرا سراب گرم
رود خوانند (آنند) ۱۱ صَبِر : عصاره تلخست از درختیکه بهندی ' ایلوا ' گویند (آنند) ۱۲ م وش
' را ' ندارد ۱۳ م وش ' وصبرکنی ' ندارد ۱۴ م وش : یا ۱۵ م وش که ندارد ۱۶ م وش : صد ساعت
باشد ۱۷ م : اندازند وش انداز ۱۸ م وش : مطوس رسد ۱۹ ب ' پر ' ندارد ۲۰ م وش : رنگ دوم ندارد

نوع دیگر ساختن سیاہی :

بدانکہ بستان مازوی سبز چہار سیر و صمغ عربی چہار سیر و دودہ چراغ یک سیر و زاک ترکی دو سیر - و یک سیر آب در چہار سیر مازو کن و ہشت سیر آب در چہار سیر صمغ و سہ شبانروز بگذار، ہر روز یک دو نوبت صمغ را بشوران، بعد ازاں مازو را با یک من و نیم آب در دیگ کن و بآتش نرم بجوشان تا بہ نیمہ باز آید (ورق ۲۰ ب) پس در وے صمغ صاف کن و بہم برآر و زاک را در ہاون نرم بسائی و بکرپاس محکم بیز و دراں آب انداز و بہم برآر، بعد ازاں دودہ را در ہاون کن و قطرہ قطرہ در وے بچکاں و نرم صلایہ مے کن تا تمام کشتہ شود، باز ازاں آب مازو قطرہ چند در وے زیرہ و صلایہ میکن تا سہ نوبت، بعد ازاں آن آب مازو و زاک و صمغ را قطرہ قطرہ دراں میاں می ریز و صلایہ میکن تا آں آبہا را بخورد بعد ازاں در شیشہ کن و نیم سیر نبات مصری و نیم مثقال زعفران و قدرے صبر با یکدیگر بسای و بگلاب حل کردہ در شیشہ پاک زیر و کتابت کن،

نوع دیگر در سیاہی خشک :

بگیرند یکسیر دودہ و چہار مثقال صمغ و دو مثقال مازوی سودہ یا دودہ بہا میبزند و آب گرم در وے ریزند و صلایہ کنند و زاک پشمک را درمیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) ۲۰ م وش : آرد ۲۱ م وش ' پی ' ندارد ۲۲ م وش : یک درہم ۲۳ ب : شدہ و ع : شدہ باشد ۲۴ والا : نوعے از یافتہ ریشمین دانند ۲۵ م وش ہ ہ ندارد

(حاشیہ صفحہ ۵۸) ۱ ع ' بدانکہ ' ندارد ۲ ب : کتی ۳ ع آن ندارد

۴ ب ' پاک ' ندارد ۵ ب : خشکہ '

کاغذ کردہ در خمیر گیرند و در زیر آتش کنند تا بپزد، آنگاه بسایند و با دوده
بیامیزند (ورق ۲۷ ا) و مقدارے بجوشانند و از کرپاس سطبر بگذرانند پس   (ورق ۲۷
بر بالاے غربال خشک کنند و هرگاه خواهند که بدین کتابت کنند مقدارے
در کاسه کنند و آب گرم درو ے کنند و یکشب بگذارند، مرکبے در غایت
لطافت باشد

فصل سیوم در ساختن شنگرف:

جماده گل خطمی موزی سرآدمی وسبوس[1] اینها را بایکدیگر عجین کنند[2] و بسیار
تمال و تا نیم شیشه گلفتین ساز و خشک کن که اثر رطوبت در و نماند و اگر
شیشه سفید باشد بهتر کبریت نیم من و سیماب نیم من واگر خواهی در اعلے
رتبه آید سه صدفه کبریت و زیبق هر دو را بایکدیگر صلایه کن و در شیشه کن
و سر شیشه محکم ساز و بر کله شیشه سوراخی مقدار سر جوالدوزی بگذار و بر سر
آتش انگشت نه و نرم سیدم از صباح تا نیمروز تا آنزمان که دوده سیاه
از سوراخ شیشه بیرون آید بگذار تا که چون دوده زرد و سفید شود فی الحال
محکم (ورق ۲۷ ب) ساز که چون تمام گداخته شود شنگرف باشد،   ورق ۲۷

فصل چهارم در گرفتن زنگار:

یک رطل نوشادر و نیم رطل خورده مس در کاسه کن و آب[3] سرکهٔ انگوری
در وے چکان و چوبکه سر او چون سم شتر[4] باشد در آن[5] کاسه[6] صلایه میکن
تا وقتیکه زنگار گردد،

---

[1] ب: آس   [2] ع: کنند ندارد   [3] ب: و آب، ندارد   [4] م و ش: شمشیر
[5] م و ش: بآن   [6] م و ش: کاسه، ندارد

فصل[۱] پنجم در حل کردن طلا :

کاسهٔ چینی بیار که چرب نباشد و قدرے عسل پاک بے موم یا صمغ عربی یا سریشم ماهی در[۲] تهٔ کاسه بمال، چنانکه[۳] چسپاں شود و ورق زر در کاسه انداز و بسه انگشت بمال* اما باید که دست نیز چرب نباشد که اگر چربی بوے رسد سیاه شود و چرب دستی بکار نیاید، چوں گیرا شود آب در وے چکان و میمال تا وقتیکه تمام حل شود، بعد ازاں کاسه را پر آب کن و ساعتے بگذار تا بته باز نشیند، پس آں آب را آهسته از کاسه بریز زرِ محلول در تهٔ کاسه بماند و خشک ساز چوں خواهی که بآن کتابت کنی قدرے آب در وے چکان و بمال، پس بقلم مو بر میدار و بر قلم طلا میکن و[۴] مینویس

فصل ششم در تعریف کاغذ خوب[۵] و رنگ کردن آن

رق ۱۲۸ و

بدانکه کاغذ خوب آنست که سفید و نرم و بریاں و صاف[۶] و هموار باشد و در رنگ کردن او بالوان سخنان رنگین گفته اند - از[۷] جمله رنگِ اصل که استادان ما پسند[۸] کرده اند حنا و زعفران و سیاهی است اما اگر خواهی که گلگون کنی گل کاجیره را نرم بکوب و بموی سیه ببیز و در طبقے به آب خمیر کن و برلته ریز و اندک اندک آب بر[۹] وے می زن تا[۱۰] زمانیکه زرد آب او بتمامی بچکد و آن وقتی معلوم گردد که آب رنگین او مائل بسفیدی شود[۱۱] - بعد ازاں بیروں آر و بدست بیفشار چنانکه در وے هیچ آب نماند و بعد ازاں یک من و نیم گل[۱۲] را بگیر مقدار یک سیر

---

۱ م ش ۵۵ ندارد ۲ ب : درست ۳ ب** ندارد ۴ ع 'ومینویس' ندارد

۵ ب ع 'خوب' ندارد ۶ ش : صاف و هموار' ندارد ۷ ب : ازجمله' ندارد ۸ م وش 'رنگ' ندارد

۸ م ب و ع : تقدم ۹ م وش : برال می زان ۱۰ ب : وقتیکه ۱۱ ب : باشد ۱۲ م وش 'نیم گل را بگیر' ندارد

اشغار خوب بپخته بروزن و طریقه او آن است که پاره پاره گل را در ظرفی که
هست نیک سائی و آن اشغار[1] را پاره پاره بر و[2] پاشی چنانکه بهمه جائی
او برسد و بهم برآری - چون تمام شود آنرا بکفِ دست بمال تا وقتیکه چون
پاگشت (ورق ۲۰۸ ب) بیفشاری وی[3] گل سفید نماید، بعد ازاں باز بر لته (ورق ۲۸)
ریزد و آب بره میریزن و شاهاب[4] می گیر تا مادام که در و رنگ نماند بعد ازان
سه من کشته را ده من آب ریخته بگذار تا لعاب خود را بتمام باز دهد - آبها
را در ظرفی کن و قدرے رنگ در ظرف دیگر و او را همه وقت شیر گرم نگاه
دار و[5] هر یک من شاهاب را یک سیر آب کشته بریز و کاغذ در رنگ[6] نه و
پیوسته او را بر میگردان تا وقتیکه رنگ بدلخواه شود، بعد[7] ازاں بیرون آر
و بآب کشته برآر و باز بآب عاف برآر و بدرجه انداز اما[8] احتیاج است
بچوب نهادن که اگر بچوب ننهند بریکدیگر چسپد و دو رنگ شود،

رنگ نارنجی وغیره : بدانکه گلگوں را اگر بزعفران رنگین زنند نارنجی
شود و[9] اگر گلگوں سیر را بزعفران زنند گلناری شود* و ماوی را بزعفران
زنند جوزی شود و اگر بشاهاب زنند گل خشخاش نماید،

قاعده[10] : رنگ ماوی نیلا[11] را صاف سازند و قدرے آب نیم گرم در

---

[1] ع : قلیه [قلی] که مترادف اشخار است [2] ب و ع : میزنی [3] ب و ع ‛وی‛ ندارد
[4] شاهاب : آب سرخیکه از گل کاجیره حاصل شود بعد از زدن را تند)
[5] م و ش : نیز [6] م و ش : کن [7] ب و ع ‛ بعد ازاں‛ ندارد
[8] م و ش : و ملاحظه کنی که بیکدیگر نچسپد و دو رنگ نشود [9] م و ش * * ندارد
[10] ب و ع ‛ قاعده‛ ندارد [11] م و ش : نیل

(ورق ۱۲۹ ا) وی ریزند و کاغذ[1] رنگ کنند بعد ازاں باآب خنک آرند اما کاغذ (ورق ۱۲۹ ب)
بغایت[2] پاکیزه[3] و ملایم باید ے تا ماوئی خوب شود

رنگ[4] زرد : سہ من زلیر (زریر) (رہ) ہشت من آب بریزند و
بسیار بجوشانند وصاف سازند[5] و پنج سیر ریته[6] را ہمیں آب بریزند و بجوشانند
تا وقتیکہ عدف شود درو ریزند و رنگ کنند و اگر سوبنی برآب ریہ زنند
کبود شود و اگر بر آب شُقّار زنند طوطی گردد بر زرد آب بستگی شود اگر آب
عوزه زنند ارغوانی نماید*

فصل ہفتم در شناختن[7] قلم :

بدانکه قلم خوب آنست که راست باشد و پر مغز و سفید[8] و استادان
گفته اند که[9] چہار سین در وے بود باشد سرخ و سفید و سخت و سنگین و[10] چہار
سین ے باید که نباشد سبک و سیاه و سوخته و سطبر*

قال امیر المومنین و امام المتقیین اسد الله الغالب امام[11]
المشارق و المغارب علی ابن ابی طالب کرم الله[12] وجہه فرموده اند[13]
لکاتب[14] المصحف اجل قلمک نوره[15] کما نور الله عز وجل یعنی جلی
کن قلم خود را تا روشن باشد ہمچو نور خدا ے عز وجل و ہم و[16] ے کرم الله وجہه

---

[1] م وش ' کاغذ رنگ کنند ' ندارد [2] م وش : غایت [3] ب ' پاکیزه ' ندارد
[4] ب و ع * * ندارد [5] ش : سازد [6] م : رمرطه بسلسله قلم رجوع کنید
به تذکره خوشنویساں از غلام محمد [8] م وش 'سفید' ندارد
[9] ب 'که' ندارد [10] ب * * ندارد [11] ب و ع * * ندارد [12] م : علیه السلام [13] م وش فرموده اند
ندارد [14] ب لکاتب المصحف ندارد [15] ب : نوره کما [16] م وش کرم الله وجہه ندارد '

کاتب خود را فرمود الق دواتک و اطل[1] حلقة قلمک و فرّج بین السطور و قرمط بین الحروف فانه[2] اجدر[3] بصباحة[4] الخط یعنی لیقه انداز دوات خود را و دراز کن گلوئے قلم خود را و کشاده گذار میان سطرهاے خود را و قرمط نویس حروف[5] را از جهت آنکه این احق[6] و اولی است بصباحت خط[7] و هم آں حضرت فرموده[8] اند (ورق ۲۹ ب) علیه السلام اسمح[9] بزوة قلمک (ورق ۲۹ ب)

و اسمک [اسمن ؟] شحمته[10] و ایمن قطک یجد خطک یعنی [یکسان ؟] دراز کن قلم خود را و [فربه کن ؟] [بنه ؟ پهن] او را و از جانب یمین قط زن که ... شود خط[11] تو که نقل است که عبد الحمید یحیی الکاتب ابراهیم[12] ابن[13] خالد را تعلیم کرد و گفت که اطول لسان قلمک و اسمنها وحرف ایمنها یعنی دراز کن زبان قلم خود را و فربه ساز او را و محرف کن قط[14] او را از جانب یمین فعل[15] ابراهیم فجاد خطه و کان ردی الخط یعنی چنین کرد ابراهیم و خط او خوب شد تا آنکه بد نویس بود'

وبعضی استادان چنین گفته اند که ریسمانی[16] بر دور قلم بگردانند و پیچیده هرچه شود درازی قلم را بهمان مقدار کنند اما بشرطیکه قلم در نرمی و سختی متوسط باشد که اگر قلم محکم است خانه او را دراز تر باید تراشید و شق بیشتر باید

---

[1] ب: اصل [2] م و ش: فان [3] ب: احذر [4] م و ش: بصباح الخط

[5] ب: حروف را [6] م و ش احق ندارد [7] ش: دال

[8] م و ش: قط خط [9] م و ش: است [10] م و ش 'اسمح' ندارد، سماحة و سموحة بمعنی یکسان و هموار بودن شاخ' و خالی بودن از گرهها و یکسان بودن آں در سطبری' [11] م و ش: نحه' [12] ب: 'خط تو' ندارد [13] م و ش 'ابن' ندارد [14] م و ش قط ندارد [15] م و ش 'فعل' ندارد [16] ب: ریسمان م و ش: بعد ازاں ملاحظه نمایند که ریسمان چه مقدار است'

کرد و اگر سست کوتاه تر و شق کمتر چنانکه اگر قلم بر روی ناخن نهی و آن مقدار
(۲۰ ق) که بر کاغذ (ورق ۲۰ و) قوت میکنی شق کشاده شود تا سیاهی ریز باشد و جانب وحشی
بقوت تر باشد زیرا که مدار قوت قلم بر واست اما تراش زبان قلم بر زبان قلم تراش
بهیات شکم ماهی مانند تا نوک قلم ذنب الحوتی نماید

و قط قلم بر سه نوع می باشد جزم و محرف و متوسط اما بهتر متوسط است که
خیر الامور اوسطها و باید که نی پخته و سطبر باشد که چون نی قلم در دست گیری و قلم بر نی
مقط نهی و قلمتراش بر قلم مانی و انگشت ابهام بر پشت قلمتراش نهی و قوت کنی آوازی
شنوی مشابه قط

نکته: گفته اند که کاتب باید که در وقت قط زدن چشم بر هم نهد که اگر ناوک
نوک قلم بجهد مردم دیدهٔ چشم زدن از سهم آن بر هد و چون قلم قط زند نقطه بر کاغذی
نهد اگر نقطه مربع آمد فبها و الا باز بتراشد

باب چهارم در بیان قواعد خط

قال امیر المومنین و امام المتقین علی ابن ابی طالب رضی
الله عنه اعلم ان حسن الخط (ورق ۳۰ ب) مخفی فی تعلیم الاستاد

---

[۱] م و ش: انسی -: ولیکن جانب انسی بباید که او نازکتر از وحشی نماید رسم الخط ارق؛
[۲] م و ش 'بزبان قلم' ندارد [۳] ب 'دم' ندارد [۴] ب 'ماند' ندارد
[۵] ب: خیر الامور اوسطها و لی مقط الحنه؟ [۶] ب 'نی پخته باید' ندارد
[۷] ب 'نهی' [۸] ب 'نهی' ندارد [۹] م و ش: برابر [۱۰] م و ش: مانند
[۱۱] ب: بجهت [۱۲] ب 'بچشم زدنی'

وقوامه[1] فی کثرة المشق و ترکیب المرکبات وبقائه[2] علی المسلم فی ترک المنهیات و محافظة الصلوٰة و اصله فی معرفة المفردات[3]

بدانکه نیکوئی خط مخفی است در تعلیم استاد و در بسیار نوشتن و در راست نوشتن مرکبات و ثبات خط بر شخص مسلمان در ترک منهیات و محافظت نماز و دانستن خط موقوف است بر دانستن اصول و معرفت مفردات، پس اول بیان مفردات کنیم،

بدانکه خط نسخ و تعلیق را عروس خطها خوانده اند و ثلث که ام الخطوط است مادر اوست یعنی ماخذ نسخ و تعلیق نیز ثلث است مثلاً الف اگرچه نسخی از الف ثلث کوتاه تر است اما اندامش دال است برانکه دختر آن مادر است و در آنچه بثلث مشابهت دارد اشارت کرده شود انشاءالله تعالیٰ،

در بیان نقطه میگوید بدانکه خط (ق ۳۱ ا) از نقطه ماخوذ است وطرق (ق ۳۱ ب) نقطه نهادن آنست که قلم بسه انگشت گرفته محرف بر کاغذ نهد و مایل بر[4] یسار بزیر[5] کشد[6] آنمقدار که مربع متساوی الاضلاع حاصل شود بدین شکل [شکل ندارد]

و هر حرف که خواهد[7] ابتدا کنند[8] باید که قلم بنوعی بر کاغذ نهد که گویا نقطه خواهد نهاد و تا آخر هر حرف تمام قلم بر کاغذ باید[9] نهاد بهمان نوعیکه در حال نقطه نهادن، حرف الف الف سه نقطه باید بهمان قلم که نویسند[10] و باید[11] که از و سه حرکت همزه حاصل آید اما غیر محسوس چنانکه اگر او را سرنگون بدارند بهمان هیئات

---

[1] م و ش، قوام فی، ندارد　[2] م و ش: و علم المسلم　[3] ب 'به' ندارد

[4] ب: زیر　[5] ب: م و ش: خواهند　[6] م و ش: کنند　[7] ب و ع 'نهاد' ندارد

[8] ب و ع: نوشته شده　[9] ب و ع 'و' ندارد　[10] ب 'که' ندارد

باشد بعینہ بدین ادا[۱] !!

حرف بے: اما سر بے بمقدار یک نقطہ باید و تن[۲] او ہشت نقطہ باید[۳]
اگر مدو ہند و اگر نیم مد باشد چہار نقطہ[۴] و چناں سرنگوں باید کہ آخر مقدار
نقطہ بزیر آید چنانکہ در ثلث و ابتداء او باریک باید و ہرچند بر آید پہن
ترشود تا آخر کہ تمام قلم بر کاغذ (ورق ۱۳۱ ب) بماند برین ہیئات ـــــ

(ورق ۱۳۱ ب)

در بیان حرف جیم - اما جیم را چپ[۵] باید و نونے چپ بدو پیوست
و دائرہ جیم چناں باید کہ از و نونے حاصل آید برین[۶] نہج ج و از دائرہ او بیضہ
تواں ساخت چنانچہ[۷] در ثلث

حرف دال - اما حرف دال دو[۸] نقطہ است یکے سر و یکے دامن* ،
اول نقطہ طولانی باید نہاد و حرف رای بدو[۹] پیوست کہ اگر سر پای مفرد[۱۰] بر سر
دال نہند پای مفرد حاصل تواں کرد[۱۱] برین[۱۲] صورت ی

در بیان حرف را - اما را نیز[۱۳] دو نقطہ است یکے سر و یکے دامن ،
اگر نقطہ بر سر او نہند دال شود برین طور رو*

در بیان حرف سین و شین - اما سین را اگر دندانہ دار نویسند کشادگی
دندانۂ اول آن قدار باید کہ نقطہ در و گنجد و دندانۂ دوم اندکے کشادہ تر و دائرۂ
او حکم دائرۂ نون دارد چنانکہ[۱۴] در ثلث مذکور شد و اگر مد دہند طول او ہشت نقطہ

---

[۱] م وش: اندام [۲] م وش: بن [۳] م وش: باشد [۴] ب: و چنانکہ
[۵] م وش 'مے باید نوشت' ندارد [۶] م وش: بدین [۷] م وش 'چنانچہ در ثلث' ندارد
[۸] م وش ** ندارد [۹] م وش: بران [۱۰] م وش 'مفرد' ندارد [۱۱] م وش: شد
[۱۲] ب وع ** ندارد [۱۳] م وش 'نیز' ندارد [۱۴] ب وع ** ندارد [۱۵] م وش: چنانکہ معلوم شود چنانکہ در ثلث

باید چنانکہ در ثلث گفتہ و این نیز تمام مد و نیم مدے باشد (ورق ۱۳۲) بدین روش[*] (ورق ۱۳۲ ا.
س،

در بیان حرف[1] صاد میگویند[2]۔ سر صاد مرکب از دو خط است یکے[3] فوقانی
یکے[4] تحتانی و ہر دو طرف سر صاد بیک شکل باید نوشت کہ اگر خواہند فوقانی[5] را
تحتانی تصور کنند صادے حاصل توان کرد چنانکہ[6] در ثلث بدین خواص[*] (ص

در بیان حرف طا۔ اما طا را اول الفے باید نوشت و سر صادے در
او پیوست اما دامن او را بصورت دامن را باید انداخت چنانکہ در ثلث برین
نمط ط،

در بیان حرف عین۔ سرش[8] مثل ہلال بنماید و دامنش مثل دامن
جیم است ع

در بیان حرف فے وقاف سر ہر دو باید کہ اول نقطہ باید نہاد و قلم بر
دور او گردانید تا مدور شود بعد ازاں بای یہ او پیوست چنانکہ در ثلث ف
سر قاف بطریق سر فای است و دائرۂ او مانند دائرۂ نون بود چنانکہ در ثلث[9]
بدین طریق ق،

در بیان حرف کاف۔ کاف[10] را الفے باید نوشت و بای در و[11] پیوست

---

[1] ب و ع * * ندارد [2] م و ش حرف ندارد [3] م و ش میگوید ندارد
[4] م و ش یکے، ندارد [5] م و ش تحتانی را فوقانی سازند [6] ب و ع * * ندارد
[8] م و ش: برین نوع سر عین را باید نوشت کہ او را سر صادے توان ساخت و دائرہ جیمے بر و پیوست
چنانچہ در ثلث برین نوع ع [9] ب: نون خواہد آمد و ع: نون
[10] م و ش، کاف را، ندارد [11] م و ش: بر و،

(ورق ۲۳۲ب) چنانکه در ثلث بدین[1] تحرک ک ، (ورق ۲۳۲ب)

در بیان حرف **لام** - لام را الفی طولانی[2] باید نوشت و نون در و پیوست چنانکه در ثلث بدین[3] منوال ل

در بیان حرف **میم** - میم را اول نقطه باید نهاد و باز[4] بر و بگذشت و مقدار یک نقطه از و در[5] گذرانید بدور[6] و الفی بد و پیوست چنانکه[7] درین مقام م که اگر خواهند او را لام توان ساخت خواه چپ خواه راست برین منوال و اندام ﻠﻢ

در بیان حرف **نون** : شش نقطه باید دو سر و دو تن و دو دامن چنانکه تن او را حلقه جیم توان ساخت چنانکه در ثلث برین قانون ن ں ﻧ

در بیان حرف **واو** : سر او بشکل[8] سر فاست و دامن او بدستور را چنانکه در ثلث و

در بیان حرف **ها** : ها را نقطه باید نهاد و بباریکی قلم او را حلقه ساخت که بیاضش مقدار نقطه نماید برین قاعده ہ

در بیان حرف **لام الف** : لام الف را اول[9] الفی باید نوشت و مقدار نقطه بجانب یسار مدور زیر باید[10] کشید و الفی دیگر (ورق ۲۳۳ الف) بدو پیوست حو[11] از بیاض نیز بین الفین باید که الفی حاصل شود مثلاً[12] لا (ورق ۲۳۳ الف)

در بیان حرف **یا** : اما سر یا سه نقطه باید مدور[13] و دال گردن او و الی

---

[1] ب و ع 'بدین تحرک' ندارد [2] م و ش 'طولانی' ندارد [3] ب و ع 'بدین منوال' ندارد

[4] م و ش : گشت [5] م و ش : 'در' ندارد [6] م و ش مدور [7] ب و ع ** ندارد

[8] ب و ع : که اگر خواهند آن را لام توان ساخت [9] م و ش بشکل [10] م و ش 'اول' ندارد

[11] م و ش : زیر او کنند ' [12] م و ش : برین مثال ' * * ندارد [13] م و ش : کرد و گردن او یک نقطه و دامن او بشکل نون که از سر و گردن دالی چپ او از گردن و دامن دالی راست بدین خوبی '

چپ حاصل شود و گردن او یک نقطه و دامن او بشکل دامن نون و از سر و گردن
او دالی چپ حاصل شود و از گردن به تن پیوستن والے راست کہ اگر خواہند
آن را یائے معکوس توان ساخت ے

باب پنجم در تشکل ہر یک از حروف مرکبات

در بیانِ الف میگوید* بدانکه الف بدو شکل میباشد یکے مفرد و یکے مرکب
چنانکه در ثلث مثل ایہا ابا

در بیان حرف بے : با دو نوع است مفرد و مرکب اما مرکب چہار شکل
است یکے مدور و آن وقتیست کہ بعد ازاں الفے یا دال یا کاف یا لام باشد یا
با آت و نظایر آن کہ نون و یاست با بد بک بکہ بکر دوم طولانی و آن
وقتیست کہ بعد از وسین یا صاد یا طا یا عین یا فے یا قاف باشد بشرطیکه
(ورق ۳۲ ب) در اول کلمه باشد و اگر بائی طولانی در وسط کلمه نیز باشد بشرطیکه
بعد از و یا آت یا نظائر آنہا باشد بس بط بص بع *

سیوم منحنی و آں وقتیست کہ بعد از و جیم یا میم یا ہائے ذوصادین
یا حاجی یا دال فے باشد بر ین صفت بج بم بھر

چہارم دندانه دار : بدانکه با آت و نظائر آنہا کہ نون و یاست ہرگاہ
کہ در اول حرف متصله باشند یک حکم دارند،

له م و ش : شکل ہر حرف و تسمیه ہر شکل باسم مخصوص ۲ م و ش * * ندارد
۳ م و ش ' الف ' ندارد، ۴ م و ش * * ندارد ۵ م و ش : اینہا در موضع دیگر دارد
۶ ب و ع : برین صورت ندارد ۷ م و ش : تا ۸ م و ش : شوند،

در بیان حرف جیم - اما جیم دو نوع است مفرد و مرکب مرکب[1] او بسہ شکل
مے آید یکے مدور و آن وقتیست کہ بعد از و الف یا دال یا کاف یا لام یا با آت
و نظائر آن باشد چنانکہ دریاے مدور و او را جیم غنچہ نیز خوانند برین نہج[2]
جا جد جک جکا
دوم چقماقی[3] و آن وقتیست کہ بعد از و راے مرسل باشد و بس برین شرح[4]
جر
سیوم سینہ دار و آن وقتیست کہ بعد از و با آت یا رے یا سین یا صاد
یا طا یا عین یا فا (ورق ۴۴ ر) یا قاف باشد : جص جطج جف اما ہرگاہ کہ بعد (ق ۴۴ ر)
از و میم یا ھاے مرکب یا یا باشد بشکل جیم[5] مفرد باید نوشت ج جم جہ جہہ
جہب '
در بیان حرف دال : دال دو نوع است مفرد و مرکب ' اما دال[6]
مفرد باید* بدو شکل آید یکے چلیپا و یکے دراز دامن و آں وقتیست کہ در
دہان او راي درا تہ باشد برین[7] عدد در اما مرکب[8] دو نوع است یکے بشکل
راء مفرد و یکے[9]* مدور باشد و آں وقتیست کہ بعد از وھاے مدور باشد
برین قاعدہ مہ
در بیان[10] حرف راء : راي دو نوع است مفرد و مرکب ' مفرد بدو شکل

---

[1] م و ش 'او' ندارد [2] ب و ع ' برین نہج ' ندارد [3] م و ش : حقیقی '
[4] ب و ع ' برین شرح ' ندارد [5] م و ش : سر جیم [6] م و ش : * * ندارد
[7] ب ' برین عدد در ' ندارد [8] ب * * ندارد [9] ب : لکھا ہے
[10] م و ش : شکل '

باشد یکے چلیپا و یکے دراز اما راستی دراز و فتے باشد کہ در[1] دھان دال واقع شود خواہ[2] دال مفرد و خواہ مرکب* یا دو رای پہلوے ہم افتد زر[3] اما مرکب بدو شکل دیگر تواند بود یکے مرسل کہ در آخر کلمہ باشد و یکے مدور خواہ در اول و خواہ در وسط بشرطِ آنکہ بعد از وھاے باشد پیوستہ وگاہ ہست کہ رای دراز ید و سازند بشرط (ورق ۴۴ب) آنکہ بعد از وھاے مدور باشد مرھر،

(ورق ۴۴الف)

در بیان حرفہا سین و شین خواہ مفرد و خواہ مرکب دو شکل می آید یکے دندانہ دار و دیگرے مدور[4] برین قیاس[5] س ش ،

در بیان حرف صاد و طا یک شکل دارد خواہ مفرد خواہ مرکب ص ط صط طص[6] ،

در بیان[7] حرف عین : اما[8] عین ہفت شکل دارد یکے نعلی و آن وقیت کہ بعد از و الف یا دال یا کاف یا لام یا ھا یا با آت و نظائر آنہا باشد چنانکہ در باے مدور دانستہ شد[9] نعلی براے آن گویند کہ بہ نعل اسپ میماند[10]، عین نعلی اینجا بنعل شبیہ تر است از ثلث چہ[11] در ثلث[12] سرِ عین کجی دارد بخلاف نعل است کہ تمام مدور است اما درین خط بعینہ است عا عد عک عل عہ*

---

[1] م و ش : آن [2] م و ش : بعد از [3] ب ** ندارد

[4] ب : درِ را [5] م و ش : ـــہ [6] م و ش : ممدود

[7] ب 'برین قیاس' ندارد [8] ب د صط و طص ' ندارد [9] م و ش : تشکیل

[10] م و ش 'اما عین' ندارد [11] ب : باشد [12] م و ش : میماید

[13] م و ش : کہ [14] م و ش 'در ثلث' ندارد ۔

دویم صادی و آن وقت است کہ مفرد باشد یا بعد از و جیم یا ری یا سین ممدود یا صاد یا طا یا عین یا فے یا قاف یا میم یا و یا ها یا های ذو صادین یا حاجی (ورق ۱۳۵ ا) یا دال[1] فے با یا هاء مرسل و آن وقتیست کہ عین را مد دهند، بدین انواع : ع عج عرعس عص عط عع عق عم عو عه عهه عی عے عہ * صادی برائے[2] آن گویند کہ او[3] را صاد توان ساخت

ع چون عین را مد دهند مطلقا او را صادے باید[4] نوشت باوجود آنکہ بعد از و الف یا دال یا کاف یا لام و[5] حرف دیگر متصل باشد بدین نہج* عد عکو عصکہ

سیوم محیر و آن وقتیست کہ بعد از و حرف دندانہ دار باشد عس - محیر برائے آن خوانند کہ میان نعلی و صادی حیرانست کہ نہ اینست و نہ آن ، حاصل کہ چون حرفے بعین پیوندد اگر ببالا رود تا سر عین یا بیشتر آنرا نعلی باید نوشت و اگر میل ببالا کند اما یک دندانہ بیش بالا نرود محیر و اگر بالا نرود و بسوئے یسار میل کند صادی عا عیر - عر

چهارم فم الاسد کہ بشکل نعلیست و بدهان شیر ماند

پنجم فم الثعبان کہ برهیات صادی است و بشکل دهان مار است نکما

ششم[6] فم الثعلب کہ بصورت محیر است و هیأت دهان روباه دارد (ورق ۳۵ ب) و این سہ عین را بعد از الف باید نوشت پیوستہ

---

[1] م وش : یائی [2] ب وع * * ندارد [3] م وش : ازان

[4] م وش : توان ، [5] م وش * * ندارد ،

نہ ملحا ملحہ

ہفتم معقود کہ حرفی باو پیوستہ باشد خواہ در وسط حروف متصلہ باشد و

خواہ در آخر بع جعفر*

در بیان حرف **فا و قاف**: اما فا و قاف دو شکل دارد یکے مفرد و یکے

مرکب ف بف ق بق

در بیان حرف **کاف** دو نوع است مفرد و مرکب اما مرکب بدو شکل

میباشد یکے دالی کہ اول دال باید نوشت و انفے یا کاف یا لام باو پیوست

دوم منحنی و آں وقتے باشد کہ بعد از و الف و مانند او کہ کاف و لام است

و دال و راست نباشد کحب،

در بیان حرف **لام**: لام دو نوع است مفرد و مرکب ل بل

در بیان حرف **میم**: میم دو نوع است مفرد و مرکب اما مرکب سہ

شکل وار و یکے مدور و آں وقتیست کہ بعد از و الف یا مانند او باشد ما مد

دوم مثلث و آں وقتیست کہ بعد از جیم یا میم یا بے یا ہے باشد مح مم،

سیوم مربع و آں وقتیست کہ بعد از و باو نظائر آں باسین و صاد و طا و عین

و فے و قاف و واو باشد: مس مت مش مص مط مع مف مو مق*

در بیان حرف **نون**: نون چنانست کہ در باء مرکب گفتہ شد،

۱؎ ہر دو م و ش: ----* ندارد ۲؎ م و ش: تشکل ۳؎ ب: الام* ندارد

۴؎ م و ش: تشکل ۵؎ ب: میم، ندارد ---- * ندارد

۶؎ م و ش: شکل،

در بیان حرف **واو** - واو مفرد و مرکب بیک شکل میباشد اما گاہے او را مدور گویند بشرط آنکه بعد از وہای مدور باشد چنانکه در دال و ری مذکور شد

در بیان حرف **بے**: اما بے ہفت شکل دارد یکے مفرد و دوم دال فی خواه در اول و خواه در وسط سیوم دال صادی که البته در وسط باشد چهارم ذو صادین که آن نیز در وسط باشد پنجم حاجی که آن نیز در وسط باشد ششم مطوبین که در اول باشد ہفتم ملحق که در آخر باشد ه ہه ھ ھه ہر ہا ع

در بیان حرف **یا**: اما یا چنانکه در با و نون دانسته شد مفرد است و مرکب اما مرکب چهار شکل دارد مدور و طولانی و منحنی و دندانه دار،

باب ششم در حسن خط و اتصال حرفها

بدانکه مجموع اصول و قواعد شد ملک الکتاب خواجه (ورق ۳۰ ب)، جمال الدین **یاقوت** علیه الرحمة و الغفران بطریق اجمال بنظم آورده شعر (ورق ۳۱) اصول و ترکیب کراس و نسبت صعود و تشمیر نزول و ارسال

اصول آنست که قاعده که مقرر شده بهمان نوع باشد بے تفاوت و ترکیب آنست که حروف را ترکیب ملایم کنند و نزدیک یکدگر نویسند چنانکه متقرمط و شیرین نماید و کراس آنست که کرسیهائی خط نیک نگاه دارند و نسبت آنست که یک حرف را هرچند مکرر نویسند بیک شکل باشد صعود: بالا رفتن، تشمیر: شمره دادن، نزول: بزیر آمدن، ارسال: فرستادن،

بباید دانست که چهار حرف که از روی عبارت از آنست بحرف دیگر پیوسته نشود مگر الف و آنکه بعد از و میں باشد خواه فم الاسد و خواه فم الثعبان و خواه فم الثعلب و سه حرف دیگر که ری و زی و واو است بهائے مجرد پیوندند که ایشان را مدور نویسند ح و ع اما حرف دال (۳۷ ب) و ذال نیز این حال دارد، حرف دیگر با ایشان متصل تواند شد. والله اعلم بالصواب +

یسین خان نیازی

۱م وش: شکل ۲م وش: یک ۳م وش: دانسته شد ۴م وش: شکل ۵م: حروف و مدات

خزائن مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

(تفسیر و حدیث فارسی)

(سلسلے کے لئے دیکھو رسالہ بابت مئی ۱۹۳۴ء)

تفسیر

۱ - **مواہب علیہ** - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۹

[اوراق ۷۴۷ : سطور ۱۹ : خوبصورت نسخ خط - پہلے دو ورق مطلا - تقطیع ۹½ × ۶½ : ۶ × ۴]

حسین واعظ کاشفی کی مشہور و معروف تفسیر حسینی (۸۹۷ - ۸۹۹ھ) تفسیر حاشیہ پر ہے۔

کاتب محمد قاسم بن درویش محمد عصار

تاریخ کتابت ۱۰ - رمضان ۹۹۵ھ

اس تفسیر کے چند اور نسخے بھی ہیں - جن کی تاریخ کتابت یہ ہے :

۱ - ۴ - رمضان ۱۰۸۱ھ - کاتب ندارد

۲ - ۲۵ - شوال ۱۰۹۲ھ - کاتب - خدابخش ولد ملا لالہ بن سید مصطفیٰ

۳ - قرن دہم - کاتب ندارد

۴- قرن دہم - کاتب ندارد - نہایت عمدہ نسخہ ہے - سرلوح مطلا ہے
اور پیرزادہ محمد حسین صاحب کے کتب خانہ سے آیا ہے'

۲- خلاصۃ بحر الدرر - دیکھو کشف الظنون - ج ۱ - ص ۱۸۵
[اوراق ۱۴۷ : سطور ۲۴ - نستعلیق - تقطیع ۱۱½ × ۷½ : ۸ × ۴½]
۱- یہ تفسیر بحر الدرر کا خلاصہ ہے از معین الفراہی
کاتب - حافظ عطاء اللہ -
تاریخ کتابت ۲ ربیع الثانی ۱۲۱۳ھ بمقام لوہڑی سندھ

۲- عین الیقین از سید عبد الوہاب جیلانی - در معنی سورۃ الاخلاص

۳- جوہر القرآن [اوراق ۱۴۰ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۵ : ۶½ × ۳]
سور قرآنیہ کے مافوق العادہ اثرات - از عبد العلی بن حسین (م ۹۲۶ھ)
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۴- ترجمۃ الخواص - دیکھو بوہار لائبریری کیٹالاگ - ج ۱ - ص ۱۰۹
[اوراق ۴۶۳ - سطور ۲۱ - نسخ - تقطیع ۱۱½ × ۷½ : ۸ × ۴½]
علی بن حسن الزواری کی تفسیر شیعہ نقطہ خیال سے (۹۴۶ھ)
یہ پہلا حصہ ہے'
کاتب - فریدوں' غلام رفعت و معالی پناہ .... ملک صالح طبوجی ؟
تاریخ کتابت - ۲۲ - ذوالقعدہ ۱۰۸۹ھ

۵- ایضاً [اوراق ۴۷۱ - سطور ۲۳ - نسخ - تقطیع ۱۲ × ۷½ : ۸ × ۴½]
تفسیر زواری کا دوسرا حصہ
کاتب - محمد مہدی الحسینی
تاریخ کتابت - ۱۰۶۱ھ

۶ - **تفسیر چرخی** [اوراق ۸۹ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ۱۱½ × ۵½ : ۷½ × ۳½]
قرآن مجید کے آخری دو اجزا کی فارسی تفسیر از یعقوب بن عثمان بن محمود
بن محمد الغزنوی الچرخی
کاتب عطاء اللہ - تاریخ کتابت ۱۰۸۹-۱۰۹۱ھ
اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے ؛
کاتب - میاں احمد علی ساکنہ رہتاس - بپاس خاطر میاں رحیم بخش
تاریخ کتابت - ۱۲۶۸ھ

۷ - **تفسیر سورہ یوسف** ، دیکھو مرآة الحلوم - ج ۱ - ص ۱۸۰
[اوراق ۱۵۱ - سطور ۱۵ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۱ × ۶½ : ۸½ × ۵]
معین الدین الفراہی (م ۹۰۷ھ) کی تفسیر سورہ یوسف
کاتب - غلام محمد بن غلام علی -
تاریخ کتابت - ۲۷ - رمضان ۱۲۷۳ھ

۸ - **ایضاً** [اوراق ۱۲۰ - سطور ۱۹ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۱½ × ۷½ : ۸½ × ۵]
میاں جان محمد بن ابوسعید انصاری جالندھری کی تفسیر سورہ یوسف
کاتب - غلام محمد
تاریخ کتابت - ۲۷ - جمادی الاول ۱۲۷۷ھ

۹ - **مرتع الغزلان** [اوراق ۴۲ - سطور ۱۱ ، ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۴ : ۵½ × ۲½]
اس مجموعے میں تین رسائل ہیں :-
۱ - مرتع الغزلان - مصنفہ حیدر (م ۱۲۱۲ھ) قرآن حکیم کے صحیح تلفظ کے
متعلق ہے ؛
۲ - مقصود القاری - مصنفہ نورالدین محمد القاری جس نے اسے جہانگیر کے

نام معنون کیا - دیکھو بوہار لائبریری کیٹالاگ - ج ۱ - ص ۱۱۹ -

۹ - وقوف کلام اللہ شریف - آغاز :

بعد ازاں لازم بیا ید از وقوف ٭ تا ترا حاصل ازاں گردد وقوف

کاتب ندارد -

تاریخ کتابت - ربیع الاول ۱۲۷۵ھ

۱۰ - رسالۃ التجویدیہ - [اوراق ۱۴ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۶ : ۵ × ۳]

فن تجوید پر ایک رسالہ - مصنف کا نام معلوم نہیں ،

کاتب ندارد

تاریخ کتابت ۲۲ ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ

۱۱ - زینۃ القاری [اوراق ۴ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶½ : ۷ × ۴]

نصرت بن عمر عرف اسکندر کا رسالہ تجوید میں ،

تاریخ کتابت - ۱۰ - ذوالقعدہ ۱۲۲۴ھ

حدیث

۱۲ - شرح کافی - دیکھو مرآۃ العلوم - ج ۱ - ص ۱۹۲ ،

[اوراق ۲۴۹ : سطور ۳۳ - خوبصورت نسخ - سرلوح - سرلوح مطلا - تقطیع ۱۳ × ۷½ : ۹½ × ۴½]

ابو جعفر کلینی کے معروف مجموعہ حدیث کی فارسی شرح از ملا خلیل بن غازی القزوینی (المتوفی ۱۰۸۹ھ)

یہ صرف کتاب الحج پر مشتمل ہے - شعبان ۱۰۶۴ھ میں شروع ہوا -

کتاب کے شروع میں زین الدین احمد خاں بہادر کی ایک مہر مورخہ ۱۲۲۹ھ

ہے۔
کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔

اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے۔ جو مدرسہ یوسف خواجہ (؟) میں بھی رہ چکا ہے۔

۱۳۔ لباب الاخبار [اوراق ۲۴۷۔ سطور ۱۱۔ نستعلیق۔ عربی عبارتیں نسخ میں۔ کرم خوردہ۔ تقطیع ۸½ × ۶ : ۶ × ۳]

احمد بن عبد اللہ کا مجموعہ حدیث جس کا محمد بن محمود نے فارسی میں ترجمہ کیا
دیکھو انڈیا آفس کیٹالاگ۔ عدد ۲۶۳۹
اس پر اس کے سابق مالک شجاعت علی خاں کی مہر ہے۔
کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔

۱۴۔ ترجمہ قطب شاہی۔ دیکھو بوہار لائبریری کیٹالاگ۔ ج ۱۔ ص ۲۲
بہاء الدین العاملی المتوفی ۱۰۳۰ھ کی اربعین کا فارسی ترجمہ از محمد بن علی المعروف بہ ابن خاتون العاملی۔ حسب فرمائش سلطان محمد قطب شاہ فرمانروائے گولکنڈہ
اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے

۱۵۔ اشعۃ اللمعات۔ دیکھو ریو۔ ج ۱۔ ص ۱۴
[اوراق ۳۰۰۔ سطور ۔ نستعلیق۔ تقطیع ۱۱ × ۷ : ۹ × ۴½]
مشکوۃ المصابیح کی شرح مصنفہ شیخ عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی (سنہ ۱۰۵۲ھ)۔ جلد اول
کاتب ندارد
تاریخ کتابت سنہ ۱۱۱۶ھ

۱۶ - **ایضاً - جلد دوم** [اوراق ۲۷۷ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ۱۱½ × ۷ : ۸ × ۴]
تاریخ کتابت ۱۱۱۶ھ

۱۷ - **ایضاً - جلد سوم** [اوراق ۲۷۳ - سطور ۲۵ - نسخ - تقطیع ۱۰½ × ۶½ : ۸ × ۴]
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۱۸ - **ایضاً - جلد چہارم** - [اوراق ۴۹۱ - سطور ۲۵ - نیم شکستہ - تقطیع ۱۲ × ۷ : ۹½ × ۵]
تاریخ کتابت - ۲۱ شوال ۱۰۸۴ھ

اشعہ کی پہلی اور چوتھی جلد کا ایک اور نسخہ بھی ہے - جن پر تاریخ کتابت درج نہیں

۱۹ - **مخازن المعروف** - [اوراق - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ۱۳½ × ۹ : ۱۰½ × ۶]
خواص خان القادری المدنی الحنفی (د ۱۱۱۶ھ) کا مجموعہ حدیث مع ترجمہ فارسی
چار جلدوں میں - یہ صرف دوسری جلد ہے - غالباً یہ مصنف کا خود نوشت نسخہ ہے

۲۰ - **سراج القلوب** [اوراق ۸۵ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۴½ : ۶ × ۳½]
خواجہ امام ابونصر بن سعد بن محمد القفان کی کتاب بدء العالم، خلق وغیرہ مسائل کے
متعلق جس میں حدیثوں سے انکا جواب دیا گیا ہے - دیکھو ایشیاٹک سوسائٹی
بنگال - فہرست رایوناف - عدد ۱۰۰۸ - ۱۰۱۰
کاتب - کریم داد بن حسن قلی - تاریخ کتابت شوال ۱۰۳۰ھ

۲۱ - **حدیث صلوٰة** - [اوراق ۱۵ - سطور ۲۶ - نستعلیق و نسخ - تقطیع ۹½ × ۴½]
نماز کے متعلق حدیثیں اور انکا ترجمہ - کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۲۲ - **چہاردہ حدیث** [اوراق ۱۴۳ - سطور ۱۰ - نستعلیق - تقطیع ۷½ × ۴ : ۴½ × ۲]
محمد باقر بن محمد تقی المجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) کی جمع کردہ ۱۴ حدیثیں مع ترجمہ - یہ
شاہ سلیمان صفوی کے نام معنون ہیں - نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۲۲ ذوالقعدہ ۱۲۳۴ھ - اسکا ایک اور نسخہ بھی ہے

سید محمد عبداللہ

متنبی پر ایک نظر

قدرت الٰہیہ نے علم و فضل کی تقسیم میں توریث کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ اسکا مطمح نظر کمال اور صرف کمال ہے -

وہ جس طرح ایک بادشاہ کے لڑکے کو تخت سلطنت پر اور ایک فاضل کے بیٹے کو مسند درس و افتاء پر بٹھاتی ہے - اسی طرح ایک فقیر بے نوا کے فرزند کو سریر آرائے سلطنت اور ایک اَن پڑھ کے نور دیدہ کو مجتہد بنا دیتی ہے '

مگر اس قانون قدرت کے بالکل برخلاف عام لوگوں کی نگاہیں صرف بڑے بڑے خاندانوں پر لگی رہتی ہیں - اور انکو وہاں کے نونہالوں سے اس چیز کی توقع رہتی ہے - جو ان کے آبا و اجداد کا طغرای امتیاز تھی '

اور اگر کسی معمولی خاندان کا کوئی رکن کسی وقت ایک غیر معمولی طاقت و قوت کے ساتھ نہایت آب و تاب سے منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائے - تو جب تک اسکا فضل و کمال روز روشن کی طرح واضح نہ ہو - اسوقت تک جمہوریت اسکو برابر حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے - بلکہ حسود کی نگاہ تو اس وضوح و ظہور تام کے بعد بھی جب اٹھیگی - تو اسکے عیوب ہی پر پڑیگی - ولنعم ماقیل ؎

فَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ

وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

متنبی جیسے بیش بہا جوہر کو چونکہ قدرت نے اپنی سنت قدیمہ کے عین مطابق ایک ایسے گھرانے کو بخشا تھا - جسکو عامۂ خلائق عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے

تھے۔ اسی لئے ابتدا ہی سے معاصرین کو ریشہ دوانیوں کا موقعہ مل گیا۔ اور یہ سلسلہ اسوقت سے ابتک برابر قائم ہے۔ اور نہ معلوم اس نادرۃ الدہر کے متعلق کب تک چہ میگوئیاں ہوتی رہینگی۔

ذیل میں ہم عبدالملک محمد بن اسمٰعیل ثعالبی کے یتیمۃ الدہر سے متنبی کے اشعار کے معائب و محاسن اختصار کے ساتھ نقل کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ تاکہ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکے کہ اگر ایک طرف تقاضائے بشریت سے اس فطری شاعر نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ تو دوسری طرف روح القدس نے نہایت مضبوطی سے اس کے بازوؤں کو تھاما بھی ہے۔

[یتیمۃ الدہر ج اول ص۱۰۵]

ثعالبی لکھتا ہے: پہلے میں متنبی کے کلام کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں جس میں خوردہ گیروں نے اسکے قبائح و عیوب کو گنا ہے۔ کیونکہ (عقلا نے فرمایا ہے)

؎ وَمَنْ ذَا الَّذِیْ تُرْضٰی سَجَایَاہُ کُلُّھَا   کَفَی الْمَرْءَ نُبْلًا اَنْ تُعَدَّ مَعَایِبُہٗ

(ترجمہ) ایسا کون ہے جسکے سب اخلاق پسندیدہ ہوں۔ کسی آدمی کے شرف و بزرگی کے لئے یہ کافی ہے کہ اس میں گنتی کے عیوب ہوں'

پھر اس کے محاسن اور بدائع کا ذکر کرونگا۔ اس لئے کہ (کسی نے کہا ہے) ؎

فَحُسْنُ دَرَارِیِّ الْکَوَاکِبِ اَنْ تُرٰی   طَوَالِعَ فِیْ دَاجٍ مِّنَ اللَّیْلِ غَیْھَبِ

(ترجمہ) تاروں کی جگمگاہٹ اسوقت خوب دکھائی دیتی ہے۔ جب وہ اندھیری رات میں طلوع کریں'

(متنبی کے عیوب)

(۱)

سب سے اول ہم قبح مطلع کو لیتے ہیں۔ قصیدہ کا مطلع الفاظ کے اعتبار سے عمدہ

شستہ اور شیریں ہونا چاہئے۔ نیز اسکے معنوں میں جودت اور براعت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مطلع ابتداءً قوت سامعہ کو وجد میں لاتا ہے۔ پس اگر مطلع ہی رکیک اور سست ہو۔ تو کان کو اس پورے قصیدہ کا سننا ہی گوارا نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ کسی کے دل میں اتر سکے، اور اس کی مثال ایسی ہوگی۔ جیسے عوام میں مشہور ہے دیگ کے سر پہ تلچھٹ '

متنبی کے بعض مطلع ایسے رکیک اور سست ہیں جنکو عمدہ اور نفیس کہنا تو بجائے خود۔ بلکہ اسکے نکتہ چینوں کی رائے کا استصواب کرتے ہوئے ہمیں بھی چار و ناچار انکے معیوب اور ناقص ہونے پر صاد کرنا پڑتا ہے۔ کان ان کے سننے سے اور دماغ انکے محفوظ کرنے سے گھبراتے ہیں '

(الف) مثلاً متنبی محمد بن زریق کی مدح میں کہتا ہے ؎

هٰذِي بَرَزْتِ لَنَا فَهِجْتِ رَسِيسًا ثُمَّ انْثَنَيْتِ وَمَا شَفَيْتِ نَسِيسًا

(ترجمہ) اے محبوبہ تو ہمارے سامنے ظاہر ہوئی۔ پس تونے اس محبت کو جو تپ کی طرح دل میں پوشیدہ تھی۔ بھڑکا دیا۔ پھر تو واپس ہوئی اور میری بقیہ جان کو شفا نہ دی '

شعر مذکورہ بالا میں لفظ هٰذِي دراصل یا هٰذِي تھا۔ خلاف قاعدۂ نحاۃ متنبی نے (محض ضرورت شعری کے پیش نظر) حرف نداء کو حذف کر دیا۔ پھر اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ رسیس اور نسیس جیسے دو انتہائی ثقیل اور بھدے لفظ لاکر شعر کو بالکل خاک میں ملا دیا '

[متنبی میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ رجز کی زبان قصائد میں بے تحاشا اس لئے استعمال کرتا جاتا ہے تاکہ سامعین اسکی وسعت علمی سے مرعوب ہوں۔ حالانکہ قصیدہ کی زمین رجز کی زمین سے بالکل جداگانہ ہے۔ مترجم]

(ب) مثلاً متنبی نے عضد الدولہ کی مدح میں کہا ہے ؎

اَوْهِ بَدِیْلٌ مِنْ قَوْلَتِیْ وَاهاً لِمَنْ نَأَتْ وَالْبَدِیْلُ ذِکْرَاهَا

(ترجمہ) اب بجائے واہ کے میری زبان پر لفظ آہ ہے۔ اور بسبب اس کے ہجر کے اسکی یاد و...: زبان ہے'

اَوْهِ مِنْ اَنْ لَا اَرٰی مَحَاسِنَهَا وَاَصْلُ وَاهاً وَاَوْهِ مَرْآهَا

(ترجمہ) آہ وہ محبوبہ جسکی خوبیاں اب مجھکو نظر نہیں آتیں۔ اور آہ اور واہ کی اصل دیدارِ محبوب ہے'

(متنبی یہاں عضد الدولہ کی عجمیت کو اپنی پر از غرابت عربیت سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ بنا بریں ثعالبی کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ) نہ معلوم۔ یہ بچھو کا منتر ہے۔ یا کسی بادشاہ کے مدحیہ کا مطلع'

(ج) [متنبی سیف الدولہ سے ناراض ہوکر کافور کے دربار میں پہنچتا ہے۔ اور پہلی ملاقات میں پہلا قصیدہ ان الفاظ سے شروع کرتا ہے] ؎

کَفٰی بِکَ دَاءً اَنْ تَرَی الْمَوْتَ شَافِیاً
وَحَسْبُ الْمَنَایَا اَنْ یَّکُنَّ اَمَانِیاً

(ترجمہ) تجھ کو اسقدر مرض کافی ہے کہ موت کو کافی سمجھنے لگے۔ اور موتوں کو یہ کافی ہے کہ وہ (لوگوں کی) آرزوئیں بن جائیں (آرزو مرغوب چیز کی کی جاتی ہے)

حال آنکہ ابتداء کلام میں مرض۔ موت اور اجل کی بدشگونی کو ایک عامی آدمی بھی سننا گوارا نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ سریر آرائے سلطنت اس سے خوش ہوسکے [متنبی کے نقش قدم پر چلکر کمال اسمٰعیل اصفہانی نے بھی یہی غلطی کی۔ وہ ممدوح کے سامنے یہ مطلع پیش کر رہا ہے ؎

نباشدت نفسے در سر آن کلہداری
کہ سر بکلبۂ احزان ما فرود آری

حال آنکہ مطلع میں اتنی دقت نظری سے کام لیا جاتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ کسی شاعر نے جہانگیر کی مدح میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا ع

اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے کہا۔ تم عروض بھی جانتے ہو۔ شاعر نے کہا نہیں جہاں پناہ۔ فرمایا اگر تم عروض جانتے ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ پھر مصرع کی تقطیع کر کے بتایا۔ کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے "لت بر سرت" اور یہ سخت بے ادبی ہے)

(د) متنبی علی بن ابراہیم تنوخی کی تعریف میں کہتا ہے ؎

أُحَادٌ أَمْ سُدَاسٌ فِي أُحَادِ لُيَيْلَتُنَا الْمَنُوطَةُ بِالتَّنَادِ

(ترجمہ) یہ ہماری لمبی رات جو قیامت سے ملی ہوئی ہے۔ ایک رات ہے یا چھ راتیں۔ ایک سے جڑی ہوئی ہیں (یعنی کامل ہفتہ۔ اور سارا زمانہ۔ کیونکہ زمانہ ہفتوں سے بنا ہوا ہے)

شعر کیا ہے! گنواروں کی بڑبڑاہٹ اور جاٹوں کا ترانہ ہے۔ ذرا سوچو ایک ممدوح جو اپنے مادح سے مدحیہ سننے کے لئے تیار ہو چکا ہو۔ اور پھر ناگہانی طور پر یہ الفاظ بے معنی اسکے کانوں میں پہنچے ہوں۔ تو اسکی خوشی اور جوش کا کیا حال ہوا ہوگا۔

صاحب ابن عباد نے کہا ہے کہ متنبی کا یہ مطلع ایسا ہے جسنے عقول کو محو حیرت بنا دیا ہے۔ اور پروازِ وہم اسکے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس مطلع میں اس نے حساب دانی کے ایسے جوہر دکھائے ہیں جو نہ تو قواعد حساب سے حل ہو سکتے ہیں۔ نہ علم اعداد کے اصول و ضوابط ان سے آشنا ہیں'

(ھ) متنبی ہیاک کا مرثیہ سیف الدولہ کے سامنے پڑھتے ہوئے کہتا ہے ؎

لَا یُحْزِنُ اللّٰہُ الْاَمِیْرَ فَاِنَّنِیْ   لَآخُذُ مِنْ حَالَاتِہٖ بِنَصِیْبِ

(ترجمہ) خدا امیر کو غمگین نہ کرے۔کیونکہ میں اس کے شادی و غم دونوں میں سے حصّہ لیتا ہوں (اور میں یہ نہیں چاہتا کہ مجھے اسکی جانب سے غم ملے)

صاحب کہتا ہے۔ متنبی کے عجیب بے ڈھنگ مطالع میں سے مطلع مذکورہ ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔کہ اگر بالفرض متنبی غم اور بے چینی کا کچھ حصّہ فراخور استعداد لے لے۔ تو سیف الدولہ کیوں مغموم نہ ہو؟[1]

[یہانتک ہم نے مختصر طور پر متنبی کے مطالع پر ثعالبی کی تنقید نقل کی۔ اسکے بعد دوسرا درجہ قصیدہ کی زمین کا ہے۔ شاعر قادر الکلام سعی کرتا ہے۔ کہ کلام میں نشیب و فراز نہ آنے پائے۔ ورنہ اگر ایک شاعر کا ایک شعر اعلےٰ اور دوسرا ساقط ہے۔تو یہ اسکے لئے بدترین عیب ہے۔ مترجم)

ثعالبی فرماتے ہیں: متنبی کی ایک قابل گرفت عادت یہ ہے کہ وہ نفیس سے نفیس اور عمدہ سے عمدہ شعر کہتا ہوا ناگاہ ایسے سُست اور رکیک کلام کہنے پر اتر آتا ہے۔ جس سے قصیدہ کی تمام آب و تاب ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔اس وقت اسپر یہ مثل بالکل چسپاں نظر آتی ہے ؎

اَنْتَ الْعُرُوْسُ لَھَا جَمَالٌ رَائِقٌ   لٰکِنَّھَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ تُصْرَعُ

(ترجمہ) تو وہ دلہن ہے۔جسکا جمال تو دلفریب ہے۔لیکن اسکو روزانہ مرگی کا دورہ پڑتا ہے'

اور اسکو ایسے موقعہ پر بلا مبالغہ ہم اس مجنون سے تشبیہہ دے سکتے ہیں جو نہایت عاقلانہ اور حکیمانہ باتیں کہتا ہوا ناگہانی طور پر بہک جاتا ہے۔ مثلاً اس کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے ؎

---

[1] صاحب کے اس اعتراض کا جواب ترجمہ میں ہو چکا (مترجم)

اَتُرَاهَا لِكَثْرَةِ الْعُشَّاقِ تَحْسَبُ الدَّمْعَ خِلْقَةً فِي الْمَآقِي

(ترجمہ) کیا تو محبوبہ کو دیکھتا ہے کہ وہ کثرت عشاق (اور انکے گریۂ پیہم) سے یہ سمجھنے لگی ہے۔ کہ آنسو گوشۂ چشم میں ہی پیدا ہوتے ہیں'

یہ مطلع نہایت نفیس اور بالکل نئے مضمون کا حامل ہے۔ مگر اس کے بعد فوراً ہی کہتا ہے ؎

كَيْفَ تَرْثِي الَّتِي تَرَى كُلَّ جَفْنٍ رَآهَا غَيْرَ جَفْنِهَا غَيْرَ رَاقِ

(ترجمہ) وہ محبوبہ جسنے اپنی آنکھ کے سوا ہر آنکھ کو آنسوؤں سے بہتا ہوا دیکھا ہے۔ کیونکر رحم کرے گی (کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ آنسو گوشۂ چشم میں پیدا ہوتے ہیں)

یہ شعر [تعقید لفظی۔ بندش کی سستی۔ تکرار لفظ "غیر" وغیرہ کے باعث] اگر دیوان سے نکال پھینکا جائے تو کسی عقلمند کو اسپر افسوس نہیں ہوگا۔

اسی طرح ایک اور قصیدہ میں بہترین مضامین بیان کرتا ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

قَدْ كُنْتُ اَشْفِقُ مِنْ دَمْعِي عَلَى بَصَرِي فَالْيَوْمَ كُلُّ عَزِيزٍ بَعْدَكُمْ هَانَا

(ترجمہ) پہلے تو مجھے رونے سے بینائی جانے کا خطرہ تھا۔ مگر اب تمہارے بعد ہر عزیز شے میری آنکھوں میں ذلیل ہوگئی ہے (خوب رونے لگا)

[شعر کے لاجواب ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا] مگر اسکے بعد اسے تعلّی کی جو سوجھی ہے۔ تو تمام شعراء سے بڑھنے کے لئے سواری کے مضمون کو نہایت ناموزون طریقہ سے بیان کر گیا ہے۔ جو بقول صاحب اخرجی الخرایا دذلیل ترین طریقہ، ہے۔ کہتا ہے ؎

لَوِاسْتَطَعْتُ رَكِبْتُ النَّاسَ كُلَّهُمُ اِلَى سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بُعْرَانَا

(ترجمہ) اگر میرے بس میں ہو تو تمام لوگوں کو اونٹ بنا کر ان پر سوار ہو کر سعید بن عبداللہ

کے پاس چلا جاؤں'

صاحب کہتا ہے۔ لوگوں میں تو خود شاعر کی والدہ بھی شامل ہے تو کیا متنبی اسپر سوار ہونے کے لئے تیار ہونگے؟ ذرا سوچو تو روئے زمین پر ایسا بیہودہ گو کہیں نہ ملیگا۔ واضح رہے کہ غالباً خود متنبی کو بھی اس کا احساس ہوا ہے۔ شاید اسی لئے استدراک کے طور پر کہتا ہے ؎

فَالْعِيْسُ اَعْقَلُ مِنْ قَوْمٍ رَاَيْتُهُمْ   عَمَّا يَرَاهُ مِنَ الْاِحْسَانِ عُمْيَانَا

(ترجمہ: کیونکہ اونٹ اس قوم سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ جو احسان کے ان راستوں سے جنکو ممدوح بخوبی جانتا ہے۔ بالکل اندھے ہیں'

پھر اسی قصیدہ میں اس قسم کے واہی تباہی اشعار کہنے کے بعد جب مدح شروع کی ہے تو نہایت عمدگی سے مضمون باندھا ہے۔ کہتا ہے ؎

اِنْ كُوْتِبُوْا اَوْ لُقُوْا اَوْ خُوْطِبُوْا وُجِدُوْا   فِي الْخَطِّ وَاللَّفْظِ وَالْهَيْجَاءِ فُرْسَانَا

(ترجمہ) اگر ان سے کتابت اور خطابت اور جنگ میں موازنہ کیا جائے تو وہ خط اور تقریر اور جنگ میں شہسوار نکلیں گے'

كَاَنَّ اَلْسُنَهُمْ فِي النُّطْقِ قَدْ جُعِلَتْ   عَلٰى رِمَاحِهِمْ فِي الطَّعْنِ خُرْصَانَا

(ترجمہ) گویا انکی زبانیں بولنے میں ایسی تیز ہیں۔ جیسے بوقت نیزہ زنی انکے نیزوں کے بھالے

كَاَنَّهُمْ يَرِدُوْنَ الْمَوْتَ مِنْ ظَمَاٍ   اَوْ يَنْشَقُوْنَ مِنَ الْخَطِّيِّ رَيْحَانَا

(ترجمہ) گویا وہ لوگ موت کے گھاٹ پر ایسے اترتے ہیں۔ جیسے کوئی پیاسا پانی پر اور خطی نیزے سے بوئے ریحاں سونگھتے ہیں'

اس سحر حلال کے بعد عادت سے مجبور ہو کر کہتا ہے ؎

خَلَائِقٌ لَوْ حَوَاهَا الزِّنْجُ لَانْقَلَبُوْا   ظُمْىَ الشِّفَاهِ جِعَادَ الشَّعْرِ غُرَّانَا

(ترجمہ) ان کے اخلاق ایسے ہیں کہ اگر وہ زنگیوں میں پائے جائیں تو ان کے ہونٹ باریک

اور بال گھنگریالے اور چہرے سفید ہو جائیں[1]،

(۳)

متنبی کے منجملہ عیوب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ نا مانوس الفاظ۔ اور تعقید لفظی سے بچ نہیں سکتا۔ یہ بھی اسکی نارام شدہ سواریوں میں سے ایک سواری ہے۔ جس کے کہ ہاں پر بیٹھ کر وہ ناہموار راستوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوتا ہے۔ دوسرے کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ تھک جاتا ہے اور تھکا دیتا ہے۔ اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔ مثلاً اپنی سانڈنی کے متعلق کہتا ہے

فَتَبِيْتُ تُسْئِدُ مُسْئِداً فِيْ نَيِّهَا إِسْآدَهَا فِي الْمَهْمَهِ الْإِنْضَاءُ

ترجمہ) سو وہ ناقہ ایسے حال میں رات گذارتی ہے کہ اسکی چربی میں لاغری ایسی دوڑتی ہے۔ جیسی وہ بیابان میں دوڑتی ہے

[شعر میں تعقید لفظی کی عریانی دیکھئے] اگر شعر کو اپنی اصلی صورت میں لایا

---

[1] اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو کسی اچھے اور منتخب قصیدہ میں دو چار ناقص اشعار کا پایا جانا قابل گرفت نہیں۔ اسلئے کہ آجتک کسی شاعر یا ناثر کا پورا کلام عمدہ ثابت نہ ہو سکا اور جبکہ معلقات سبعہ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ ہو سکے تو ہمیں متنبی پر گرفت کرنیکا کون حق ہے۔ صاحب الوساطۃ لکھتا ہے "اگر متنبی کے کسی قصیدہ میں تم ایک شعر برا دکھاؤ گے تو اسکے بدلے میں تمہیں دس اچھے دکھا دونگا" نیز کسی نے متنبی کی نسبت ایک شاعر سے پوچھا۔ اسنے جواب دیا لہ حسنات وسیآت سائل نے سنکر کہا۔ ان الحسنات یذھبن السیآت۔ تعجب ہے تم ایک انسان سے یہ امید کیوں رکھتے ہو کہ وہ ہر عیب اور کمزوری سے پاک اور اسکا پورا کلام شستہ و رفتہ ہو۔ اسبات کو ایک فارسی شاعر نے کس خوبی سے واضح کیا ہے۔ وہ کہتا ہے

در نظام و در فصاحت کے بود یکساں سخن گرچہ گوینده بود چون جاحظ و چون اصمعی
در کلام ایزد بیچون که وحی منزل است کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی (مترجم)

جائے۔ تو عبارت یوں ہوگی فتبیت تسئد مسند الا نضاءِ فی بیتھا اسآرھا فی المھمہ [مگر متنبی نے تقدیم و تاخیر کر کے شعر کو چیستان بنا دیا۔ پھر تسئد مسئدا اسآء کی تکرار بھی مذاق سلیم کو گوارا نہیں،'

ایک دوسرا شعر ہے ؎

اَنّٰی یَکُوْنُ اَبَا الْبَرَایَا آدَمٌ ۔۔۔ وَ اَبُوْکَ وَالثَّقَلَانِ اَنْتَ مُحَمَّدٌ

(ترجمہ) آدم تمام لوگوں کا باپ کیونکر ہے۔ حال آنکہ تیرا باپ محمد ہے۔ اور تو بذاتِ خود جن و انس کا مجموعہ ہے

اس شعر میں بھی تعقید لفظی ہے۔ تقدیر یوں ہے۔ انی یکون آدم ابا البرایا وابوک محمد و انت الثقلان

(۴)

متنبی شعر کے بعض میں لغت اور اعراب دونوں کی پرواہ نہیں کرتا [یہ بدترین عیب ہے جو کسی شاعر میں پایا جا سکے۔ ہرچند کہ متنبی کی طرف سے شراح اور دوسرے علما نے توجیہات کیں۔ مگر الحق احق ان یتبع۔ شاعر کا کام الفاظ کو بدلنا اور نئے نئے الفاظ کو وضع کرنا نہیں ہے۔ بلکہ قوم کی زبان میں خیالات کی مصوری کرنا ہے [مثلاً حسین بن اسحق تنوخی کی مدح میں کہتا ہے ؎

فِدًی مَنْ عَلَی الْغَبْرَاءِ اَوَّلُھُمْ اَنَا ۔۔۔ لِھٰذَا الْاَبِیِّ الْمَاجِدِ الْجَائِدِ الْقَرْمِ

(ترجمہ) اس برے کاموں سے بچنے والے شریف سخی سردار پر تمام روئے زمین پر رہنے والے قربان اور سب سے پہلے ہیں'

شعر مذکور میں لفظ جائد متنبی نے خود گھڑا ہے۔ مادہ جود سے جواد آیا ہے۔ فرس جواد۔ رجل جواد۔ مطر جواد کہتے ہیں مگر جائد نہیں سنا گیا ہے'

(ب) شَدِیْدُ الْبُعْدِ مِنْ شُرْبِ الشَّمُوْلِ ۔۔۔ تُرُنْجُ الْھِنْدِ اَوْ طَلْعُ النَّخِیْلِ

(ترجمہ) ترنج ہندی اور کھجور کا شگوفہ نوشی کے شایانِ شان نہیں ہے'

حال آنکہ صحیح لفظ اترج ہے - ترنج از قبیل غلط العوام ہے - صاحب ابن
عباد طنزاً کہتا ہے - میں نہیں سمجھتا کہ براعت استہلال کی تعریف کروں - یا
بدیع مضمون کی داد دوں - یا خود ساختہ ترنج کی فصاحت پہ سر دھنوں'

دیگر ؎

لَیسَ اِلّاکَ یَا عَلِیُّ ھُمَامُ سَیفُہُ دُونَ عِرضِہٖ مَسلُولُ

(ترجمہ) اے علی تیرے سوا کوئی ایسا سردار نہیں ہے - جسکی شمشیر برہنہ اسکی آبرو
کی محافظ ہو'

دوسرے موقعہ پہ کہتا ہے ؎

لَم تَرَ مَن نَادَمتُ اِلّاکَا لَا لِسِوَی وُدِّکَ لِی ذَاکَا

(ترجمہ) اے ممدوح) تونے ایسا کسی شخص کو نہیں دیکھا - جس کے ساتھ میں نے ہمنشینی
اختیار کی ہو - بجز تیرے کیونکہ تیری مجھ سے محبت ہے'

مذکورہ بالا ہر دو شعروں میں نحوی غلطی ہے - کیونکہ الا کے ساتھ ضمیر خطاب
کو متصل کر کے لایا - حال آنکہ ایسے موقعہ پر انفصال ضروری ہے - جیسے
قرآن شریف میں ہے "ضَلَّ مَن تَدعُونَ اِلَّا اِیَّاہُ"

دیگر ؎

نَعظُمتَ حَتّٰی لَو تَکُونَ اَمَانَۃً مَا کَانَ مُؤتَمَناً بِھَا جِبرِینُ

(ترجمہ) تو اتنا بڑا ہے - کہ اگر تجھے امانت کہا جائے - تو اسکا امانت دار جبریل امین
بھی نہ ہو سکے'

[یہ لغت میں نا جائز دست اندازی کا بدترین موقع ہے] صاحب کہتا ہے کہ
جبریل کے لام کو نون سے بدلنا منون (موت) سے بھی بدتر ہے - میں سمجھتا

ہوں۔ خود حضرت جبریل اس تبدیلی کے خلاف احتجاج فرمائینگے۔ علاوہ بریں نفس مضمون بالکل لچر اور پوچ ہے۔

(۵)

متنبی بعض اوقات قواعد عروض کا لحاظ بھی نہیں کرتا [جسپر شعر کی صحت وسقم کا مدار ہے] مثلاً ابوالفرج احمد بن حسین کی مدح میں کہتا ہے ؎

تَفَكُّرُهُ عِلْمٌ وَمَنْطِقُهُ حُكْمٌ وَبَاطِنُهُ دِيْنٌ وَظَاهِرُهُ ظَرْفٌ

(ترجمہ) اسکا تفکر علم ہے۔ اور اسکی بات (سراپا) حکم ہے اور اسکا باطن دین اور ظاہر خوشروی ہے'

اس شعر میں عروضی غلطی یہ ہے۔ کہ بحر طویل کا عروض سوائے تصریع کے کبھی بھی مفاعیلن سالم نہیں آتا بلکہ مفاعلن (مقبوض) آنا ضروری ہے۔ مگر متنبی نے باوجود تصریع نہ ہونے کے مفاعیلن کو سالم استعمال کیا۔ صاحب کہتا ہے کہ ہم اس باب میں فیصلہ کرنے کے لئے متنبی کے سامنے تمام قدماء اور متاخرین شعراء کے کلام کا انبار پیش کرتے ہیں جس کے دیکھنے کے بعد روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ متنبی نے یہاں شدید غلطی کی۔

(۶)

کبھی کبھی غریب اور بالکل وحشی الفاظ کو باندھتا ہے۔ حالانکہ وہ متاخرین شعراء میں سے ہے۔ جنکی زبان میں متقدمین کی نسبت زیادہ گھلاوٹ اور سلاست ہے۔ خود متنبی بھی عموماً انکی روش پر چلتا ہے۔ بلکہ کبھی غلو کرتے ہوئے دوسری جانب بڑھ کر رکیک اور بازاری الفاظ پر اتر آتا ہے

گاہے اسکے بالمقابل یکایک ایک غریب وحشی اور شاذ بدوی لفظ کو لے آتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات خالص متقدمین سے بھی اس بارے میں گوئے سبقت لیجاتا ہے۔

مثلاً ؎

بِسَاحِیَۃٍ عَلَی الْاَجْدَاثِ حَفْشٌ　کَاَیْدِی الْخَیْلِ اَبْصَرَتِ الْمَخَالِی

(ترجمہ) وہ پراگندہ بادل زمین کو بسبب شدت بارش کے ایسا ادھیڑتا ہے۔ جیسے گھوڑوں کے پاؤں جبکہ وہ توبرے دیکھ لیتے ہیں'

ساحی کے معنی پراگندہ۔ حفش۔ زور سے گر پڑنے کو کہتے ہیں شعر مذکور میں یہ دونوں لفظ بالکل وحشی اور مستنکرہ ہیں'

دیگر ؎

لِی حَصَی اَرْضٍ اَقَامَ بِھَا　بِالنَّاسِ مِنْ تَقْبِیْلِھَا یَلَلٌ

(ترجمہ) جس زمین پر ممدوح کا قیام ہے۔ اسکے سنگریزوں کے بوسہ لینے کے اشتیاق میں لوگوں کے دانت ناہموار ہوگئے ہیں'

یلل کے معنی ہیں دانتوں کا ابھر کر اندر کی طرف کو مڑجانا۔ ثعالبی فرماتے ہیں اس لفظ کو میں نے کسی اور شعر میں نہیں دیکھا'

دیگر ؎

اُسَائِلُھَا عَنِ الْمُتَدَیِّرِیْھَا

(ترجمہ) میں اس ویران گھر سے اسکے رہنے والوں کی بابت پوچھتا ہوں'

صاحب کہتا ہے۔ متنبی کے اس متدیریھا کو اگر کسی صاف و شفاف دریا میں بھی ڈال دیا جائے۔ تو اسے مکدر کرکے چھوڑ دیگا۔ یا اسکو کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیا جائے تو اسے بھی ہلا دیگا۔

صاحب کہتا ہے۔ کبھی کبھی تو متنبی ایسے شاذ کلمے اور قابل نفرت الفاظ کہہ

دیتا ہے۔ جسسے گمان گذرتا ہے کہ اسنے تمام عمر خیموں میں اونٹ کا دودھ پی پی کر گذاری ہے۔ اور کبھی آبادی کی صورت ہی نہیں دیکھی۔ مثلاً لفظ (توراب) اس شعر میں ؎

اَیَفْطِمُهُ التَّوْرَابُ قَبْلَ فِطَامِهِ ۔ وَیَاکُلُهُ قَبْلَ الْبُلُوْغِ اِلَى اْلاُکْلِ

(ترجمہ) کیا اس بچہ کے دودھ چھوڑنے سے پہلے قبر کی مٹی اس کا دودھ چھڑادے۔ اور کھانے کے وقت تک پہنچنے سے پہلے مٹی اسے کھا جائے '

مزید براں کبھی کبھی نہایت عجیب و غریب اور بے انتہا مضحکہ خیز جمعیں لاتا ہے مثلاً اروضٌ جمع ارض ۔اس شعر میں ؎

اُرُوضُ النَّاسِ مِنْ تُرْبٍ وَخَوْفٍ ۔ وَاَرْضُ اَبِیْ شُجَاعٍ مِنْ اَمَانٍ

(ترجمہ) دیگر لوگوں کی زمینیں مٹی اور خوف سے بنی ہیں۔ اور ابوشجاع کی زمین امن و امان سے بنی ہے '

دیگر (لُغیٰ) لغت کی جمع ۔اس شعر میں ؎

عَلِیْمٌ بِاَسْرَارِ الدِّیَانَاتِ وَاللُّغیٰ

(ترجمہ) وہ دینوں اور زبانوں کا رازدان ہے '

دیگر (دُنی) دنیا کی جمع اس شعر میں ؎

اَعَزُّ مَکَانٍ فِی الدُّنٰی سَرْجُ سَابِحٍ ۔ وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ

(ترجمہ) دنیا میں سب سے باعزت مقام تیز رفتار گھوڑے کی زین ہے۔ اور بہترین ہمنشین زمانہ میں کتاب ہے '

دیگر (اخاء) اخ کی جمع '

کُلُّ اِخَائِہٖ کِرَامُ بَنِی الدُّنْیَا

(ترجمہ) اسکے سب بھائی بند سب لوگوں سے زیادہ شریف ہیں '

صاحب کہتا ہے۔ اگر متنبی کے اس اخائہ کو شماخ کے قصیدہٗ رائیہ[1] میں بھی رکھ دیا جاتا۔ تو اسے ثقیل بنا دیتا۔ چہ جائیکہ ایسے قصیدہ میں ہو جسکے اشعار یہ ہیں ؎

فَلَ سَمِعْنَا مَا قُلْتَ فِی الْاَحْلَامِ　　وَ اَنَلْنَاکَ بَدْرَۃً فِی الْمَنَامِ

(ترجمہ) ہم نے تیرے خواب میں کہے ہوئے کلام کو سُنا۔ اور تجھ کو ایک ہزار کا توڑا خواب ہی میں دے دیا۔

(۷)

متنبی کے عیوب میں سے رکاکت اور عامیانہ پن بھی ہے مثلاً ؎

مَا اَنْصَفَ الْقَوْمُ ضَبَّہ　　وَ اُمَّہُ الطُّرْطُبَّہ

(ترجمہ) لوگوں نے ضبہ اور اسکی دراز اور ڈھیلی پستان والی ماں سے منصفانہ برتاؤ نہ کیا۔

رَمَوا بِرَأسِ اَبِیْہِ الخ کہ اس کے باپ کا سر تو کاٹ کر پھینک دیا الخ

[یہ پورا قصیدہ ایسا فحش ہے کہ خود متنبی کو بعد میں اسکا سننا گوارا نہ تھا۔ مترجم]

دیگر ؎

فَکَاَنَّمَا حَسِبَ الْاَسِنَّۃَ حُلْوَۃً　　اَوْ ظَنَّہَا الْبَرْنِیَّ وَ الْاٰزَاذَا

(ترجمہ) گویا اسنے نیزوں کو میٹھا سمجھا تھا یا اسکو برنی اور ازاذ نامی کھجور سمجھا تھا (جو اس بیباکی سے مقابلہ پر آمادہ ہوا تھا)

صاحب کہتا ہے۔ جہاں برنی اور ازاذ سے شکر ملا دیا گیا۔ تو بس معاملہ ختم ہے۔

---

[1] صاحب نے شماخ کے جس قصیدہ کا حوالہ دیا ہے۔ اسکا مطلع یہ ہے ؎

اَتَعْرِفُ رَسْماً دَارِساً قَدْ تَغَیَّرَا　　بِذَرْوَۃَ اَقْوٰی بَعْدَ لَیْلٰی وَ اَقْفَرَا

کَمَا خَطَّ عِبْرَانِیَّۃٌ بِیَمِیْنِہِ　　بِتَیْمَاءَ حِبْرٌ ثُمَّ عَرَّضَ اَسْطُرَا

تمام شعراء نے قابل ستر مقامات کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا ہے۔ جو آداب مجلس کے خلاف نہ ہوں۔ اور زبان پر لانے سے حیا دامنگیر نہ ہو لیکن متنبی نے اس باب میں بھی تمام قیود و ضوابط کو خیر باد کہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تشبیب کے موقعہ پر کہتا ہے ؎

إِنِّيْ عَلَى شَغَفِيْ بِمَا فِيْ خُمْرِهَا
لَأَعِفُّ عَمَّا فِيْ سَرَا وِيْلَاتِهَا

صاحب کہتا ہے کہ متنبی کی اس عفت مآبی پر سو برائیاں قربان'

(۸)

متنبی کا ایک عیب استعارہ بعیدہ ہے۔ چنانچہ سیف الدولہ کی ہمشیرہ کے مرثیہ میں لکھتا ہے ؎

مَسَرَّةٌ فِيْ قُلُوْبِ الطِّيْبِ مَفْرِقُهَا وَحَسْرَةٌ فِيْ قُلُوْبِ الْبِيْضِ وَالْيَلَبِ

(ترجمہ) اسکی مانگ خوشبو کے دلوں میں عین مسرت ہے۔ اور خود اور حلیتہ کے دلوں میں حسرت'

دیگر ؎

لَمْ يُحْكِ نَائِلَكَ السَّحَابُ وَإِنَّمَا حُمَّتْ بِهٖ فَصَبِيْبُهَا الرُّحَضَاءُ

(ترجمہ) بادل نے تیری بخشش کی نقل نہیں اتاری۔ بلکہ (مارے شرم کے) اسکو بخار چڑھا سو یہ بارش اسکے بخار کا پسینا ہے'

دیگر ؎

إِلَّا يَشِبْ فَلَقَدْ شَابَتْ لَهٗ كَبِدٌ شَيْبًا إِذَا خَضَبَتْهُ سَلْوَةٌ نَصَلَا

(ترجمہ) اگر وہ عاشق بوڑھا نہیں ہوا تو اسکا جگر بیشک بوڑھا ہو گیا ہے۔ اگر اسپر ترک محبت کا خضاب کیا جائے تو وہ فوراً جاتا رہتا ہے اور وہی عشق کی بیچینی آموجود ہوتی ہے

دیگر ؎

وَلَقَدْ ذُقْتُ حَلَاوَةَ الْبَنِيْنَ عَلَى الصِّبَا فَلِذَا تَحْسِبُنِي قُلْتُ مَا قُلْتُ عَنْ جَهْلٍ

(ترجمہ) میں نے اولاد کی شیرینی انکے عین زمانہ بچپن میں دیکھی ہے۔ سو یہ خیال نہ کر کہ میں نے جو کچھ کہا وہ ناوانستگی سے کہا'

اشعار مذکورہ بالا میں طیب - یقق - یلب کے لئے دل اور سحاب کے لئے نمی - جگر کے لئے بڑھاپا ثابت کیا ہے۔ یہ ایسے استعارے ہیں جن میں مناسبت قریبہ تو بجائے خود دور کا کوئی رشتہ بھی نہیں پایا جاتا - حالانکہ استعارہ میں رونق اور حلاوت اسوقت پیدا ہوتی ہے - جب ایک خاص مشابہت اور مناسبت کی بناء پر استعارہ کیا گیا ہو'

صاحب کہتا ہے - ہم ایک مدت سے ابوتمام کے اس قول (لا تسقنی ماءَ الملام) پر تعجب کرتے تھے کہ اتنے میں متنبی نے اولاد کا حلوا لاکر پیش کر دیا۔

(9)

متنبی کے عیوب میں سے اور بڑا عیب یہ ہے کہ لفظ ذا کا استعمال بہت زیادہ کرتا ہے - قاضی جرجانی نے کہا ہے کہ لفظ ذا کا شعر میں لانا شاعر کی کمزوری پر دال ہے - ہاں کہیں کہیں مناسبت مقام کے رو سے کلام میں حسن بھی پیدا کر دیتا ہے - مگر نہ اسطرح جیسا کہ متنبی اسکو بلا تحاشا استعمال کرتا جاتا ہے - امثلۂ ذیل میں غور کیجئے ؎

قَدْ بَلَغْتَ الَّذِيْ اَرَدْتَ مِنَ الْبِرِّ وَمِنْ حَقِّ ذَا الشَّرِيْفِ عَلَيْكَا

(ترجمہ) تونے ہمارے ساتھ جس احسان کا ارادہ کیا تھا - اسکو پورا کر دیا - اور نیز اس شریف کا حق بھی جو تجھپر عائد ہوتا تھا'

دیگر ؎

اَفِی کُلِّ یَوْمٍ ذَا الدُّمُسْتُقُ مُقْدِمٌ   قَفَاهُ عَلَی الْاَقْدَامِ لِلْوَجْہِ لَائِمُ

(ترجمہ) کیا ہر روز یہ دمستق پیشقدمی کرکے تیری طرف آئیگا اور اس پیشقدمی پر اسکی پیٹھ اس کے منہ کو ملامت کرے گی (کہ کیوں اول اقدام کرکے اب پیٹھ پھیرلی)

اس قسم کا استعمال متنبی کے کلام میں نہایت کثرت سے پایا جاتاہے۔ حالانکہ اسکی سخافت اور ضعف بالکل ظاہر ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے متعدد دواوین میں سے کوئی دیوان اٹھا لیجئے۔ کہیں بھی آپ کوذا کا استعمال نظر نہیں آئے گا۔ البتہ متاخرین شعرانے اسکا استعمال کیاہے۔ لیکن بہت شاذ و نادر۔ اور وہ بھی جہاں قافیہ تنگ ہو،

(۱۰)

متنبی مبالغہ میں غلو کے اس درجہ تک پہنچ جاتاہے۔ جس کی قبولیت اور جواز کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی مثلاً ؎

فَبَعْدَہٗ وَاِلٰی ذَا الْیَوْمِ لَوْرَکَضَتْ   بِالْخَیْلِ فِیْ لَھَوَاتِ الطِّفْلِ مَا سَعَلَا

(ترجمہ) سو اسدن سے آج تک یہ حال ہے کہ اگر ممدوح ان کے بچوں کے تالووں میں بھی گھوڑے دوڑائے تو وہ بھی (باوجود بے سمجھ ہونے کے) خوف کے مارے کھانس نہیں سکتے

دیگر ؎

وَلَوْ قَلَمٌ اُلْقِیْتُ فِیْ شَقِّ رَأْسِہٖ   مِنَ السُّقْمِ مَا غَیَّرْتُ مِنْ خَطِّ کَاتِبِ

(ترجمہ) اور اگر میں کسی قلم کے شگاف میں ڈالاجاؤں تو لاغری کی وجہ سے لکھنے والے کے خط میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہ کروں،

(۱۱)

ایک لفظ کو بغیر کسی خاص صنعت کے ایک ہی شعر میں مکرر لاتاہے مثلاً ؎

فَقَلْقَلْتُ بِالْھَمِّ الَّذِیْ قَلْقَلَ الْحَشَا   قَلَاقِلَ عِیْسٍ کُلُّھُنَّ قَلَاقِلُ

ترجمہ) سو میں نے بسبب اس غم کے جتنے میرے اعضاء باطنی کو ہلا دیا۔ ایسے سریع السیر سانڈنیوں کو حرکت دی۔ جو سب کی سب حرکات مجسم تھیں'

خیال فرمائیے کہ صنعت تجنیس کے جمانے میں متنبی کہاں سے کہاں جاگرا

صاحب ابن عباد فرماتے ہیں "ماله قلقل الله احشاءه وما هذه القافات الباردة"

دیگر ؎

العارض الهتن ابن العارض الهتن　　ابن العارض الهتن ابن العارض الهتن

ترجمہ) ممدوح ابر ریزان ہے اور ایسا ہی اسکا باپ دادا اور پردادا تھے'

دیگر ؎

جواب مسائلی الهُ نظیره　　ولا لک فی سؤالک لا الا لا

جو مجھ سے پوچھتا ہے۔ کہ کیا ممدوح کا کوئی نظیر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسکی نظیر تو نہیں۔ لیکن تو بھی بے نظیر ہے'

صاحب کہتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ شعر کان میں کس طرح جاگزین ہو سکے گا۔ فافا، (وہ شخص جو فاء کو ادا نہ کر سکے) تو سننے میں آیا تھا مگر لالاء کے وجود کا مجھے اس متکلف متصنع کے ذریعہ علم ہوا۔ جو اپنے معلومات کی سرحد پر ٹھہرنا اپنے لئے عار سمجھتا ہے'

(۱۲)

آداب محفل اور طریق خطاب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بعض جگہ ایسے الفاظ لے آتا ہے جو شایان مجلس نہیں ہوتے۔ مثلاً سیف الدولہ کی بہن کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

وهل سمعت سلاماً لي ألمَّ بها　　فقد اطلت وما سلمت عن كثب

(ترجمہ) اور اے (زبین) کیا وہ سلام جو میری طرف سے اس کے پاس آیا - تو نے سنا کیونکہ
میں نے اُسے دُور سے دعا بھیجی ہے - اور قریب سے سلام کرنے کی نوبت نہیں پہنچی '

اسکو حرم شاہی پر سلام کہنے کا کیا حق ہے - اور پھر ان کے متعلق یہ یاوہ
گوئی جس کو صرف ایک غزلخواں ہی کسی مجہول اور نا معلوم الاسم محبوبہ کے فراق
میں گا سکتا ہے اور بس '

یَعلَمْنَ حِیْنَ تُحَیَّ حُسْنَ مَبْسِمِھَا ۔۔۔ وَلَیْسَ یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰہُ بِالشَّنَبِ

(ترجمہ) سلام لیتے وقت ان کے ہونٹوں کی خوبصورتی کو تو (انکی سہیلیاں) معلوم کرلیتی
ہیں - اور ان کا آب دنداں سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا '

ابو بکر خوارزمی نے کہا ہے - اگر میری زوجہ کے مرثیے میں کوئی شخص اس
قسم کے الفاظ استعمال کرتا - تو میں اسکو متوفیہ کے ساتھ ملا کر دم لیتا اور اس کی
قبر پر شاعر کی گردن مار دیتا '

(۱۳)

متنبی کے منجملہ عیوب کے ایک عیب عقائد فاسدہ کا اظہار ہے - اگرچہ ضعف عقیدہ
کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں - مگر اسلام کی جلالت اور عظمت کا تقاضا یہ ہے
کہ اپنے ہر قول اور فعل میں (نثر ہو یا نظم) اسکا پورا پورا خیال رکھا جائے - مگر
متنبی نے اسکا بالکل خیال نہیں رکھا اور اکثر موقعوں میں دین سے تمسخر کرتا
چلا جاتا ہے - مثلاً ؎

وَ اَبْھَرُ آیَاتِ التِّھَامِیِّ اَنَّہٗ ۔۔۔ اَبُوْکُمْ وَ اِحْدٰی مَالَکُمْ مِنْ مَنَاقِبِ

(ترجمہ) بنی تہامی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے روشن تر معجزہ یہ ہے کہ وہ تمہارے
جیسی اولاد کا باپ (دادا) ہے اور تمہارے لئے ان کا باپ ہونا منجملہ دیگر مناقب کے
ایک منقبت ہے '

دیگر ؎

تَتَقَاصَرُ الْاَفْهَامُ عَنْ اِدْرَاكِهِ مِثْلَ الَّذِی الْاَفْلَاكُ فِیهِ وَالدُّنَا

(ترجمہ) لوگوں کے فہم اس کے (مرتبے کے) دریافت سے ایسے قاصر ہیں جیسے اس چیز کے ادراک سے جس میں افلاک اور تمام عالم ہیں'

مذکورہ بالا شعر میں پورے افراط سے گستاخی کی ہے کیونکہ افلاک اور دنیا کی ظرف صرف علم الٰہی ہے اور متنبی نے اپنے ممدوح کو علم الٰہی سے مساوی کہا'

دیگر ؎

لَوْ كَانَ ذُوالْقَرْنَیْنِ اَعْمَلَ رَاْیَهُ لَمَّا اَتَی الظُّلُمَاتِ صِرْنَ شُمُوسَا

(ترجمہ) اگر ذوالقرنین جب کہ ظلمات میں گیا تھا۔ اسکی رائے کو کام میں لاتا تو ظلمات آفتاب کی طرح روشن ہو جاتے'

اَوْ كَانَ صَادَفَ رَاْسُ عَازَرَ سَیْفَهُ فِی یَوْمِ مَعْرَكَةٍ لَاَعْیَا عِیْسٰی

(ترجمہ) یا اگر میدان کارزار میں عازر کا سر ممدوح کی تلوار سے لگتا۔ تو اس کا زندہ ہونا حضرت عیسےٰ کو عاجز کر دیتا [عازر کو حضرت عیسیٰ نے زندہ کر دیا تھا]

اَوْ كَانَ لُجُّ الْبَحْرِ مِثْلَ یَمِیْنِهِ مَا انْشَقَّ حَتّٰی جَازَ فِیْهِ مُوسٰی

(ترجمہ) یا اگر بحیرۂ قلزم کا وسط ممدوح کے داہنے ہاتھ کے عطیات کی طرح ہوتا تو وہ نہ پھٹتا کہ اس میں حضرت موسیٰ گذر جاتے'

معلوم ہوتا ہے کہ فقدان مضمون کے باعث متنبی کا قافیہ تنگ ہوا اور سوا اسکے چارہ نہ رہا کہ تو ہین انبیاء سے کام چلائے'

دیگر ؎

اَنْتَ مَحَلِّ ارْتَقِ ۔ اَیَّ عَظِیْمٍ اَتَّقِی وَكُلُّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَمَا لَمْ یَخْلُقِ

(ترجمہ) کس رتبہ پہ ترقی کروں اور کس بڑے آدمی سے ڈروں - حال آنکہ جن چیزوں کو خدا نے پیدا کیا اور جنکو اب تک پیدا نہیں کیا '

مُحْتَقَرٌ فِي هِمَّتِي كَشَعْرَةٍ فِي مَفْرَقِي (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ)

(ترجمہ) یہ دونوں میری ہمت کے مقابلہ میں ایک موئے سر کی طرح حقیر ہیں! ناچیز اور ہیچ در ہیچ انسان اتنی بڑی ڈینگ کیونکر مار سکتا ہے!

(۱۴)

کبھی کبھی بالکل غلط مضمون بیان کرتا ہے اور بے تکی باتیں کہنے لگتا ہے - مثلاً ؎

أُغَايِرُ مِنَ الزُّجَاجَةِ وَهِيَ تَجْرِي عَلَى شَفَةِ الْأَمِيرِ أَبِي الْحُسَيْنِ

(ترجمہ) میں شیشۂ شراب سے جبکہ وہ لب امیر ابوالحسین پر بہتا ہے غیرت اور رشک کرتا ہوں (کہ وہ کیوں فائز ہوا اور میں محروم رہا)

حال آنکہ شریعت شعر میں یہ غیرت عاشق و معشوق کے درمیان ہوا کرتی ہے - جیسے کہ ابوالفتح کشاجم نے اس مضمون کو نہایت شستگی سے ادا کیا ہے ؎

أَغَارُ إِذَا دَنَتْ مِنْ فِيهِ كَأْسٌ عَلَى دُرٍّ يُقَبِّلُهُ الزُّجَاجُ

(ترجمہ) جب اس کے منہ سے جام ملتا ہے تو میں اس موتی (دانت) پر رشک کرتا ہوں - جسکو گلاس چوم رہا ہے '

مگر امراء اور سلاطین کے دانتوں پر رشک کرنے کے تو کوئی معنی نہیں بنتے '

دیگر گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے ؎

وَزَادَ فِي الْأُذْنِ عَلَى الْخَرَانِقِ

(ترجمہ) اور وہ کان (کی ایستادگی اور باریکی) میں بچۂ خرگوش سے بڑھا ہوا ہے'

حالانکہ گھوڑے کا حسن کان کے پتلا اور سیدھا کھڑا ہونے میں ہے

حسد کو ۔ قلم سے تشبیہ دی جاتی ہے اور خرگوش کے کان تو اس کے بالکل

برعکس ہیں'

(۱۵)

کبھی کبھی صوفیوں کے اصطلاحی الفاظ اور انکے مغلق معانی اور ان

کا معنٰی کلام سے آتا ہے مثلاً ؎

فتی یُخبِرُنِی عَنّی　بِمَا شَرِبَتْ مَشْرُوبَۃُ الرَّاحِ مِنْ ذِهْنِی

ترجمہ: تم میں کوئی ایسا جوان ہے جو مجھے بتلاسکے کہ میرے پئے ہوئے شراب

نے ہوش و حواس کو کسقدر گم کر دیا۔

(صوفیہ کی مدہوشی کو اپنے لئے ثابت کر رہا ہے)

؎

من عایق الزّمانُ لَہُ فِیْکَ　وَخَانَتْہُ قُرْبَکَ الْاَیَّامُ

وہ لوگ ہیں کہ زمانہ نے اپنے لئے تیرے معاملہ میں ہم سے بخل کیا اور ایام

کے باب میں ہماری خیانت کی، (کیونکہ وہ دونوں بھی تیرے عاشق

رقیب تھے)

کہتا ہے۔ اگر اس شعر کو جنید اور شبلی کی عبارات میں ڈال دیا

کا نہیں بلکہ ابوتمام کا ہے۔ چنانچہ صاحب الوساطۃ اسکو ذکر کرنیکے بعد کہتا ہے۔

کے اس مضمون کو یوں ادا کر دیا ہے ؎

... منی　لله ما تصنع الخمور

... ضمیر کی یہ گواہی ہے کہ متنبی کا شعر ابوتمام کے شعر سے اچھا ہے (مترجم)

جائے۔ تو متصوفہ ایک مدت تک اسپر خیال آرائیاں کرتے رہیں'

(۱۶)

کبھی کبھی مسلک شعر کو خیرباد کہکر فلسفیانہ رنگ میں نمودار ہوتا ہے۔

مثلاً ؎

وَلَجُدْتَ حَتّیٰ کِدْتَ تَبْخَلُ حَائِلاً   لِلْمُنْتَهیٰ وَمِنَ السُّرُوْرِ بُکَاءُ

(ترجمہ) تونے اتنی بخششیں کیں کہ انتہا تک پہنچگیا۔ اب قریب ہے کہ تو رجوع کرکے بخیل ہوجائے۔ کیونکہ غایت سرور سے گریہ آہی جاتا ہے'

دیگر ؎

اِلْفُ هٰذَا الْهَوَاءِ اَوْقَعَ فِی   الْاَنْفُسِ اَنَّ الْحِمَامَ مُرُّ الْمَذَاقِ

(ترجمہ) زندگی کی محبت نے ان کے دلوں میں یہ مضمون ڈالدیا ہے کہ موت کا مزہ تلخ ہے (حال آنکہ مصرع ؎ موت مشکل زندگی مشکل تراست)

(۱۷)

بعض اوقات گریز میں خوبی قائم نہیں رکھ سکتا [حال آنکہ شاعر کا عین کمال ہے۔ کہ وہ گریز میں پورا اترے۔ متنبی گریز کا امام شمار ہوتا ہے۔ علامہ عکبری نے اس کے تمام عمدہ مخالص ایک جگہ جمع کردئے ہیں۔ جن سے متنبی کے ماہر فن ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر انسانی کوتاہیاں کسی قادر الکلام کو کب چھوڑ سکتی ہیں۔ چنانچہ نکتہ چینوں نے ایک آدہ مخلص ایسا بھی ڈھونڈھ نکالا۔ جس میں کسی قسم کی خوبی تو بجائے خود بالکل مستکرہ ہے مترجم]

قاضی کہتا ہے۔ متنبی کے کلام میں سوائے ایک کے تمہیں کوئی مستکرہ مخلص نہیں ملیگا۔ اور وہ یہ ہے ؎

اُحِبُّكَ اَوْ يَقُوْلُوْا جَرَّ نَمْلٌ   ثَبِيْرًا وَابْنُ اِبْرَاهِيْمَ رِيْعًا

(باقی آیندہ)

محمد ادریس پشاوری

صلائی

فارسی تذکروں میں اس تخلص کے دو شاعر ملتے ہیں جو اتفاق سے ہمعصر بھی ہیں - ان میں پہلا جلال الدین حسن ہے جو عباس ماضی کے ہاں منصب صدارت پر سرافراز تھا اور سنہ ۱۰۲۰ھ میں وفات پاتا ہے[1] - اس شاعر سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ،

دوسرا حسن بیگ ہے جو ہندوستان آتا ہے - خان آرزو نے مجمع النفائس میں بحوالہ تقی اوحدی اس کے متعلق لکھا ہے کہ اسکا مولد و منشا اسفراین ہے ، اور حسن بیگ نام ہے - تقی اوحدی کا بیان ہے کہ وہ میرے عہد کے زندہ شاعروں میں سے ہے - سنہ ۱۰۰۵ھ میں میری اس سے ہندوستان میں ملاقات ہوئی - اس کا دیوان تقریباً سات ہزار ابیات پر مشتمل ہے - جس کے کئی نسخے استادوں کے ہاتھ کے نوشتہ مطلا و مذہب اس نے مجھے دکھائے - خان آرزو قوت شاعری میں حسن بیگ کو جلال الدین سے بہتر بتاتے ہیں ،

تذکرۂ مخزن الغرائب اور روز روشن میں بھی صلائی کا تذکرہ ملتا ہے - مگر یہ تذکرے تقی اوحدی کی خوشہ چینی کرتے ہیں - روز روشن میں اسکا تخلص صلا لکھا ہے جو کاتب کے سہو پر محمول کیا جا سکتا ہے - اسکی نسبت کاشانی یا خراسانی دی ہے - اگرچہ اصل اسفراین بیان کی ہے - یہ وہ مختصر اطلاع ہے جو ہمیں صلائی کے تعلق میں فارسی تذکروں سے ملتی ہے ،

---

[1] شمع انجمن ص ۶۶۶ ، سنہ ۱۲۹۳ھ ،

سطور ذیل صلائی کے ایک ایسے دیوان پر مبنی ہیں جو کھمبایت گجرات میں ۱۰۱۸ھ میں بعہد جہانگیر پادشاہ قلمی ہوا تھا۔ صلائی کے دیوان کی تلاش میں مَیں نے کوئی زیادہ تفتیش تو کی نہیں مگر جو معمولی ذرائع معلومات ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسکا دیوان کسی کتب خانہ میں موجود نہیں اور یہی خیال ان سطور کی تحریر کا محرک ہوا'

ہندوستان میں فارسی زبان کی قدر و پرستش کی بنا پر ہر زمانہ میں ایرانیوں کی آؤ بھگت ہوتی رہی ہے۔ سلطنت کے ادنےٰ سے لے کر اعلےٰ مناصب تک ان کو مل سکتے تھے۔ دیوان و انشا کی خدمات تو خاص طور پر ان کے لئے وقف تھیں۔ ادھر ذوق شعر و ادب نے ہر ایرانی شاعر و ادیب کو ہندیوں کی نگاہ میں محبوب و محترم بنا دیا تھا۔ ہزاروں پریشان حال تلاش معاش میں اپنی قسمت آزمانے یہاں آتے تھے۔ اور اس ملک کے خوان کرم سے اپنی امیدوں کا دامن بھرتے تھے۔ کچھ اسی قسم کا مقصد صلائی کو ہندوستان آنے کی ترغیب دیتا ہے جسکو وہ مکلّفانہ الفاظ میں سیر ہند کے نام سے تعبیر کرتا ہے'

صلائی ۹۵۵ھ میں پیدا ہوتا ہے۔ اسکا مولد ساحل مرغاب ہے۔ تربیت اور نشو و نما اسفراین میں پائی اور یہی مقام اسکا آبائی وطن ہے۔ وہ نسلاً چغتائی ہے اور ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو قدیم الایام میں طوس میں نہایت معزز اور مکرّم مانا جاتا تھا۔ تعلیم کا حال معلوم نہیں۔ لیکن وہ حکمت و فلسفہ نجوم و ریاضی میں اپنے آپ کو ماہر بیان کرتا ہے۔ ۹۸۱ھ میں جب اسکی عمر چھبیس سال کی تھی۔ سیاحت ہند کا شوق دل میں گدگدایا اور یہاں پہنچکر اسنے اس ملک کے طول و عرض میں کئی مرتبہ سیر کی۔ اس زمانہ میں بارگاہ اکبری میں اہل خدمت کے زمرہ میں داخل تھا اور تنخواہ پاتا تھا۔ ۹۸۹ھ کے بعد وہ گولکنڈے میں ہے۔ اور

قطب شاہ سے اپنے قرضہ کی ادائگی کے واسطے جو انیس سو سترلاری ہے اور گجرات میں بنادی ہے امداد کا طالب ہے۔ ۹۹۷ھ میں ہم اسکو احمد نگر واقع دکن میں مقیم پاتے ہیں۔ اسی سال جب دکنیوں کے جذبات پردیسیوں کے خلاف برانگیختہ ہوجاتے ہیں اور ایک ہفتہ تک جیسا کہ مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ پردیسیوں کا قتل عام کیا جاتا ہے[1]۔ صلائی اپنی پیاری جان بچا کر احمد نگر سے رخصت ہوتا ہے یہ قتل عام دکنیوں کے انتقامی جذبات کا مظاہرہ تھا جو میران حسین شاہ بن نظام شاہ والی احمد نگر ۹۹۷ھ کی واردات قتل پر جس میں بدقسمتی سے آفاقی شریک تھے عمل میں آیا معلوم نہیں صلائی نے کس طرف کا رخ کیا۔ اسی اثنا میں اس کے فرزند کی وفات کا واقعہ پیش آتا ہے اور شاعر ان پیہم مصائب سے تنگ آکر وطن کا عازم ہوتا ہے اور سندھ پہنچکر جہاز میں بیٹھتا ہے۔ بحری سفر نئے مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے کچھ دن آرام سے گذرنے کے بعد جہاز پر طوفانی اندھیاں قابض ہوجاتی ہیں۔ اور سمت مستقیم سے ہٹا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔ طوفانی موجیں اس کے اوپر سے گذرتی ہیں اور جہاز کے ڈوبنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔ بالآخر دو مہینے اور تین دن سمندر کی متواتر آفتیں سہنے کے بعد یہ جہاز مع الخیر ساحل گجرات پر آ لگا اور شاعر نے خشکی پر قدم رکھا۔ صلائی عنقریب بعد عازم بیت اللہ ہوتا ہے اور ۹۹۹ھ میں فریضۂ حج ادا کرتا ہے اور برابر دو سال تک دیار عرب میں قیام رکھتا ہے۔ آب و دانہ کی کشش دوبارہ اسکو ہندوستان لے آئی۔ اس مرتبہ اسکی بےچین طبیعت سکون و آرام کی متمنی معلوم ہوتی ہے اور صلائی اپنی ہرزہ روی سے دست کش ہوکر صوبۂ گجرات کے شہر کھنبایت میں مستقلاً سکونت اختیار کر لیتا ہے اور تجارت میں مصروف ہوجاتا ہے '

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۱۲۹ ' نولکشور '

گجرات میں ان ایام میں مظفر شاہ آخری تاجدار گجرات متوفی ۹۹۱ھ کا فرزند بہادر جسے شاعر ابن نتوُ[1] کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اپنی تاخت و تاراج شروع کر دیتا ہے اسکی ان یورشوں کی تفصیلی اطلاع ہم عصر تاریخوں میں نہیں ملتی مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سلسلہ ۱۰۰۵ھ سے جو اکبر کا زمانہ ہے شروع ہو کر ۱۰۲۳ھ تک جو جہانگیر کا زمانہ ہے جاری رہتا ہے اور جب تک موت بہادر کو ہمیشہ کے لئے فنا کی نیند نہیں سلا دیتی وہ اپنے آبائی ملک کے لئے جد و جہد سے باز نہیں آتا۔

بہادر ایک رات کھنبایت پر بھی دھاوا بولتا ہے اور اسکی فوج شہر کو لوٹ لیتی ہے۔ اس میں صلائی کا بھرا گھر بھی لوٹ لیا جاتا ہے اور اسکا تیس سال کا اندوختہ جس میں قیمتی شال۔ سیلے۔ مندیل۔ قیمتی جواہرات۔ تحفہ تحفہ کپڑے گھوڑے اور بہل بھی شامل ہیں، لٹجاتے ہیں۔ ہمارے شاعر کو اسکا بیحد قلق رہتا ہے اور کئی قصائد میں بہادر کی تاخت کا ماتم دار ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ جہانگیر تک بھی پہنچ جاتا ہے اور بادشاہ اسکی اشک شوئی کے لئے ایک سو بیگہ زمین کھمبایت میں عطا کر دیتا ہے۔ شاہی فرمان کی تعمیل میں حاکم کھمبایت نے فوراً زمین ناپنے اور چک بندی کے لئے حکم دے دیا۔ لیکن گوبند نے جو شہر کا پٹیل ہے۔ اور جس کا کام زمین ناپنا تھا۔ اونچی نیچی اور غیر آباد زمین حوالہ کر دی۔ اس پر صلائی بگڑ کر گوبند کی ہجو کرتا ہے۔ لطف اسوقت آتا ہے جب شاعر جوش غضب

---

[1] اس نام کو مختلف مصنفین مختلف شکلوں سے لکھتے ہیں۔ پروفیسر نواب علی مرتب مرآت احمدی جزء اول ص ۱۷۵ و ص ۱۷۹ 'نتھو۔ لیکن فہرست مطالب میں نتھو۔ اسی تاریخ کا انگریزی مترجم جیمز برڈ بھی نتھو لکھتا ہے ص ۴۱۲ ' لندن ۱۸۳۵ء۔ توزک جہانگیری کا مترجم ص ۴۲۹ و ص ۴۳۰ جلد اول 'نتو' (نتو؟ نتھو؟) توزک جہانگیری طبع سید محمد خان منہ، ص ۲۱۳۔ لیکن پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ توزک میں جو جہانگیری عہد کا معلوم ہوتا ہے 'نتو' ہے۔ ورق ۲۲۴ و ۲۲۵ صلائی عام طور پر 'ننوں' لکھتا ہے جس میں وسطی نون مشدد ہے۔ اردو میں نتھو یا نتھوں آج بھی رائج ہے اگرچہ اسکی دوسری شکل نتھا زیادہ عام ہے۔

میں خود گوبند کے الفاظ بعینہ نقل کر دیتا ہے جو غالباً اردو سے تعلق رکھتے ہیں ۔

درمن رنیشنہ چنین گو یدم کہ میر ہمکاں بیار کرتہ و دایم بلی جہار
میر جیو خدا کسوں کہ تو دیوان کو کہتہ جا اس برس دن بتی سوہ گوبندکوں اوار

بہرحال شاعر گوبند کو تو ہموار کر لیتا ہے ۔ مگر نئی مصیبت یہ آئی کہ نو مہینے زمین پر قبضہ رہنے کے بعد دیوان گجرات جو کوئی ہندو راجہ ہے اس زمین سے سے بے دخل کر دیتا ہے اور نئی سند مانگتا ہے ۔ قصہ مختصر ہم شاعر کو زمین کے ان قضیوں اور جھگڑوں میں مبتلا دیکھتے ہیں ۔ جب دیوان ۱۰۱۶ھ میں ختم ہو جاتا ہے ۔ بعد کے حالات معلوم نہیں کہ وہ کب تک زندہ رہا اور کس سال وفات پائی ۔ یہ دیوان بہرحال اسکی زندگی کا نوشتہ متصور ہونا چاہیئے جسکو کسی ہندوستانی کاتب نے لکھا ہے ۔

دیوان ہذا میں شروع کے اوراق میں غزلیات ہیں اور باقی اکثر حصہ میں قصائد بترتیب ابتثی درج ہیں ۔ لیکن قصائد میں ردیف الف سے لے کر ردیف تا تک کا حصہ ضائع ہو چکا ہے ۔ باقی قصائد جنکی تعداد چالیس سے کم نہیں ذیل کے سلاطین و امرا کی شان میں ہیں :-

(۱) خان اعظم میرزا عزیز کوکلتاش ۔ یک قصیدہ (۲) نواب مرتضیٰ خان دو قصیدہ (۳) خانخانان (داراب) یک (۴) حضرت علی کرم اللہ وجہ ۔ سہ قصائد (۵) حسن کلی ۔ یک (۶) قاضی محی الدین علی ۔ یک (۷) میرزا ابو القاسم ۔ دہ قصائد (۸) جہانگیر قلی خان (شمس الدین ، فرزند خان اعظم مذکورۂ بالا ۔ یک ' (۹) سلطان سلیم ۔ یک (۱۰) جہانگیر پادشاہ ۔ دو عدد (۱۱) سید عبداللہ خان غازی ۔ یک (۱۲) مصطفیٰ خان ۔ یک (۱۳) سلطان محمد قلی قطب شاہ ۔ دو عدد (۱۴) خواجہ نظام ۔ یک (۱۵) مدیر عراق ۔ یک (۱۶) مقرب خان ۔ دو عدد

(۱۷) قلیچ محمد خان - یک (۱۸) شیخ الاسلام عبدالرحیم دو عدد (۱۹) شاہ عباس صفوی - سہ عدد (۲۰) صفی الدین - یک (۲۱) مسعود - دو عدد (۲۲) ہجو امین یک (۲۳) ہجو انصاری لاری - یک (۲۴) ہجو گوبند پٹیل - یک

قصائد کے بعد ایک مثنوی اور چند قطعے ہیں اور قطعوں پر دیوان ختم ہوتا ہے۔

صلائی کے ممدوحین کی فہرست پر ایک سرسری نظر مارنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو نور الدین جہانگیر ۱۰۱۴ھ و ۱۰۳۷ھ کے عہد میں بر سرکار آتے ہیں مثلاً

(۱) قلیچ خان جو ۱۰۱۴ھ میں صوبہ دار گجرات مقرر ہوتا ہے۔ جہانگیر ایک لاکھ روپیہ اسے خرچ کے نام سے دیتا ہے (توزک ص۹)

(۲) ۱۰۱۵ھ میں مرتضیٰ خان بخاری صوبہ دار گجرات بنتا ہے اور صلائی اس کی مدح میں تین قصیدے لکھتا ہے۔ مرآت احمدی میں اسے سید مرتضیٰ خان لکھا ہے (جزء اول ص۱۸۸)۔ لیکن جہانگیر شیخ فرید لکھتا ہے۔ سال اول جلوس میں جب شیخ فرید خسرو کو شکست دیتا ہے۔ جہانگیر اسے مرتضیٰ خان کے خطاب سے شاد کام کرتا ہے (ص۳۲ توزک)۔ جب مرتضیٰ خان کے بھائیوں کی زیادتیاں بہت بڑھ گئیں۔ پادشاہ نے مرتضیٰ خان کو گجرات سے ۳ سنہ جلوس میں ہٹا دیا اور

(۳) خان اعظم کو صوبہ دار مقرر کر دیا (ص۳۷ توزک) اور

(۴) جہانگیر قلی خان کو نائب بنا دیا۔ شمس الدین خان کو جہانگیر قلیخان کا خطاب ۳ سنہ جلوس جہانگیری میں عنایت ہوتا ہے (توزک ص۶۸)

(۵) مقرب خان (شیخ حسن پسر شیخ بینا[1] پانی پتی)۔ جہانگیر بزمانۂ شہزادگی

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم ص۳۸۰ "پھینا"۔ توزک ص۱۳ "بہا" انگریزی ترجمہ ص۲۷ "بہا" اور حاشیہ میں "بھینا" لیکن پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ میں ورق ۱۳ "بینا" ہے +

اسے مقرب خان کا خطاب دیتا ہے (تزک ص۲۷)۔ مقرب خاں اگرچہ صوبہ دار گجرات
۔۔۔میں ہوتا ہے۔ یعنے ۱۱ ہہ جلوس میں عبد اللہ خاں غازی کے بعد لیکن اس سے
۔۔۔گجرات میں وہ کسی عہدہ پر ضرور ہے۔ اور کھمبایت سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ ۳ ہہ
جلوس میں کھمبایت سے وہ ایک فرنگی پردہ جو فرنگی نقاشی کا بہترین نمونہ مانا گیا تھا۔
جہانگیر کی خدمت میں بھیجتا ہے (تزک ص۵۶)۔ اسی سال وہ امیر تیمور کی ایک
تصویر جو کسی فرنگی مصور کے ہاتھ کی تھی دربار میں بھیجتا ہے (تزک ص۳۳)'

(۶) مصطفےٰ خاں۔ اصل نام میر ضیاء الدین قزوینی ہے۔ جو سادات سیفی
سے ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ مصطفےٰ خاں کا خطاب کب دیا گیا۔ تزک سے اسقدر
معلوم ہوتا ہے " کہ در زمان دولت من بخطاب مصطفےٰ خاں سرفرازی یافتہ (ص۱۶۸
تزک)'

(۷) خواجہ نظام۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ تزک سے اسیقدر معلوم
ہوتا ہے کہ ۱۲ ہہ جلوس میں جب جہانگیر منڈو میں مقیم ہے۔ خواجہ نظام موقعاسے
اناروں کے چودہ دانے جو سورت تک چودہ دن میں پہنچے تھے لیکر آٹھ روز میں جہانگیر
کی خدمت میں منڈو پہنچاتا ہے (ص۱۹۳ تزک)

(۸) مسعود۔ تزک میں ایک مسعود بیگ ہمدانی ہے جو جہانگیر قلیخاں کے
ساتھ ۳ ہہ جلوس میں بخشی صوبۂ گجرات بنایا جاتا ہے'

ان ناموں سے جو زیادہ تر جہانگیر کے عہد کے ابتدائی سالوں سے تعلق رکھتے
۔۔۔ یہ قیاس مترتب ہوتا ہے کہ دیوان ہذا صلائی کی آخری عمر کی کمائی ہے اور
۔۔۔ دیوان سے جو اسنے تقی اوحدی کو ۱۰۲۰ھ میں دکھایا ہے مختلف ہے۔ اسی
لئے وہ بعض رباعیاں جو تقی اوحدی نے صلائی کے نمونۂ کلام میں درج کی ہیں۔ اور
دوسرے تذکرہ نگار نقل کرتے آئے ہیں۔ اس دیوان میں موجود نہیں'

صلائی ان ایرانیوں میں سے ہے جو طبعاً خود بیں اور مغرور کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ رعونت کے ساتھ بد دماغی اسکی سرشت میں داخل ہے۔ مزید برآن مغلوب الغضب اور معاف نہ کرنے والی طبیعت کا مالک ہے۔ اسکے مزاج کی سختی اور تندی نے اسے اپنے معاصرین میں نہایت غیر مقبول بنا دیا ہے۔ ساتھ ہی اسکے قلم کی ہجو نگاری اور زبان کی تلخ گوئی نے بہت دشمن پیدا کر دئیے اور کوئی تعجب نہیں اگر وہ بھی اس سے انتقام لینے اور اسکے کاموں میں روڑا اٹکانے کی کوشش کرتے ہوں۔ اسکو اپنے وطن ایران پر بیجا ناز ہے اور ہندوستان کو جو اس کا وطن ثانی ہے۔ دل سے ناپسند کرتا ہے۔ اس ملک کو جو تیس چالیس سال تک اس کا کفیل رزق رہا اور جسکی خاک میں وہ آخر کار مدفون بھی ہے۔ عجیب عجیب ناموں سے یاد کرتا ہے۔ کبھی کشور بیمروت نہاد کہتا ہے۔ کبھی بوم ویران اور کبھی دارالفاسقین وہ اس کے تمام احسان اسکے منہ پر مارتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ نہایت خفا ہے۔ علی ہذا ہندوستانیوں سے بھی ناراض ہے۔ انکو عام طور پر بے مروت بتاتا ہے اسکا قول ہے کہ ہندوستانی اگر بوعلی سینا بھی بنجائے تب بھی اسکی طینت عیب کے شائبہ سے خالی نہیں ہو سکتی۔ میں بعض شعر یہاں نقل کرتا ہوں ؎

(۱) عطای ہند و لقایش بہ یکدگر ہشتم — خدا نصیب کند سیر کشور ایران

(۲) در آن کشور بے مروت نہاد — ہمہ حاصل سعی دادم بباد

(۳) باخرہ ہر کو قرین زین بوم ویران می رود — آنچنان دان کز جحیم او سوی رضوان میرود

(۴) نخواہم آنکہ بہند افگند زپا جلم — کہ نیست در گلِ این بوم و بر گل بہبود

(۵) باصلائی بستہ ام احرام پا بوست زہند — زانکہ نبود جای اہل فضل دارالفاسقین

(۶) چون مروت نیست اندر ساکنانِ این بلاد
صاحب ہمت بری از فکر سامان میرود

(۷) هندی ار بوعلی بود بمثل — طینتش نیست پاک از نقصان

هست شان خود عداوت دینی — زشقاوت به مردم ایران

ہمیں معلوم نہیں کہ صادقؔ اپنے وطن میں کس حیثیت کا مالک تھا۔ لیکن اعلیٰ طبیعت اور طنطنہ سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نہایت بلند رتبہ کا ...ئی ہے۔ چنانچہ ایک مثنوی میں جو دیوان کے آخر میں ہے۔ یہ بیت ملتا ہے ؎

چو پرداختم جای از تخت مهان — شدم همچو اجداد والی عهد

ایک قصیدہ میں جو شاہ عباس صفوی کی مدح میں ہے یہ شعر آتا ہے ؎

ز وطن گشتم جدا از محنت یعقوب بیگ — گر ز تتم ملکم گرفت، عالمے شاہد برین

لیکن اسکا یہ ادعائے فخر و تکبر اور عالی نسبی کی تعلی ہمارے نزدیک ایک ڈھونگ کی ٹٹی ہے جسکی آڑ میں اسنے اپنی اصل حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے بالفاظ دیگر وہ ایک شریف گدا ہے جو ایران سے ہندوستان جس طرح اور اسکے ہزاروں ہم وطن آتے رہے ہیں۔ گدائی کی غرض سے وارد ہوا ہے۔ اسنے اپنی گدائی کے لئے بعض شرعی حیلے تراش رکھے ہیں۔ جنہیں ہر ادنے خان اور امیر کے سامنے بار بار بیان کرتا ہے۔ مثلاً روضۂ امام رضا کی زیارت کا شوق۔ نجف پہنچنے کے لئے زاد راہ کا سوال، وغیرہ وغیرہ۔

ایک ممدوح سے کہتا ہے :۔

صلاح مروت و احسان — فکر رہ توشہ کن! ما مانم

تا رساند عنایت جودت — بدر ولی خراسانم

ولی خراسان سے مراد امام رضا ہیں۔

وزیر عراق سے ملتجی ہے :۔

کنون به همت توفیق عازم سفرم — به مشهدے که به طوفش ملک بود مشتاق

اور مصطفیٰ خان سے عرض کرتا ہے :-

برآن سرم کہ ز امداد ہمتت امسال شوم ز را نجف گرم پو یہ چون صرصر

ادھر مرتضیٰ خان کی خدمت میں مستدعی ہے : -

چو ذرہ در گہ شاہ رضا نہم بر خاک بقا طلب شوم و گر ہمت ثنا گستر

یہی گذارش میرزا ابوالقاسم سے کی جاتی ہے :-

ز اہتمام عطایت ز لطف حق خواہم کہ جا بروضۂ شاہ رضا کنم مسرور

اسی میرزا سے ایک اور قصیدہ میں یہ امید کرتا ہے :-

زاد راہ طوف سلطان نجف می بخشدت ز آل برمک در کرم صد گام بر تر می زند

خان خانان سے حسن طلب ہو رہا ہے :-

خراسان پویم اما بے بضاعت کفیل توشہ ام جود فلان باد

حسن ملکی سے التماس گذار ہے :-

دانا دلا ہوای نجف کردہ ہمتم خواہم کہ زین لطف تو سامان آن دہد

ایک مرتبہ اور نواب مرتضیٰ خاں سے گذارش پرداز ہے :-

ہوای طوف شہ روضۂ رضا دارم برخصت تو کہ این ملک میکنم پدرود

ز التفات تو خواہم کہ تا وطن برسم ز راہ بندر کمرود و ساحل قہرود

وہ بار بار اس ملک سے جانے اور ایران پہنچنے کا آرزومند ہے - لیکن بقول نظیری

ے من نخواہم رفت اما بہر تسکین دلش ہر کجا بینید گوئید ش کہ فردا می رود

وہ اس آرزو کو قوہ سے فعل میں لانے کی کوشش نہیں کرتا

صلائی کو اپنی مطلب برآری کے نئے نئے ڈھب یاد ہیں - بعض موقعوں

پر وہ اپنے ممدوحین سے کہتا سنا جاتا ہے کہ جسطرح ملتان میں قاسم[1] خان نے حیدری

---

[1] مآثر الامرا میں اسکا نام قاسم محمد خان دیا گیا ہے - چنانچہ ردیف قاف میں اسکا تذکرہ ملتا ہے لیکن ابوالفضل

شاعر کو نہال کر دیا تھا۔ تم بھی میرے ساتھ فیاضانہ سلوک کرو۔ چنانچہ مرتضیٰ خاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) بدایونی اور صاحب طبقات اسکو محمد قاسم خاں لکھتے ہیں۔ وہ نیشاپور کا ایک
دولت مند رئیس تھا۔ ازبکوں کے حملے کے وقت ہندوستان بھاگ آیا اور بیرم خان کے ساتھ نوکری
کرلی۔ سکندر سور کیساتھ جنگ میں اسنے نمایاں خدمت انجام دی اور ہیمو کی جنگ میں خان زمان
کا ہراول رہا۔ منقریب بعد وہ حاجی خاں کے خلاف بھیجا گیا جسنے راناادوے سنگھ والی میواڑ کو
شکست دیکر ناگور اور اجمیر پر قبضہ کرلیا تھا۔ حاجی خان شیر شاہ کا ملازم قدیم تھا اور اپنی دانائی
اور دلاوری کے لئے شہرہ آفاق۔ شاہی افواج کے نمایاں ہونے پر حاجی خان کی فوج متفرق ہوگئی
اور حاجی خان خود گجرات کی طرف چلدیا۔ محمد قاسم خاں نے بغیر جنگ کے ناگور اور اجمیر پر قبضہ
کرلیا۔ یہ شہر ایک دراز عرصہ تک سلطنت اکبری کی جنوبی مغربی سرحد بنے رہے'
پانچویں سال جلوس میں محمد قاسم خان بیرم خاں کا ساتھ چھوڑ کر چغتائی امرا کا شریک
ہوگیا اور جس جنگ میں بیرم کو شکست ملی اس میں شمس الدین اتگہ کی فوج یسار کا افسر تھا۔ فتح کے
بعد ملتان اسکی جاگیر میں دیدیا گیا۔ اسکے بعد اسکو سارنگپور (مالوہ) بھیجدیا گیا۔ جہاں ۹ سنہ جلوس
میں اکبر شکار کے بہانہ سے اچانک آ دھمکا۔ عبداللہ خان ازبک کی گرفتاری بادشاہ کا مدعا تھا اور
اس بارہ میں محمد قاسم خاں نے خان کا تعاقب کرکے بادشاہ کی امداد کی۔ اس واقعہ کے جلد بعد محمد قاسم
خان نے سارنگپور میں وفات پائی۔ الغرض یہ قاسم خان ہے جسکے نام کو صلائی حیدری کے تعلق میں شہرت
دیتا ہے ٭

حیدری شاعر خوبو میں کسی طرح صلائی سے کم نہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں اسنے روپیہ کمایا
اور قدردانی بھی پائی۔ تاہم اس حق ناشناس اور خودکام شاعر کی رائے اس ملک کے متعلق نقل کئے
جانے کے قابل ہے۔ و ہو ہذا :-

در کشور ہند شادی و غم معلوم   آنجا دل شاد و جان خرم معلوم

سے عرض کرتا ہے ؎

چنانکہ کرد بملتان عطای قاسم خان — بحیدری نظرے خواہم از توزان بہتر

اور شیخ الاسلام عبدالرحیم سے التماس کرتا ہے:-

حیدری را داد قاسم خان بہ ملتان دہ ہزار — روپیہ نقد و چہل اشتر پر از بار گزین

ایک نیا طریقہ حسن طلب کا جو اسے سوجھا ہے۔ ذیل کے اشعار میں درج ہے۔ اسکا مخاطب قطب شاہ ہے:

کنون دو واقعہ را پایمال اندوہم — کزان دلم شدہ مجروح و تفتہ گشتہ جگر
یکے مطالبۂ قرضخواہ از گجرات — دویم تظلم فرزند و قید مہر پدر
ہزار و نہصد و ہفتاد لاریم وام است — بکشور گجرات ای شہ نکو محضر
رہین آن بود م جنس نام نیک کنون — پے ادای ویم گشتہ عاجز و مضطر
ز فرقتم شدہ یعقوب وار گریانست — فغان ز عسرت و داد از فراق نور بصر
بہ بیقراری خواہش ترحمے فرمای — کہ وارہم ز غم قید قرض و ہجر پسر

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۱۵) جائیکہ بہ یک روپیہ دو آدم بخرند — آدم معلوم و قدر آدم معلوم

ابن رازی کا قول ہے کہ حیدری کی باتیں حیدری کے اشعار سے زیادہ خوش آیند ہیں - اسکی مثنوی بہ تقلید بوستان بہت بے لطف اور غیر معروف ہے۔ وہ تین بار ہندوستان آیا گیا ہے۔ جب پہلی دفعہ آیا محمد قاسم خان نیشاپوری کی خدمت میں رہا۔ اسوقت بالکل نوجوان تھا۔ جب دوسری مرتبہ ہندوستان آیا خان اعظم (میرزا عزیز کوکلتاش) کی سرپرستی میں رہا۔ خان نے ایک غزل پر ایکہزار روپیہ انعام دیا۔ محمد خان اتگہ کی وساطت سے دربار شاہی میں پہنچا اور ردیف فیل کے قصیدہ پر اکبر نے دو ہزار روپے نقد اور ایک گھوڑا صلہ میں انعام دیا۔ تیسری مرتبہ ہندوستان آنے پر اسنے خانخاناں کی سرکار میں تعلق پیدا کیا اور خانخاناں کیساتھ گجرات پہنچا۔ فتح سرکیج کے موقعہ پر قصیدہ سنایا اور بیش قرار جائزہ حاصل کیا ؛

بحیثیت شاعر صلائی کسی ممتاز رتبہ کا مستحق نہیں وہ اسی عام معیار کے شعرا میں
محسوب ہونے کے قابل ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ایران نے پیدا کئے ہیں۔ اگرچہ
اسکو اپنے متعلق بہت کچھ غلط فہمی ہے۔ اسکی شاعری کا یہ پہلو کہ وہ خیالی نہیں بلکہ
حالی ہے۔ اور اسکا دیوان اسکے خیالات و جذبات و حالات کا آئینہ دار ہے یقیناً
قابل توصیف ہے۔ اسکے ہاں زندگی اور شاعری دو غیر متجانس اشیا کا نام نہیں۔

اسکی معلومات خود اپنی زبان کے مشاہیر شعرا و سلاطین کے تعلق میں نا قابل
اعتبار ہے۔ وہ انوری کو شروانشاہی خاندان کا مداح بیان کرتا ہے اور طغان شاہ
کو جو افراسیابی سلاطین سے ہے شروان کا پادشاہ مانتا ہے چنانچہ ؎

گر انوری نہ خود سے بیان کردانستے که خود طغان شه و شروان شهے به شروان بود

حالانکہ شروانیوں کے مداح خاقانی اور فلکی شروانی ہیں۔

صلائی کی شاعرانہ تعلیوں میں سے بخوف طوالت صرف دو یہاں قابل گذارش
معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ باایں ہمہ بے بضاعتی وہ نظیری نیشاپوری جیسے استاد فن
کے منہ آتا ہے۔ اسنے نظیری کا نام صراحتاً تو نہیں لیا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے
کہ اشعار ذیل میں اسکا روے سخن نظیری کی طرف ہے۔ نظیری اسوقت گجرات میں
موجود ہے اور تجارت سے بسر اوقات کر رہا ہے۔ جہانگیر اسے اپنے دربار میں بلاتا ہے
وہ پانچویں سال جلوس میں حاضر خدمت ہوتا ہے اور انوری کے قصیدہ ع

باز این چه جوانی و جمالست جهان را

کے تتبع میں ایک قصیدہ لکھ کر گذرانتا ہے۔ جہانگیر ایک ہزار روپیہ گھوڑا اور
خلعت صلہ میں دیتا ہے (تورک ص۹۱)

صلائی ایک قصیدہ میں جو میرزا بوالقاسم کی مدح میں ہے نظیری کی طرف
تلمیح کرتے ہوے لکھتا ہے ؎

از ایں بیان ملک الافصح آنکہ میدانی   کہ شد تصوّف او ہجو اہل نیشاپور

بیان فہم پذیرے آں رہ بود کہ میگویند   بود میانۂ انسان و درک نطق ستور

بیان تکلم و تقریر و وسع استعداد   کند ارادۂ رزمم بقوت این زور

اگرچہ یہ زمانہ فیضی - عرفی - نظیری اور ظہوری جیسے شہسواران فن کا ہے جن کی گھٹی میں استعارہ کی چاشنی پڑی تھی - مگر صلائی کا دعویٰ ہے کہ استعارہ این جانب کا فیضان ہے چنانچہ کہتا ہے :-

چون صلائی زاستعارات بہشرب متصل

تازہ طرزے درمیان شیخ وشاب افگندہ ام

دوسرے مقام پر گویا ہے :-

طعنۂ استعارہ بر شعرم   زدہ اند این لجاج خاذنکان

عیب جو را ہنر نماید عیب   گرچہ باشد ز حکمت لقمان

استعارہ بہ شعر سحر بود   کور باطن کند تدارک آن

صلائی نے غزلیں بہت کم لکھی ہیں اور جو لکھی ہیں ان میں عشقیہ مضامین ندرت کے ساتھ ملتے ہیں - حسن و عشق کے لطیف جذبات سے اسکا خانہ بالکل خالی معلوم ہوتا ہے - البتہ حکمت و پند اور جوش و بیخودی نے اسکی غزلیات میں جگہ پائی ہے مگر سب سے زیادہ خودی اور انانیت - دشمنوں سے چھیڑ چھاڑ - ان پر طعن و طنز انکی دعای مرگ - اپنا افلاس اور ناداری - دنیا کی ناقدری اور بخت کی شکایت پر اسکا قلم رواں ہے - شاندار الفاظ اور بندشوں نے اسکی غزل کو قصیدہ کی چاشنی دے دی ہے - مثالاً چند غزلیں یہاں درج کی جاتی ہیں :-

مالعبت بازندۂ این خیمہ کبودیم   زین پردہ بانواع صور چہرہ نمودیم

این نیستی و ہستی ما بے سببی نیست   جز و ہنر معرکہ آرای وجودیم

[illegible] ازین رہائی خود کام — مخمور زجا خاستہ مستانہ غنودیم
[illegible] گفت و شنید از ہمہ اقران — صد مرتبہ این گوی با نواع ربودیم
[illegible] نہفتیم بہ زیر لب [illegible] — سازے نگرفتیم و سرودے نہ سرودیم
[illegible] ہمہ او راست چہ بتخانہ چہ مسجد — یارب زچہ ما روی مسلمان و یہودیم
[illegible] صلائی صفت از گنج معانی — رہ توشہ دہ قافلۂ گفت و شنودیم

دیگر

زورق سعی بہ بحر اضطراب افگندہ ایم — طرفہ شورے در بلاد انقلاب افگندہ ایم
[illegible] بیم طوفان نوح را آشفتہ داشت — در دل معمار خرگاہ حباب افگندہ ایم
بہر نہان ما کہ نقش تار و پودش از کتان است — بہر زیب امتحان در ماہتاب افگندہ ایم
کوت تر دامنان شد تب اندیشہ را — در فضای معرفت بر آفتاب افگندہ ایم
آنچہ از [illegible] پنہان عشق را در پردہ بود — بے محابا از رخ رازش نقاب افگندہ ایم
رونق ایجاد انسان نیست جز در بیخودی — بیخودی ورزیدہ خود را در سراب افگندہ ایم
چون صلائی زاستعارات بہ مشرب منفعل — تازہ طرزے درمیان شیخ و شاب افگندہ ایم

دیگر

آن قدر ذلت کہ در شہدت ز حسرت میکشم — گر کنم تقریر از اظہار خجلت می کشم
تازہ حال آنکہ نہ گرد خصم حاسد پیشہ ام — پردہا از صبر بر رخسار طاقت می کشم
بسکہ حرف خبث من پیشت مکرر گفتہ اند — گشتہ معلومم نمیگویم کہ ذلت می کشم
گر ز سختی بایدم مردن نہ می سازم عیان — عیب صنعت باشد ار گویم کہ محنت می کشم
آنکہ می خواہد نباشد اعتبارم بر درت — زحمت عمرش بہ بازار جسارت می کشم
آنکہ می خواہد بہ خواری دستگاہ عزتم — عصمتش را بر سر کوی ملامت می کشم
ترک بودن را درین کشور نخود دادم قرار — بعد ازین کے طعنۂ اہل سماجت می کشم

ملک ایران رشک جنت گشته از عباس شاه باد عایت رخت تا آن رشک جنت میکشم
بر در شاه خراسان گر بقا بخشد اجل رایت مدحت بدوش استطاعت میکشم
عنقریب از دو جہت تصدیع خواہد بست بار با حلاوت انتظار وقت و ساعت میکشم
مرگ اعدا دیده خواہم رفت ازین کشور برون گرچه ز استعجال تنگ رخش سرعت میکشم
میکنم از مرگ او دلشاد خلقی را و خود نام او را در قطار اہل لعنت میکشم
بعد ازین بر وفق مطلبہای کام آرزو بختی تعجیل در بار تجارت میکشم
چون صلائی از توکل غیرت من منعم است کے ز ہر مدبر نژاد سفله منت میکشم
بر کریمی شاه مردانم برلتے کرده است انتظار موسم و وجه بضاعت میکشم

دیگر

حاصل عمر گرامی به سفر باخته ام داو آخر بحریف گل تر باخته ام
حیف صد حیف که سرمایۂ این عمر عزیز از سر سہو خطا کرده و در باخته ام
دغلیہای طمع خوار عزیزانم کرد نقد عزت مگر آخر به ہدر باخته ام
بر در معصیت اسباب صلاح و تقوی برده در چار سوی خوف و خطر باخته ام
آنچه در گنج عمل داشتم از بخت نژند در مقمر کدۂ شام و سحر باخته ام
ہرچه اندیشه به تسخیر فراہم آورد بر سر داو خسارت به دو سر باخته ام
رائج الوقت نقود سے که فراست را بود بر در بیخبری فضل و ہنر باخته ام
تحفہای خلف کیسۂ کان و عمان نزد ناشناختۂ لعل و گہر باخته ام
حاصل سعی ز غفلت چو صلائی در ہند من به یغمای بہا در به ضرر باخته ام

قصائد کی زبان نہایت سیدھی سادی اور صاف ہے اور وہ مکلفانہ انداز جو عام طور پر قصیده کی زبان میں پایا جاتا ہے صلائی کے ہاں بہت کم نظر آتا ہے وہ لمبی چوڑی تشبیب کا قائل نہیں حتی الامکان مختصر تمہید پر قناعت کرتا ہے۔ اور

فوراً نفس مطلب پر آجاتا ہے۔ اسی طرح اسکے ہاں مدحیہ حصہ تعداد اور مقدار کے لحاظ سے بھی قلیل ہوتا ہے۔ ذیل میں اس کے بعض قصائد سے ایسے اقتباسات دیے جاتے ہیں۔ جو اسکے حالات یا اس عہد کے تاریخی واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب سے پیشتر ناظرین کی خدمت میں ایک ایسا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جو احمد نگر میں پرتگیسیوں کے قتل عام کا ذکر کرتا ہے۔ قصیدۂ ہذا حضرت علی کی شان میں ہے :-

شبے ز کاوش این زال نیلگون چادر — گلے شگفت کہ شد خیرہ زان سواد بصر
چہ گل کہ شعلۂ از آتش فساد افروخت — نسیم مروحۂ فتنہ در ریاض صور
وزان نہال کہ آن فتنہ رست آفت خاست — وزان نسیم کہ آن گل شگفت ریخت شرر
ز بہر تفرقہ بار سپہر رستاخیز — صدای الحذر آمد ز گنبد اخضر
سموم فتنہ وزیدن گرفت بر چمنے — کہ بود رائحہ اش رشک طینت عنبر
ریاض خرمی کشور طراوت سوخت — نماند اثر ز نہالان سبز و تازہ و تر
دریدہ شحنۂ بیداد از پے یغما — بما منے کہ درو باد را نبود گذر
دریدہ پردۂ ناموس عصمت قومے — کہ عطف عصمت شان از نقاب داشت حذر
گسیخت رشتۂ پیمان عافیت ز میان — ستم بہ ضربت زہراب دادہ گون خنجر
ز تیغ اہل جفا گشتہ عالمے مجروح — ز تیر کج روشان مرغ روح ریختہ پر
ز بے ترحمی فتنہ در فضای امید — جہان نمودہ بہ چشم نظارگی محشر
مپرس ای فلک از من کہ این معاملہ را — بود بیان مآل از حد بیان برتر
ولیک اینقدر اظہار میکنم ناچار — کہ بود باعث این کار ناستودہ سیر
بساط خرمی روزگار برہم زد — چو انقلاب حوادث یکے نگون اختر
زخام کاری برگشتہ بختے از ادبار — ہزار خانۂ امید گشتہ زیر و زبر

به نهصد و نود و هفت این شهر افروخت | به احمدنگر از مدبران یکے ابتر
خواب گشته تدبیر کودکان گردید | دکن که داشت درو جا هزار دانشور
زسنگ تفرقه رم خورده هر کجا مرغے | نشسته بود در آن بیشه بهر آبشخور
زبیم آن شرر رفته بار به جانب | هوا گرفته گزیدند شاخسار دگر
ولے ز ناوک بیداد یان کوی ستم | نه بال بر تن شان تندرست مانده نه پر
کنون یکے منم از خستگان آن بیداد | اسیر صد ندم و محنت و بلاء بتر
چنان سپهر ز افلاس ناتوانم کرد | که نقد آه نیابد مرا کسے به جگر
ز ضعف منفعلم پیش ناتوانیها | ز درد دل تجلم از بیان شرح ضرر
فلک نهاد بسر باریم درین اندوه | هزار بسته غم بیکران ز مرگ پسر

غریب کشی وکنی تاریخ کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر دنیا کے اور ملکوں کی تاریخ میں مشکل سے نظر آتی ہے۔ اس موقعہ پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ناظرین کی آگاہی کے لئے بعض تاریخی واقعات جو اس قتل عام کے اسباب ہیں۔ ابو القاسم فرشتہ کی تاریخ سے لیکر مختصراً یہاں درج کر دیں،

دسویں صدی ہجری میں احمد نگر پر نظام شاہیوں کی حکومت تھی۔ ۱۸۔ رجب ۹۹۶ھ کو مرتضیٰ نظام شاہ معروف بہ دیوانہ ایک حمام میں بند کر کے قتل کیا جاتا ہے اور اسکا فرزند میراں حسین باپ کے خون سے رنگین ہاتھوں کے ساتھ سولہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس کرتا ہے۔ ان ایام میں احمد نگر کی سیاسیات کے مدوجزر نے سلطان حسین سبزواری کو جو وکالت کے منصب پر ممتاز اور میرزا خان کے خطاب سے سرفراز تھا مختار مطلق بنا دیا تھا۔ نئے پادشاہ اور میرزا خان کے درمیان تعلقات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں ایکدوسرے کی جان کے خواہاں ہو گئے۔ ۱۲۔ جمادی الاول ۹۹۷ھ کو پادشاہ نے دعوت کے

بہانہ سے میرزا خاں کو نکس خاں کے گھر بلایا مگر وہ بیماری کا بہانہ کر کے نہیں آیا اور ٹال گیا۔ ساتھ ہی اُسنے پادشاہ کو قلعہ میں بلا کر دھوکے سے قید کر لیا۔ اور اسکے چھوٹے بھائی اسمٰعیل کو جسکی عمر بارہ سال کی تھی اسکی جگہ تخت پہ بٹھا دیا۔ اس انقلابی تحریک میں زیادہ تر پردیسی شریک تھے ؛

ادھر جمال خان مہدوی نے جسکے ساتھ بعض دکنی اور حبشی بھی شریک ہوگئے تھے۔ قلعہ والوں سے اپنے پادشاہ کا مطالبہ کیا۔ اسپر میرزا خان نے ایک رعونت آمیز لہجہ میں کہلا بھیجا کہ میراں حسین پادشاہی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا لہذا معزول کر دیا گیا۔ اب تم اسمٰعیل نظام شاہ کو اپنا پادشاہ تصور کرو۔ جمال خاں اس جواب پر آمادۂ شورش ہوگیا ؎

کسے کو ہوائی فریدوں کند سراز بند ضحاک بیروں کند

اسنے فوراً دیسی اور پردیسی کا جھگڑا کھڑا کر دیا اور شہر میں منادی کر دی کہ میرزا خاں اور دیگر پردیسیوں نے قلعہ میں جمع ہوکر ہمارے جائز پادشاہ کو قید کر لیا ہے۔ اور اسکی جگہ دوسرے کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ لہذا اہل دکن کو چاہئے کہ اپنے پادشاہ کی رہائی کی کوشش کریں اور ان پردیسیوں کے تسلط کی لعنت کو اپنے سر سے دور کریں۔ اس منادی پر دو تین گھنٹوں کے اندر اندر ہزار ہا دکنی قلعہ کے گرد جمع ہوگئے۔ ان میں شہری بازاری فوجی اور حبشی شریک تھے۔ میرزا خان نے انکے دفعیہ کے لئے ایک فوج جسکی تعداد دو سو پردیسی سے زیادہ نہیں تھی بھیجی۔ لیکن یہ مٹھی بھر لوگ دکنیوں کے اس بڑھتے سیلاب کا کیا علاج کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مارے گئے اور بقیۃ السیف جو زیادہ تر زخمی تھے قلعہ میں پہنچے۔ میرزا خان سے دوسری حماقت یہ سرزد ہوئی کہ اسنے میراں حسین شاہ کا سر کٹوا کر ایک نیزہ کیساتھ قلعہ کے برج پر لٹکوا دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر میراں حسین کے لئے تمہارا جھگڑا

ہے تو اسکا سر نیزہ پر لٹک رہا ہے۔ دیکھ لو۔ اب تمہارے لئے یہی مناسب ہے کہ اسمٰعیل کی حکومت پر قانع ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور فساد سے باز آؤ۔ دکنیوں کی رگ حمیت کو جنبش میں لانے کے لئے یہ پیغام کافی تھا۔ اب جمال خان کا نعرۂ جنگ یہ تھا کہ پردیسیوں سے حسین کے خون کا بدلہ لو اور معاملات سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھو۔ چنانچہ قلعہ پر حملہ ہوا۔ اسکے دروازوں میں آگ لگا دی گئی۔ میرزا خان اپنی ٹولی کے ساتھ نکل گیا۔ اور دکنیوں نے داخل ہو کر باقی ماندہ پردیسیوں کو جنکی تعداد تین سو کے قریب تھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اسکے بعد وہ شہر کیطرف بڑھے۔ اسمٰعیل نظام شاہ کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ اور شہر و دیہات کے پردیسیوں کا قتل عام کا حکم دے دیا گیا۔ مورخ فرشتہ جو ان ایام میں احمد نگر میں مقیم تھا اور ان واقعات کا عینی گواہ ہے۔ تحریر کرتا ہے :۔

"و مجدداً بہ قتل غریباں و تاراج اموال ایشاں و سوختن و کندن عمارات آنہا حکم فرمود۔ لشکریان و غارتگران دست بیداد از آستین ظلم بر آوردہ وضیع و شریف و توانگر و گدا و نوکر و سوداگر و مسافر و غریب را بزجر تمام و رسوائی مالا کلام بہ معرض ہلاکت رسانیدند و آتش در عمارات عالیۂ ایشان زدہ سر کسانے کہ بفرق فرقدان می سود زمین سا و پایمال جفا گردانید و دوشیزگانے را کہ روی از مہر و ماہ می پوشیدند موی کشان بہ بزم مستان کشیدند و روز چہارم میرزا خان را در حوالی جنیر گرفتہ آوردند و بہ حکم جمال خان نخست بر خر سوار کردہ در شہر گردانیدند و بعد از ان پارچہ پارچہ کردہ بر سر بازارہا آویختند و جمشید خان شیرازی را با برادرانش سید حسین و سید محمد و پسرش سید مرتضیٰ را بدین تقریب کہ با میرزا خان ہمداستان بودند کشتہ اجساد آنہا را در دہن توپ نہادہ آتش دادند

تاہر ذرہ از اعضای ایشان بہ جائے افتاد و مدت ہفت روز یک ہزار غریب در شہر و قصبات بہ قتل آمدہ اسباب و اموال ایشان بہ تاخت و تاراج رفت " (صفحہ ۱۴۹ تاریخ فرشتہ جلد دوم)

مقتولین کے علاوہ تین سو پردیسی جو فرہاد خان حبشی کی شفاعت کی بنا پر قتل سے بچ گئے تھے اور قید میں تھے ۔عین عید کے روز خارج البلد کئے گئے۔ان مخرجین کو بیجا پور میں دربار عادل شاہی نے پناہ دی اور ملازم رکھ لیا ۔ صلائی گو اس قتل عام سے بچ نکلتا ہے ۔ لیکن اسی زمانہ کے قریب اسکے فرزند کی وفات کا سانحہٗ ناگزیر پیش آتا ہے ۔ اسکی بقیہ سرگزشت اشعار آیندہ سے معلوم ہوتی ہے :-

بعزم خاک درش بستہ نیت احرام — بہ بحر سعی بہ زورق نہادہ پار سفر
ز جام حب شہ امید گشتہ لا یعقل — بہ سعی گشتہ روان سوی سندہ چون تندر
و لیک بیخبر از کید حادثات زمان — نخواندہ سرعت تدبیر درس لا بقدر
چو چند روز دران بحر بیکران زورق — دوید ہمچو حبابے بہ یاری صرصر
ہوا مزاج بدل کرد بعد یک چندے — نہادہ بر سر آتش مسافران یکسر
چہ گویم از ستم بحر و موج طوفانش — کہ گہ باوج و گہے در حضیض داشت مقر
نہنگ و ضعدف (کذا) و سنسار گرد آن زورق — کشیدہ سر طرفے صف بروں ز حد و مر
درون نشیمن غم جملہ دست شستہ ز جان — چہ ناخدا و معلم چہ تاجر و لشکر
بصد ہزار مشقت پس از دو ماہ و دو روز — بساحل گجراتم سفینہ شد لنگر
ہزار شکر کہ بر وفق مدعا دیدم — سپاہ و خیل عدو را چو دفتر ابتر

کھمبایت میں بہادر ابن مظفر کی تاخت

کھمبایت میں بہادر کی تاخت کے متعلق صلائی کے قصائد میں متعدد بیان اور

اشارے ملتے ہیں - وہ اس واقعہ کی کوئی تاریخ نہیں دیتا۔ مغلیہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا مظفر حسین ۹۸۵ھ میں کھمبایت کو لوٹتا ہے - ۹۹۱ھ میں مظفر گجراتی اس شہر سے روپیہ وصول کرتا ہے۔ لیکن بہادر کی تاخت کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا - صلائی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاخت ایک بڑے پیمانے پر ہوئی ہے - بہادر اچانک ایک رات مع اپنی فوج کے شہر پر آگرتا ہے اور دل کھول کر لوٹتا ہے - جس میں شاعر کا تیس سال کا اندوختہ غارت ہو جاتا ہے۔ قسم قسم کی اجناس 'کشمیری شال' پاٹن کے سیلے' . زرکے گر پھسوتی کپڑے ' خاصے کے تھان' بنگالی مندیل اور دیگر بلاد کی تحفہ تحفہ اشیا ' موتی اور لعل و یاقوت - دو راس گھوڑے اور بہل وغیرہ غارت میں جاتے ہیں۔ وہ تنہا غارت زدہ نہیں ہے بلکہ اسکے اشاروں سے پایا جاتا ہے کہ باقی شہریوں کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا گیا ہے - مثلاً ایک جگہ وہ ' ابتلای ستمدیدگان کمبایت ' استعمال کرتا ہے - دوسری جگہ تاراج بندر سلطان کہتا ہے اور تیسری جگہ ' انتقام من وجمہور ' کا فقرہ لاتا ہے۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ سارا شہر لوٹا گیا ہے '

اب میں ایسے اشعار جو اس واقعہ سے متعلق ہیں اسکے مختلف قصائد سے لیکر بمعہ ان قصائد کے ممدوحین کے ناموں کے یہاں درج کرتا ہوں :-

(۱) در مدح شاہ عباس صفوی ۹۸۵ھ و ۱۰۳۸ھ :-

سخن ز غارت و جور بہادر آغازم	کز و درین کہرسن چہ دیدہ ام آزار
بسان راہزنان بے خبر بکمبایت	شبے در آمد و بُرد آنچہ داشتم در بار
ز قسم اقمشہ و شالہای کشمیری	ز سیلہای فتن گر بسوتہای یرار
ز خاصہا و ز مندیلہای بنگالی	دگر نفیس تحفہای ہر بلاد و دیار
سخن بہ طول کشد گر بیان کنم یک یک	مرا تعدد تکرار آن بود دشوار
بہند آنچہ بہ سی سال کردہ بودم جمع	ز لعل و لکش و یاقوت و گوہر شاہوار

بہ برد آنہمہ در یک نفس ز خانۂ من | سپاہ بے سر آن ابتر قبیح اطوار
نہال دنیویم آنچنان مہرا کرد | کہ باد بے محلی نخل بارور ز ثمار
بہ بارگاہ تمیزش کہ مرجع فضلاست | ازین زیادہ چگویم ز جور آن غدار
امید وار چنانم کہ خیل بے سر او | چنان شوند کہ اولاد لوط را آثار

(۲) مدح ہمایون جہانگیر شاہ :-

آن بہادر کہ گم شود ز جہان | بردہ یغمای او مرا اموال
بادو راس اسپ و بہل وجنس سرا | با بضاعات بے شبیہ و مثال
آنچہ سی سال کردہ بودم جمع | از گزین تحفہای و مال و منال
جملہ بردو مرا نمود گدا | آن نگون بخت مظلمہ و دلال
خسروی را نہ زیبد آن مدبر | کش نباشد نظر بحسن مآل

(۳) ممدوح نا معلوم :-

این نمون کہ از جہان گم باد | کردہ تصدیعی عزیزانم
آنچہ سی سال کردہ بودم جمع | آمدش زجر کرد تالانم
بعد یغمای او چو ماتمیش | ہست پیوستہ چشم گریانم
کہ بہنگام پیری از من برد | ہر ذخیرہ کہ بود پنہانم
حسرت اندوز باد تا محشر | آنکہ زجرش نمود تالانم
از لباس امید عریان باد | آنکہ محتاج کرد و نالانم

(۴) در مدح جہانگیر پادشاہ :-

اما سخنے کہ ہست واجب | نتوان کردن نہان ز خدام
زین حادثۂ کہ این نمون | در کمبایت نمود ز ابرام
غارت زدہ شد متاع صبرم | این واقعہ را چسان برم نام

جز پوست بر استخوان نه هشتند   آن قوم بمن ز هیچ اقسام

(۵) در مدح مقرب خان و ذکر بهادر

. . . .

(۶) مدح شاه عباس :-

چون ز طوف کعبه گشتم کامیاب کامجو   توبهٔ عصیان مرا شد مونس محفل نشین
از بضاعت بود در تحت تصرف سعی را   مایهٔ راحت چو تجاران ملک روم و چین
اندرین اوقات در کمیابیت آن لغا نمود   تا جوانمرد آن بهادر نام کم از هر کمین
لعنت از حق باد و نفرین از منش کز اهل ظلم   همچو او بیداد آئین دگر نبود لعین
آنچه در سی و دو سالم حاصل تحصیل شد   برد آن بدبخت و کردم چون گدایان گوشه نشین

(۷) مدح جهانگیر قلیخان :-

شمهٔ حال من از عرض کنم جایے هست   زان جفا کم بسر از سرور دزدان آمد
این زبون که مبیناد بعالم رحمت   چون بتاراج سو بندر سلطان آمد
آنچه در هند بسی سال مرا شد حاصل   برد آن دزد دغل چون پئے تالان آمد
دارم امید که گویند سر آن مدبر   بر سر دار فنا بر زده دامان آمد
تا بگویم ز پے ماتم او تاریخے   که دلم سخت بہ تنگ از غم نقصان آمد
انتقام من و جمهور تو خواهم گیری   زان جفا جوی که بے بهره ز نقصان آمد

(۸) مدح جهانگیر پادشاه :-

این زبون که باد مقهور   تاراج وے ام نمود مضطر
از شدت زجر آن جفا جو   وز محنت ظلم آن ستمگر
افتاده ترم ز ناتوانی   آشفته چو بخت آن بد اختر

(۹) خطاب به مسعود :-

بہ ابتلای ستمدیدگان کمبایت | زظلم زادۂ نتون بہادر مردود
کہ بہ صلائیت از جور آن سفیہ تبار | رسید آن کہ ندارد بیانش حدو حدود
چو شرح نقل الم باعث ملال بود | بہ آنکہ قصہ کنم مختصر ازان نابود

اگرچہ اس واقعہ کی تاریخ کی صلائی نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ وہ صرف سی قدر کہتا ہے کہ میرا تیس سال کا اندوختہ غارت ہوا چنانچہ اشعار بالا میں چار جگہ سنے "سی سال" لکھا ہے اور ایک جگہ "سی و دو سال" کہا ہے۔ مگر اس بیان سے تاریخ حاصل کرنے کی ایک ظنی دلیل یہ پیدا ہوتی ہے کہ شاعر ۹۸۱ھ میں ہندوستان آتا ہے۔ اس پر اگر اسکی مدت اقامت ہندوستان تیس سال اضافہ کی جائے تو حاصل جمع ۱۰۱۱ھ ہے۔ اگر بتیس سال جمع کئے جائیں تو ۱۰۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ بہرحال ان سنوں میں یا انکے قریب کسی سال میں بہادر نے بندر کھمبایت پر تاخت کی ہوگی۔

تاریخوں میں بہادر کی دو یورشوں کا ذکر آتا ہے۔ پہلی یورش بزمانۂ اکبر اسوقت ہوتی ہے۔ جب شاہزادہ مراد صوبہ دار گجرات دکن کی مہم پر تعین ہوتا ہے اور راجہ سورج سنگھ اسکی نیابت میں گجرات میں کام کرتا ہے۔ اندنوں جاگیرداران گجرات بھی خدمت دکن پر متعین تھے۔ بہادر موقعہ پاکر ۱۰۰۵ھ میں علم فساد بلند کرتا ہے۔ اور دیہات و قصبات کو لوٹتا ہے۔ راجہ سورج سنگھ اسکے مقابلہ کے لئے احمدآباد سے روانہ ہوتا ہے۔ اور جب صفوف جنگ آراستہ ہوجاتی ہیں۔ بہادر بغیر لڑے بھڑے میدان رزم سے چلدیتا ہے اور راجہ مظفر و منصور واپس لوٹتا ہے (مرآت احمدی صفحہ ۱۸۲ جزو اول)

دوسری یورش ۱۰۱۴ھ میں جہانگیر کی تخت نشینی کے موقعہ پر عمل میں آتی ہے جسکے متعلق توزک جہانگیری میں حسب ذیل اطلاع ملتی ہے :-

"در آغاز جلوس یکے از اولاد مظفر گجراتی کہ خود را حاکم زادۂ آن ولایت میگرفت سر شورش برآوردہ اطراف و جوانب شہر احمد آباد را تاخت و تاراج نمودہ چندے از سرداران مثل پیم بہادر اوزبک ورای علی بھٹی کہ از جوانان مردانہ و قرار دادہ آنجا بودند در آن فتنہ بہ شہادت رسیدند، آخر الامر راجہ بکرماجیت و بسیارے از منصبداران را باشش ہفت ہزار سوار آراستہ بہ کمک لشکر گجرات تعین ساختم و مقرر شد کہ چون خاطر از رفع و دفع مفسدان جمع سازند راجہ مذکور صاحب صوبہ گجرات باشد قبل ازین کہ قلیچ خان بدان خدمت تعین یافتہ بود متوجہ لازمت گردد" [توزک صفحہ ۲۳]

یہ تاخت بقول جہانگیر ۱۰۱۴ھ میں کیجاتی ہے مگر جہانگیر اسکو اطراف و جوانب احمد آباد تک محدود بتاتا ہے۔ کھمبایت کی تاخت بھی گمان غالب ہے کہ عہد جہانگیری میں وقوع میں آئی ہے کیونکہ اس سلسلہ میں صلائی نے جن جن اشخاص کو خطاب کیا ہے وہ سب کے سب جہانگیر کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً خود جہانگیر پادشاہ اور اسکے امرا مقرب خاں۔ جہانگیر قلی خان اور مسعود وغیرہ اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ یہ تاخت بھی اسی سال رونما ہوتی ہے۔ جس سال احمد آباد کی تاخت واقع ہوتی ہے اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر دونوں ایک ہی وقت میں عمل میں آئی ہوں۔ اگرچہ کھمبایت کی تاخت و تاراج کا ذکر تاریخوں میں نہیں آیا۔

بہادر واقعہ طلبی اور جیوٹ میں اپنے باپ مظفر سے کم نہیں تھا۔ اسکی تمام عمر مغلوں کی مخالفت میں گذری۔ جب نویں سال جلوس میں جہانگیر اسکی وفات کی اطلاع سنتا ہے خوش ہوتا ہے اور اس خبر کو اپنے واسطے ایک مبارک نوید تصور کرتا ہے لکھتا ہے:۔

"دوم خبر فوت بہادر کہ از حاکم زادہای ولایت گجرات و خمیر مایۂ فتنہ و فساد بود رسید کہ اللہ تعالے بکرم خود او را نیست و نابود ساخت۔ باجل طبعی درگذشت (توزک صفحہ ۱۳۴)

اس سے ظاہر ہے کہ وہ جہانگیر کو خاصہ دق کر رہا ہے اور اسکی موت سے ایک بڑا بوجھ اسکے دل سے اترتا ہے + (باقی وارد)

محمود شیرانی

خطاطان سند

(اقتباس از تحفۃ الکرام تالیف میر علی شیر قانع ٹھٹوی)

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ اگست ۱۹۳۴ء)

ذیل کا اقتباس سندھ کے خطاطوں کے متعلق تحفۃ الکرام سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب جو ۱۱۸۱ھ میں تصنیف ہوئی چھپ چکی ہے، دوسری جلد کے آخر میں سن طباعت ۱۳۰۴ھ دیا ہے اور تیسری جلد کے شروع میں لکھا ہے: در مطبع ناصری واقع دلہائی (؟) طبع شد، اقتباس مندرجہ ذیل مطبوعہ اڈیشن کی جلد ۳ ص ۱۴۱ و ۲۴۱ پر موجود ہے، مگر اسکو یہاں درج کرنے کی جہت یہ ہے کہ اگلے دن راقم کو کتاب مذکور کا ایک نسخہ بخط مصنف نظر آیا جس میں مولف کے بعض زیادات بھی ہیں بسطور ذیل اسی نسخہ سے منقول ہے۔ زیادات کو میں نے خطوط وحدانی سے محدود کیا ہے۔ اور سہولت مراجعت کے لئے خطاطوں کے اعلام کے ساتھ عدد مسلسل دے دیے ہیں۔ ٹھٹہ کے کتبات کے سلسلے میں بھی جو اسی رسالے کے آخر میں درج ہیں۔ یہ اقتباس کارآمد ثابت ہوگا +

طبقۂ خوشنویسان [سند] (۵)

ہرچند در مذکورات سابق برخی وجوہ اہل این فن ہم سمت تحریر یافتہ اما اینجا مراد بذکر معارف این ہنر والاست،

۱۔ حافظ رشید خوشنویس

درعہد جام نظام[1] الدین و جام فیروز[2]* در خوشنویسی علم مہارت می افراشتہ

---

[1] جام نظام الدین نے ۸۶۶ سے ۸۹۷ تک اور جام فیروز نے ۸۹۷ سے ۹۲۴ تک حکومت کی (کرامپلو ص ۲۹۰)، اسکی حکومت کے آخری سالوں میں شاہ بیگ ارغون سندھ پر قابض ہوا،

و در سلک اجل مشاهیر زیسته '

۲- سید حسن خوشنویس

در عهد[1] ترخانیه بفنون خوشنویسی ماهر وقت زیسته ' پسرش سید محمد طاہر ایضاً جامع هفت قلم معروف ایام گذشته '

۳- مخدوم الیاس خوشنویس بن مخدوم یوسف

[۴۲۴ و] ' درخط نسخ[2] و تعلیق مهارت کامل* داشته باستادی وقت مشهور [۴۳۴ و] شاگردان رشید مثل سید[3] علی ازو بهره فن کمال شدند '

۴- سید رحمت الله ولد سید ابوالقاسم بیگ لار

در خط نستعلیق از معروفان روزگار گذشته

۵- [سید عبدالله حسنی نازک رقم]

۶- شیخ محمد فاضل ولد شیخ محمد

معاصر عهد شاهجهان پادشاه ' در کتبه نویسی خط ثلث نادرهٔ زمان زیسته '

۷- شیخ محمد ولد شیخ محمد فاضل مذکور

ایضاً در کتبه نویسی مثل پدر بد مهارت می افراشت

۸- شیخ عبدالواسع خوشنویس

در خط نستعلیق معروف روزگار بوده در حضرت شاهجهان بادشاه باردر شده منشی تحریر فرامین و نشانها گشت ویرا هفت پسر است ' شیخ عبدالسمیع و شیخ عبدالشکور و شیخ عبدالغفور و شیخ محمد معین و شیخ عبدالحق و شیخ محمد شریف و شیخ عبدالرؤف ' هر یک مثل پدر بزرگوار بفن خوشنویسی ماهر اظهر زیسته و بجای پدر به

---

[1] ترخانیوں کی حکومت سندھ کا زمانہ ۹۶۱ تا ۱۰۰۱ ہے (نزامیاور ص ۲۹۱)
[2] نسخہ مطبوعہ: نستعلیق و نسخ مهارت کل ' [3] دیکھو نمبر ۹ '

منشی گری آن درگاه سلاطین سجده گاه رسیدند'

۹ - سید علی

استاد با نام صاحب دستگاه کامل جامع فنون خوشنویسی زیسته ' شاگردانش اکثری بکمال رسیدند [نبیره اش سید مهدی مرحوم که بعد فوتش جا گرم داشته و سید احمد ساکن محله خواجه می باشند]

۱۰ - شیخ محمد علی

در خط نستعلیق شهرهٔ آفاق بر آمده بحضور عالمگیر عرض هنر بوجه اتم داده سرافراز گردید'

۱۱ - میاں شیخ محمد

شاگرد سید علی مذکور است' در هر هفت قلم اشهر انام آمده' از پسرانش شیخ ابو الفضل در خوشنویسی اظهر وقت[1] گذشته'

۱۲ - شیخ محمد پناه

جامع کمالات خوشنویسی' بر اکثر خوشنویسان علم سبقت برافراشت' قضا را در عین جوانی بگذشته پسرش محمد عالم اکنون بیادگاری[2] آبا خوشنویس بے بدل ماہر فنون غریبه آن هنر است[3]

۱۳ - سید نعمت الله

خوشنویس بے مثل گذشته است[4]'

۱۴ - ۱۶ خواجه میر محمد بزرگ رضوی

که ذکرش گذشته شاگرد پدر[5] خود[6] و محمد شفیع خوشنویس شاه بندر و ہدایت الله زرین رقم

---

[1] مطبوعہ نسخہ : بوده [2] مطبوعہ نسخہ : ایام [3] مطبوعہ نسخہ میں یہ لفظ نہیں ہے [4] مطبوعہ نسخہ : بفنون هنر ماهر است' [5] مطبوعہ نسخہ : معروف گذشته' [6] مطبوعہ نسخہ میں ہے : پدر خود محمد فاضل ' مگر مصنف نے اپنے نسخہ میں محمد فاضل کو قلمزن کر دیا ہے'

از استادان بزرگ فن خوشنویسی معروف است[۱]

۱۷- خواجه میر شریف

اولاد خواجه میر شہاب الدین کہ مذکور شدند خوشنویس معروف شاگرد سید علی است، پسرش خواجہ میر مرتضی کہ ومعفش گذشتہ اکنون در استادان این فن نامی وقت، [میر محمد فاضل رضوی پسرش]،

۱۸- میاں حبیب اللہ

شاگرد سید علی مذکور است و در ہر ہفت خط استاد کامل گذشتہ، پسرش میاں[۲] تاج محمد خوشنویس معروف وقت یادگار* ،

۱۹- درویش علی بیک

از طایفہ مغل خوشنویس نامی است، نبیرہ اش درویش[۳] علی بیک* ایضا ہیچ جدا از ناموران آن فن بودہ ،

۲۰- سید میر محمد

از شاگردان سید[۴] علی* ، خط ثلث بوضع خاص می نوشتہ*[۵]، و در نسخ [ہم خوشنویس، مدتی طرف حجاز و یمن گذرانیدہ بہ تتہ آمدہ و باز آن طرف رفتہ، حالا ہم در مدینہ منورہ سکونت دارد]

(اڈیٹر)

---

۱ نسخۂ مطبوعہ: معروف وقست   ۲ نسخہ مطبوعہ: تاج محمد یادگار پدر خوشنویسی باقی ،

۳ نسخۂ مطبوعہ: علی بیک،   ۴ نسخہ مطبوعہ: میاں محمد پناہ

۵ نسخۂ مطبوعہ: نیکو می نویسد،

سندھ کے بعض کتبے

راقم سطور کو گذشتہ تعطیلات کرسمس میں سندھ کی سیر کا اتفاق ہوا' اور ٹھٹہ سے حیدرآباد تک مختلف مقامات ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ دیکھے گئے۔ ٹھٹہ اور سہوان میں دو دو دن قیام ممکن ہو سکا۔ اس لئے ان مقامات کو نسبتہً زیادہ توجہ سے دیکھا گیا۔ سندھ کو صوبہ بمبئی کے ساتھ ملحق رہنے سے بعض فوائد بھی حاصل ہوئے ہونگے۔ مگر آثار سندھ کی مناسب نگہداشت شاید ان فوائد میں شامل نہیں۔ اسلئے ان آثار کی حالت جیسی چاہیئے ویسی نہ تھی' بعض کتبات جو ٹھٹہ اور سہوان یا ان کے قریب نظر پڑے ان کی نقلیں عجلت اور بے سامانی کے باوجود اتاری گئیں اور انکو صفحات آیندہ میں شائع کیا جاتا ہے' اگر کیمرا یا اس قسم کا اور سامان ہمراہ لے کر عکس لئے جاتے تو زیادہ دلچسپ نتائج حاصل ہوتے۔ مگر امید ہے کہ قارئین کرام ایک تیز تگ مسافر کی ان عاجلانہ مساعی کو بھی دلچسپی سے خالی نہ پائیں گے ۔ (اڈیٹر)

ٹھٹہ[1]

جنگ شاہی ریلوے سٹیشن سے اس قدیم شہر کی طرف جائیں تو قریباً دو میل اس سے ورے کوہ مکلی کے مقابر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ زرد پتھر جن سے بعض

---

[1] ٹھٹہ کے بعض حالات کے لئے دیکھو تحفۃ الکرام مطبوعہ ج ۳ ص ۱۸۵ بیعد'

شاہان سندھ کے مقابر بنے ہوئے ہیں اور جنکو نہایت نازک اور خوشنما سنگتراشی سے مزین کیا گیا ہے وہ تمازت آفتاب اور باد و باران کے اثر سے رُو بخرابی ہیں۔ کئی پتھر اپنے مقام سے ہل گئے ہیں اور مجموعی حالت ان مقبروں کی ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ زیادہ دیر تک انکے نشانات باقی رہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ محکمہ آثار قدیمہ کہانتک ان مقبروں کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ تاہم اس محکمہ کو جلد سے جلد ادھر متوجہ ہونا چاہئے۔ کہ جو کچھ ممکن ہے کیا جائے، کاش کہ سندھ کی رائے عامہ بیدار ہو سکے اور حکام متعلقہ کو ادھر متوجہ کر سکے قبل اسکے کہ یہ قیمتی آثار عُرضۂ فنا ہو جائیں،

ٹھٹہ کی جامع مسجد کو اسکے سب سے زیادہ جاذب نظر آثار میں سے سمجھنا چاہئے۔ مسجد میں چار جگہیں تاریخی قطعہ دیئے ہیں۔ انکی تفصیل آگے آتی ہے ان میں سے ایک کی تاریخ ۱۰۵۴ھ اور دوسرے کی ۱۰۵۷ھ ہے۔ غالباً انہیں سے "آرکیولوجیکل سروے آف وسٹرن انڈیا" کی رپورٹ نمبر ۸ (طبع بمبئی ۱۸۷۹ء) ص ۷ میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مسجد کی عمارت ۱۰۵۴ھ میں شروع اور ۱۰۵۷ھ میں ختم ہوئی۔ یعنی بزمانہ شاہجہان، ۱۰۵۷ والے کتبے میں بادشاہ کا نام بھی موجود ہے۔ ایک کتبہ میں تصریح موجود ہے۔ کہ ۱۰۶۸ میں۔ میر جلال رضوی وزیر کے اہتمام سے مسجد میں فرش لگایا گیا، یہ شاہجہان کی حکومت کا آخری سال ہے اور اسکا نام اس کتبے میں موجود ہے، آخری کتبے کی تاریخ ۱۱۰۴ھ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اورنگزیب (م ۱۱۱۸) میں بھی اس مسجد میں بعض ترمیمیں ہوئیں، رپورٹ مذکورہ میں ہے کہ " مسجد پر ۹ لاکھ روپیہ خرچ آیا، مسجد کی بنیادیں اور کرسی پتھر کی ہے اور باقی عمارت پختہ کاشی کار اینٹوں کی ہے، چھت میں ۹۲ گنبد اور گنبدیاں ہیں جن میں سے تین

بہت اہم ہیں - ان کے اندرونی جانب پر رنگین ٹائلیں لگی ہیں - جنکے رنگ کاریگروں نے نہایت خوش مذاقی سے ملائے ہیں، وسطی عمارت کا رقبہ ۳۰۵ × ۱۷۰ فٹ ہے"۔

اکثر کتبے [illegible] دستخط موجود ہیں - ان کی فہرست حسب ذیل ہے :

(۱) عبداللہ　۱۰۶۸ھ　اس کے ذکر کے لئے دیکھو یہی رسالہ ص ۱۳۲ نمبر ۵

(۲) شیخ محمد فاضل　اس کے ذکر کے لئے دیکھو یہی رسالہ ص ۱۳۲ نمبر ۶

(۳) عبدالغفور　۱۰۵۰ھ

(۴) سید علی بن بن سید عبدالقدوس [illegible] دیکھو تحفۃ الکرام مطبوعہ ج ۳ ص ۲۰۰ (صفحہ کا نمبر غلطی سے اس نسخہ میں ۱۰۰ چھپا ہے)

(۵) بنبو بن حسن

(۶) طاہر بن حسن کاتب　دیکھو یہی رسالہ ص ۱۲۲ نمبر ۲

اب ان کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے،

جامع شاہجہانی ٹھٹہ کے کتبے

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مسجد میں چار جگہ قطعات تاریخ دیئے ہیں - یہ قطعات درج ذیل ہیں - ان میں مادۂ تاریخ کے نیچے خط میں نے لگایا ہے مگر تاریخوں کے عدد اصل سے منقول ہیں، علاوہ ان کتبوں کے آیات کلام اللہ بھی جا بجا درج ہیں، اکثر کتبے جو نظر پڑے نقل کئے گئے مگر ایک دو جگہ جہاں صرف آیات شریفہ درج تھیں انکی نقل لی نہیں گئی،

مشرقی ایوان

اس ایوان کے مغربی دروازے کے اندرونی اور بیرونی دونو طرف کتبے ہیں - اندرونی طرف کا یہ کتبہ طاق کے ساتھ ساتھ تین ٹکڑوں میں بخط نستعلیق

لکھا ہوا ہے۔

بادشاہ زمانہ شاہ جہان	جامع تتہ دلکشا پرداخت
مرتضیٰ جامی کہ مسجد او	سایہ بر قبۂ سما پرداخت
فاتحہ بہر خدای ظل خدا	خانہ رحمت خدا پرداخت
فرش جامع بحکم شاہ جہان	زبدۂ آل مصطفیٰ پرداخت
رضوی انتساب میر جلال[1]	کہ وزارت از وصفا پرداخت
بست فرشی کہ سنگ آن زصفا	رشک جام جہان نما پرداخت
سال تعمیر آن دبیر خرد	فرش مطبوع و دلکشا پرداخت

۱۰۶۰

مشقہ عبداللہ

بیرونی طرف طاق کے اطراف میں بخط ثلث لکھا ہے :

تبارک الذی نزل الفرقان . . . . [تا] انہ غفور رحیم

صدق اللہ صدق اللہ العلی العظیم شیخ محمد فاضل

طاق کے دائیں اور بائیں طرف بخط نستعلیق لکھا ہے :

دائیں طرف	بائیں طرف
چون ز صاحب قران شاہجہان	ہاتفم گفت سال اتمامش
یافت ترتیب مسجد اعلی	گشت زیبا چو مسجد اقصی

۱۰۵۷

مغربی مسقف حصہ

مشقہ عبدالغفور

بیرونی طرف کا کتبہ بخط ثلث :

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا . . [تا] مغفرۃ و اجرا عظیما

کتبہ سید علی بن سید عبدالقدوس

۱۱۰۴

---

[1] میر جلال وزیر کا پتہ نہیں مل سکا۔

محراب کے اوپر کا کتبہ بخط ثلث

اقم الصلوٰۃ . . . . . . [تا] زھوقا '

مشقہ العبد الفقیر بنبو بن حسن '

اس حصے کے بڑے گنبد کے نیچے کی عمارت مثمن ہے۔ اس مثمن کے پہلوؤں پر بخط ثلث لکھا ہے :

سبحان الذی اسری . . . [تا] عذابا الیما

کتبہ فقیر طاہر بن حسن کاتب '

صحن کے شمالی اور جنوبی اطراف کے وسط میں بھی ایوان ہیں۔ شمالی ایوان کے بیرونی طرف بھی آیات شریفہ لکھی ہیں۔ جن کو میں نے درج نہیں کیا۔ جنوبی ایوان کے اندر مغربی دیوار میں ذیل کا کتبہ بخط نستعلیق پتھر میں کندہ ہے :

ندیدہ چشم فلک مسجدی بدین خوبی — کہ آمدند ملایک برای دیدن فیض
بجستم از خرد و عقل سال تعمیرش — بدیدہ کرد اشارت کہ ہست معدن فیض
۱۰۵۴

مسجد مظفر خاں

علاوہ مسجد شاہجہانی کے ٹھٹہ میں ایک مسجد عہد جہانگیری کی بھی ہے۔ یہ مسجد مظفر خان میر عبدالرزاق معموری نے بنوائی۔ میر کا حال مآثر الامراء ج ۳ ص ۳۷۶ و ص ۴۳۸ پر دیا ہے ' وہیں سے معلوم ہوا کہ " معمور آباد موضعی ست از نجف اشرف " میرزا غازی بیک ترخان ۱۰۲۰؁ھ میں فوت ہوا تو صوبہ ٹھٹہ ضبط پادشاہی میں آیا ۱۰۲۱؁ھ میں میرزا رستم صفوی کو والی بنا کر مظفر خان کو تشخیص جمع مالی کے لئے بھیجا گیا ' یہ مسجد اسنے اسی زمانہ میں بنوائی۔ نہایت باموقعہ اور خوبصورت مسجد ہے۔ حال ہی میں کسی کاریگر رنگساز نے اس کو رنگ کر بہت خوشنما بنا دیا ہے '

محراب میں پہلے کلام پاک سے ایک آیت درج کی ہے۔ آخر میں لکھا ہے:
خاک آستان نبوی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرزاق الحسینی المعموری الملقب بمظفر خان بتاریخ ۱۰۲۱ھ اتمام شد۔

نواح ٹھٹھ

خانقاہ ابو ترابی

ٹھٹھ کے راستے میں صوبہ سندھ کا گزیٹیر (بزبان انگریزی، مرتبہ ای، ایچ ایٹکن (طبع کراچی ۱۹۰۷ء) دیکھ رہا تھا کہ ص ۹۱ پر یہ مضمون نظر پڑا:

"ایک بڑے شیخ نے جسکا نام ابوتراب تھا بھکر کا اہم قلعہ فتح کیا اور اور کئی بہادری کے کام کئے، یہ بزرگ ہمارے لئے دلچسپی کا موجب ہے۔ اس لئے کہ اسکی قبر موضع گجو (تعلقہ میرپور ساکرو) سے قریباً دو میل کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے، موضع گجو ٹھٹھ سے ۱۰ میل مغرب کی طرف ہے، اس قبر پر ۱۷۱ھ مطابق ۷۸۷ء کا کتبہ ہے اور سندھ میں اس کو قدیم ترین تاریخی تحریر تسلیم کرنا پڑتا ہے"

راقم سطور اس عبارت کو پڑھکر پھڑک اٹھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عہد خلیفہ ہارون الرشید کی ایک تحریر تھوڑے فاصلے پر موجود ہے اور اسکا دیکھنا آسانی سے میسر آئیگا۔ ٹھٹھ میں موٹر سے اسباب اتارنے کے بعد راقم نے سیدھا گجو کا رخ کیا اور وہاں سے خانقاہ شیخ ابو تراب پر پہنچا۔ مگر اسکا کیا علاج کہ غایت تفتیش اور تفحص کے بعد بھی وہ ۱۷۱ھ کی تحریر نہ نظر آنی تھی نہ نظر آئی، یہ خانقاہ ایک فرسودہ سے قبرستان کے اندر اچھی حالت میں موجود ہے قبر کا گنبد قدیم معلوم ہوتا ہے مگر نقش و نگار حال ہی کے زمانہ کے ہیں مشرقی دیوار میں ایک پرانا کتبہ تعلیق میں درج ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ موسی بن شہجان

کے اہتمام سے ۳ صفر ۷۸۲ھ کو جام علاءالدین کے زمانہ میں ولی اللہ شیخ حاجی بوترابی کا قبہ تعمیر ہوا '

اگر کبھی اسجگہ ۷۱۸ھ کا کوئی کتبہ تھا تو وہ اب موجود نہیں ہے ' لیکن راقم کو شک گذرتا ہے کہ اس کتبہ میں جسکا خط آسانی سے پڑھا جانے والا نہیں ہے (دیکھو عکس جسپر نمبر الف لکھا ہے) کسی نے شاید غلطی سے "ہفصد و ہشتاد و دو" کو "ہفصد و ہشتاد و نہ" پڑھ لیا ہو اور اسکو بجائے ہجری تاریخ کے عیسوی تاریخ قرار دے دیا ہو ' بہر حال یہ کتبہ بہت دلچسپ ہے - یہ اس زمانہ کی یادگار ہے - جبکہ ٹھٹہ میں جاموں کی حکومت تھی اگر زامباور (Zambaur) کے میتویل ص۲۹۱ کی تاریخیں درست ہیں تو یہ زمانہ جام صلاح الدین کا ہے - جسنے ۷۸۱ تا ۷۹۳ ٹھٹہ میں حکومت کی جس جام علاءالدین کا ذکر کتبہ میں ہے وہ بظاہر شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا کیونکہ نہ صرف حاکم تتہ بلکہ اسکے گھرانے کے افراد بھی جام کہلاتے تھے ' اس جام علاءالدین کا حال کہیں نظر نہیں آیا کتبے کا نقش کوٹلے سے لیا گیا اور اسکا عکس دیا جاتا ہے مگر پہلے اس کتبہ کا متن درج کیا جاتا ہے '

کتبہ [ا] کا متن

بعہد شہریار دھر سلطان داور [کذا] شہ فیروز منصور و مظفر صف میدان

بامر سرفراز سند خاص حضرت عالی | کہ پای قدر او اعلا زفرفرقد نایان
ستوده جام جم سیرت علاءالدین دریادل | کہ از مہمانی لطفش جہاں شد جملہ آبادان
برآمد اینچنین گنبد معلا کز صفا گوئی | بسان بیت معمور آمد است از ہاراین ایوان
مقام شیخ حاجی بوترابی آن ولی اللہ | کہ بر درگاہ او گردد روا حاجات خلق آسان
بسال ہفصد و ہشتاد و دو از ہجرت احمد | زعون ایزد ذوالمن والافضال والاحسان
بتاشد ثالث ماہ صفر این روضۂ میمون | بسعی کمترین بندگان موسی بن شمعان

سہوان

سندھ کے قدیم ترین قصبوں میں سے ہے، کوٹری سے جولائن دریا سے سندھ کے دائیں طرف لاڑکانہ سے ہوتی ہوئی شمالی سندھ کو گئی ہے اسپر واقع ہے کوٹری سے سہوان ۸۰ میل شمال مغرب کو ہے اور لاڑکانہ سے ۹۵ میل جنوب مغرب کو، اس علاقہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ شیخ میر محمد المشہور بہ میاں میر مدفون نواح لاہور، ۹۵۷ میں اس شہر میں پیدا ہوئے، (تحفتہ الکرام ۳ : ۱۲۸) اور ذیل جس میں ابوالفضل علامی کا پانچواں جد شیخ موسیٰ نویں صدی میں اس میں آکر بسے وہ بھی سیوستان کے علاقہ میں تھا، دیکھو مکاتبات ابوالفضل (طبع لکھنؤ ۱۲۸۶ھ) ص ۱۳۱۔

تحفتہ الکرام (ج ۳ بذیل سیوستان) میں ہے: سہوان و سیوان نیز خوانندش داخل اقلیم پنجم طولش [۱] عرضش [۲] اول، شہر قدیم موسوم باسم سہوان از اولاد سند مسموع، حصنش از جملہ قلاع ستہ مذکور است و ازان بعد بکرات ترمیم یافتہ حاکم نشین علیحدہ بودہ از قدیم باز اول متعلق رایان الور وپس زیر فرمان سلاطین تتہ ماندہ، شاہ بیگ آن را از جام فیروز کشیدہ مرزا شاہ حسن باز داخل تتہ نمود، در وقتی کہ سند تحت فرمانروایان درگاہ جلال الدین محمد اکبر پادشاہ رسید مجدداً حاکم نشین علیحدہ شدہ، از عہد ایالت نواب خدا یار خان بطریق اصل داخل سایر سند است، بر کوہش چشمہ واہی از عجایبات است اکثر ارباب امراض بغسلش شفا یابند، ہموارہ بر یک قرار آبش [۳] پر و جای* آمد آب محسوس نہ، ہنود آنجا بپرستش در ایام معہود ہجوم کنند و دیگر جای

---

[۱] مطبوعہ اڈیشن (۳ : ۱۳۵) : ند، [۲] نسخہ مطبوعہ : الول،

[۳] نسخہ مطبوعہ : پر و جای (کہ معنی ندارد)،

یک ستونست کہ صفحۂ بزرگی [در کوہ] بیک ستون، باعتقاد مردم قدرتی متکون، مردم بسیرِ صفا آنجا روند و بر سقفش نظارہ کنند گویند آنجای چہار یار[1] اعنی مخدوم[2] عثمان و شیخ بہاء [الدین] و شیخ فرید و سید جلال[3]* بمکاشفات نشستہ اند، خطہ نامی و بقعہ گرامی است'

ضلع لاڑکانہ کے گزیٹیر (طبع بمبئی ۱۹۱۹ء) میں صفحہ ۲۶ تا ۲۸ پر بعض حالات اس قصبہ کے دیئے ہیں۔ تفصیل وہاں دیکھنی چاہیئے' چند باتیں وہاں سے لیکر یہاں درج کی جاتی ہیں "

سہوان ارل ندی کے دائیں کنارے ایک بلندی پر واقع ہے۔ جس کے دامن میں دلدل ہے' یہ ندی جھیل منچھر سے نکل کر دریائے سندھ میں گرتی ہے۔ پہلے دریا بستی کے قریب بہتا[4] تھا' اب اسکا فاصلہ اقلا تین میل ہوگا۔ ریلوے سٹیشن بستی سے میل بھر کے فاصلے پر ہے'

بستی میں عملا کسی قسم کی دستکاری یا تجارت نہیں ہے' جو کچھ بھی خوشحالی اس بستی کو حاصل ہے وہ لال شہباز [رح] کی خانقاہ اور سالانہ میلے کی وجہ

---

[1] از روی نسخہ مطبوعہ [2] نسخہ مطبوعہ: شیخ عثمان مروندی [3] نسخہ مطبوعہ: مخدوم جلال جہانیاں، مگر یہ درست نہیں اسلئے کہ اخبار الاخیار (طبع ۱۲۷۰ھ) صفحہ ۱۶۲ پر ہے کہ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کا سن ولادت ۷۰۷ اور سن وفات ۷۸۵ ہے' وہ عہد محمد تغلق میں "بمنصب شیخ الاسلامی و [...]ندخانقاہ محمدی در سیوستان بامضافا مخصوص گشت" ظاہر ہے کہ مقتی میں [...] اونہیں ہو سکتے البتہ انکے جد سید جلال سرخ مرید شیخ الاسلام بہاء الدین مراد ہونگے جو بخارا سے ہجرت کر آئے اور وہاں سے اُچہ گئے' (اخبار الاخیار ص ۷۲)'شیخ فرید الدین کا سن وفات محرم ۶۶۴ھ ہے (اخبار الاخیار ص ۶۳)

[4] مآثر الامرا ۲: ۶۹۷ پر ہے: قلعہ سیہون ... کہ بر ساحل دریائے سندھ است'

سے ہے ؛

سہوان تاریخی اعتبار سے نہایت قدیم جگہ ہے ۔ بعض کے نزدیک "سندیمانا" جس کے بادشاہ سامبس نے سکندر اعظم کے سامنے ہتھیار ڈال دئے تھے یہی جگہ ہے ۔ بستی بلندی پر واقع ہے ۔ پانی سے تقریباً گھری ہوئی ہے ، درہ لکی کے عین سامنے ہے ۔ اس لئے لازم تھا کہ سندھ کا ہر فاتح جو اپنے قدم اس ملک میں جمانا چاہتا سہوان پر قبضہ کرتا اور اسکو اپنے قبضہ میں رکھتا[۱] ، ساتویں صدی میں جب کہ سندھ میں ہندو بادشاہوں کا راج اور ملک پانچ صوبوں میں منقسم تھا ۔ سہوان ایک صوبہ کا صدر مقام تھا ، محمد قاسم نے ۷۱۱ء میں دیبل کو فتح کرنے کے بعد سیدھا ادھر کا رخ کیا[۲] اور آسانی سے اسپر قبضہ کر لیا ، اورگو راجہ داہر کا لڑکا یہاں کا والی تھا مگر باشندے بدھ مت کے پیرو تھے اور لڑنے پر رضامند نہ تھے ، جب سندھ کو شاہان دہلی نے فتح کیا تو اس زمانے میں بھی عموماً سہوان میں ایک والی دگورنر ، رہا کرتا تھا ۔ پھر جب سمّوں نے زور پکڑا تو انہوں نے بھی فوراً سہوان پر قبضہ کر لیا ، اور جب سموں کے آخری بادشاہ سے شاہ بیگ ارغون نے حکومت چھین لی تو سہوان پر قبضہ کرنے کے لئے ایک اور

---

[۱] جلال الدین خوارزمشاہ نے بھی سہوان پر قبضہ کیا دیکھو جہانگشای جوینی ج ۲ ، ص ۱۴۷ ، چند صدی بعد ۹۹۹ھ میں خانخانان نے بھی سندھ کو فتح کرنا چاہا تو پہلے سیوستان کا قصد کیا مآثر الامرا میں محل مذکور پر ہے : " خانخانان بچالاکی و تیز دستی از پایان قلعہ سہوان کہ سیوستان گویند گذشتہ لکھی را کہ دروازۂ آن ملک است . . . بدست آورد " میرزا جانی حاکم ٹھٹھ نے جنگہا سخت کے بعد شکست کھائی اور سال ۳۷ اکبری میں صلح پر آمادگی ظاہر کی شرط یہ ہوئی کہ قلعہ سہوان خانخانان کے حوالہ کرے اور میرزا ایرج بن خانخانان کو دامادی میں قبول کرے [۲] دیکھو فتوح البلدان ص ۴۳۸ ، بلاذری نے قصبہ کا نام سیسیان لکھا ہے ؛

لڑائی لڑی۔ شاہ بیگ کے لڑکے میرزا شاہ حسین کے زمانہ میں ہمایون (شیر شاہ سے شکست کھا کر) سندھ میں آیا اور پورا زور لگایا کہ سہوان پر قبضہ کرے مگر یہ فتح اسکو میسر نہ ہوئی۔ آخر جس زمانے میں داؤد پوترے کلہورے اور چوار دریاے سندھ کے دائیں کنارے کے علاقے میں باہم لڑنے بھڑنے لگے تو سہوان کی اہمیت کم ہوگئی۔ کلہوروں نے سہوان سے بیس میل شمال کی طرف خدا آباد کو اپنا صدر مقام بنا لیا۔ پھر حیدر آباد صدر بنا اور پولیٹیکل اعتبار سے سہوان کی اہمیت کم ہوگئی تاہم تیرھویں صدی عیسوی سے اسکو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس میں سندھ کے سب سے بڑے ولی شیخ عثمان مروندی معروف بہ لال شہباز قلندر [رحمۃ اللہ علیہ] کی خانقاہ ہے۔ پہلے صحن ہے جس میں پختہ فرش ہے، اور ایک نہایت بلند ستون پر جھنڈا لہرا رہا ہے جو ریلوے سٹیشن سے بھی نظر آتا ہے۔ پھر ایک ڈیوڑھی ہے جسکے بیرونی دروازے پر رنگین ٹائلیں لگی ہیں۔ [دروازے کے دونوں جانب وہ کتبہ ہے جو صفحہ ۱۵۴ پر دیا گیا ہے] یہ ڈیوڑھی غلام شاہ کلہورہ نے بنوائی۔ ڈیوڑھی سے آگے وسیع صحن ہے جسکے (مغربی) سرے پر وہ کمرہ ہے جس میں قبر ہے اس حصہ کی چھت گنبدی ہے [اس کمرہ سے کچھ ادھر صحن کے دائیں طرف کچھ جگہ کو مسجد بنا دیا گیا ہے اس مسجد کے ستون لکڑی کے ہیں] بائیں طرف قد آدم سے قدرے بلند تر ستونوں پر پرانی وضع کا گنبد کھڑا ہے جسکا

نوٹ: بقول صاحب لاڑکانہ گزیٹیر ص ۴۸ بعد مخدوم عثمان مرندی لال شہباز ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲ برس کی عمر پا کر ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے، اسکے قول کے مطابق یہ کسی کتبے پر خانقاہ میں لکھا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میری نظر سے کوئی ایسا کتبہ نہ گذرا۔ بخلاف اس تاریخ کے مخدوم صاحب کی تاریخ وفات تحفۃ الکرام میں ۶۷۳ دی ہے۔ دیکھو ص ۱۴۸ ج ۲ دیکھو ص ۷ احاشیہ ا،

محل معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے] - ڈیوڑھی کے جس دروازے سے اندرونی صحن میں داخل ہوتے ہیں۔اس سے بیشمار زنگولے لٹک رہے ہیں [معتقدین جو صحن میں داخل ہوتے ہیں وہ کسی زنگولہ کو ہلاکر گویا اندر آنے کی اطلاع دیتے ہیں -جس کمرے میں قلندر صاحب کا مزار مبارک ہے اسکے روکار پر سربسر نفیس کاشی کاری ہوئی ہے - دروازے کی چوکھٹوں اور] قبر کے کٹہرے پر چاندی چڑھی ہے [کٹہرے کے ساتھ ایک بڑا سا پتھر لٹک رہاہے اور مغربی دیوار میں ایک دو پتھر طاق میں گڑے ہوئے ہیں جنکے متعلق مجاور بعض حکایتیں بیان کرتے ہیں اور جنکو زائرین معتقدانہ طور پر چھوتے ہیں، قبر کے اوپر توہتوکسوہ ہے -جسکی نسبت ہم کو بتایا گیا کہ اسکو کبھی اٹھایا نہیں جاتا] ' [پاس کے ایک مکان میں ایک سے زیادہ] چیتے پنجرے میں رکھنے کا دستور چلا آرہاہے - بقول صاحب گزیٹیر ہزاروں ہندو خانقاہ میں زیارت کے لئے آتے ہیں - انکا خیال ہے کہ قدیم زمانے میں شاید یہاں کوئی مندر یا کسی سادھو کی مڑھی تھی اور وہ اس مقام کو راجہ بھرتری کہتے ہیں،

اوپر کا بیان گزیٹیر سے ماخوذ ہے اور اس میں بعض زیادات جو راقم حروف نے کی ہیں وہ خطوط وحدانی سے محدود ہیں - ذیل میں وہ امور درج کئے جاتے ہیں جو راقم حروف نے اپنے دو دن کے قیام میں سہوان میں مشاہدہ کئے - ان امور کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

(۱) قلعہ سہوان (۲) خانقاہ حضرت لال شہباز قلندر اور اسکا نواح (۳) مقابر سہوان '

(۱) قلعہ سہوان اسوقت کھنڈر ہو چکا ہے - کوئی عمارت اسکی قائم نہیں

ہے ۔ لیکن ملبہ سے اسکے دَور کے حدود متعین ہوتے ہیں ۔ اسکے اوپر ایک حصہ کو ہموار کر کے دو ڈاک بنگلے بنا دئے گئے ہیں ۔ ایک بلند دروازے کا ڈھانچہ کھڑا ہے جس سے اس کی بلندی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے ۔ بارش نے جا بجا گہرے غار بنا دئے ہیں ۔ بیشمار چھوٹے چھوٹے کاشی کار اینٹوں اور برتنوں کے ٹکڑے قلعہ کے ہر حصے میں سطح کے اوپر ملبے کے نیچے دبے ہوئے ملتے ہیں ۔ بڑی بڑی قدیم اینٹوں کی قطاریں پوری گہرائی تک جا بجا نظر آتی ہیں ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کئی دفعہ پختہ بنا اور ویران ہوا ۔ بظاہر عہد اورنگزیب تک قلعہ اچھی حالت میں تھا ۔ تھوڑی سی تلاش سے دو تین تانبے کے سکے بھی ملے ۔ مگر ان کے نقوش زنگ سے بالکل مٹ چکے تھے ۔

(۲) خانقاہ مخدوم لعل شہباز قلندرؒ

تحفۃ الکرام ج ۳ میں بذیل سیوستان مخدوم صاحب کے متعلق لکھا ہے :

شیخ عثمان مروندی عرف مخدوم لعل شہباز بن سید کبیر[۱] الدین محمد بن سید صدر الدین اولاد اسمٰعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام کہ از چہار یار مذکور بود کہ یکجا سیاحت کردند در حدود سنہ اثنی (کذا) وستین وستمایہ چون بملتان رسید سلطان محمد ولد سلطان غیاث الدین [بلبن] صاحب دہلی کہ جوان مرتاض

---

[۱] یہ نسب نامہ درست نہیں ہوسکتا ۔ صاحب خزینۃ الاصفیا نے (ص ۲۱۷) پر بحوالہ اخبار الاخیار انکا شجرہ یوں دیا ہے : لعل شہباز بن سید حسن کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد بن سید محب بن سید مشتاق بن سید نور الدین بن سید اسمٰعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد بن امام زین العابدین علی بن امام حسین رض مگر اخبار کے مطبوعہ نسخہ اور ایک پرانے قلمی نسخہ میں یہ نسب نامہ باوجود تلاش کے نہیں ملا ۔

بود، با شعرا و صلحا و علما اکثرا صحبت می کرد و شیخ بهاءالدین زکریا و شیخ فرید شکر گنج از مقربانش بودند و امیر خسرو و امیر حسن دہلوی بخدمتش انخراط داشتند تکلیف سکونتش فرمود اقدام ننمود، بخدمت شاہ شمس[1] دکذا)، بوعلی قلندر رسیدہ وی گفت سہ صد قلندر در ہندوستانند بہتر ہمین کہ باز بسند تشریف بریدبران اشارہ در بلدہ سیوستان آمدہ خواست اقامت نماید [اسکے بعد ان کی ایک کرامت کا تذکرہ کیاہے اور پھر کہاہے] خوارق و کراماتش زیادہ از احصا است درین مختصر چہ قدر گنجد وفاتش ثلث وسبعین وستمایہ مجرد و حصور گذشتہ[2]

خانقاہ کے کتبے

چار تاریخی کتبے اس عمارت کے اندر نظر پڑے، ان میں سے دو آٹھویں صدی ہجری کے ہیں اور دو گیارھویں صدی کے۔ آٹھویں صدی والے دونوں کتبوں کے نقوش کوئلے سے کاغذ پر لئے گئے، اسلئے کہ اور کوئی سامان موجود نہ تھا۔ ان کے عکس دئے جاتے ہیں (دیکھو نمبر ب و ج)، اور ان چاروں کتبوں کا حال اور انکا مضمون اگلے صفحوں پر درج ہے،

کتبہ ب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعہد فیروز شاہ [تغلق]، رجب ۷۵۷ھ کو ملک اختیار الدین والی سیوستان نے ولی اللہ شیخ عثمان "مرندی" کے مزار پر یہ روضہ بنوایا۔ جس میں سات طاق اور چھ گنبد تھے،

دوسرے کتبہ کا مضمون یہ ہے کہ سید جلال الدین [والی ؟] سیوستان

---

[1] شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کی تاریخ وفات صاحب خزینۃ الاولیاء نے (ص ۳۱۳) پر ۷۲۴ھ دی ہے [2] خزینۃ الاصفیا محل مذکور میں انکی تاریخ وفات ۷۲۴ دی ہے اور انکا شمار سہروردیہ میں کیا ہے مگر دیکھو (A Glossary of the Punjab Tribes)، ج ۱ ص ۵۴۳ و ج ۳ ص ۲۵۷، گو اس کتاب کے بیانات قلندر صاحب کے متعلق پریشانی سے خالی نہیں ہیں،

نے شاہ فیروز تغلق کے زمانہ میں ۷ صفر ۷۵۵ھ کو ولی اللہ علاء الحق علی بغدادی[1] کی قبر پر ایک بلند گنبد بنایا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بزرگ کون تھے۔ تحفۃ الکرام کی سرسری ورق گردانی سے انکا حال نہ ملا۔ یہ دونو کتبے مزار والے کمرے کی بیرونی دیوار میں لگے ہوئے ہیں'

اب ان دونو کتبوں کا متن درج کیا جاتا ہے اور انکا عکس بھی بؔ اور جؔ کے نشان سے شامل کیا جاتا ہے'

کتبہ بؔ کا متن

یہ کتبہ دو پتھروں پر لکھا ہوا ہے' ہر ایک کا طول ۱۶ انچ' یعنی کل طول ۳۲ انچ' عرض ۱۸½ انچ پہلا مصراع پہلے پتھر پر دوسرا دوسرے پتھر پر' کل سطور ۹' خط تعلیق' انتہی دو شعروں میں ایک ایک لفظ ٹوٹ گیا ہے'

بعہد دولت فیروز شہ سلطان دین پرور — کہ خاک درگہش سازند شاہان جہان افسر
ز آنگاہی کہ بر تخت شہنشاہی نشست این شہ — سراسر گشت گیتی از شعاع دولتش انور
عمارت شد مقام شیخ عثمان مرندی کو — ولی اللہ باز اسفید منیر بحر بود و بر
اگرچہ اولیا اندر زمان شیخ بس بودند — ولیکن در کرامت بود او از ہمگنان برتر
چہ زیبا بارگاہی شد بھفت (کذا) طاق شش گنبد — کہ رنگ نہ فلک گشتہ ز رشک بام او اخضر
بروز ھفتم از ماہ رجب مبنی شد این روضہ — بسال ھفصد و پنجاہ و ہفت از ہجرت مہتر
بنایش کرد والی اختیار الدین ملک ارشد — امیر عادل و باذل تہمتن ثانی اسکندر
کہ تا بودست سیوستان نبودست این چنین والی — تقی و مشفق و کرم سخی و پاک دین و دگر
امید آنست کہ یابد جزای این چنین خیری — ھزاران قصر در جنت بفضل ایزد اکبر

[1] ابن بطوطہ جو ۷۳۴ھ میں قلندر صاحب کے مزار پر پہنچا ہے شیخ معمر محمد بغدادی کا ذکر کرتا ہے جو اس مزار پر زاویہ نشین تھا مگر معلوم نہیں انکو جناب علی بغدادی سے کچھ علاقہ تھا یا نہیں دیکھو عجایب الاسفار طبع یورپ ج ۳ ص ۱۰۵'

حواشی

۱- فیروز شاہ - ٹھٹہ سے ۱۴ کوس کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے کنارے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو تخت نشین ہوا (تاریخ فیروز شاہی طبع کلکتہ ۱۸۶۲ء ص ۵۳۶)

۲- عثمان مرندی ۔۔ انکی نسبت سندھ میں غلط طور پر مروندی مشہور ہے، حکیم بصر دین صاحب سہون بلکہ تمام سندھ کے فضلا میں سے ایک معمر بزرگ ہیں - انکی زیارت سے مشرف ہوا، فرماتے تھے کہ میوندی صحیح نسبت ہوگی - مگر اس کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ درست نسبت مرندی ہے، بقول یاقوت (معجم البلدان ۴ : ۵۰۳) مرند آذربیجان کا مشہور شہر ہے اور تبریز سے دو دن کی راہ پر ہے، اینسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (بذیل مرند) اس فاصلہ کو چالیس میل بتایا ہے - بقول یاقوت قد تشعثت الآن و بان فیھا الخراب منذ نھبھا الکرج و اخذوا جمیع اھلھا " اینسائکلوپیڈیا آف اسلام میں گرجیوں کے حملہ کی تاریخ ۶۰۵ھ تا ۶۱۰ھ دی ہے اور لکھا ہے کہ ۶۲۳ھ میں مرند کو علی اشرفی صاحب اخلاط نے فتح کیا، مگر شرف الملک (خوارزمشاہ کے گورنر) نے اسکو دوبارہ فتح کرکے بہت لوگوں کو قتل کیا، شاید انہی اسباب کی وجہ سے مخدوم صاحب نے اپنا وطن چھوڑا ہو، ابن بطوطہ نے جو ۷۳۴ھ میں اس خانقاہ پر پہنچا انکو عثمان المرندی ہی لکھا ہے - دیکھو عجایب الاسفار ۳ : ۱۰۵
ایک اور مرند دریائے جیحوں سے پرے علاقہ ختل میں تھا مگر بظاہر مخدوم صاحب آذربیجان والے مرند سے تھے، فرہنگ اقوام (مذکورہ بالا) ج ۳ ص ۲۵۷ پر انکو خراسانی الاصل بتایا ہے،

کتبہ کا متن

یہ کتبہ نمبر ب کے نیچے لگایا گیا ہے، طول و عرض ½۲۳ انچ × ½۱۵ انچ، سطور ۸، خط تعلیق، آخری یعنی آٹھویں شعر کے لفظ اکثر ٹوٹ گئے ہیں اور ساتویں شعر کے بعض الفاظ،

شد بنای گنبد عالی بعہد شہریار | شاہ فیروز آنکہ بگرفتہ است گیران زو فرار
می سزد مر بندۂ درگاہ شاہ دہررا | کو کند در سرفرازی بر سلاطین افتخار
بر سر قبر ولی اللہ علاء الحق علی | بود از بغداد و اندر صف نیکان در شمار
بس بزرگ و باکرامت ہست این پیر عزیز | ہر زمان بادا بقبرش رحمت ایزد نثار
ہفتم از ماہ صفر مبنی شد این مرقد بسال | ہفصد و پنجاہ و ہشت از ہجرت احمد شمار
کرد بنیادش ملک سید جلال الدین کی او | ہست اندر عدل و بذل و خلق و احسان یادگار
چون کی ...... بسیوستان رسید | تازہ گردیدہ بسیوستان بدینسان نو بہار
بانی این گنبد ... حساب | ا... ماہ ... چہار

دیندار خان کے کتبے

کتبہ ب اور ج کے درمیان ایک اور کتبہ بخط نستعلیق موجود ہے۔ جسکو بہووہ عرف دیندار خان نے لگایا۔ سید بہووہ بخاری (متوفی ۱۰۴۵ھ) کا جو حال ماثر الامرا ج ۲ ص ۲۳ ببعد میں دیا ہے۔ اس سے معلوم نہیں ہوتا۔ کہ موصوف کبھی سہوان میں رہا ہو مگر کم از کم تین کتبے اسکے آج بھی سہوان میں موجود ہیں۔ وہ کتبہ جو کتبہ ب اور ج کے درمیان لگا ہے ا کا مضمون یہ ہے کہ حضرت مخدوم کا روضہ جب سلطان فیروز کے عہد میں بنا تو دو پتھروں پر تاریخ لکھ کر لگائی گئی، پھر میرزا جانی ترخان کے زمانے میں بڑا گنبد بنایا گیا تو یہ پتھر ایک طرف کو ڈال دئے گئے، جب سید بہووہ نے شاہجہان کے زمانہ میں روضہ کے صحن کو ترتیب دیا اور اور دو مسجدیں بنائیں تو ان پتھروں کو دیوار خانقاہ میں لگا دیا کہ اگلے بادشاہوں کی یادگار باقی رہے،

اس کتبے اور اسکے بعد کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۴۰ اور ۱۰۴۱ میں

سید بہووہ نے اس خانقاہ میں بعض ترمیمیں کیں اور صفحہ ۱۶۱ پر جو کتبہ درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۴۲ میں اسنے چھٹہ امرانی کا مقبرہ بنوایا - بظاہر ان سنوں میں وہ خود سہوان میں موجود تھا - مگر معلوم نہیں صاحب مآثرالامرا نے اس امر کا کیوں ذکر نہیں کیا - اب ان دو کتبوں کا متن درج کیا جاتا ہے جو خانقاہ قلندر صاحب کے اندر ہیں '

دیندار خاں کے کتبے کا متن

یہ کتبہ نمبر ب و ج کے درمیان انہی کی طرح دو پتھروں پر لکھا گیا ہے' وہی طول و عرض یعنی ۳۲ انچ × ۱۰$\frac{1}{2}$ انچ ' خط نستعلیق ' سطریں ۴ ' آخری سطر کے آخری دو لفظ غیر واضح '

چون در عہد سلطان فیروز مرحوم روضہ قدیم حضرت
نصب کردہ بودند آخر چون گنبد کلان در عہد میرزا جانی[2]
کہ این فقیر سید بہووہ عرف دیندار خان باشد
روضہ را ترتیب دادہ و دو مسجد راست می ساخت این دو سنگ را

مخدوم بنا شدہ بود و[1] این دو سنگ تاریخ نوشتہ
تر خان بنا یافتہ این سنگہا برہم افتادہ بودند الحال
در عہد دولت حضرت صاحبقران ثانی صحن
ہم در دیوار خانقاہ بنہادہ تا یادگار سلاطین گذشتہ می باشد

---

[1] کذا '

[2] میرزا جانی بیگ ارغون حاکم ٹھٹہ کا حال مآثر الامراج ۳ ص ۳۰۲ تا ۳۲۱ دیکھیے وہ ۹۹۳ھ میں باپ کا جانشین ہوا ۹۹۹ھ میں خانخانان نے سندھ پر چڑھائی کی تو اسنے سیوستان کے قریب سخت مقابلہ کیا مگر ۱۰۰۰ھ میں اسنے شکست کھا کر صلح کرلی اور ۱۰۰۱ھ میں اکبر کے پاس لاہور میں حاضر ہوا ' بادشاہ نے پہلے تو منصب اور تیولداری صوبہ ملتان عنایت کی ' مگر آخر میں اسکو دوبارہ حاکم سندھ مقرر کیا ' البتہ بندر لاہری کو خالصہ میں لے لیا اور سرکار سیوستان جو میرزا نے سابقاً پیشکش کی تھی وہ کسی اور کو جاگیر میں دیدی - صاحب مآثر کی رائے اسکے متعلق یہ ہے : میرزا بفراست و دانائی آراستہ و درستی و راستی از گفتار و کردار او نمایان و شناسائی و آہستگی از نشست و برخاست او پیدا بود ' از صغر سنی شیفتۂ بادہ شدہ اما ناہنجار از و سر بر نزدے و در کار کرد و گفت پاسبان خود بودے از می فراوانی رنجور شد و رعشہ بسرسام کشید ' میرزا ۱۰۰۸ھ میں برہانپور میں فوت ہوا '

دیندار کا ایک اور کتبہ نستعلیق ہی میں اس کتبے سے قریب ہی دیوار میں لگا ہوا ہے مگر اسکی ترتیب درست نہیں ہے۔ یہ کتبہ ٹائلوں پر ہے۔ جو لگانے میں بے ترتیب ہوگئی ہیں۔ وہ کتبہ درج ذیل ہے، ہر حصے کے اوپر جو عدد ہے وہ میرے قیاس میں اس حصے کی صحیح ترتیب کو ظاہر کرتا ہے

۴		۶	۱	
ال	چگویم وصف آن صحن مقدس بجای خشت انجم چیده استاد	[illegible]	یکی باشد ز فرش مسند شاه ۱۰۴۰ دگر باشد ز فرش جنت آباد ۱۰۴۱	بدوران شهاب الدین جهان شاه جهان از عدل او خورسند و آباد	[illegible]

۳		۲	۵	
	قبول آمد نیاز خان دیندار در آنحضرت زعون طالع [شاه؟]	الله کافی	شده تعمیر فرش عرش مسند حسینی صاحب شهباز آزاد	چو خواهی سال او با چشم دانش بقطع بین که آمد سال بنیاد	الله کافی

میاں غلام شاہ کلہوڑہ کا ذکر ص ۱۴۵ پر آچکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۱۱۷۳ میں خانقاہ کو نشان پیش کیا اور بعض ترمیمیں کیں، مشہور یہ ہے کہ موجودہ ڈیوڑھی اسی نے بنوائی اور اسکے روکار پر ذیل میں کتبہ اسی نے لگوایا :

خانقاہ کے بیرونی دروازے کے کتبہ کا متن

دروازے کی دائیں طرف

چہ خوش جناب مبارک کہ نور حقانی ز روضہ است عیان ظاہری و پنہانی
قلندر و سخی و کام بخش اہل یقین ولی و سید عثمان پیر نورانی
بخاص و عام کہ مشہور لعل شہباز است بپادشاہ گدا باز داد سلطانی
باین جناب ہر آنکس ارادتی دارد بکام می رسد از دولت فراوانی
غلام شاہ میان صاحب سعادتمند نشان حضرت عباس کان احسانی
سخی و غازی و فیاض معدن الطاف چو سرفراز شد از لطف و جود ربانی

دروازے کے بائیں طرف

زخاص نیت خود کرد تازہ خوش تعمیر کہ فرش و صحن در روضہ شد گلستانی
قبول حضرت مخدوم شد نشانی کو ز رحمت نبوی و علی عمرانی
ہر آنکہ دید و بہ بیند ز شوق نور ظہور شود دو چشم و دلش روشن و درخشانی
ہزار یکصد و ہفتاد و سہ ز ہجری بود زکار داری باقر نشان شد ارزانی
قبولیت کہ ز تعمیر جستم از ہاتف ندا بگوش من آمد ز لطف سبحانی
زمین مصرع تاریخ خوش بگو صابر قبول باد نشان در جناب شاہانی

۱۱۷۳

ؔ میاں غلام شاہ کے حال کے لئے دیکھو صوبہ سندھ کا گزیٹیر ص ۱۱۲،
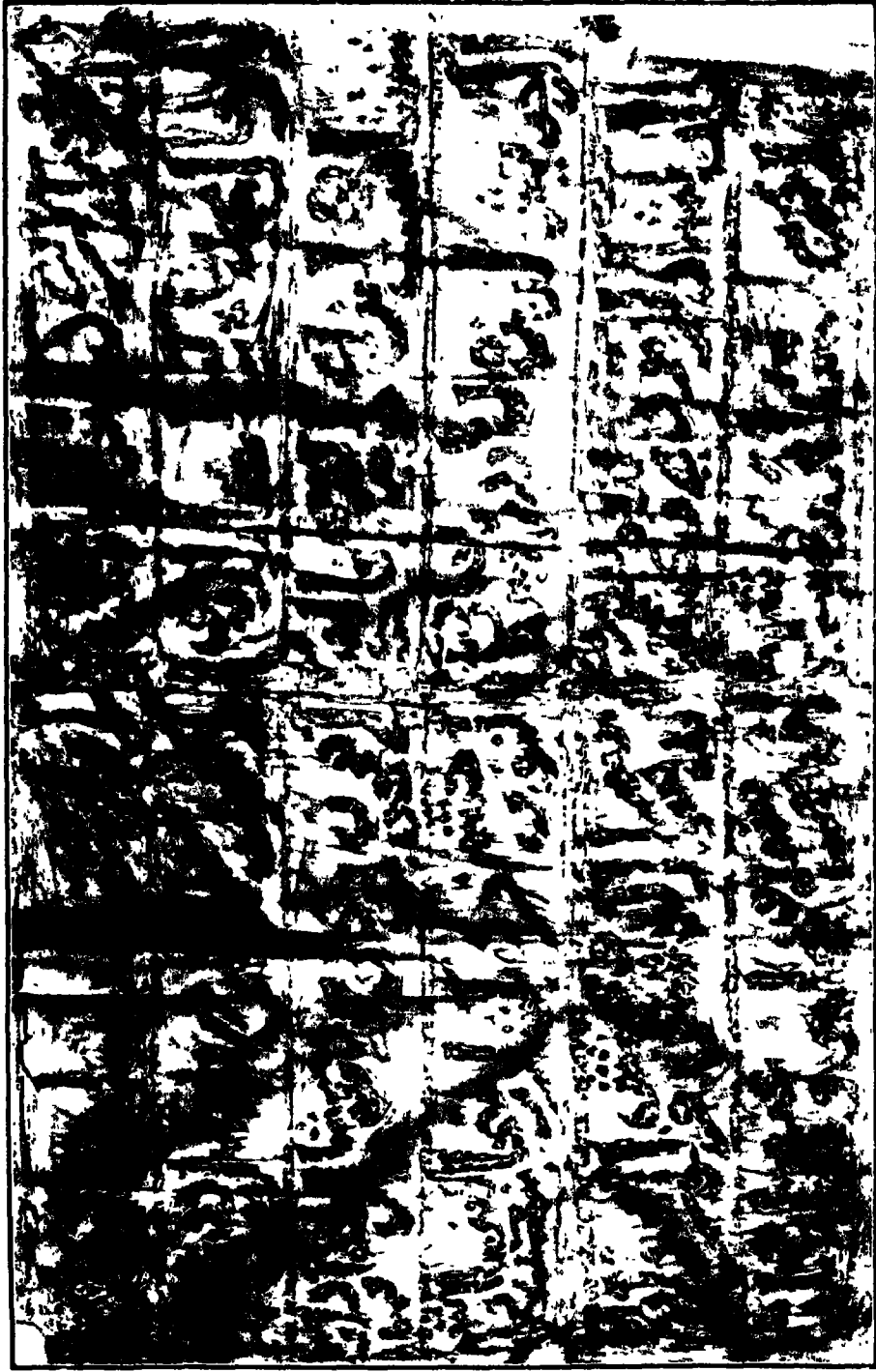
عقب خانقاہ حضرت قلندر صاحب رح کے دو اہم کتبے

خانقاہ کے باہر مگر اس سے متصل مغربی جانب میں ایک کاشی کا رقبہ ہے، اسی احاطہ میں قلندروں کی سکونت کی جگہیں اور ایک مسجد ہے۔ قبہ اور مسجد وغیرہ کے درمیان کچھ قبریں ایک چبوترے پر ہیں۔ ان میں ایک قبر پر کندہ ہے: مرحومہ مغفورہ بی بی جادو روز پنجشنبہ بتاریخ ۲۵ شہر شوال برحمت حق پیوست ۱۱۱۳،

ان قبروں سے پانچ چار گز جنوب کی طرف اور ان سے ذرا کم بلند چبوترے پر کچھ ہموار جگہ جو ایک قبر کے برابر ہوگی قریباً ½۱ فٹ اونچی دیوار سے گھری ہوئی ہے قلندروں نے ہم کو بتایا کہ یہ حضرت قلندر صاحب رح کا مقتل ہے، اس مزعومہ مقتل کی شمالی اور مغربی دیواروں میں دو سنگی کتبے نصب ہیں جو بغایت دلچسپ ہیں، دونو کا خط تعلیق ہے،

کتبہ ۱ (شمالی کتبہ) کا متن

جس پتھر پر یہ کتبہ نصب ہے وہ طول میں ½ ۲۹ انچ عرض میں ۱۸ انچ ہے اس میں کل چھ شعر درج ہیں۔ آخری شعر کے بعض الفاظ ٹوٹ گئے ہیں:

جہان مردم کش است اے دل مباش از جان وفادارش
کی جز کین و جفا نامد ز بیدادی دگر کارش

تو از حال محمد شاہ برگیر اعتبار از وی
کی چون اورنگ شاہی در ربود این دور غدارش

شہنشاہیست این ای خواجہ کش بینی بخاک اندر
کی ہمچون بندگان بودند شاہان جہاندارش

اگرچہ پیش ازین صد بار در بارش چنان دیدی
کنون چشم خرد بکشا درینجا بنگر این بارش

جہان بکشاو از مردی و بخشید از جوانمردی
بدہر از کوشش و بخشش فراوان بود کردارش

[شد از؟] ماہ محرم [بیست او یک؟] کاندر شب شنبہ
گذشتہ ہفصد و پنجاہ و دو شد عزم آن دارش

جو الفاظ خطوط وحدانی میں دئے گئے ہیں وہ قیاسی ہیں'

مغربی جانب کا کتبہ (جس کا عکس نہ لیا جاسکا)

یہ کتبہ بھی شمالی کتبہ کی طرح سفید پتھر پر لکھا ہے - پتھر طول میں ½۲۸
انچ اور عرض میں ½۱۲ انچ ہے'

بعہد دولت فیروز شاہ خسرو گیتی	کہ یزدان بر سر یرسلطنت بادا نگہدارش
بر آن سلطان دین پرور بر آمد این چنین گنبد	کی آمد پیش پای گنبد گردون دوارش
بسال ہفصد و پنجاہ و چہار از ہجرت احمد	قبول بندہ درگاہ او سہرمست معمارش
. . . . گنبد	کی یاد از حضرت یزدان ہزاران . . .

سلطان محمد تغلق کی قبر کہاں ہے؟

کتبہ ۃ کا حاصل یہ ہے کہ محمد شاہ شہنشاہ اسی خاک میں مدفون ہے' وہ
محرم میں شنبہ کی رات کو ۷۵۲ھ میں فوت ہوا'

دوسرے کتبہ کا مضمون یہ ہے کہ فیروز شاہ کے زمانہ میں ۷۵۴ھ میں اس
سلطان دین پرور (کی قبر) پر گنبد بنایا گیا جو سہرمست معمار نے بنایا'

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ محمد شاہ کون ہے جو محرم ۷۵۲ھ
میں فوت ہوا اور جسکی قبر پر ۷۵۴ھ میں قبہ بنایا گیا - تاریخ فیروز شاہی سے ہم کو

معلوم ہوتا ہے کہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو سلطان محمد تغلق ٹھٹہ سے ۱۴ کوس پر دریائے سندھ کے کنارے فوت ہوا اور ۲۴ محرم کو فیروز شاہ وہیں تخت نشین ہوا، اور دوسرے دن لشکر کو لیکر روانہ ہوا اور سیوستان پہنچکر، چند روز ٹھہرا عام لشکر پر اس نے مراحم کیئے، ملوک و امرا و معارف و اکابر کو خلعت دئے، علما و مشایخ کو فتوحات اور مستحقوں کو صدقات دئے، منچھر کی چراگاہ میں گھوڑے چھوڑے جو ہفتہ بھر میں فربہ ہو گئے، سیوستان والوں پہ نوازش ہوئی اور ادرارات مقرر ہوئے انعامات دئے گئے، فیروز شاہ نے مزارات بزرگ کی زیارت کی اور مساکین کو صدقے دئے۔ اسکے بعد وہ بھکر کو روانہ ہوا (برنی ص ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۳۵ ببعد) مگر برنی نے یہ نہیں بتایا کہ محمد شاہ کی لاش کیا ہوئی، سراج عفیف بھی اس بارے میں خاموش ہے، ہاں تاریخ مبارکشاہی (طبع کلکتہ) میں جو ۸۳۸ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ص ۱۱۸ ببعد پر اس سلسلے کے بعض واقعات دئے ہیں جن کا حاصل یہاں درج کیا جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صاحب مبارک شاہی ان واقعات کا معاصر نہیں ہے۔ اور ان سے قریباً ۸۰ سال بعد لکھ رہا ہے:

۲۴ محرم [۷۵۲ھ] کو دریائے سندھ کے کنارے فیروز شاہ تخت نشین ہوا

" روز دوم عزیمت جانب دہلی اختیار شد ... سلطان سلامت بکوچ متواتر درسیوستان رسید، روز جمعہ خطبہ بنام مبارک سلطان خواندند، ہم درین مہم (کذا)، شغل نایب بارگی ملک ابراہیم یافت .... ہم ازین جا قمر الدین .... بر [فلان و فلان] با خلعتہای خاص و مراحم فراوان نامزد شدند [فلان و فلان] در دہلی بر خواجہ جہان تعین گشتند و [فلان و فلان] بر والی سندھ و ٹھٹہ بر طغی رفتند ..... و بعضی در خطط و قصبات دیگر رفتند و فرمان

عام در کل بلاد بر مضمون مرحمت و شفقت و لطف و تربیت صادر گشت و خود تابوت سلطان محمد بالای پیل داشته و چتر بران زده کروه بکوچ متواتر بر سمت دار الملک دہلی روان شد"

جس ترتیب سے یہ عبارت مبارکشاہی میں درج ہوئی ہے۔ اس سے ضرور گمان یہ گذرتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی لاش سیوستان سے آگے روانہ ہوئی مگر مصنف نے اسکے بعد پھر لاش کا کچھ ذکر نہیں کیا، کہ وہ کیا ہوئی، اور ص ۱۲۳ پر فقط یہ کہا ہے کہ ۲ رجب [۷۵۲ھ] کو بادشاہ دہلی میں داخل ہو کر قصر ہمایوں میں فروکش ہوا (مگر اس سے معتبر تر بیان صاحب فیروزشاہی کا سمجھنا چاہیئے جو معاصر ہے اور جو ص ۵۴۶ پر لکھتا ہے کہ اواخر ماہ جمادی الآخر میں " رایات اعلی درون دار الملک در آمد و بر طالع سعد.... آفتاب خسروان .... ابو المظفر فیروز شاہ السلطان .... بر تخت جمشیدی .... در کوشک ہمایون جلوس فرمود") بہر حال ان دونو مورخوں کے نزدیک محمد تغلق کی وفات سے پانچ ماہ اور کچھ دن بعد فیروز شاہ دہلی پہنچا، اگر مبارکشاہی کا بیان درست ہے کہ لاش سیوستان سے آگے روانہ ہوئی تو گویا فیروز شاہ ۵ ماہ تک لاش ہاتھی پر ہمراہ رکھ کر دہلی کی سمت کوچ کرتا رہا، جبکہ خواجہ جہان دہلی میں ایک بچہ کو محمد تغلق کے تخت پر بیٹھا کر فیروز شاہ کے خلاف آمادہ جنگ تھا اور فیروز شاہ اور خواجہ جہان کے درمیان اندیشہ جنگ کا قوی تھا،

آثار الصنادید (طبع دہلی ۱۲۷۰ھ) میں مقبرہ تغلق شاہ[۱] کی ذیل میں سر سید احمد خاں مرحوم نے لکھا کہ مقبرہ میں تین قبریں ہیں ایک غیاث الدین تغلق شاہ کی، ایک مخدومہ جہان اسکی بیوی کی " تیسری سلطان محمد عادل تغلق شاہ

---

[۱] اس مقبرے کی تصویر اور حال کے لئے دیکھو شارپ کی کتاب دہلی (طبع آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۲۱ء) ص ۵۶ اور ہرن کی کتاب سیون سٹیز آف دہلی (لندن ۱۹۰۶ء) ص ۱۹۳، یہ دونو حوالے لالہ لبھو رام صاحب لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری نے از راہ کرم میرے لئے تلاش کیے،

اسکے بیٹے کی جو ۷۵۲ھ ہجری مطابق ۱۳۵۱ء کے رود سندھ کے کنارے مرا تھا" لیکن
آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا کی چار رپورٹوں کے مجموعہ بابت ۶۵-۱۸۶۲ء
(طبع شملہ ۱۸۷۱ء) کی ج ۱ ص ۲۱۶ پر ہے کہ "مقبرے کے اندر تین
قبریں ہیں جو کہتے ہیں کہ تغلق شاہ اسکی بیوی اور ان کے بیٹے جونہ خاں کی ہیں
جسنے تخت نشینی پر خود کو محمد کے نام سے موسوم کیا" کننگھم کے اس بیان کے
انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے قبریں متعین
ہوسکیں بلکہ کسی زبانی روایت پر یہ بیان مبنی ہے کہ محمد شاہ اور فلاں اور فلاں کی
قبر اس مقبرے میں ہے، اور اسکو قطعی سمجھا نہیں جا سکتا۔

اوپر کی سطروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں یہ روایت سرسید کے زمانہ میں
ضرور موجود تھی کہ محمد تغلق کی قبر دہلی میں ہے اور مبارکشاہی سے بھی گمان گذرتا
ہے کہ لاش سیوستان سے آگے دہلی کی طرف کو روانہ ہوئی، مگر ان کتبوں سے جنکا
متن اوپر درج ہوا ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق سیوستان میں دفن ہوا۔ کتبے اسی
خط میں ہیں جس میں آٹھویں صدی کے متعدد کتبے اسی نمبر میں شائع کئے جا رہے
ہیں اور مہینہ اور سن محمد شاہ کی وفات کا اسمیں درج ہے، بلکہ وفات کی رات
بھی درج ہے جو مورخوں نے نہیں دی، پہلے کتبہ میں مہینے کے ساتھ تاریخ بھی
غالباً تھی جو مٹ گئی ہے، یہ قرین قیاس بھی ہے کہ ان حالات میں جن کا اوپر ذکر
ہوا، بجائے اسکے کہ فیروز شاہ دشمن کے خلاف لشکر کو لیجاتے ہوئے، محمد تغلق کے
جنازے کو ۵ ماہ تک ساتھ ساتھ لئے لئے پھرتا۔ اسنے جنازے کو سیوستان ہی میں
دفن کر دیا ہو۔ جو اسکے اپنے قبضے میں تھا اور جہاں ایک قلعہ بھی تھا، محمد شاہ
جہاں فوت ہوا وہاں سے چونکہ ٹھٹہ جو دشمن کے قبضے میں تھا قریب تھا۔ اس
لئے وہاں لاش کو دفن کرنا مناسب نہ تھا۔ سیوستان نواح ٹھٹہ سے بدرجہا محفوظ تر جگہ

ف دیکھو صبح الاعشیٰ ۵ : ۷۷ و عجائب الاسفار محل مذکور۔

تھی اور وہاں متوفی بادشاہ کی لاش کی بیحرمتی کسی طرح متصور نہ ہوسکتی تھی، یہ
بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلے کتبہ کے ساتھ ایک دوسرا کتبہ دو سال بعد لگایا جاتا
ہے جو گنبد کی تعمیر کی تاریخ دیتا ہے۔ پہلے موقعہ کی نزاکت اور عجلت میں تعمیر
گنبد کے تکلفات کی فرصت نہ تھی۔ بعد میں جب اطمینان حاصل ہوا تو گنبد بھی
قبر پر تعمیر کردیا گیا۔ غرض راقم سطور کے نزدیک جب تک مذکورہ بالا شہادت
سے قوی تر شہادت ہاتھ نہ لگے یہ ماننا پڑے گا کہ محمد تغلق سہوان میں مدفون ہے
نہ کہ دہلی میں، گو ابھی تک کسی تاریخ میں یہ بات نظر نہیں آئی۔

۴۔ مقابر سہوان

ریلوے سٹیشن اور شہر کے درمیان ایک طویل و عریض میدان میں قبرستان
ہے۔ کہیں کہیں کوئی قبہ سلامت کھڑا ہے اور چند قبریں جو نسبتاً قریب کے
زمانہ کی ہیں اچھی حالت میں ہیں مگر اکثر پرانی قبریں اور پرانے قبے جو کچے بنے
ہوئے تھے کھنڈر بن چکے ہیں اور نہایت خستہ حالت میں ہیں۔ البتہ پرانی قبروں کے
سنگ مزار موجود ہیں جو اس میدان میں جا بجا مٹی کے ڈھیروں کے اوپر سیدھے
یا ان کے اندر دبے ہوئے ٹیڑھے ترچھے پڑے ہیں۔ میرے اندازے میں پچیس
کے قریب ایسے پتھر اس میدان[1] میں موجود تھے جن پر آیات کلام اللہ اور کلمہ طیبہ
کندہ تھا۔ ان میں سے بعض پر تاریخیں اور نام بھی درج تھے۔ پتھر اکثر وہی ہے جو
مکلی کے مقابر میں استعمال ہوا ہے، یعنی زرد ریتلا پتھر، مگر کہیں کہیں دو قسم کا سخت پتھر بھی ہے
جو قبے سلامت ہیں ان میں "چھٹہ[2] حمرانی" کا قبہ ہے۔ یہ اسوقت کا مقامی تلفظ
ہے۔ تحفۃ الکرام (مطبوعہ) ج ۳ ص ۱۳۲ میں اسکو "چھوتہ امرانی" لکھا ہے اور کہا
ہے: چھوتہ امرانی از برادران بنی اعمام ولورای تتمہ رایان الور [روہڑی] است

---

[1] اس اندازے میں وہ پتھر بھی شامل ہیں جو چھٹہ مرانی کی خانقاہ میں پڑے ہیں، [2] بلاذری کا الرور

آنچنانکہ در خرابی الورہ بہانبرا ذکر رفتہ [یعنی ج ۳ ص ۵۴ پر]، وی ازانجا رنجیدہ بلوچستان متوطن و مدفون گردید تا اکنون مرجع اہل اللہ است۔ مصنف نے اپنے گذشتہ نسخہ میں پہلے لکھا تھا : چنتہ امرانی از برادران بنی اعمام دلورای الخ ‘ جسے اب کاٹ کر بنایا ہے : چھوتہ امرانی ای ولد آمرہ مادر دلورای“

قبہ کے صحن میں نیلی ٹائلیں لگی ہیں اور بعض دیواروں کے ساتھ مصطبے بنے ہوئے ہیں۔ ان پر بھی یہی ٹائل لگی ہوئی ہے۔ مغربی دیوار پر یہ کاشی کار کتبہ ہے :

بدور شہنشاہ شاہ جہان — خدیوی خردمند صاحب قران
چو خلد برین روضہ شاہ چھٹ — بنا کرد نواب دین دار خان
ز سال بنائش طلب داشتند — بہشتی بروی زمین گفت عثمان (کذا)

(۱۰۴۰ کا عدد کتبے پر لکھا ہوا نہیں ہے، آخری مصرعہ وزن سے ساقط ہے)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اکثر سنگہاے مزار پر آیات قرآن مجید اور کلمہ طیبہ کے علاوہ نام اور تاریخیں بھی درج تھیں، ذیل میں ان میں سے بعض درج کی جاتی ہیں، یہ وہ پتھر ہیں جن تک پہنچنا آسان تھا یا جو مٹی میں اس طرح نہ دبے ہوئے تھے کہ پڑھنا ممکن نہ ہو یا جن سے نام مٹ نہ گئے تھے، عموماً ان پتھروں کے اوپر کی طرف آیات قرآنی لکھی ہیں اور نام اور تاریخ سر اور پاؤں کے رخ پر،

(۱) بخط نسخ

وفات یافت مرحومہ مبرورہ دلشاد بیگم در تاریخ ۹۵۷ [یہ زمانہ شاہ حسین ارغون کا ہے جنہے ۹۳۰ سے ۹۶۱ تک سندھ میں حکومت کی]

(۲) بخط نستعلیق

محمد یادگار آن کز قضا شد — شہید و رفت تا جنت خرامان
چو دیدش از رہ تعلیم تاریخ — شدہ شاہ شہیدان گفت رضوان

مادہ تاریخ سے ۹۸۵ھ حاصل ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں محمد باقی بن عیسیٰ خان ترخان فرمانروائے سندھ تھا۔ جسنے ۹۷۵ھ سے ۹۹۳ تک حکومت کی'

۳۔ بخط نسخ

(ایک طرف): در تاریخ ماہ رجب ۹۷۵ھ [یہ محمد باقی ترخان کے جلوس کا سن ہے]

(دوسری طرف): وفات عالی جاہ مرحوم امیر ولی محمد بن مرحوم مغفور امیر صادق محمد واثق

(۴)

یہیں ایک پتھر نظر پڑا جسپر اوپر کی جانب نہایت نفیس ثلث میں آیات قرآنی درج ہیں' تاریخ اور نام نہیں ہے۔ مگر خط کے اعتبار سے یہ بہترین نمونہ تھا جو دیکھا گیا۔ ابھرے ہوئے الفاظ کو اسطرح ڈھالا اور پالش کیا گیا ہے کہ نقش صنعت کاری کا اعلےٰ نمونہ بن گیا ہے'

(۵)

وفات یافت جناب عصمت مآب فتح بیگی سلطان بنت امیر اعظم امیر مغفور۔ ۔ ۔ ۔
(امیر کا نام پڑھ رہا تھا کہ توجہ کسی اور طرف ہوگئی اور یادداشت ناقص رہ گئی' کوئی مانوس نام نہ تھا' الغ یا اسی طرح کا ایک ہی لفظ تھا۔ افسوس ہے کہ خط کا نوٹ بھی نہ لیا گیا)'

(دوسری طرف):

در تاریخ بیست و ہفتم شہر صفر سنہ ستین و تسعمایہ [یہ شاہ حسین ارغون کا زمانہ ہے]

(۶)

وفات یافت مرحومہ مغفورہ مجتلۃ (کذا)' در تاریخ ۹۵۸'
(نام بظاہر مجتبۃ تھا مگر الف حسب بالا لکھا تھا' معلوم نہ ہوا کہ اسکا کیا محل ہے' یہ بھی شاہ حسین ارغون کا زمانہ ہے)' (اڈیٹر)

شرح حال رشید الدین وطواط

سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت نومبر ۱۹۳۴ء

العزم واصابة العزم وتكثر العدد وتوفر العُدد[1] وقد وصل الى العبد فى هذه المدة ان الآراء المشرفة[2] النبوية[3] قد عدلت فى حقه عن لطفها[4] المعهود وصفائها المالوف حتى تنسمت منها[5] رائحة تغير وتوسمت فيها[6] شائبة تكدر والعبد ليس يعرف سبب ذلك فان كان[7] من جهة السلطان[8] فالعبد هو فى ضمان طي صحائف استزادته[9] واعادته الى (ما)[10] حمد من لطائف عادته واستنزاله من حزون الانقطاع الى سهول الاجتماع ومن شواهق الامتناع الى حدائق الاتباع ورده فى طاعة المواقف المقدسة الى المنهج الاقدم والمذهب الاقوم الذى سلك آباؤه الزهر واسلافه الغر[11] وان كان منشأها[12] من جهة[13] (اصحاب) الاغراض[14] من الذين وجدوا مجال[*] التخليط والتضريب وتمكنوا من اختراع الاباطيل وابتداع الاكاذيب فذلك[15] امر يرجى من عواطف سيدنا ومولانا[16] دفع آفته واستيصال شافته فان تنفر[17] مثل ذلك السلطان بن السلطان[18] من الطاعة ليس بامر يحمل[19] ان يتساهل فيه او

---

[1] بعدش زیادات وارد در مجموعہ [2] فقط مجموعۃ: المشرقة

[3] ب و مجموعہ: لطفها، فقط آ: لفظها [4] فقط ب: منها

[5] فقط آ: استرادته [6] از روی ب و مجموعہ [7] آ: منسوبا، ب: مشوها

[8] ب: الا، آندارد، از روی مجموعہ درج ہوا [9] ب: الاعراض من الدىن وجدوا المحال

آ: الاغراض من الدين وجدوا المحال، مجموعۃ: الاغراض الذين اوجدوا عند خدام

المواقف المقدسة قدسها الله مجال [10] مجموعہ: فذلك [11] آ: سعر، ب: ىنفر

[12] آ ب: يحمل مجموعہ: يجمل،

يتقاعد[1] عن [2] تداركه[3] تلافيه وعلى الخصوص فى هذا الوقت الذى ينتظر المسلمون من نهضته[3] صلاح[4] اعمالهم ونجاح[5] آمالهم وتسكين[6] نائرة[7] الفتن بعد التهابها وتبعيد دايرة المحن غب اقترابها والطاف[8] مولانا امير المؤمنين او فر من ان يرضى[9] باهمال هذا الخير[10] واغفال هذا الامر[11]،

وله[12] من رسالة كتبها عن خوارزمشاه الى بعض الاكابر ببغداد[*] -

[ص ۲۱] الشيخ الامام[13] مخصوص منا بسلام طيب كاعراقه وتحية فائحة كاخلاقه و (نحن)[14] ان كنا لم نكتحل بلقياه ولم نشاهد بهجة محياه فقد[15] عرفنا الطاف شمائله و سمعنا اوصاف فضائله ورأينا من مصنفاته الرائقة ومولفاته الفائقة ما شحذ اذهان الخلق ونفض الغبار عن اعطاف الحق وسهل الطرق الى حل المشكلات وكشف الاغطية عن وجوه المعضلات وقام برهانا قاطعا وتبيانا

---

[1] ب: يتعاقد، [2] فقط در مجموعه [3] ب: نهضة، مجموعة: نهضة السلطان الاعظم قرنها الله بالفتح والظفر وصانها من الخوف والخطر [4] فقط در مجموعه: اصلاح [5] فقط در مجموعه: انجاح، [6] ب: تسكن [7] فقط مجموعه: ثايرة، [8] بعدش زيادات وارد در مجموعه، [9] مجموعه: ترضى، [10] فقط ب: الخير، [11] بجاے اس کے مجموعه: ج ۱ ص ۶۴ پر ہے: الى الحكيم العالم ابى البركات الطبيب البغدادى من الحضرة الخوارزمشاهية [12] بعدش زيادات وارد در مجموعه، [13] ازروى مجموعه، [14] آ ب: وقد، [15] فقط ب: حد

ساطعا على انه[1] جبل فى العلوم شامخ وطود فى الحلوم[2] راسخ لا يشق المفلقون غباره ولا يمسح المتقنون[3] عذاره (و[4]) من كان ربيب المواقف المقدسة[5] وصنيع المقار[6] الامامية المعظمة لم يستبدع ان يضرب فى الفضائل[7] بالقدح المعلى ولم يستبعد[8] ان يحل[9] بالمناقب فى المنظر الاعلى فلله در بغداد (اذ[10]) نشأ فيها ذلك البحر الخضم والطود الاشم.

ولہ من[11] اخرى

الاجل العالم ادام الله بهجته وحرس مهجته نسيج وحده وفريد عصره[12] ونادر قرانه[13] وواسطة عقد اقرانه والعلم المشار اليه والمتفق[14] فى جميع العلوم خاصة فى علم الطب عليه فانه

---

[1] بعدش زیادات وارد در مجموعہ [2] کذا در آ ب، مجموعه: الفنون
[3] تصحیح از روی مجموعہ، آ: المعمنون، ب: المعشوس [4] از روی مجموعہ،
[5] مجموعة: المقدسة النبوية، [6] مجموعه: المقار المعظمة
[7] آ ب: بالفضايل فى القدح، تصحیح از روی مجموعہ، بستغرب۔
[8] ب: يستبدع، مجموعه: يستغرب، [9] آ: يحلى بالمناقب فى
ب: نحل بالمناقب فى، مجموعه: يحل من المناقب، [10] از روی ب،
مجموعه: ان، [11] اس خط کا عنوان مجموعہ ج ۱، ص ۶۵ پر یوں دیا ہے:
كتاب الى طبيب العالم ابى الحسن التلميذ من الحضرة الخوارزمشاهية
اور آغاز یوں ہے: لا يخفى على ارباب الالباب واصحاب الآداب من ذوى الآراء الصائبة والخواطر الثاقبة ان الامام الاجل الخ
[12] فقط مجموعہ: عهده، [13] ب: نادر اقرانه، مجموعه: نادرة قرانه
[14] فقط مجموعہ: والمعلم المتفق عليه فى جميع العلوم وخاصة فى علم الطب

ابن بجدته وطلاع انجدته وصاحب آیاته وسباق غایاته والعارف [بدقائقه][1]
وجلائله والمطلع علی براهینه ودلائله[2] لا تثنی الخناصر الا
علیه ولا تزجی رکائب المستفیدین الا الیه[3] (و) قد عرف ادام
الله فضله ان خوارزم کان[4] محط* رحال الفضلاء[5] وملقی عصی
العلماء* ومناخ ر[6]واحل الحکماء یسکنها نحاریر کل علم ویقیم
بها مشاهیر کل فن (منهم[7]) ابو مضر[8] الضبی والسید[9] شرف السادة*
اسمعیل الجرجانی[10] الذی مصنفاته البدیعة[11] ومولفاته اللطیفة
سارت[12] مسیر* الشمس فی اکناف الشرق والغرب وهبت هبوب
الریح فی اطراف البر والبحر وغیرهما من کبار المفلقین وفحولة[13]
المحققین ومنذ انقضت مدة اولئک البدور الزاهرة و
انقضت[14] ایام اولئک البحور الزاخرة عادت عرصة خوارزم[15] من
هذا العلم* خالیة بعد ما کانت بجواهر علومهم وزواهر نجومهم حالیة

---

[1] از روی مجموعه، بیاض در آ و ب [2] بعدش زیادات دارد در مجموعه
[3] از روی مجموعه، [4] فقط مجموعه: کانت فی جمیع الاوقات محط،
[5] فقط مجموعه: العلماء (بجائے الفضلاء) [6] در مجموعه ندارد، [7] آ: رواجل،
ب: رواحل، مجموعه: رواحل [8] از روی ب و مجموعه، بعدش زیادتی دارد در مجموعه
[9] آ ب: نصر، تصحیح از روی مجموعه، [10] ب: الصبی شرف السادة، مجموعه:
السید الفاضل شرف السادات، [11] مجموعه: الشریفة (بجای البدیعة)
[12] فقط مجموعه: صارت مصیر، [13] فقط مجموعه: فحول [14] فقط مجموعه: انقرضت
[15] فقط مجموعه: من هذا النوع من العلم۔

الآن اهل خوارزم مفتقرون الی طبیب ماهر ونطاسی حاذق ینتفعون بعلمه وینزلون[1] فی معالجة اهل العلل والامراض علی حکمه المتوقع من شفقته[2] ان یختار من تلامذته[3] واقفا علی اسرار الطب عارفا بغوامض الحکمة مصیبا فی ابواب المعالجة مشهورا بحسن الضریبة معروفا بیمن النقیبة و یبعثه الی خوارزم یکون[4] منتظما فی سلك خدمتنا وعقد حضرتنا *

وله[5] من اخری کتبها الی عمر البسطامی ببلخ *

کتبت اطال الله بقاء سیدنا فی دولة ممدودة الرواق والنعمة ممدودة النطاق وفی ملتقی الاهداب عبرات تنسکب وفی منحنی ص۲۱۲ الاضلاع جمرات تلتهب شوقا الی لقیاه ونزاعا الی محیاه ولو جریت[6] علی حکم الوداد وقضیة الاعتقاد لکانت کتب خدمتی وصحائف مدحتی نظما ونثرا الی مجلسه[7] متتابعة الافواج متدافعة الامواج ولکنی التزم[8] مذهب التعظیم والاجلال واجتنب موقف التصریح بالاملال[9] واصون خاطره الشریف الذی هو ابدا[10] مشغول بکشف المشکلات ورفع المعضلات وتجدید معالم الزهد والتقوی واحیاء مراسم [الدرس[11] والفتوی] من مطالعة مکتوباتی التی لا طائل فیها ولا فائدة فی مطاویها۔

---

[1] مجموعه: یعوّلون فی معالجة ما یعتریهم من العلل۔ [2] مجموعه: فالمتوقع من شفقة فلان ادام الله فضله۔ [3] مجموعه: تلامذته المنتمین الیه القارئین علیه انسانا فاضلا علی اسرار الطب واقفا و بغوامض الحکمة عارفا، [4] مجموعه: لیکون منخرطا فی سلك خدمتنا منتظما فی عقد، [5] مجموعه: کتاب الی الشیخ الامام عمر البسطامی الذی کان ببلخ، [6] مجموعه: جریت فی هذه المدة، [7] بعدش زیادتی دارد در مجموعه، [8] مجموعه: کنت التزم [9] آ ب: الابلال، تصحیح از روی مجموعه، [10] فقط مجموعه: مشتغل، [11] بیاض در آ، ب: الدروس و ا ــــ، تصحیح از روی مجموعه۔

فلست بالباطل المردود[1] اشغله ۔ فانه باقتناص الحق مشغول

فلان[2] اقام بجوار[3] زم مرسلا اعنة لسانه مطلقا ازقة بيانه فى ذكر[4] خصائص سيدنا[5] والمفاخر التى هى[6] لعين المعالى قرة والماثر التى هى فى وجه الليالى غرة والآن رجع الى بلخ مسقط هامته[7] بالغا قاصية الفلاح مالكا ناصية[8] النجاح والمرجو[9] من مكارم سيدنا[10] ان يتلقى مقدمه بالاعزاز والاكرام ملبسه[11] اسمية الافضال والانعام ويقربه الى مجلسه الذى سعادة الدين و الدنيا بقربه منوطة[12] وكرامة الاخرة والاولى بجواره[13] مربوطة،

ومن اخرے[14]

الى الامام محمد البغدادى ختن عمر[*] وصل[15] خطابه العزيز[*] فشاهدت من كلامه الحر روضة للفصاحة متسقة[16] الازهار وعاينت من معانيه الغر حديقة للبلاغة متفتحة[17] الانوار و عرضته على الحاضر والبادى وهززت به عطفى [فى] المحاضر[18] والنوادى

---

[1] فقط آ، المؤدود۔ [2] بعدش زيادتى وارد درمجموعہ، [3] مجموعہ: اقام فى صحبتى، [4] آب: دار، تصحيح ازروى مجموعہ، [5] درمجموعہ ندارد [6] : قاضية، تصحيح ازروى ب ومجموعہ، [7] فقط مجموعہ: فارجو، [8] فقط مجموعہ: ويلبسه، [9] ب: منظومة، تصحيح ازروى ب ومجموعہ، [10] آ: بجوآيزه، تصحيح ازروى ب ومجموعہ، [11] ب ميں آخر ميں "الخيامى" بھى ہے، مجموعہ: (١: ٦٧): كتاب الى الامام محمد البغدادى ختن الشيخ الامام عمر الخيامى بنيسابور، [12] زيادات درمجموعہ: پيش ازيں بعدازيں۔ [13] فقط مجموعہ: متفتقة۔ [14] آب: مفتحة [15] ازروى مجموعہ،

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۱ - عدد ۳ | بابت ماہ مئی ۱۹۳۵ء | عدد مسلسل ۴۱

فہرستِ مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این مترا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شایع کیا +

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں +

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کیجائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں' غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے +

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصّوں میں شائع ہوتا ہے حصّہ اوّل عربی۔ فارسی' اردو اور پنجابی ابجروف فارسی' حصّہ دوم سنسکرت۔ ہندی اور پنجابی ابجروف گورمکھی۔ ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے +

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا +

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عہ/۱۲ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا +

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے +

قلم تحریر۔ حصّہ اُردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصّہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جولائی یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے +

علاّمہ ابن الفُوطی

اسلام کی گذشتہ تاریخ کثرت سے ایسے بزرگوں کی مثالیں پیش کرتی ہے۔
جن کی وسعتِ معلومات اور مشاغلِ تصنیف آج ہمارے لئے باعثِ حیرت ہیں
اگر ایک فہرست ایسی کتابوں کی مرتب کی جائے کہ جو بیس بیس اور چالیس چالیس
اور پچاس پچاس جلدوں میں لکھی گئیں اور شخص واحد کے قلم کا نتیجہ تھیں تو یقیناً
ایک چھوٹی سی کتاب بن جائے اور پھر یہ نہیں کہ ایک مصنّف ایک کتاب مثلاً
چالیس جلدوں میں لکھتا ہے اور وہی اسکی ساری عمر کی کمائی ہے۔ نہیں بلکہ ہمیں
بتلایا جاتا ہے کہ اسکی آدھی درجن ایسی اور تصانیف ہیں اور انکے نام اور موضوع
اور وسعت غرض ہر چیز سے ہمیں آشنا کیا جاتا ہے، حاجی خلیفہ کی کشف الظنون
کا مطالعہ ہمارے اس بیان کی بہت جلد تصدیق کر دیتا ہے۔ حیرت ہمیں اس
بات سے ہوتی ہے کہ معلومات کا یکجا کرنا اور برسوں کی محنت سے انہیں ترتیب
دے کر کتاب کی شکل میں لانا تو درکنار اگر ایسی بے پایاں تصانیف کو محض نقل
کیا جائے تو اس کے لئے ایک عمر چاہئے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج اس قسم کی
کتابوں کے فقط نام ہی نام رہ گئے ہیں۔ مصنّف نے اپنے ہاتھ سے ایک چیز کو
لکھا۔ لیکن اسکی ضخامت مانع ہے کہ اسکو نقل کیا جائے۔ بس وہ ایک ہی آدھ
نسخہ وجود میں آیا، جب وہ کسی وجہ سے تلف ہو گیا تو کتاب ناپید ہو گئی،
علامہ ابن الفُوطی بھی اُن بزرگوں میں ہیں جنکو کثیر التصانیف کہا گیا ہے

لیکن افسوس کہ انکی تصانیف میں سے ہمارے پاس بجز چند کتابوں کے نام کے کچھ باقی نہیں، تراجم کی کتابوں میں تین جگہ ان کا مختصر سا حال دیکھنے میں آیا ہے۔ یعنی (۱) فوات الوفیات لابن شاکر الکتبی (۲) تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۳) شذرات الذہب لابن العماد، ان تینوں کے بیانات کا ماحصل سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے،

ان کا پورا نام کمال الدین عبدالرزاق بن احمد ابن الفُوطی الشیبانی ہے، معن بن زائدہ کی اولاد میں سے تھے، شذرات الذہب میں پورا سلسلۂ نسب اس طرح پر دیا گیا ہے: کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن محمد بن احمد بن عمر بن ابی المعالی محمد بن محمود بن احمد بن محمد بن ابی المعالی الفضل بن العباس بن عبداللہ بن معن بن زائدہ الشیبانی المروزی الاصل البغدادی الاخباری الکاتب المورخ الحنبلی ابن الصابونی و یعرف بابن الفُوطی (محرکا)، الفوطی ان کے نانا کی نسبت تھی جو کہ کمر بند بیچنے کا کام کرتے تھے[1] ۷۔ محرم ۶۴۲ھ کو دارالخلافۂ بغداد میں پیدا ہوئے، بچپن میں قرآن حفظ کیا حدیث کا سبق محی الدین یوسف بن الجوزی سے لیا۔ علامہ ذہبی نے ان کو تذکرۃ الحفاظ میں شامل کیا ہے۔ چودہ برس کی عمر تھی۔ کہ ۶۵۶ھ میں بغداد کا محشر خیز واقعہ پیش آیا، تاتاریوں نے جو قیدی گرفتار کئے۔ ان میں یہ بھی تھے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے جوہر قابل دیکھ کر رہا کرا یا اور اپنے ساتھ مراغہ لے گئے۔ سات آٹھ برس تک انکی خدمت میں رہ کر علوم اوائل اور فلسفہ اور ادب کی تحصیل کی۔ اسکے بعد خواجہ نے انہیں اپنے کتب خانے کا خازن مقرر کر دیا۔ جسکی وجہ سے انکو بیش بہا کتابیں دیکھنے اور

---

[1] فُوَط جمع ہے فُوطہ کی جس کے معنی پٹکا یا کمر بند کے ہیں ؁

پڑھنے کا موقع ملا[1] - دس برس سے زائد وہ اس عدیم المثال کتب خانے سے فائدہ اُٹھاتے رہے[2] - چونکہ وہاں تاریخ کی کتابوں کا ذخیرہ زیادہ کثیر تھا - اس لیئے انکو اس فن سے زیادہ رغبت پیدا ہوئی - چنانچہ انکی تصانیف زیادہ تر اسی فن میں ہیں '

ایک عرصہ مراغہ میں رہنے کے بعد وہ بغداد واپس آ گئے[3] اور کتب خانۂ مستنصریہ کے خازن ہو گئے - یہاں بھی انکا میلان طبیعت تاریخ ہی کی طرف رہا اور اپنی بیش قیمت اور ضخیم تاریخی کتابیں یہیں رہکر انہوں نے تصنیف کیں' مرتے دم تک بغداد ہی میں مقیم رہے' ۲ محرم سنہ ۷۲۳ھ کو اکیاسی برس کی عمر میں وہیں فوت ہوئے اور شونیزیہ میں دفن ہوئے ' نہایت ظریف ' متواضع اور خوش اخلاق تھے رحمہ اللہ '

علامہ موصوف جامع کمالات تھے - فن حدیث اور تاریخ میں انکا پایہ بہت بلند مانا گیا ہے' علم الکلام ' منطق اور علوم حکمت میں بھی کامل تھے - صاحب شذرات الذہب نے انکو " مورخ الآفاق العالم المتکلم " کے لقب سے یاد کیا ہے ' یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی ان سے اپنی زیچ (زیچ ایلخانی) کی ترتیب اور کتابت میں مدد لیتے تھے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید علم ہیئت میں بھی انکو دخل تھا - ادب اور لغت میں مسلّم استاد تھے - فن شعر کیساتھ ان

---

[1] خواجہ نصیر الدین طوسی کی قیام گاہ مراغہ کی وہ مشہور رصدگاہ تھی جس کو ہلاکو خاں نے سنہ ۶۵۷ھ میں ان کے لیئے تعمیر کرایا تھا - بغداد کی تباہی کے بعد وہاں کے کتب خانوں کی بہت سی نایاب کتابیں خواجہ نے رصدگاہ کی لائبریری میں جمع کر لی تھیں جنکی تعداد ابن شاکر نے چار لاکھ بتائی ہے' یہی وہ کتبخانہ ہے جس کے خازن یا لائبریرین علامہ ابن الفوطی تھے [2] یہ زمانہ سنہ ۶۶۴ھ سے سنہ ۶۷۹ھ تک ہے جیسا کہ آگے چلکر بیان ہوگا [3] سنہ ۶۷۹ھ میں '

کو گہری مناسبت تھی، خود بھی شاعر تھے، ابن شاکر نے کہا ہے کہ ان کے اشعار عربی اور فارسی میں بکثرت ہیں،

نہایت درجہ کے ذہین تھے اور حافظہ نہایت قوی رکھتے تھے، خطاطی میں کمال حاصل تھا اور نہایت زود نویس تھے، ابن شاکر کا بیان ہے کہ اپنے نفیس خط کے ساتھ روزانہ چار جزو لکھتے تھے اور لکھنے میں ایسی مشق تھی کہ چت لیٹ کر لکھ لیتے تھے،

ان کمالات کا ثبوت انکی کثیر التعداد اور ضخیم تصانیف ہیں جنکے نام اور موضوع مذکورہ بالا کتب تراجم میں بیان ہوئے ہیں اور ہم سطور ذیل میں انکو شمار کرتے ہیں،

(۱) مجمع الآداب فی معجم الاسماء علی معجم الالقاب، بغداد میں تصنیف ہوئی، پچاس جلدوں میں تھی اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مشاہیر کے تراجم بترتیب القاب (بلحاظ حروف تہجی) اسکا موضوع تھا

(۲) درر الاصداف فی غرر الاوصاف، ابن العماد نے کہا ہے کہ "ہو کبیر جداً"۔ بقول ابن شاکر بیس جلدوں میں تھی، علم الکلام اسکا موضوع تھا۔ وجود، مبدأ اور معاد اسکا مبحث تھا، مزید اطلاع اس کے متعلق یہ ہے اسکی تالیف میں ایک ہزار کتابوں کو بطور مآخذ استعمال کیا گیا تھا،

(۳) تلقیح الافہام فی المؤتلف والمختلف، (مجدول)

(۴) کتاب التواریخ علی الحوادث، عام تاریخ تھی جس میں آدم سے لیکر تخریب بغداد (۶۵۶ھ) تک کے حوادث تھے، غالباً کئی جلدوں میں تھی،

(۵) کتاب حوادث المائۃ السابعہ، شاید یہ وہی کتاب ہے جسکا نام حاجی خلیفہ نے الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المائۃ السابعہ لکھا ہے، وفیات

المشاہیر اسکا موضوع تھا' عجب نہیں کہ ابن خلکان کا ذیل ہو'

(۶) نظم الدرر الناصعہ فی شعر المأتہ السابعہ' ساتویں صدی کے شعرا کے تراجم اور انکے اشعار پر لکھی گئی تھی' شذرات الذہب میں لکھا ہے کہ کئی جلدوں میں تھی (فی عدۃ مجلدات)'

(۷) معجم الشیوخ ' علامہ موصوف نے اپنے شیوخ جن سے انہوں نے حدیث سنی اور روایت کی اجازت لی۔ تعداد میں ۵۰۰ تھے۔ یہ کتاب ان کے تراجم پر مشتمل تھی'

(۸) ذیل علی تاریخ شیخہ ابن الساعی' علامہ ابن الساعی کا پورا نام تاج الدین علی بن انجب ابن الساعی البغدادی (متوفی ۶۷۴ھ) ہے۔ انکی کتاب کا نام (بقول حاجی خلیفہ) الجامع المختصر فی عنوان التاریخ تھا' پچیس جلدوں میں تھی اور ۶۵۶ھ یعنی واقعۂ بغداد تک کے حوادث اس میں مذکور تھے' ابن الفوطی نے اسکا ذیل بقول ابن العماد اسی جلدوں میں لکھا[1]' لیکن حاجی خلیفہ نے جلدوں کی تعداد اٹھارہ بتلائی ہے' اور یہ بھی اطلاع دی کہ ہے کہ "عملہ للصاحب"۔ صاحب سے یہاں مراد غالباً صاحب دیوان علاء الدین عطا ملک جوینی ہیں' جنکے اشارے سے علامہ موصوف ۶۷۹ھ میں مراغہ سے بغداد آئے جیسا کہ آگے چلکر بیان ہوگا' عجب نہیں کہ اسی کتاب کو لکھنے کی خاطر سے بلوائے گئے ہوں - ہمارا قیاس ہے کہ حاجی خلیفہ نے جو اٹھارہ جلدوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ غالباً اصل کتاب کا (جو اسی جلدون میں تھی) ملخص ہوگا'

اوپر کی فہرست میں جن کتابوں کی تعداد مجلدات بتلائی گئی ہے وہ نمبر (۱)' (۲)' اور (۸) ہیں' ان تینوں میں یہ تعداد ۱۵۰ تک پہنچتی ہے'

---

[1] شذرات الذہب ج ۶ ص ۱۱'

اگر باقی کتابیں بھی اسی پیمانے پر تصنیف ہوئی تھیں اور ان کے ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ ضرور ہوئی ہونگی تو اسکے یہ معنے ہوئے کہ علامہ موصوف کی یہ چند کتابیں کم و بیش تین سو جلدوں میں لکھی گئیں!

اور ہمارے پاس یہ بیان کرنے کے لئے وجہ موجود ہے کہ انکی اور تصانیف بھی تھیں جنکے نام ہم تک نہیں پہنچے، منجملہ ایسی کتابوں کے ایک کتاب تلخیص مجمع الآداب ہے جو انکی اپنی تصنیف مجمع الآداب (دیکھو اوپر ۱) کا خلاصہ ہے جو انہوں نے خود کیا اور غالباً سات یا آٹھ جلدوں میں تھا - ان میں سے ایک جلد یعنی المجلد الخامس حسن اتفاق سے اس وقت لاہور میں موجود ہے جسکو میں نے عاریتاً لیکر پڑھا - اور میرا یہ مضمون اسی کتاب کے مطالعہ پر مبنی ہے،

کتاب مذکور کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصنف کا خود نوشتہ نسخہ ہے کیونکہ جا بجا عبارتوں میں اضافے کئے گئے ہیں اور ان اضافوں میں خود اپنی طرف اشارے پائے جاتے ہیں، بعض مقامات پر جگہ خالی چھوڑی گئی ہے - اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہاں ایک بات دریافت طلب ہے جس کو مصنف نے مزید تحقیق کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے - بعض جگہ عبارت کو تراش کر پھر درست کیا ہے، اسی قسم کی بعض اور چھوٹی چھوٹی علامات موجود ہیں جو ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ مصنف اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہے - علاوہ اس کے انداز تحریر اور خط بھی شروع آٹھویں صدی کا معلوم ہو رہا ہے اور یہی زمانہ ہمارے مصنف کا حین حیات ہے،

نسخۂ زیر بحث ۲۰۹ ورق پر مشتمل ہے - آخر میں ناکمل اور بیچ میں بھی ایک مقام پر دو تین ورق کا خلا معلوم ہوتا ہے - اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مجمع الآداب فی معجم الالقاب جسکی یہ تلخیص ہے مشاہیر اسلام کا تذکرہ تھا،

جنکو بہ لحاظ اُن کے القاب کے (بہ ترتیب حروف تہجی) ذکر کیا گیا تھا' یہ مشاہیر اگرچہ اسلام کی ساری گذشتہ تاریخ میں سے لئے گئے ہیں۔ لیکن زیادہ تعداد چھٹی اور ساتویں صدی کے لوگوں کی ہے جن میں سے اکثر مصنّف کے معاصر یا قریب العصر تھے اور اکثروں سے وہ خود ملے ہیں۔ جابجا یہ جملہ دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ "فلاں بزرگ مجھ سے ملے۔ میں نے اُنکی ولادت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر پیدا ہوا تھا" یا مثلاً یہ کہ "میں نے فلاں بزرگ سے حدیث روایت کرنے کی اجازت حاصل کی اور فلاں شاعر نے مجھ کو اپنے تصنیف کردہ اشعار میں سے اشعار ذیل لکھ دیئے" وغیرہ' ان باتوں سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کی تاریخی اہمیت کس قدر ہونی چاہیئے۔ افسوس کہ کتاب ہمارے پاس مستعار ہے۔ لہذا وقت کی قلت کی وجہ سے سردست یہ ممکن نہیں کہ ہم مشاہیر کے تراجم میں سے وہ اطلاعات جمع کریں جو دوسری جگہ نہیں ملتیں۔ اس کام کے لئے زیادہ وقت درکار ہے۔ بالفعل ہم نے اپنی توجہ صرف ان مقامات پر منحصر رکھی ہے۔ جن میں مصنّف نے اپنا ذکر کیا ہے'

تلخیص مجمع الآداب کی پانچویں جلد جو ہمارے پیش نظر ہے (جیسا کہ ابھی بیان ہوا) ۲۰۹ ورق پر مشتمل ہے۔ ہر ورق پر دس تراجم ہیں۔ تو گویا کل ۲۰۹۰ تراجم ہوئے۔ بعض جگہ کچھ ترجمے جو مصنّف نے بعد میں اضافہ کئے۔ حاشیے پر لکھے گئے ہیں اور بعض کو بین السطور بڑھایا گیا ہے۔ غرض سب ملا کر تقریباً بائیس سو ۲۲۰۰ مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ القاب کی ترتیب الکاتب سے لے کر موفّق الدین تک ہے۔ گویا اس جلد میں کاف سے میم تک کے القاب ہیں اور اس کے بعد غالباً چھٹی اور ساتویں جلد میں نون

سے یا ء تک کی ترتیب ہوگی، اسی سے ہم قیاس کرسکتے ہیں کہ مجمع الآداب کی پچاس جلدوں کا خلاصہ مصنف نے سات جلدوں میں کیا ہے۔ جلد زیر مطالعہ میں سب سے پہلا ذکر الکاتب بشر بن عبدالمالک بن عبدالجن بن اعیا القحطانی الشاعر کا ہے اور سب سے آخری موفق الدین ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد بن الحسن الزنجی الفقیہ کا، بہ سبب تلخیص ہونے کے تراجم بہت مختصر ہیں۔ لیکن صحتِ بیان میں شاید کہیں بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اول تو جیسا ہم نے اوپر بیان کیا۔ اکثر مشاہیر مصنف کے معاصر ہیں جن سے انہوں نے خود ملاقات کی اور جہاں یہ بات نہیں وہاں انہوں نے بالالتزام کسی نہ کسی مستند تصنیف کے حوالے سے اپنے بیان کی تائید کی ہے۔ اور پھر بلا استثنا ہر شخص کا لقب، کنیت، نام، نسبت، پیشہ اور کم از کم تین پشت اوپر تک یعنی پرداداتک کے نام مع انکی کنیتوں کے درج کئے ہیں، صحت کا یہ التزام غالباً اس وجہ سے ہے کہ علامہ ابن الفوطی فنِ حدیث کے ماہر ہیں اور معلوم ہے کہ صحتِ روایت ہمیشہ ہمارے ائمہ حدیث کا اولین نصب العین رہا،

ذیل میں ہم علامۂ موصوف کی زندگی کے وہ حالات جو تلخیص مجمع الآداب کی پانچویں جلد کے مطالعہ سے دستیاب ہوئے ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں،

ابن الفوطی کا پورا نام (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن محمد الفوطی الشیبانی ہے، اور بقول ابن شاکر الکتبی ۶۴۲ھ میں پیدا ہوئے، انکے والد کا لقب تاج الدین تھا اور بغداد میں محلۂ قاتونیہ میں رہتے تھے۔ چنانچہ کمال الدین ابوالحسن علی بن عسکر الحموی البغدادی العارض کے حال میں لکھتے ہیں: "کان صدراً کاملاً و رئیساً فاضلاً و

کان من جیراننا فی محلّۃ الخاتونیہ الخارجۃ وحضرتُ مجلسہ فی خدمۃ والدی تاج الدین فی جماعۃ کانوا یسمعون علیہ کتاب معجم الادباء بروایۃ عن مصنفہ یاقوت مولاہم۔ ۸ۃ"

اپنے نانا کا نام عفیف الدین ابوالقاسم بن الظہیری اور ماموں کا نام زکی الدین احمد بتلاتے ہیں ۔ کمال الدین ابو عبداللہ محمد بن علی بن الزیلع البغدادی الصوفی المحدث کے ترجمے میں بیان کرتے ہیں۔ کہ "کان من اہل الخیر والصلاح وکان من اصحاب جدّی لامّی عفیف الدین ابی القاسم بن الظہیری وکتب لہ اجازۃ مع خالی زکی الدین احمد۔۔۔"

ایک مشہور شیخ مجدالدین محمد بن محمد بن ابی الفرج الموصلی ثم البغدادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اسنے میرا اور میرے بھائی کا زائچہ بنایا تھا۔ اسکی وفات ذی القعدہ ۶۵۴ھ میں ہوئی"

بقول ابن شاکر علامہ ابن الفوطی ۶۵۶ھ میں (جبکہ ہولاکو خاں نے بغداد کو تاراج کیا ، گرفتار ہو کر خواجہ نصیرالدین طوسی کے پاس آ گئے چنانچہ انہی نے انکی پرورش کی اور پڑھایا لکھایا - ایک سال بعد یعنی ۶۵۷ھ میں ہولاکو خاں نے مراغہ کی وہ مشہور رصدگاہ تیار کروائی جسکا تاریخ میں جابجا ذکر ہے - اسکے مہتمم خواجہ نصیرالدین تھے جنکی بارگاہ اس وقت مرجع خاص و عام تھی - علامہ موصوف خود اس کے متعلق لکھتے ہیں :

وہو الذی [یعنی ہولاکو خان] اشار بعمل الرصد بمراغہ فی جمادی الاولیٰ

لہ اسی کمال الدین کے متعلق آگے چلکر لکھتے ہیں کہ ۶۲۱ھ میں بغداد کے مدرسۂ مستنصریہ کے ناظر مقرر ہوئے ، پھر مُشرف ہوگئے اور ۶۵۰ھ میں عارض الجیش کے عہدے پہ مامور ہوئے ۔ ۶۵۶ھ میں واقعۂ بغداد میں شہید ہوئے "

سنة سبع و خمسين و تقدّم الى مولانا نصیرالدین ابی جعفر الطوسی بجمع الحکماء فاجتمع منهم فخر الدّین الخلاطی و فخر الدین المراغی و نجم الدّین القزوینی واستدعی مؤیّد الدین العرضی من دمشق ..... (ذکر ہولاکو خاں تحت لقب مالک الارض)

مراغہ میں ابن الفوطی مدت تک مقیم رہے۔ رصدگاہ میں ان کا قیام تھا۔ یہ طویل عرصہ ٦٥٧ھ سے ٦٧٨ھ تک کا ہے۔ شروع کے چار پانچ سال تو ان کے لڑکپن کا زمانہ ہے۔ لیکن ٦٦٤ھ سے لیکر برابر ہر سال کا ذکر انکی کتاب میں ملتا ہے، رصدگاہ جہاں خواجہ نصیرالدین خود بھی مقیم تھے مرجع خلائق تھی۔ بغداد کی تباہی کے بعد وہاں کے کتب خانوں کی بہت سی بیش بہا کتابیں منتقل ہو کر رصدگاہ کی لائبریری میں آ گئی تھیں اور غالباً اسی وجہ سے علماء کی آمد و رفت وہاں رہتی تھی۔ پھر خواجہ نصیرالدین کو ہولاکو خاں کے مزاج میں جو دخل تھا اسکی وجہ سے غرض مند لوگ جن میں بڑے بڑے امراء بھی ہوتے تھے اپنی اپنی حاجت برآری کے لئے انکی طرف رجوع کرتے تھے۔ غرض یہ کہ رصدگاہ اسوقت علماء۔ فضلاء اور اکابرِ وقت کا مرجع تھی علّامہ موصوف مشاہیر وقت کا رصدگاہ میں آنا اکثر بیان کرتے ہیں۔ خصوصاً علماء جن سے انکی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور افادہ اور استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ رصدگاہ کا گرانبہا کتب خانہ، فضلاء وقت سے آئے دن ملاقاتیں، خواجہ نصیرالدین جیسا استاد اور پھر ایسی فضا میں بیس برس کا طویل زمانہ، علمی تربیت کے لئے اس سے بہتر حالات کس کو میسر آسکتے ہیں؟ بس یہی راز تھا اور یہی سبب تھا۔ جسنے انکو علّامۂ عصر بنایا،

مراغہ میں جو مشاہیر انکے دورانِ قیام میں وارد ہوئے ان سب کا نام لینا تو ممکن نہیں اور ضروری بھی نہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کا ذکر کر دیا جائے۔ خصوصاً وہ کہ جنکے ساتھ کوئی دلچسپی کی بات وابستہ ہے یا جنکے

ذکر میں کوئی نئی اطلاع ملتی ہے، ہم علامہ موصوف کے اپنے الفاظ کو دہرانا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں:

(۱) کریم الدین ابوبکر بن محمود السلماسی المهندس، قدم علینا سنة اربع وستین وستمائة الی حضرة مولانا نصیر الدین بالرصد المحروس وکان له معرفة بحل الکاغد الی أن یصیر کالعجین ویعمل منه الآلات کالطباق و الزبادی و المقالم و هو الذی صنع کرة الارض من الکاغد وحبات مجوفة فی غایة ما یکون و خطوا علیها صورة الاقالیم، و ذکر لی نصر الدین اسمٰعیل بن احمد المحتسب بسلماس انه توفی سنة احدی وسبعمائة،

(۲) کمال الدین احمد بن محمد الاردبیلی یعرف بالعارض الحکیم الفاضل، کان من خدم الصاحب السعید شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الجوینی وسکن الروم مدة، قدم علینا مراغة سنة سبع وستین وستمائة وقدم بغداد واستوطن دار المدرسین بدهلیز النظامیه و تردد الیه الاصحاب و هو یوثر النفور عنهم . . .

(۳) کمال الدین احمد بن ینال المراغی قاضی سراة، کان من مشائخ القضاة والعلماء و اعیان الائمة و الادباء تولی قضاء سراة من نواحی اذربیجان و قدم علینا فی رجب سنة ٦٦٤ الی حضرة مولانا السعید نصیر الدین ولما توجهتُ الی سراة فی شهر ربیع الاول سنة ٦٧٢ کتب لی مولانا نصیر الدین الی ولده القاضی محی الدین بما یعتمده معی فنزلت فی داره و احضر لی مشیخة والده مع اشعاره ورسائله العربیة و الفارسیة . . . ،

(۴) کمال الدین اسعد بن زیاد الاصفهانی الادیب، کان شاعراً مجیداً و فاضلاً مفیداً ناولنی الصدر مجد الدین عباد بن علجة الاصفهانی بالرصد سنة ٦٦٩ مجموعة من اشعار فضلاء الاصفهان المتأخرین و منها من شعر کمال الدین اسعد

بن زیاد علی طریقة الأعاجم و ذکر الرّدیف :

بتنا زمناً عند خیال الوصل   و التمر یمرّ فی احتیال الوصل

ما أطیب ذاالوصال لو دام لنا   یا ربّ أطل عمر لیال الوصل

وله

قامت سحراً تقول لی مولاتی   اشرب قدحا فقلت هاتی هاتی

قم واقتبس العیش من اللذّات   ما فات منی و ما سیاتی یاتی

(٥) کمال الدین اسمعیل بن ابی بکر الایجی الادیب الحکیم، قدم مراغه فی خدمة مولانا العلّامة برهان الدّین ابی حامد المطرزی و أقام بمراغه مدیدة ثمّ توجّه فی خدمته الی تبریز فی حضرة الصاحب شمس الدین، فلمّا توفّی مولانا برهان الدین قدم مراغه و استوطنها و اشتغل علی أئمتها وکان له بها مکتب یعلّم فیه اولاد الاکابر الادب وکان جمیل الاخلاق طاهر البشر کریم الصّحبة وحصل لی الانس بخدمته، و لمّا قدم خواجه فخرالدین احمد بن مولانا السّعید نصیرالدین بغداد سنة ٦٨٤ کان فی خدمته وحضر فی خدمة الاکابر بها و طالع خزائن کتبها.... توفّی بمراغة سنة ٦٩٨،

(٦) کمال الدین افلاطون بن عبدالله الهندی الحکیم، [کان] ممّن قصد حضرة مولانا طاب ثراه بمراغه سنة ٦٥٨ و لم یکن عنده استعداد التّحصیل بل... یدأب نفسه فی کتابة ما یرید أن یقرأه من دروس الحکمة و یتعسر علیه معرفتها فکان مولانا نصیرالدین یأمرنی أن أکتب له درسه فقلت له یوماً هب أنّی اکتب درسه فاحفظه عنه...... توفّی بتبریز سنة ٦٦٩،

(٧) کمال الدین الرّضا بن محمد بن محمد الحسینی الافطسی الآبی القاضی العلّامه السّید الکامل و العالم العامل الفقیه المحقّق النّبیه المدقّق اکمل السادة الاشراف و اکمل بنی

ہاشم و عبد مناف، قدم مراغہ الی حضرۃ مولانا السعید العلامہ نصیر الدین ابی جعفر و قرأ علیہ من تصانیف فخر الدین الرازی وسمع علیہ ما رواہ لہ عن والدہ وجیہ الدین محمد بن الحسن و عن خال أبیہ نصیر الدین عبد اللہ بن حمزہ و عن خالہ نور الدین علی بن محمد الشعبی و غیرہم و قرأ علیہ صحیفۃ أہل البیت علیہم السلام، رأیتہ بمراغہ سنۃ ۶۶۵ ثم اجتمعت بخدمتہ بسلطانیۃ شرویاز فی المحرم سنۃ ۷۰۰ وکتب لی الاجازۃ بجمیع مرویاتہ ومسموعاتہ ...... و ہو الآن القاضی بفراہان و الحاکم بہا و بأعمالہا و لہ الفوائد الجلیلۃ و الاخلاق الحمیدۃ و الصفات المحمدیۃ ....

(۸) کمال الدین محمد بن المبارک بن یحیی المخرمی شیخ رباط المستجد.. سمعنا علیہ کتاب عوارف المعارف [للسہروردی] . . . و قد کتب الاجازۃ لی و لأولادی سنۃ ۶۷۸ ......

(۹) کمال الدین مسعود بن محمد بن ہاشم التفلیسی الکاتب الادیب الفاضل.... من أصحاب مولانا نصیر الدین ابی جعفر محمد بن محمد بن الحسن الطوسی بمراغہ و کان بینی و بینہ من الاجتماع و الانبساط و الصحبۃ ما ہو مذکور مسطور فی تذکرۃ من قصد الرصد . . . و ہو الآن ملازم معسکر الأمیر الکبیر جوبان.... النویان الاعظم،

(۱۰) مجد الدین ابو الفتح محمد بن محمد بن محمد الطوسی الشاعر، قدم علینا مراغہ سنۃ ۶۶۹ و کان دمث الاخلاق و یلقب بالمتنبی و اتصل بخدمۃ الصاحب بہاء الدین محمد بن الصاحب شمس الدین الجوینی و کان یسومہ سوء العذاب علی سبیل الانبساط و یأخذ معہ الی الحمام فتارۃ یلقیہ فی الماء الحار و اخری فی الماء البارد المفرطین فی الحر والبرد،

(۱۱) محیی الدین علی بن عیسی بن محمد العلوی الواعظ . . . . ، قدم مراغہ سنۃ ۶۶۰ و اجتمع بخدمۃ مولانا نصیر الدین ابی جعفر الطوسی و عقد مجلس الوعظ

بمراغہ . . . . وکان لہ القبول التام و أسلم علی یدہ خلق کثیر من المغول و الترک و تابو علی یدہ . . . . وکان الوزیر صدر الدین احمد بن عبد الرزاق الخالدی کثیر المیل الیہ و الاعتقاد فیہ . . . . وحصل لی بخدمتہ مالا یحتمل ذکرہ فی ہذا المختصر'

ظاہر ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی شاگردی میں علامہ ابن الفوطی نے فلسفہ و حکمت کا درس ضرور لیا ہوگا۔اس تحصیل کا نتیجہ انکی تصنیف درر الاصداف میں نظر آ رہا ہے جسکا مبحث عالم وجود ہے۔لیکن ان کا میلان زیادہ تر اخبار اور تاریخ کی طرف رہا۔ محدثین اور مؤرخین کی صحبت انہیں زیادہ مرغوب تھی اور انکی تصانیف بھی اکثر انہی علوم پر منحصر ہیں'

مراغہ سے وہ ۶۷۹ھ میں بغداد آ گئے[1]۔ لکھتے ہیں کہ مجھے خواجہ علاء الدین عطا ملک جوینی نے بلا بھیجا تھا: "قدمتُ مدینۃ السّلام باشارۃ الصّاحب السّعید علاء الدین عطا ملک . . . ." (ورق ۵۳ ترجمہ کہف الدین اسماعیل الواعظ)' ضرور ہے کہ انہوں نے انکو کسی علمی خدمت کے لئے بلایا ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ انکی تاریخی تصنیف ذیل علی الجامع المختصر جسکا اوپر ذکر ہُوا انہی کی فرمائش پر لکھی گئی ہوگی۔ اور انہی کے اشارے سے انکو کتب خانۂ مستنصریہ کا خازن مقرر کیا گیا ہوگا[2]۔ تاکہ وہ اپنی اس جامع تصنیف کے لئے ہر طرح کی کتابوں سے مدد لے سکیں'

---

[1] مراغہ سے بغداد آنے کی یہ تاریخ یعنی ۶۷۹ھ متعدد جگہ مذکور ہے' [2] دیکھو اوپر صفحہ ۵ ' لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکے اس عہدے کا زمانہ ۶۹۴ھ سے پہلے ختم ہو گیا تھا۔اس لئے کہ جب اس سال سلطان غازان خان مستنصریہ کی لائبریری کو دیکھنے آیا ہے تو وہ خود کہتے ہیں کہ میں بھی وہاں جمال الدین یاقوت الخازن کے ساتھ موجود تھا

بغداد میں آکر وہ پھر محلہ خاتونیہ میں مقیم ہوئے جہاں غالباً ان کا آبائی مکان تھا۔ موفق الدین اسمعیل بن عبدالعزیز المغربی کے حال میں لکھتے ہیں: "فلما قدمتُ من مراغة سنة ٦٦٩ وجدت موفق الدين قد سكن بالقرب من داری بدرب المقوّاس فی الخاتونية فحصل لی به الانس التام۔۔۔۔" ۶۶۹ھ سے وہ برابر بغداد ہی میں رہے اور ۷۲۳ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان دو تاریخوں کے درمیان متعدد سالوں میں بغداد ہی میں ہونے کے اشارے پائے جاتے ہیں۔ غالباً ان کو اپنی زندگی میں کسی دور و دراز سیاحت کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن قریب قریب کے شہروں میں ان کا اکثر آنا جانا رہتا تھا چنانچہ دوران قیام مراغہ میں وہ چند مرتبہ تبریز گئے ہیں، اور ایک دفعہ ربیع الاول ۶۷۲ھ میں اپنے کسی مرض کے علاج کے لئے ان کو مراغہ جانا پڑا۔ لکھتے ہیں کہ مجھے خواجہ نصیرالدین نے وہاں کے قاضی محی الدین محمد بن احمد المراغی کے نام خط لکھ دیا تھا میں انہی کے ہاں ٹھہرا بڑی شفقت سے انہوں نے مجھے مہمان رکھا اور رخصت کے وقت تحفے دیئے[۲]۔ قیام بغداد کے طویل زمانے میں صرف دو چار جگہ ان کا جانا ہوا ہے۔ ۶۸۱ھ میں ایک مرتبہ کوفہ گئے ہیں۔ اسی سال حلہ جانے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ ۷۰۱ھ میں سلماس، ۷۰۴ھ میں ہمدان،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اسوقت خازن نہیں تھے: "استولی علی الممالک [یعنی غازان] فی ذی القعدہ سنة ٦٩٤ ۔۔۔۔ و قدم مدینة السلام و صلّی صلوة الجمعة فی جامع السلطان و دخل الی خزانة الکتب بالمدرسة المستنصرية و معه رشيدالدين ومعهم جماعة من المقرّبين وكنتُ يومئذ مع جمال الدين ياقوت الخازن ۔۔۔ "

(حاشیہ صفحہ ۱۷) [۱] ترجمہ محی الدین مذکور،

۷۰۰ھ میں ارّان، ۷۰۶ھ میں سلطانیہ اور تبریز جانے کا ذکر کرتے ہیں، سلطانیہ چونکہ پایہ تخت تھا۔ اس لئے وہاں متعدد دفعہ جانا ہوا ہے چنانچہ ایک دفعہ ۷۰۷ھ اور ایک دفعہ ۷۱۶ھ میں وہاں پھر گئے ہیں "کتاب میں آخری حوالہ ۷۲۱ھ کا ملتا ہے، ۷۲۳ھ میں انکی وفات ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری عمر لکھنے ہی میں گذری،

فضلاء عصر علاّمہ موصوف کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے جابجا لکھتے ہیں کہ " فلاں بزرگ بغداد میں وارد ہوئے اور میرے پاس (بغرضِ استفادہ) آئے۔ فلاں بزرگ اکثر میرے پاس آتے جاتے رہتے تھے"۔ اکابر وقت کے نزدیک بھی انکی بڑی عزت تھی۔ چنانچہ اوپر بیان ہوا کہ خواجہ عطا ملک جوینی نے انکو مراغہ سے بلوایا۔ خواجہ نصیر الدین انکو جس شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے وہ اس سے ظاہر ہے کہ غرض مند لوگ ان کے نام سفارشی خطوط ان سے لینے آتے تھے۔ چنانچہ کمال الدین میثم بن علی البحرانی جو اپنے وقت کے مشہور فاضل تھے[1]۔ خواجہ کے نام اپنی کار برآری کے لئے ان سے سفارشی چٹھی مانگنے آئے تھے[2]۔ بعض مقامات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہی دربار میں بھی ان کا کبھی کبھی جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ ۷۱۶ھ میں جب وہ سلطانیہ میں تھے تو لکھتے ہیں کہ سلطان اولجائتو کی خدمت میں میں حاضر ہوا تو فلاں شخص کو دیکھا۔ اس سے پہلے بھی دو ایک جگہ اپنی حاضری دربار کا ذکر کرتے ہیں،

فقہی عقائد میں حنبلی تھے، جیسا کہ شذرات الذہب میں بتصریح مذکور

---

[1] شرح نہج البلاغہ کے مصنف ہیں، [2] " طلب منّی رسالۃ التی کتبتھا الی حضرۃ مولانا السعید نصیر الدین . . . . . "

ہے۔ لیکن شافعیوں کے ساتھ بھی ان کے تعلقات تھے مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ میں تبریز میں کچھ عرصہ شافعیوں کے مدرسہ میں مقیم رہا ایک بزرگ نجم الدین محمد بن ابی المفاخر الخالدی التبریزی الامیر کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ

"کان امیراً زاہداً... محبّاً للعلم والعلماء انشأ مدرسة جمیلة مجاورة جامع تبریز و ابوابها الی الجامع ابواب مفتحة وقفها علی اصحاب الامام الشافعی وسکنها جماعة من الفقهاء المحصّلین وکنت قد رأیتها وسکنتها ایّاماً وانفذ لی کسوة وراتبه علی ید مدرسها اصیل الدین النخجوانی....."

علّامہ ابن الفوطی ادب اور شعر کے بھی ماہر تھے جیسا کہ انکی تصنیف الدرر الناصعة فی شعراء المائة السابعة سے واضح ہے[1]۔ مجمع الآداب میں بھی جہاں جہاں شعراء کا ذکر ہے وہاں انکے کلام میں سے عمدہ اقتباسات دیے ہیں اور جس شاعر سے ملتے ہیں اس سے فرمائش کرتے ہیں کہ اپنے مجموعۂ اشعار میں سے کچھ لکھ کر دو۔ چنانچہ ہر ایک سے کچھ نہ کچھ لکھوایا ہے۔ ادب میں ان کی تعلیم و تربیت کے ذمّہ دار علّامہ موفّق الدین عبدالقاہر بن محمد البغدادی الادیب ہیں جو ان کے والد کے ماموں تھے اور علّامہ ضیاء الدین ابن الاثیر (مشہور مورخ کے بھائی) کے شاگرد تھے، ان سے انھوں نے مقامات حریری کا درس لیا۔ ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں: کان [موفق الدین] من الادباء الأعیان.... قرأ الأدب علی محب الدّین ابی البقاء العکبری.... وسمع الحدیث علی شیخ الشیوخ ضیاء الدین أبی احمد بن سکینه وسافر الی الموصل وقرأ کتاب المثل السائر علی مصنّفه ضیاء الدّین ابن الاثیر.... وهو الذی أشغلنی فی الأدب وربّانی و کان خال والدی وحفّظنی المقامات الحریریّة.... وکان مولده فی شهر ربیع

---

[1] علاوہ اسکے ابن شاکر کا صریح قول بھی موجود ہے (جو اوپر تحریر ہو چکا ہے) کہ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے،

الاول سنۃ ۵۹۳ و استشہد فی الواقعۃ فی المحرم سنۃ ۶۵۶ "

فارسی ادب اور خصوصاً شعر کا مذاق رکھتے تھے۔ ۶۷۲ھ میں جب وہ اپنے علاج کے لئے سراو (آذربیجان) گئے ہیں تو وہاں ایک شخص کریم الدین ابو نصر محمد بن ابراہیم الرئیس نے انکو بعض مشہور فارسی شعراء کے دیوان دئے "... رأیتہ بسراو سنۃ ۶۷۲ وکان قد حصل لی بخدمتہ أنس و حمل الیّ مدۃ اقامتی بسراو دواوین العجم کدیوان المعزّی و دیوان العنصری و دیوان اللامعی[1]"

ایک فارسی شاعر مبارز الدین ملکشاہ الدّیلمی کی تعریف میں لکھتے ہیں: قدم بغداد سنۃ ۷۰۲ و ہو رجل فاضل عالم شاعر [فجئتُ] الی خدمتہ فرأیتہ فصیح الکلام بالفارسیۃ و قد کتب تحفۃ السلطان الأعظم غازان بن ارغون و نظم وقائعہ و أحوالہ بعبارۃ حسنۃ، ہو کتاب نفیس و لہ أشعار ملیحۃ بالفارسیۃ ... "

خاص خاص فارسی شاعروں کا ترجمہ بھی دیا ہے خصوصاً جو ان کے معاصر یا قریب العصر ہیں۔ ان میں سے ایک جند الدین احمد بن محمود بن علی النظامی ہیں جو مولانا نظامی گنجوی کی اولاد میں سے ہیں۔ دوسرے مجد الدین بہزاد البُسوی ہیں جنکے متعلق دلچسپ بات یہ لکھی ہے کہ انہوں نے کتاب شاہنامہ نظم کی[2]: "ملیح النظم بالفارسیۃ أقام ببغداد فی خدمۃ الملک شہاب الدین سلیمانشاہ بن برجم الایوائی نظم کتاب شاہنامہ و ذیّل علیہ و لمّا أُخذت بغداد ... استوطن مراغہ وکان تردّد الی حضرۃ مولانا السّعید نصیر الدین ... توفی بمراغہ سنۃ ۶۶۶ "

---

[1] سراو کے قیام میں اپنے میزبان قاضی محی الدین محمد بن احمد المراغی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مجھے وہ عربی اور فارسی کتابیں مطالعہ کے لئے دیتے تھے: أحضر لی من الکتب العربیّۃ والفارسیّۃ ما کنت استریح الی مطالعتہ "

[2] معلوم نہیں ہوسکا کہ اس شاہنامے کا کیا موضوع تھا،

ایک فارسی شاعر مجد الدین عبداللطیف بن ہبۃ اللہ بن شفروہ الاصفہانی ہیں جنکے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ: " کان شاعراً مجیداً و لہ دیوان بالفارسیۃ یشتمل علی الفنون وسمعت عنہ انہ نظم باللغتین ...." لیکن ان کا ذکر قابل توجہ اسلئے ہے کہ ان کے ہمنام شفروہ اصفہانی جو زیادہ معروف ہیں وہ شرف الدین شفروہ ہیں۔

زیادہ مشہور فارسی شعراء میں کمال الدین اصفہانی اور سعدی کا ذکر ہے۔ لیکن افسوس کہ ان بزرگوں کے متعلق کچھ زیادہ اطلاع نہیں دی گئی۔ زیادہ تاسف سعدی کے بارے میں ہے کہ ان کے ہمعصر اور آشنا تھے۔ اگر کچھ زیادہ لکھتے تو قابل قدر ہوتا اور مستند۔ اول الذکر کا پورا نام کمال الدین ابوالفضل اسماعیل بن عبداللہ بن عبدالرزاق الاصفہانی الادیب الفاضل لکھا ہے اور پھر کہا ہے کہ " احد فضلاء الدہر و نبلاء العصر ممن یضرب بہ المثل فی الفطنۃ والذکاء دیوانہ یشتمل علی عشرین الف بیت من الشعر السائر الفصیح النادر لیس لفضلاء العجم شبیہ و ہو صاحب رسالۃ القوس التی لم یصنف فی فنہا مثلہا ابتدأ فیہا : بسم اللہ الرحمن الرحیم یسألونک عن ذی القرنین قل سأتلو علیکم منہ ذکرا .... وختمہا بأبیات اولہا

من صنعۃ الباری لذی مطلیۃ عجفاء تبصر فی الضلوع عظامہا

و استشہد علی ید التتار باصفہان سنۃ ۶۳۵

سعدی کا پورا نام مصلح الدین ابو محمد بن عبداللہ مشرف بن مصلح بن مشرف المعروف بالسعدی الشیرازی الشاعر العارف دیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ

لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبدالرزاق دجمال الدین اصفہانی) کا پوتا تھا۔ لیکن اور سب تذکروں میں اسکو اسکا بیٹا کہا گیا ہے۔

"کان یعرف بالسعدی نسبۃً الی اتابک سعد بن ابی بکر و کان من الصّوفیۃ العارفین و رزقہ اللہ القول الحسن البدیع فی الالفاظ الفصیحۃ باللّغۃ الدّریّۃ، وکتبتُ الیہ سنۃ ستّین [و ستمایۃ] التمس شیئاً من اشعارہ الّتی قالہا بالعربیّۃ فکتب الیّ ہذہ الابیات:

متی جمع شملی بالحبیب المغاضب	*	وکیف خلاص القلب من [ید سالب][1]
الام رجائی فیہ والبعد [مانعی][1]	*	وکیف اصطباری عنہ والشّو[ق جاذبی][1]
علمت بانّ العبیر اکرم	*	. . . .[2]

فارسی ادبیات کے سلسلے میں مجمع الآداب میں ایک نئی اطلاع ہمیں کتاب کلیلہ و دمنہ کے متعلق یہ ملتی ہے کہ اسکو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنیوالوں میں مجدالدولہ عبدالرشید بن مسعود بن محمود بن سبکتگین غزنوی بھی ہے جسکے متعلق لکھا ہے کہ "کان من اولاد السّلاطین (یعنی مجدالدّولۃ)... صنّف کلیلہ و دمنہ و ترجمہا من اللّغۃ العربیّۃ الی اللّغۃ الفارسیّۃ وشحنہا بالحکایات و الابیات"۔ جہاں تک مجھے علم ہے کلیلہ و دمنہ کے اس فارسی ترجمے کا ذکر فارسی ادب کی تواریخ میں کسی نے نہیں کیا،

مجمع الآداب کے مآخذ

علامہ ابن الفوطی کو اپنی زندگی میں عمدہ اور نایاب کتابوں کے مطالعہ کا جو موقع ملا وہ بہت کم مصنفوں کو ملا ہوگا۔ مراغہ میں جہاں وہ تقریباً بیس برس رہے۔ خواجہ نصیرالدین طوسی کا بیش بہا کتب خانہ ہر وقت اُن کے لئے

---

[1] قلمی نسخے میں حاشیہ کٹ گیا ہے۔ کلیات سعدی سے تکمیل کی گئی ہے،

[2] کلیات میں یہ شعر موجود نہیں ہے،

کھلا تھا - بغداد کی لوٹ میں جو کتابیں وہاں کے نامی کتب خانوں سے جاتی رہیں - ان میں سے بے شمار مراغہ پہنچیں جنکو خواجہ نے خرید کرکے اپنی لائبریری کی زینت بنایا - ابن شاکر نے انکے ترجمے میں لکھا ہے کہ ۴ لاکھ کتابوں کا مجموعہ ان کے کتب خانے میں تھا - مراغہ سے بغداد آنے کے بعد بھی ان کی زندگی کتب خانے ہی کی چار دیواری میں بسر ہوئی - ایسے حالات میں جو ماخذ انکو اپنی تصانیف کے لئے میسر آ سکتے تھے - ان کا اندازہ ہم بخوبی کر سکتے ہیں - ایسے بزرگوں کی تصنیفوں میں جن قدیم اور نایاب کتابوں کے نام ملتے ہیں ان کے دیکھنے کو آج ہماری آنکھیں ترستی ہیں - اسلام کی تاریخ میں ان علمی جواہرات کے خزانوں کی تباہی کا ماتم ایک ایسا ماتم ہے کہ جس سے قوم کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی - ہمارے بزرگوں کے یہ فرزندانِ معنوی اگر مرمٹ چکے تو ان کو دوبارہ زندہ کرنا تو انسانی مقدور سے باہر ہے - تاہم اسبات کو ہم واجب سمجھتے ہیں کہ کم سے کم ان کا نام نہ مٹنے دیا جائے - اگر اور کچھ نہیں تو اتنا تو معلوم ہوگا - کہ ان بزرگوں کی علمی کمائی کتنی تھی اور کیا تھی ؟

میں اسی خیال سے مجمع الآداب کے دوران مطالعہ میں ان تمام کتابوں کے نام جمع کرتا گیا - جنکو اسکے فاضل مصنّف نے بطور ماخذ استعمال کیا ہے - یا اپنے مشاہیر میں سے کسی کی تصنیف بتلایا ہے' ان میں سے بعض ایسی ہیں کہ خوش نصیبی سے آج بھی موجود ہیں اور مطبع نے انکو عام کر دیا ہے - بعض ہیں کہ ان کا موجود ہونا تو معلوم نہیں لیکن ان کے نام دوسری کتابوں میں ملتے ہیں - مثلاً حاجی خلیفہ کے ہاں' لیکن بعض کا نام بھی اور کہیں نہیں ملتا - اور چند ایسی بھی ہیں کہ جن کا خود

نام تک بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف مصنّف کا نام مذکور ہے۔ بہرحال ان سب کتابوں کو ہم حروف تہجی کی ترتیب میں مرتب کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں :-

۱ - اخبار الادباء، لتقی الدین علی بن ابی العلاء بن ابی غالب البلدی، (عدیم الوجود)،

۲ - اخبار وزراء الدولۃ المصریہ فی الایّام القصریہ للوزیر جمال الدین الاکرم القفطی (عدیم الوجود)،

۳ - اخبار الوزراء السلجوقیہ، لنظام الدین محمد بن الحسن (عدیم الوجود)،

۴ - کتاب الاختصاص فی تاریخ الخاص، للقاضی تاج الدین ابی زکریا یحیی بن القاسم بن المفرج التکریتی (عدیم الوجود)،
قاضی تاج الدین کے چچا مجیر الدین احمد بن المفرج التکریتی کا ترجمہ مجمع الآداب میں موجود ہے۔ ۴۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۸۳ھ میں فوت ہوئے۔ کتاب الاختصاص سے علّامہ ابن الفوطی نے بہت استفادہ کیا ہے،

۵ - اخلاق ناصری لنصیر الدین الطوسی (معروف)،

۶ - اخلاق القرّاء (عدیم الوجود)، مصنّف کا پتہ نہیں چل سکا،

۷ - ادب الکاتب - لابن قتیبہ (معروف)

۸ - ادباء الغرباء لابی الفرج علی بن الحسین الاصفہانی، حاجی خلیفہ نے اس کا نام آداب الغرباء بتلایا ہے،

۹ - کتاب الاربعین عن الاربعین لمجد الدین محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی المحدّث [المتوفی ۵۵۵ھ]، دیکھو حاجی خلیفہ (اربعین الطائیہ)،

۱۰ - ارجوزۃ فی النحو - لمنتجب الدین سالم بن احمد بن سالم التمیمی المتوفی فی ذی القعدہ ۶۱۱ھ (عدیم الوجود)،

۱۱ - کتاب الاستظہار فی معرفۃ الدول والاخبار - لقاضی ابی القاسم السمنانی (فقید الوجود)،

۱۲ - کتاب الاستیعاب لابی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری الاندلسی [المتوفی ۴۶۳ھ] (معروف)،

۱۳ - کتاب الاشراف فی عامۃ فرائض الاسلام - للفقیہ محمد بن محمد بن النعمان الحارثی الفقیہ (عدیم الوجود)،

۱۴ - کتاب الاقتفاء المذیل علی طبقات الفقہاء لتاج الدین ابی طالب علی بن انجب بن الساعی البغدادی [المتوفی ۶۷۴ھ] (عدیم الوجود)،
ابن الساعی البغدادی مشہور مصنف ہیں، ابن الفوطی کے شیوخ میں سے تھے،

۱۵ - کتاب الاکمال عن دفع عارض الارتیاب عن الاسماء والکنی والالقاب، للامیر ابی نصر علی بن ماکولا،

۱۶ - کتاب الانتصار عن فضل المتنبی للمتیم محمد بن احمد الافریقی الادیب، (عدیم الوجود)،

۱۷ - انساب قریش لابی عبداللہ مصعب بن عبداللہ الزبیری (عدیم الوجود)،

۱۸ - انموذج الاعیان - لابی الفتوح عبدالسلام بن یوسف الدمشقی، حاجی خلیفہ میں اسکا پورا نام انموذج الزمان فی شعراء الاعیان ۔ دیا ہے،

۱۹ - بدائع البدائہ لعلی بن ظافر الازدی (حاجی خلیفہ: جمال الدین ابوالحسن علی بن ظافر الوزیر الازدی المصری المتوفی ۶۲۳ھ)،

۲۰ - بدائع النظام فی جوامع الاحکام، لأبی الفضائل الحسن بن محمد العدوی الصغانی
الادیب المحدث [المتوفی ۶۵۰ھ]، (عدیم الوجود)،
۲۱ - البرق الشامی لعماد الدین الکاتب الاصفهانی [فی سبع مجلدات]،
بعض جلدوں کے وجود کا علم ہے۔ مگر پوری کتاب مفقود ہے،
۲۲ - بلغۃ الظرفاء فی تاریخ الخلفاء للفقیہ ابی الحسن علی بن محمد بن ابی السرور
بن عبدالعزیز الروحی (عدیم الوجود)،
۲۳ - بیان الخطأ والصواب من احادیث الشہاب، مصنف کا پتہ نہیں چل
سکا،
۲۴ - تاریخ ابن الاثیر (معروف)،
۲۵ - تاریخ للحافظ ابی بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب، تاریخ بغداد سے مراد ہے،
چھپ گئی ہے،
۲۶ - تاریخ للقاضی افضل الدین صنفہ للأمیر نصر الدین مشتکین (کذا)، پتہ نہیں
چل سکا،
۲۷ - تاریخ ابن بشکوال (معروف)،
۲۸ - تاریخ لأبی الحسن [احمد بن محمد] بن الفقیہ بن الہمدانی [المتوفی ۲۸۷ھ
صاحب کتاب البلدان]،
۲۹ - تاریخ للعمید حمزہ بن الاسد التمیمی، چھٹی صدی کی تصنیف ہے، نام کا پتہ
نہیں چل سکا
۳۰ - تاریخ لأبی الحسن بن حنظلہ (نامعلوم)،
۳۱ - تاریخ للنقیب یمین الدین قثم بن طلحۃ الزینبی، غالباً خلفاء عباسی کی تاریخ تھی،
۳۲ - تاریخ للحافظ ابی الحسن محمد بن القطیعی، غالباً ذیل تاریخ بغداد سے مراد ہے،

(حاجی خلیفہ ج ۲ ص ۱۲۰)'

۳۳۔ تاریخ لابی الحسن محمد بن عبد الملک بن الہمدانی ' [المتوفی ۵۲۱ھ] غالباً تکملۂ تاریخ طبری سے مراد ہے جو سال ۴۸۷ھ تک کی تاریخ ہے '

۳۴۔ تاریخ لظہیر الدین ابی الحسن علی بن محمد بن محمود الکازرونی ' ۶۶۹ھ کے بعد لکھی گئی '

۳۵۔ تاریخ لابی الحسین المحسن بن ابی اسحاق بن الصابی ' (مفقود) '

۳۶۔ تاریخ للحافظ محب الدین ابو عبداللہ محمد بن النجار البغدادی [المتوفی ۶۴۳ھ] بغداد ' کوفہ اور مدینہ کی تاریخ تھی ' (مفقود) '

۳۷۔ تاریخ للحافظ جمال الدین ابی عبداللہ محمد بن سعید بن الدبیثی [الواسطی المتوفی ۶۳۷ھ] ' ذیل تاریخ بغداد سے مراد ہے جو انہوں نے علامہ سمعانی کی تاریخ بغداد پر لکھا ' (مفقود) '

۳۸۔ تاریخ لہبتہ اللہ بن شُنیف الکتبی ' ۶۱۳ھ کے بعد لکھی گئی - پتہ نہیں چل سکا '

۳۹۔ تاریخ للرئیس ابو الحسین ہلال بن المحسن بن الصابی ' (معروف لیکن ناپید ہے) '

۴۰۔ تاریخ اربل ' لابی البرکات المبارک بن احمد المستوفی الوزیر [المتوفی ۶۳۷ھ] ' حاجی خلیفہ نے اسکا پورا نام نباہتہ البلد الحامل بمن ورده من الاماثل بتلایا ہے ' چار جلدوں میں تھی '

۴۱۔ تاریخ اصفہان للحافظ ابی نعیم [المتوفی ۴۳۰ھ] ' (معروف) '

۴۲۔ تاریخ بغداد ' لتاج الاسلام ابی سعد السمعانی العلامہ [المتوفی ۵۶۲ھ] ' پندرہ جلدوں میں تھی ' ابن الخطیب کی تاریخ کا ذیل

تھی، (عدیم الوجود)،

۴۳ - تاریخ بیہق - اشرف الدین ابی الحسن علی بن زید بن محمد بن امیرک الانصاری الخزرجی البیہقی (معروف)،

۴۴ - تاریخ جہاں کشای للجوینی (معروف)،

۴۵ - تاریخ حران، لأبی یوسف محاسن بن خلیفۃ الحرانی (عدیم الوجود)، دیکھو الوافی بالوفیات ص ۴۷،

۴۶ - تاریخ حلب، لیحیی بن ابی طی، دیکھو آگے معادن الذہب،

۴۷ - تاریخ خوارزم، لمظہر الدین محمود بن محمد بن ارسلان الخوارزمی المورخ [المتوفی ۵۶۸ھ]، حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ اسی جلدوں میں تھی، اور اسکو شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے مختصر کیا تھا (مفقود)،

۴۸ - تاریخ دمشق، لابن عساکر (معروف)، حاجی خلیفہ نے اسکو بھی اسی جلدوں میں بتایا ہے،

۴۹ - تاریخ دیار بکر - للقاضی احمد بن یوسف الازرق (عدیم الوجود)،

۵۰ - تاریخ الری للوزیر ابی سعد الآبی، الوافی بالوفیات للصفدی (ص ۴۸) میں مصنف کا نام ابو منصور الآبی دیا ہے،

۵۱ - تاریخ السلمی، من کتب الصوفیہ (معروف)،

۵۲ - تاریخ الشام - لحمزہ بن اسد التمیمی (نا معلوم)،

۵۳ - تاریخ طبری، معروف

۵۴ - تاریخ قہستان، للادیب جمال الدین القہستانی (عدیم الوجود)،

۵۵ - تاریخ میا فارقین، للقاضی ابن الازرق [الفارقی] (مفقود)،

۵۶ - تاریخ نیسابور ، للحاکم ابی عبداللہ [محمد بن الحاکم النیسابوری المتوفی ۴۰۵ھ و ہو کبیر] ، (مفقود) ،

۵۷ - تاریخ ہراۃ ، للشیخ ابی النضر الفامی ، دیکھو الوافی بالوفیات ، (مفقود) ،

۵۸ - تبصرۃ المتذکر و تذکرۃ المتبصر ، لموفق الدین احمد بن یوسف الشیبانی المفسر المتوفی ۶۸۰ھ فی التفسیر ، موفق الدین احمد بن یوسف اپنے زمانے کے نامی فاضل تھے ۔ شمس الدین جوینی صاحب دیوان کے استاد تھے اور خود علامہ ابن الفوطی بھی ان کے شاگرد تھے ۔ انکا ترجمہ مجمع الآداب میں دیا ہے ،

۵۹ - تبیین الغموض فی علم العروض ، لابی ابراہیم عیسی بن المعلی الرافقی النحوی المتوفی ۶۰۵ھ ، (عدیم الوجود) ،

۶۰ - تتمۃ الیتیمہ ، للثعالبی ، یتیمۃ الدہر کا تتمہ ہے اور مشہور ہے ،

۶۱ - تجارب الامم ، لابن مسکویہ ، (معروف) ،

۶۲ - تحفۃ الکبراء ، لکمال الدین ابی بکر المبارک بن حمدان بن الشعار الموصلی المتوفی ۶۵۴ھ) ، (مفقود) ،

۶۳ - تحفۃ المجالس و غبطۃ المؤانس للرافقی مؤلف کتاب تبیین الغموض (دیکھو اوپر ۵۹) ، الّفہ للملک الظاہر بن الملک الناصر یوسف بن ایوب ، موضوع کا پتہ نہیں چل سکا ،

۶۴ - تحفۃ الوزراء لابن الشعار ، دیکھو آگے ذیل کتاب معجم المرزبانی ،

۶۵ - تذکرۃ [الشعراء ؟] ، لکمال الدین اسمعیل بن محمد السمنانی الادیب ، " و ہو تذکرۃ جمعہا مدۃ عمرہ رأیتہا و کتبت منہا " (عدیم الوجود) ،

۶۶ - تذکرۃ [الشعراء] للقاضی الارشد عمارۃ الیمنی [المتوفی ۵۶۹ھ ، صنفہ فی شعراء عصرہ] ، (مفقود) ،

۶۷ - تذکرۃ الادب لاہل النسب - لابی المظفر محمد بن احمد الابیوردی ' (عدیم الوجود) '

۶۸ - کتاب التذکرۃ الفخریہ ' للشیخ بہاء الدین ابی الحسن علی بن عیسی بن ابی الفتح لاربلی ' (عدیم الوجود) '
ادباء کا تذکرہ معلوم ہوتا ہے - مصنف ابن الفوطی کا معاصر تھا - اس کو "شیخنا" لکھتے ہیں '

۶۹ - تشریف اہل الاعاصر بمرویات الامام الناصر ' لعبید اللہ بن المبارک السیبی ' (نامعلوم) '

۷۰ - تعلۃ المشتاق الی ساکنی العراق ' للمنتجب علی بن محمد بن ارسلان المروزی المتوفی ۵۳۶ھ ' (مفقود) '

۷۱ - تقیید الاسناد عن شیوخ مدینۃ السلام بغداد ' لکمال الدین احمد بن ابی الفضائل الدخمیسی المحدث ' مصنف کا معاصر ' (عدیم الوجود) '

۷۲ - کتاب التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید [للحافظ ابی بکر محمد بن عبد الغنی المعروف بابن نقطۃ الحنبلی المتوفی ۶۲۹ھ) ' دیکھو بروکلمن ج ۱ ص ۳۵۸ '

۷۳ - التوضیحات الرشیدیہ للوزیر رشید الدین فضل اللہ ' دیکھو بروکلمن ج ۲ ص ۲۰۰ '

۷۴ - ثمار القلوب ' للثعالبی (معروف) '

۷۵ - جامع الاصول فی احادیث الرسول لمجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر المحدث المتوفی ۶۰۶ھ ' مشہور ہے '

۷۶ - جامع التواریخ لرشید الدین فضل اللہ (معروف) '

۷۷ - جامع الفضائل للقاضی ابی طاہر احمد بن ابی القاسم، جمع فیہ فضائل الخصال المتنائرۃ ابتداً فیہ یذکر فضل اللہ عزّ وجل، (مفقود)،

۷۸ - کتاب الجامع الشافی فی شرح الکافی فی معرفۃ القوافی للآفقی مولف کتاب تبیین الغموض (دیکھو اوپر)،
الکافی فی علم القوافی الخطیب التبریزی المتوفی ۵۰۲ھ کی تصنیف ہے (دیکھو بروکلمن ج ۱ ص ۲۷۹)،

۷۹ - کتاب الجمع المبارک والنفع المشارک للحافظ صائن الدین ابی رشید بن الغزال الاصبہانی، (عدیم الوجود)،

۸۰ - جمہرۃ الانساب (یا جمہرۃ النسب) لہشام بن محمد بن السائب الکلبی، (معروف)،

۸۱ - جنان الجنان و ریاض الاذہان للرشید بن الزبیر الاسوانی [فی شعراء مصر]، حاجی خلیفہ نے مصنف کا نام ابوالحسین احمد بن علی الزبیری المتوفی ۵۶۳ھ دیا ہے، اور بتلایا ہے کہ ۵۵۸ھ میں تصنیف ہوئی اور یتیمۃ الدہر کا ذیل تھی، (مفقود)،

۸۲ - جوامع الفقر و لوامع الفکر، فی شرح کتاب الیمینی للعتبی، لمجد الدین فضل اللہ بن عبد الحمید الکرمانی، (عدیم الوجود)،

۸۳ - حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی، چھپ گئی ہے،

۸۴ - حلیۃ السرتین من خواص الدنیسریین، للشیخ عمر بن الخضر بن اللمش بن الدزمش، دیکھو بروکلمن ج ۱ ص ۳۲۳،

۸۵ - کتاب الحنین الی الاحباب والاوطان، للموفق ابی محمد عیسی بن سلیمان الرُندی الادیب المتوفی ۶۳۰ھ، (عدیم الوجود)،

۸۶ - خریدة القصر لعماد الدین الکاتب الاصفہانی (معروف)،

۸۷ - درّ السحابہ فی وفیات الصحابہ، لابی الفضائل الحسن بن محمد العدوی الصغانی الادیب المحدث المتوفی ۶۵۰ھ، (بروکلمن ج ۱ ص ۳۶۱)،

۸۸ - الدرر الخطیرة للشیخ ابی الحسن علی بن جعفر بن القطّاع الصقلی، (عدیم الوجود)،

۸۹ - الدراری فی ذکر الذراری، لکمال الدین عمر بن احمد العقیلی الحلبی المتولد ۵۸۸ھ [والمتوفی ۶۶۰ھ]، "صنّفہ للملک الظاہر غازی حین وُلد ولدہ الملک العزیز" (حاجی خلیفہ)،

۹۰ - دمیة القصر للباخرزی،

۹۱ - کتاب الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ لأبی الحسن علی بن القطاع [المتوفی ۵۱۵ھ]،

۹۲ - ذیل الخریدہ وسیل الجریدہ لعماد الدین الکاتب الاصفہانی، (مفقود)،

۹۳ - الذیل علی کتاب الاکمال لابن ماکولا لابن نقطة البغدادی، ابن ماکولا کی کتاب الاکمال خطیب بغدادی کی کتاب المختلف والمؤتلف فی اسماء الرجال کا ذیل ہے، ابن نقطہ کی دوسری تصنیف دیکھو اوپر ۴۲،

۹۴ - ذیل کتاب معجم المرزبانی، لکمال الدین المبارک بن ابی بکر بن حمدان یعرف بابن الشعار الموصلی الادیب المورّخ، المتوفی ۶۵۴ھ، معجم المرزبانی سے مراد معجم الشعراء للشیخ ابی عبداللہ محمد بن عمران بن موسی المرزبانی المتوفی ۳۸۴ھ، ذیل معجم المرزبانی کا دوسرا نام تحفة الوزراء ہے (دیکھو اوپر ۶۴)، (مفقود)، ابن الشعار کی تصانیف سے ابن الفوطی سے بہت استفادہ کیا ہے،

۹۵ - رسالۃ فی نوادر الفوائد' للکافی علی بن حماد الموصلی الادیب' "رأیتہا فی خزانۃ مولانا نصیر الدین ابی جعفر الطوسی بمراغۃ ۶۶۵ھ" (مفقود)'
۹۶ - رسالۃ فی وصف المنازل والبلاد من الموصل الی قراقرم لنور (معزّ؟) الدین علی بن عثمان (عدیم الوجود)'
۹۷ - رسالۃ القشیری (معروف)'
۹۸ - الرسالۃ المقنعہ فی شرائع الاسلام' للمفید ابی عبداللہ محمد بن النعمان البغدادی المتوفی ۴۱۳ھ]' (بروکلمن ج ۱ ص ۱۸۸) دیکھو آگے کتاب نہج البیان'
۹۹ - الروض الناعتہ فی ... الامام الناصر' علی بن انجب بن الساعی البغدادی المتوفی ۶۷۴ھ - ... شیوخ ابن الفوطی' (عدیم الوجود)'
۱۰۰ - روضۃ افہام اولی الالباب فی شرح معانی کتاب الشہاب للشیخ محمد بن عبداللہ بن ... العامری الواعظ' (نایاب)'
۱۰۱ - الزہر الموفق فی اشعار اہل المشرق' لکمال الدین ابراہیم بن ابی علی الاصفہانی الصوفی' (عدیم الوجود)'
۱۰۲ - زینۃ الدہر فی محاسن شعراء العصر [لأبی المعالی سعد بن علی المعروف بالوراق الخطیری المتوفی ۵۶۸ھ] دمیۃ القصر کا ذیل ہے' (نایاب)'
۱۰۳ - سلوۃ الاحزان للشیخ ابی بکر المبارک بن کامل بن ابی غالب الخفاف' (عدیم الوجود)'
۱۰۴ - سیاق التاریخ لنیسابور' لعبد الغافر بن اسمٰعیل الفارسی [سیاق فی تاریخ نیسابور' فرغ منہ فی اواخر ۵۱۸ھ و توفی ۵۲۷ھ - حاجی خلیفہ] (نایاب)'

۱۰۵ - سیرۃ الشیخ سیف الدین الباخرزی، للشیخ منہاج الدین ابی محمد النسفی،
(نایاب)،

۱۰۶ - السیرۃ العباسیہ - مصنف کا پتہ نہیں چل سکا،

۱۰۷ - کتاب الشافی فی شرح مسند الشافعی، لمجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر المتوفی سنہ ۶۰۶ھ، [فی خمس مجلدات — حاجی خلیفہ]،

۱۰۸ - شرح السنۃ للفراء البغوی [المتوفی سنہ ۵۱۶ھ]، (معروف)،

۱۰۹ - کتاب شرح المتعہ، للمفید محمد بن محمد بن النعمان الحارثی الفقیہ، وہو مؤلف نہج البیان (نایاب)،

۱۱۰ - شرح نہج البلاغۃ من کلام امیر المؤمنین لکمال الدین میثم بن میثم البحرانی [فرغ من تلخیصہ و اختصارہ فی آخر شوال سنہ ۶۸۱ھ - حاجی خلیفہ]، (نایاب)،

۱۱۱ - کتاب شعار الندماء و مفاکہۃ الخلعاء للمتیم محمد بن احمد الافریقی الادیب، (نایاب)،

۱۱۲ - شفاء الغلۃ من شعر شعراء الحلہ، للشیخ مہذب الدین ابی الثنا محمود بن یحیی الشیبانی الحلی، (عدیم الوجود)،

۱۱۳ - صناعۃ الشعراء و بضاعۃ الندماء، لأبی النجم ہبۃ اللہ بن محمد الاصفہانی، (عدیم الوجود)،

۱۱۴ - صناعۃ الکلام لأبی زید البلخی، (عدیم الوجود)،

۱۱۵ - صنوان الروایہ و قنوان الدرایہ للحافظ عماد الدین ابی طاہر عبد السلام بن الربیع الشیرازی، (عدیم الوجود)،

۱۱۶ - ضوء الصباح فی الحث علی السماح لکمال الدین عمر بن احمد العقیلی الحلبی

المتولد ۵۸۸ھ و المتوفی ۶۶۰ھ، صنفه للملک الاشرف] (نایاب)

۱۱۷ - طبقات ابن سعد،

۱۱۸ - طبقات الفقہاء، للشیخ تاج الدین ابی طالب علی بن انجب الساعی،

(عدیم الوجود)،

۱۱۹ - طبقات المحدثین باصفہان لابی الشیخ بن حیان الاصفہانی، (نایاب)،

۱۲۰ - کتاب الطرف الحسان من اعیان الآن، لجمال الدین ابی الفضل بن مہنا

العبیدلی (نایاب)،

۱۲۱ - کتاب العباب الزاخر، لابی الفضائل الحسن بن محمد العدوی الصغانی الادیب

المحدث المتوفی ۶۵۰ھ، [حاجی خلیفہ: العباب الزاخر فی اللغة فی عشرین

مجلداً]، مصنف اسکو نامکمل چھوڑ مرا تھا، دیکھو بروکلمن ج ۱ ص ۳۶۱،

۱۲۲ - عقود الجمان [فی شعراء الزمان] لابن الشعار الموصلی المتوفی ۶۵۵ھ،

(عدیم الوجود)،

۱۲۳ - عنوان السیر، لابن الہمدانی [ہو ابوالحسن محمد بن عبد الملک الہمدانی المتوفی

۵۲۱ھ]، (نایاب)،

۱۲۴ - عوارف المعارف للسہروردی، (معروف)،

۱۲۵ - غرر الدرر فی صفات سید البشر، لکمال الدین حیدر بن محمد العلوی الموصلی

المتوفی ۶۳۴ھ (عدیم الوجود)،

۱۲۶ - الفرج بعد الشدة لابن ابی الدنیا، (دیکھو بروکلمن ج ۱ ص ۱۵۳)،

۱۲۷ - فرحة الانفس [فی فضلاء العصر من اہل الاندلس]، لمحمد بن غالب بن ایوب

الغرناطی، (عدیم الوجود)،

۱۲۸ - فلک المعانی للشریف ابی یعلی بن الہباریہ [المتوفی ۵۰۹ھ]، صنفه

للوزیر ابی نصر سعید بن الموئل و رتب علی اثنی عشر باباً علی ترتیب البروج
... حاجی خلیفہ]

۱۲۹ - القلائد الدرّیہ فی المدائح المستعصمیہ ، للشیخ تاج الدین علی بن انجب بن الساعی البغدادی ، ہو من شیوخ ابن الفوطی ، (عدیم الوجود)،

۱۳۰ - قلائد العقیان ، لابن خاقان ، (معروف)،

۱۳۱ - قوت القلوب [فی معاملۃ المحبوب] فی التصوف لابی طالب المکی [المتوفی ۳۸۶ھ] ، (معروف)،

۱۳۲ - کتاب اصفہان ، لحمزہ بن الحسین ، (نایاب)،

۱۳۳ - کتاب الالقاب ، لابی الفضل محمد بن طاہر المقدسی ، (نایاب)،

۱۳۴ - کتاب الالقاب - للفقیہ ابی یحیی زکریا بن احمد النسابہ (نایاب)،

۱۳۵ - کتاب الامثال و الحکم من کلام امیر المومنین ، للجاحظ ، رتبہ علی حروف المعجم اولہ : " اذا قدم الاخاء سمج الثناء ...." (نایاب)،

۱۳۶ - کتاب امراء المدینہ ، لابی زید عمر بن شبہ النمیری [المتوفی ۲۶۲ھ] ، (بروکلمن ج ۱ ص ۱۳۷)،

۱۳۷ - کتاب انساب قریش - دیکھو اوپر ۱۷ ،

۱۳۸ - کتاب الانساب ، لابی عبید القسم بن سلام [الہروی المتوفی ۲۲۳ھ] ، (نایاب)،

۱۳۹ - کتاب الانساب - للزبیر بن بکار [القرشی المتوفی ۲۵۶ھ] ،

۱۴۰ - کتاب الاوراق ، للصولی ، (معروف)،

۱۴۱ - کتاب التہذیب ، للامام الفراء البغوی ، حاجی خلیفہ نے اسکا نام تہذیب فی الفروع دیا ہے ، (بروکلمن ج ۱ ص ۳۶۴)،

۱۴۲- کتاب الجلیس [حاجی خلیفہ: الجلیس الصالح الکافی والانیس الناصح الشافی] للقاضی ابی الفرج المعافا بن زکریا النهروانی [المتوفی سنہ ۳۹۰ھ] (بروکلمن ج ۱ ص ۱۸۴)۔

۱۴۳- الکتاب العباسی فی اخبار المنصور، للامام القادر باللہ۔ (عدیم الوجود)۔

۱۴۴- کتاب فی انساب الیمن، للقاضی الا... عمارۃ الیمنی (معروف)۔

۱۴۵- کتاب فی القاب الشعراء، لمجد الدین اسعد بن ابراہیم الاربلی الکاتب المتوفی سنہ ۶۵۷ھ۔

۱۴۶- کتاب فی الخط و علومہ، لکمال الدین عمر بن احمد العقیلی الحلبی المتولد سنہ ۵۸۸ھ [والمتوفی سنہ ۶۶۰ھ] (نامعلوم)۔

۱۴۷- کتاب فی صفات الاشجار والانوار والازہار والاثمار، لکریم الدین ہبۃ اللہ بن عبداللہ الواسطی قاضی الصینیہ (عدیم الوجود)۔

۱۴۸- کتاب فی صناعۃ الشعر، لمنتجب الدین سالم بن احمد التمیمی الادیب العروضی المتوفی سنہ ۶۱۱ھ (عدیم الوجود)۔

۱۴۹- کشف النقاب عن الاسماء والالقاب، لابن الجوزی (عدیم الوجود)۔

۱۵۰- کلیلہ و دمنہ، لمجد الدولہ عبدالرشید بن مسعود بن محمود غزنوی (دیکھو اوپر ص ۲۲)۔

۱۵۱- لطائف المعارف، للثعالبی (معروف)۔

۱۵۲- لطائف المعانی لشعراء زمانی لابن الساعی البغدادی المتوفی سنہ ۶۷۴ھ، ابن الساعی کا ذکر اوپر بہت جگہ آیا ہے، ابن الفوطی کے شیوخ میں سے تھے، (عدیم الوجود)۔

۱۵۳- کتاب المبہج للثعالبی، [الفہ للامیر شمس المعالی قابوس]۔

۱۵۴- المثل السائر [فی آداب الکاتب والشاعر] لضیاء الدین ابن الاثیر المتوفی

سنہ ۶۳۷ھ، چھپ گئی ہے،

۱۵۵۔ مجمع البحرین [وملتقی النہرین فی فروع الحنفیہ] لمظفر الدین احمد بن علی بن الساعاتی التغلبی البعلبکی [المتوفی سنہ ۶۹۴ھ] ، (بروکلمن ج ۱ ص ۳۸۳)،

۱۵۶۔ مجمع البحرین [فی اللغۃ] لابی الفضائل الحسن بن محمد العدوی الصغانی الادیب المحدث المتوفی سنہ ۶۵۰ھ، بارہ جلدوں میں تھی، (بروکلمن ج ۱ ص ۳۶۱)،

۱۵۷۔ مجموع فی الامثال والاخبار، لکمال الدین ابراہیم بن عبدالرحمن البغدادی الادیب المتوفی سنہ ۶۲۶ھ،

۱۵۸۔ مختصر احکام النساء فی شرائع الدین للحارثی، دیکھو نہج البیان، (ناپید)،

۱۵۹۔ کتاب المذاکرۃ فی القاب الشعراء، لشیخنا مجد الدین اسعد بن ابراہیم النشابی الاربلی، (عدیم الوجود)،

۱۶۰۔ المذیل علی تاریخ والدہ لغرس النعمۃ محمد بن الرئیس ابی الحسین بن الصابی [المتوفی سنہ ۴۸۰ھ]،

۱۶۱۔ المذیل علی تاریخ السمعانی، سمعانی کی تاریخ بغداد (دیکھو اوپر ع ۴۲) کا ذیل، للحافظ جمال الدین محمد بن سعید بن الدبیثی، دیکھو اوپر ع ۳۷،

۱۶۲۔ مشارق الانوار [النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویہ] جمع فیہ من الاحادیث الصحاح، للصغانی المتوفی سنہ ۶۵۰ھ، (دیکھو اوپر ع ۱۵۶)،

۱۶۳۔ المشجر، لجمال الدین ابی الفضل احمد بن محمد بن المہنا العبیدلی (ہو مؤلف الطرف الحسان دیکھو اوپر ع ۱۲۰)،

۱۶۴۔ مشکل القرآن للامام الفراء البغوی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ (نایاب)،

۱۶۵۔ مصابیح السنۃ، للبغوی، (معروف)،

۱۶۶۔ مصباح التہجد فی عمل السنۃ، مصنف کا پتہ نہیں چل سکا،

۱۶۷ - کتاب المطرب فی اشعار اہل المغرب، لابن دحیۃ الکلبی الاندلسی، (بروکلمن ج ۱ ص ۳۱۰)،

۱۶۸ - معاتبۃ النفس و مناجاۃ الحق، لمحمد بن عبد الملک الاستانی، (نایاب)،

۱۶۹ - معادن الذہب فی تاریخ حلب، لیحیی بن حمید الحلبی، [المتوفی ۶۳۰ھ و ہو تاریخ کبیر]، (نایاب)،

۱۷۰ - کتاب المعارف، لابن قتیبہ،

۱۷۱ - معالم التنزیل، للامام الفراء البغوی،

۱۷۲ - معجم الادباء، لیاقوت،

۱۷۳ - معجم البلدان، لیاقوت،

۱۷۴ - معجم السفر للحافظ ابی طاہر احمد بن محمد السلفی الاصفہانی، علامہ ابن الفوطی نے اس کتاب کا بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ لیکن ہمیں اسکا کہیں کھوج نہیں مل سکا۔ انکے زمانے کے قریب کی تصنیف ہے،

۱۷۵ - معجم الشعراء لیاقوت، (عدیم الوجود)،

۱۷۶ - معجم شیوخہ، للشیخ صدر الدین ابی الجامع ابراہیم بن سعد الدین محمد بن المؤید الحموینی الجوینی، (عدیم الوجود)،

۱۷۷ - معرفۃ الالقاب للمقدسی، (نامعلوم)،

۱۷۸ - کتاب معرفۃ الصحابہ لابی نعیم الاصفہانی (نایاب)،

۱۷۹ - کتاب المعونۃ فی النحو للرافقی النحوی مؤلف کتاب تبیین الغموض (ع ۵۵)

۱۸۰ - مفاتح الغیب یعنی تفسیر کبیر امام رازی،

۱۸۱ - مقاتل الفرسان لابی عبیدہ معمر بن المثنی، [البصری المتوفی ۲۱۱ھ]، (نایاب)،

۱۸۲۔ مقامات حریری،

۱۸۳۔ المقترح فی المصطلح (فی علم البندق وطرائقه) لکمال الدین محمد بن اسماعیل ابن حاوی الفقیه، (عدیم الوجود)،

۱۸۴۔ منارالتاریخ لابی الحسن علی بن سنقر (عدیم الوجود)،

۱۸۵۔ المنتخب من لغة العرب، للرافقی النحوی، مؤلف کتاب تبیین الغموض (۵۹ء)،

۱۸۶۔ المنتظم لابن الجوزی، (معروف)،

۱۸۷۔ منتہی الافہام فی ادراک اسرار الاحکام فی شرح الوجیز، لکمال الدین اسمٰعیل بن محمد الساوی الفقیہ العلامہ۔ الوجیز فی الفروع امام غزالی کی تصنیف ہے۔ انکی یہ شرح ستر جلدوں میں لکھی گئی،

۱۸۸۔ المنہاج [منہاج البیان لابن جزلہ]، معروف، ابن جزلہ نصیرالدین طوسی کے شاگردوں میں سے تھے،

۱۸۹۔ منہاج الطالبین فی معرفة نقباء العباسیین، مصنف کا پتہ نہیں چل سکا،

۱۹۰۔ کتاب المؤتلف و المختلف من اسماء الشعراء لابی القاسم الحسن بن بشر بن یحیی الآمدی [المتوفی ۳۷۰ھ]، (نایاب)،

۱۹۱۔ النبذہ فی مناقب اہل البیت، لموفق الدین احمد بن محمد البغدادی الفقیہ، (نایاب)،

۱۹۲۔ نزہتہ الابصار فی معرفة النقباء الاطہار، لابن الساعی البغدادی المتوفی ۶۷۴ھ، (نایاب)،

۱۹۳۔ کتاب النسب لمحمد بن حبیب، حاجی خلیفہ نے انکی ایک اور تصنیف

کتاب القبائل والایام الکبیر لمحمد بن حبیب المتوفی ۲۴۵ھ کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۹۴ - کتاب النصح العام للخاص والعالم لمجد الدین علی بن نصر اللہ الحلبی الادیب "کتاب فی فضل الجہاد صنّفہ لنور الدین ابی القسم محمود بن زنگی" (معدوم الوجود)۔

۱۹۵ - نظم الدرر الناصعة فی شعراء المائة السابعة، علامہ ابن الفوطی کی اپنی تصنیف ہے۔

۱۹۶ - النہایہ فی شرح غریب الحدیث لمجد الدین ابن الاثیر، مشہور ہے اور چھپ چکی ہے۔

۱۹۷ - النہایہ فی الفقہ، مصنف نا معلوم۔

۱۹۸ - نہایة الادراک فی درایة الافلاک (فی الہیئة) للعلامہ قطب الدین الشیرازی المتوفی ۷۱۰ھ صنّفہ لمجیر الدین امیر شاہ نائب السلطنة بالروم (معروف) قطب الدین شیرازی نصیر الدین طوسی کے شاگرد تھے۔

۱۹۹ - نہج البیان فی حقیقة الایمان، للمفید محمد بن محمد بن النعمان الحارثی الفقیہ (معدوم الوجود)

۲۰۰ - وجوہ القضایا والاحکام، للحارثی الفقیہ مؤلف نہج البیان (نمبر ۱۹۹)، (نایاب)۔

۲۰۱ - کتاب الوزراء للصابی، معروف۔

۲۰۲ - کتاب الوزراء لعماد الدین الکاتب الاصفہانی (نایاب)۔

۲۰۳ - کتاب الوزراء الزوراء لجمال الدین ابی الفضل احمد بن محمد المہنا العبیدلی مؤلف المشجر (نمبر ۱۶۳)، (نایاب)۔

۲۰۴ - کتاب الوزراء المصریہ فی الدولة القصریہ (دیکھو اوپر نمبر ۲)۔

۲۰۵ - وشاح دمیة القصر لابی الحسن البیہقی، دمیة القصر کا ذیل ہے، (نایاب)۔

۲۰۶ - یتیمة الدہر للثعالبی۔

(محمد اقبال)

صلائی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۵ء)

گوبند پٹیل کی ہجو

صلائی اور اس کے معاملات میں جس شخص نے سب سے زیادہ دلچسپی لی ہے وہ میرزا ابوالقاسم (محی الدین) صدر گجرات ہے۔ جس کی مدح میں شاعر نے کم از کم دس قصیدے یادگار چھوڑے ہیں۔ بدقسمتی سے میں میرزا کے حالات معلوم نہ کرسکا میرزا کی وساطت سے صلائی کا معروضہ جہانگیر کی خدمت میں پہنچتا ہے جس میں شاعر درخواست گذار ہے ؎

انعام وظیفہ ام ز لطفش — بے منت عاملان مقرر
چندانکہ ز نفع حاصل آن — گردم ز توانگران توانگر
خواہم دیہے کہ سازم آنرا — معمور و خورم ز حاصلش بر

بادشاہ اسکو سو بیگہ زمین کھمبایت میں عنایت کر دیتے ہیں۔ شاہی حکم لے کر صلائی کھمبایت آیا۔ حاکم بندر نے اسی وقت زمین ناپنے اور چک بندی کا حکم دیا۔ لیکن گوبند نے جو شہر کا پٹیل تھا اور جسکا فرض زمین ناپنا تھا شاعر کو تازہ ولایت سمجھ کر کچھ افتادہ اور کچھ اونچی نیچی زمین بنا کر ٹالنا چاہا مگر صلائی ٹلنے والی اسامی نہیں تھا اسکا اصرار تھا کہ مزروع زمین دی جائے جیسا کہ شاہی حکم میں درج ہے۔ گوبند نے 'میر جیو' کو جیسا کہ وہ ہمارے شاعر کو کہا کرتا تھا سمجھانے کی کوشش کی کہ میر جیو اس سال تو خیر پار سال آپ دیکھینگے۔

کہ اس زمین میں بے حساب پیداوار ہوگی لیکن میر جیو بھلا ان فقروں میں کب آنے والے تھے۔ وہ یہی سمجھے کہ یہ ہندو مجھے الو بنا رہا ہے۔ چنانچہ طیش میں آکر میر جیو نے پنڈت موصوف کے مزاج درست کرنے کی غرض سے قصیدہ ذیل نظم کیا :

شہے ست بندہ را شنوا ے معدلت شعار　　از قبح فعل رابست بر گشتہ روزگار

بخشش ز حکم شاہ جہانگیر میرسے　　کو را بجز تقلب و تکذیب نیست کار

نواب مستطاب فریدون فر از عطا　　وادم وظیفۂ صلۂ مدح شہریار

صد بیگہ بہ بندر کمبایتم زمین　　مزروع او فتادہ برابر گہ شمار

آن حکم را چو حاکم بندر گرفت و خواند　　کرد انقیاد و رسم مراعات اختیار

ترمود زود رفتہ و پیمودہ بستہ چک　　آن تن وہندے خلل و نقص و انکسار

ناپاک طینتے ز ادا مین سفلہ طبع　　کو را بجز ورک نبود مامن و قرار

بدبخت کلمہج منشئے بے دیانتے　　کو راست پیشہ قلبی و ناراستی شعار

از مال واجبی شہ آن دزد مے برد　　ہر سال روپیہ بہ عدد پنج و شش ہزار

ہژدہ ہزار روپیہ را بے زیاد و کم　　تنخواہ از رعیت بندر گرفتہ پار

جمع خزانہ یازدہ و چار صد نمود　　باقی بہ قبض اوست درین ہیچ شک میار

گر شاہدے ز من طلبند اندرین سخن　　پرسید از آن گروہ کہ ہستندش از تبار

زان پس ایدہ کہ ون دکذا بق ہمی خورند　　بر قتل اوستادہ بہ یک پاے برقطار

گوبند نام دارد و باشد پٹیل شہر　　این وزد بے ملاحظہ وین قلب نابکار

زین طرفہ تر بگویمش از حال شمۂ　　گوش شنو بہ سوی من مستمند وار

زرعے کہ آن ایمہ وظائف گرفتہ اند　　از لطف شاہ و جود خوانین نامدار

جز من بہ جملہ دادہ زمین ہای عین را　　اما نہ می ہلد کہ کنندی بران گذار

یک روپیہ اجارۂ ہر بیگۂ دہد　　وز زارعان کشت ستاند سہ و چہار

اول زمین حضرت قاضی شہر را … بینند چون گرفتہ و دادہ بہ کشتکار

با حاکم آن کنند کہ ازین پیش گفتہ شد … با قاضی اینکہ عرض نمودم باختصار

چون من بفکر زرع خودم می نمیدہد … جاے بہ من کہ گل دمد آنجا ورای خار

ہر جا کہ شورہ بوم بود یا طلے زریگ … گوید صلائیا برو آنجا تو نیل کار

امثال اگر ثمر ندہد سال دیگر این … چندان بر آورد کہ ندانی حساب پار

در ضمن ریشخند چنین گویدم کہ میر … ہمکاں سار کرتہ دایم بلی جہار (کذا)

میر جیو خدا کسوں کہ تو دیواں کو کہتہ جا … اس برس دن تہی موہ گو بند کوں اوار

این قلتبان زن بکرا می کند خیال … کز وی خورم فریب بہ این گفت واین گذار

ای اہل درک جرم نیست ار بیان کنم … قبح فعال این ہجو دزد و نابکار

تا خانہ اش خراب کند عدل بیدرنگ … زانسان کہ کس نہ بیند اثر زان بروزگار

اظہار میکنم سخنی گرچہ می کشند … نقصان ایمہ ہم چو برافروزم این شرار

این قلتبان مرتد بدبخت روسیاہ … کآزاردم عبث کشم ازوی کنون دمار

آمد زمان آنکہ بہ قتلش بر آورم … بی دہشتا نہ من زمیان تیغ آبدار

قتلش سزاست زانکہ بہ اہل سخن کند … این قسم بے ملاحظہ تمہید گیرودار

حقا کہ گر ضرور نبودی نکردمے … آزار طبع و رنجہ نمی کردمی خکار

لعنت بران خسیس کہ از مال دیگری … خواہد کند مضائقہ چون لہوہ ہرزہ کار

یاران زروی لطف بہ این ابتر سفیہ … گویند نکتۂ کہ ازین شیوہ شرم دار

ورنہ فغان بہ درگہ شاہ جہان برم … فرخندہ ارجمند جہانگیر شہریار

پس آنچہ کردہ است درین ملک بیحساب … تقریر آن کند قلمم رہن انتشار

اول زمین فوتی آن مقرئی کہ او … کردہ باسم سامی او محضر استوار

محصول آن زمین بہ شراکت کنند صرف … با وارثان آن حیل اندوز مردہ پار

ز افعال دیگرش چو کنم شمۂ بیان واجب بہ قتل باشد ولائق بہ لعنت و نار
این وزد بے ملاحظہ را ہیچ شرم نیست از قبح فعل خویش بر اہل اعتبار
خواہم کہ عدل حضرت نواب سازدش سراز بدن جدا و تن آویزدش ز دار
تا خاصیان دہر بگیرند عبرتی زو در فضای عرصۂ این نیلگون حصار
خواہم کہ عنقریب بر آرند از و کمین مستحفظان ملک جہانگیر شہ دمار
وانگہ ز بہر تجزیۂ دیگران برند مالش بہ لوت زادہ و پسرش سوی تتار

گوبند نے جب یہ تجاویز اپنے لئے شاہ سخن کی عدالت سے سنی ہونگی تو خدا جانے اسکی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ لیکن ہم جو حضرت آغا کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہیں جانتے ہیں کہ اس تمام آتش باری قتل وکشت و دارو گیر سے حضرت میر جیو کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ پٹیل موصوف ذرا رعب میں آ کر ان کی حسب منشا کام کر دے۔ جہانگیر کے پاس جانا اور گوبند کی قلعی کھولنا تو محض گیدڑ بھبکی ہے۔ مراد صرف اتنی ہے کہ لوگ اسے سمجھا دیں جو اس شعر سے صاف مترشح ہے ؎

یاران ز روی لطف باین ابتر سفینہ گویند نکتۂ کہ ازین شیوہ شرم دار

اور ہمیں قطعی یقین ہے کہ حضرت آغا کا جادو ضرور کارگر ثابت ہوا ہوگا اور گوبند مذکور کو آغا سے مصالحت کرتے ہی بنی ہوگی۔

اقتباس ذیل میں جہانگیر پادشاہ سے عرض ہے :-

سی سال شد کہ این ملک کردم وطن کم و بیش اما نبود طبعم ہرگز بہ اخذ مائل
بر درگہ شہنشاہ اکبر کہ باد بخشش فیروز بر اعاوی مفتاح بر مشاکل
بودم ز اہل خدمت عمری کہ بود قسمت سوی طواف کعبہ بختم ازین مراحل
از دولت عطایش وجہے معیشتے بود از دست رنج سعیم در کیسۂ مداخل

بعد از مراجعت ہم دست تصرف داشت   فی الجملہ خود قلیلے کان شد بہ بحر و اصل
چون گشت واقف حال صدر حمیدہ اطوار   معروض خدمتت داشت حالم بہ صد دلائل
احسان کام بخشت بعد از شنیدن آن   صد بیگۂ زمین کرد رزق مرا مکفّل
ہندوی بخشی الملکی (کذا) آنرا تغیر دادہ   بعد از قریب نہ ماہ کش بندہ مردہ حاصل
این شیوہ را چہ نامند یارب میان اعیان   در پیشگاہ دولت مستوفیان کامل
قولم خلاف نبود زیرا کہ شاہد حال   صدر رفیع قدریست کت ہست در مقابل
صد روپیہ گرفتہ دیوان بخشی الملک   زان کس کہ کردہ امرش فرمان تو مسجّل
این بندہ چون ندادہ رشوت کنون نشستہ   حسرت قرین امید مایوس از عوامل
قیدے عیال مندی گر باعثم نمی بود   ہرگز رقم نمی کرد کلکم خود این رسائل
خود از حسب نگویم اما نسب ز چغتای   وارم مرا تدانی از جنب ہر اراذل
اے قدوۂ مروت داری روا کہ گردم   نومید از عطایت با صد جہان غم دل
حاشا کہ باز گردد رزق عطا نمودہ   از مستحق چو من احسان چون تو باذل
این بر بدیع باشد از صاحب کرامت   پس خواستن چو اطفال انعام را رسائل

اسی زمین کے سلسلہ میں ایک اور قصیدہ سے جو میرزا ابوالقاسم کی تعریف میں ہے اشعار ذیل ملتے ہیں :-

ارض النعامی کہ جودش زان سر افرازم نمود   بہر قبضش چند خود را خستۂ خست کنم
من کہ دایم باج گیرم از کہان و از مہان   کی دہم رشوت کہ تا چک نامۂ حجت کنم

اقتباس از مثنوی مشتمل بر حالات مصنّف :-

ز نہصد فزون بود پنجاہ و پنج   ز ہجرت کہ شد مامنم این سپنج
چو پرداختم جای از تخت مہد   نشاندم ہمچو اجداد و والی عہد
پدر را کہ از من روان شاد باد   در تربیت بر رخم بر کشاد

بمکتب چو کردم الف با تمام — گل نظم کلکم بر آورد نام
وطن بود در اسفراین مرا — قضا ساخت دور از اقارن مرا
چو زد عمر از بیست بالا قدم — به سیاحی افراخت سیم علم
به نیروی تقدیر و قسم نصیب — ز ایران بہند اوفتادم غریب
در آن کشور بیمروت نہاد — ہمہ حاصل سعی دادم بباد
چو از عمر چل سال شد بیش و کم — شد از ہند سیم بطوف حرم
زنہصد نود بود و نہ در حساب — کہ گشتم ز طوف حرم کامیاب
در آن کشور خلد پیکر دو سال — کم و بیش بودم بری از ملال
دگر بارہ آبشخورم شد دلیل — چو آدم بہند اوفتادم ذلیل
دل پر ز حسرت لب پر ز آہ — مقر کرد سعی آن زمین سیاہ
سراپای آن ملک را سر بسر — بگشتم بکردم مکرر سفر
چو از رخت آمد بہ پرداختم — بگجرات آخر وطن ساختم

قطعۂ ذیل میں بھی تقریباً یہی حالات دوہرائے گئے ہیں :-

بہ سال نہصد و پنجاہ و پنج از ہجرت — ز شہر بند عدم آمدم بہ ملک وجود
بود مقام تولد بہ ساحل دریاب — ولیک نشو و نمایم بہ اسفراین بود
چرا کہ آن وطن اصلی پدر بودم — قضا بہ آن سببم سیر آن وطن فرمود
چو سال نہصد و ہشتاد و یک شد از تاریخ — ہوای ہند عنان دلم ز کف بربود
ولی بہند نشد حاصل آنچہ دل میخواست — مگر در اوچہ نشیب و فراز او پیمود
کشید رخت تمنا بزورق تعجیل — دل شکستہ بپابوس قبلۂ مقصود
بہ نہصد و نود و نہ بروز عید ضحیٰ — بروی کعبۂ امید بخت دیدہ کشود
سواد اسود دیق آنسان بیامدم بہ نظر — کہ نور مہر و مہ اندر برابرش ننمود

هزار شکر کہ این دولتم میسر شد — کہ سعی بخت جبینم بخاک آن درسود
بیادگار ز من گر نماند فرزندی — کہ جانشین بودم چون جہان کنم پدرود
ولی باین دل خود شاد میکنم کہ بدہر — نمردہ آن کہ سراید گفتہ اش بسرود

محمود شیرانی

الموسیقی

(گذشتہ سے پیوستہ)

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۴ء)

مجھے اصل میں موسیقی ہندوستان کی نسبت کسی قدر بسط کے ساتھ کچھ لکھنا مقصود ہے۔ جس کا ذکر میں آخر میں کرونگا۔ چونکہ موسیقی کا خاص تعلق صوت وسمع سے ہے۔ اس لئے انکی نسبت کچھ خامہ فرسائی کرنا بے محل نہ ہوگا؛

محقق طوسی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب اخلاق ناصری میں حکمت کی تعریف اور تقسیم حسب تجویز اہل یونان اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

حکمت در عرف اہل معرفت عبارتست از دانستن چیزہا چنانکہ باشد در اصل وجود خود و قیام نمودن بکارہا چنانکہ باید بقدر استطاعت تا نفس انسانی بکمالے کہ متوجہ بآنست برسد؛

جب حکمت کی یہ تعریف ہوئی تو اسکی دو قسمیں ہوتی ہیں (۱) علم (۲) عمل؛

علم حقائق موجودات کا تصور اور اسکے احکام و لواحق کی تصدیق موافق

نفس الامر بقدر قوت انسانی کا نام ہے'
عمل ممارست حرکات و مزاولت صناعات کو کہتے ہیں۔ اس حیثیت سے
کہ جو چیز قوت میں ہو اسے حد فعل میں لایا جائے اس شرط سے کہ بر حسب
طاقت بشری نقصان سے کمال کی طرف متودی ہو'
جسکو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں وہی حکیم کامل اور انسان فاضل
ہے'
جب علم حکمت کی یہ تعریف ہوئی کہ جاننا چیزوں کا جیسی کہ وہ ہیں
تو حکمت کی تقسیم باعتبار موجودات ہوگی اور کل موجودات دو قسم سے
باہر نہیں (۱) ایک وہ موجود جسکا وجود حرکات ارادی بشری پر موقوف
نہ ہو (۲) جسکا وجود تصرف و تدبیر بشری سے متعلق ہو۔ لہذا علم
موجودات کی بھی دو قسمیں ہوئیں۔ علم قسم اول کا نام حکمت نظری اور
علم قسم دوم کا نام حکمت عملی ہے'
حکمت نظری کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں (۱) علم اس چیز کا جس
کے وجود میں مخالطت مادہ کی شرط نہ ہو (۲) علم ان چیزوں کا کہ
جب تک ان میں مخالطت مادہ نہو ان کا وجود ہی نہ پایا جاے۔ اس قسم
اخیر کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) جسکے تعقل و تصور میں اعتبار مخالطت مادہ
کی شرط نہ ہو (۲) باعتبار مخالطت مادہ معلوم ہو۔ اس لحاظ سے
حکمت نظری کی تین قسمیں ہوئیں (۱) علم ما بعد الطبیعۃ (۲) علم ریاضی
(۳) علم طبیعی'
ان تینوں علموں میں سے ہر ایک چند اجزا پر شامل ہے کہ بعض ان
میں سے بمنزلہ اصول کے اور بعض بمنزلہ فروع کے ہوتے ہیں'

اصول علم ما بعد الطبیعۃ علم الٰہی اور فلسفہ اولیٰ ہیں۔ اول سے معرفت الٰہی اور عقول و نفوس اور ان کے احکام و افعال کا علم ہوتا ہے - اور دوسرے سے وحدت و کثرت وجوب و امکان۔ حدوث و قدم کا علم ہوتا ہے،

فروع علم ما بعد الطبیعۃ معرفت نبوت و امامت و معاد وغیرہ ہیں،

اصول علم ریاضی چار ہیں (۱) معرفت مقادیر و احکام اور اسکے متعلقات کا علم۔ اسکو علم ہندسہ کہتے ہیں (۲) معرفت اعداد اور ان کے خواص کا علم اسکو علم عدد کہتے ہیں (۳) معرفت اوضاع اجرام علوی ایک دوسرے کی نسبت کے ساتھ۔ اور علم اجرام سفلی و مقادیر و حرکات و ابعاد وغیرہ کا اسکو علم نجوم اور ہیئت کہتے ہیں۔ مگر احکام نجوم اس سے خارج ہیں (۴) معرفت نسبت تالیف۔ جب یہ تالیف باعتبار تناسب آواز و کمیت زمان و حرکات و سکنات آوازمیں صرف کی جائے تو اسکو علم موسیقی کہتے ہیں،

فروع علم ریاضی مناظر و مرایا۔ جبر و مقابلہ اور علم جر اثقال وغیرہ ہیں،

اصول علم طبیعی

آٹھ ہیں (۱) معرفت مبادی متغیرات اسکو سماع طبیعی بھی کہتے ہیں (۲) معرفت اجسام بسیطہ و مرکبہ اسکو سماع عالم کہتے ہیں (۳) معرفت ارکان و عناصر اسکا نام علم کون و فساد ہے (۴) معرفت اسباب و علل حدوث حوادث اسکا نام علم آثار علوی ہے (۵) معرفت مرکبات

وکیفیت ترکیب یہ علم معادن ہے (۶) معرفت اجسام نامیہ اس کو علم نباتات کہتے ہیں (۷) معرفت اجسام متحرکہ بحرکت ارادی اسکا نام علم حیوان ہے (۸) معرفت احوال نفس ناطقہ انسانی - اس کو علم النفس کہتے ہیں'

فروع علم طبیعی بہت سے ہیں ان میں سے علم طب - علم احکام نجوم - علم فلاحت وغیرہ ہیں - رہا علم منطق جس کا موجد ارسطو ہے وہ دوسرے علوم کی تحصیل کے لئے بمنزلہ ادات ہے

حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں (۱) تہذیب اخلاق یا سیاست نفس (۲) سیاست منزل (۳) سیاست مدن'

اس بیان سے ظاہر ہے کہ علم موسیقی علم ریاضی کے چار اصولوں میں سے ایک ہے - جب موسیقی کی تعریف یہ ٹھہری کہ "صوت جس میں نسبت تالیفیہ باعتبار کمیت زمان وکیفیت وحرکات وسکنات پائی جائے" تو ذکر صوت و نسبت تالیفیہ لازم ہوا'

صوت

علامہ ابوالفضل اپنی کتاب ابوالفضل کے دفتر سوم میں تصنیفات بوعلی سینا سے نقل کرتے ہیں کہ جب دو سخت وصلب چیزیں باہم متصادم ہوں اگر زور اور قوت کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں جس کا نام قلع ہے یا شدت کے ساتھ ملیں جس کا نام قرع ہے تو ان دونوں حرکات کے درمیان والی ہوا میں ایک تموج مثل تموج آب پیدا ہوجاتا ہے اور یہ تموج ایک کیفیت کے حدوث کا سبب ہوتا ہے جسکو صوت کہتے ہیں - بعضے علماے مجاز کو دخل دیکر سبب قریب سے صوت کی تعریف کرتے ہیں - یعنی صوت قرع یا قلع عنیف کا نام ہے'

ٹھاکر نواب علی خانصاحب تعلقہ دار اکبرپور ضلع سیتاپور (اودھ) اپنی قابل قدر تصنیف معارف النغمات میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

عقلاے زمانہ کے اقوال کا خلاصہ متعلق آواز یہ ہے کہ آواز ایک ارتجاج (یا ارتعاش) ہے ہوائے محیط بالابدان و اجسام میں جو بسبب تصادم دو جسم لیّن یا صلب از روے قلع یا قرع یا اصطکاک پیدا ہو۔ اس تموج یا ارتجاج یا ارتعاش کو انگریزی میں وائبریش (Vibration) (لرزہ - نوسان) کہتے ہیں،

تصادم و اصطکاک وجود صوت کا سبب ہیں۔ خواہ ارادۃً ہوں یا اضطراراً۔ ذی روح سے یا غیر ذی روح سے۔ مسلسل ہوں یا منقطع۔ بہر حال ان سے ایک ارتعاشی تحریک ہوا میں پیدا ہوگی اور اسی کا نام صوت ہے،

سبب اور مسبّب دو غیر چیزیں ہیں یعنی تصادم و اصطکاک علت ہیں اور آواز معلول و نتیجہ اس لئے تصادم و اصطکاک کو آواز نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ حسّ سمع کے بغیر آواز کا احساس نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے آواز کی تعریف اگر مایحس السمع کے ساتھ کی جائے تو کچھ بیجا نہیں۔ اگر سب قولوں کو جمع کر دیں تو آواز کی تعریف یوں کی جاسکتی۔ ہوائے متکیف بہ اثر قلع یا قرع موذی بسمع،

رفتار صوت

تصور، برق اور نگاہ کی رسائی بہت سریع ہے۔ ان کے بعد سرعت سیر روشنی کو حاصل ہے۔ تیسرا مرتبہ آواز کا ہے۔ روشنی ایک منٹ میں ایک کروڑ میل سے زیادہ راستہ طے کرتی ہے۔ ایک ہزار ایک سو پچیس فٹ فی ثانیہ ۶۱ درجہ کی حرارت میں آواز کی رفتار ہوتی ہے اور پچاس میل ۴ منٹ میں مگر روشنی ایک ثانیہ میں ایک لاکھ یا نوے ہزار فیٹ چلتی ہے اور بجلی کی رفتار روشنی سے نوّے ہزار حصّہ زیادہ ہے۔ جس قدر تصادم قوی ہوگا آواز بھی اتنی ہی دُور تک جائیگی۔ دُور تک آواز جانے کے

لئے ہوا کی خفت و ثقالت حرارت - میدان و آبادی - کوہ و دریا - عمارت اور دیگر موانع و معاون کو بھی دخل ہے - بند ہوا میں آواز کی رفتار تیز ہو جاتی ہے جیسے کہ ٹیلیفون کے مجوف تار میں کیونکہ ہوا کے ذرات متموج کو سوا اپنے سیدھے راستے کے دیگر اطراف میں پھیلنے کا محل نہیں ملتا ہے - قوی تصادم سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ کمزور تصادم سے پیدا شدہ لہروں کو ہوا میں مضمحل یا فنا کر دیتا ہے - اس لئے ضعیف آواز نہیں سنائی دیتی - بہت سی مختلف آوازیں ایک وقت میں مخلوط ہو کر ایک دوسرے کی لہروں کو اپنی حالت پر قائم نہیں رہنے دیتیں اس لئے امتیاز رفع ہو جاتا ہے اور سوا ایک شور کے اور کچھ سنائی نہیں دیتا '

بیان نسب

علم موسیقی کا انحصار ان نغموں پر ہے - جن میں بلحاظ حدت و ثقل یا توسط زمانہ متخللہ بحیثیت مقدار نسبت مناسب یا منافر پائی جائے سروں کے تناسب کو تالیف اور ان کے درمیانی وقفہ متناسبہ کا نام ایقاع (لے) ہے '

محقق دوانی نے نسبت تالیفیہ کا ذکر اخلاق جلالی کے لامع اول کے لمعہ ششم میں بہت شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے مگر میں معارف النغمات کے انتخاب پر اکتفا کرتا ہوں ' گر کچھ جلالی سے بھی اخذ کروں گا '

ایک مقدار کا قیاس دوسری مقدار کی طرف نسبت کہلاتا ہے - مقدار کا اعتبار کبھی اسکی کمیت فی نفسہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس حیثیت سے کہ اسی جنس کی دوسری مقدار سے کمیت کا کیا اندازہ ہے '

نسبت بارہ قسم کی ہوتی ہے - اگر منسوب برابر منسوب الیہ ہو تو اسے نسبت مثل کہتے ہیں جیسے ۲ = ۲ - اگر منسوب منسوب الیہ سے بڑا ہو اور اصغر اعظم کو پورا پورا تقسیم کر دے - اگر دو بار تقسیم کر دے تو اسے نسبت ضعف کہتے ہیں -

جیسے تین اور چھ اگر وہ سے زیادہ پر تقسیم کرے تو دیکھنا چاہیئے کہ عدد زوج الزوج خارج قسمت ہوتا ہے جیسے ۴ و ۸ و ۱۶ وغیرہ تو اسے نسبت اضعاف کہتے ہیں جیسے ۳ و ۱۲ اور اگر عدد زوج الزوج خارج قسمت نہ ہو تو امثال نام رکھتے ہیں جیسے تین اور نو۔ اور اگر اصغر اعظم کو تقسیم پورا پورا نہ کر سکے تو پھر اعظم کو اصغر سے تقسیم کرکے دیکھتے ہیں۔ لامحالہ کوئی عدد سالم اور کچھ کسر خارج قسمت میں ہوگی۔ اگر خارج قسمت ایک اور کسر میں بھی ایک آئے یعنی بعد تقسیم ایک بچے تو اسے مثل و جزء کہتے ہیں جیسے چار کو تین پر تقسیم کرنے سے ایک خارج قسمت ہوتا ہے اور ایک باقی بچتا ہے اس ایک باقی کو تین سے نسبت ثلث کی ہے۔ تو یہ مثل و ثلث ہوا۔ اگر خارج قسمت ایک ہو اور باقی ایک سے زیادہ تو اسے مثل و اجزاء کہتے ہیں۔ جیسے ۵÷۳ پانچ میں سے تین جو نکلے وہ مثل ہیں۔ اور دو باقی چونکہ ایک سے زیادہ ہیں اس لئے انہیں اجزا سے تعبیر کیا۔ یعنے مثل و ثلثین ہے۔ اگر خارج قسمت دو ہو اور باقی ایک رہے جیسے ۷ ÷ ۳ یہ ضعف اور ثلث ہے۔ دو خارج قسمت ہوں اور باقی ایک سے زیادہ تو اسے ضعف و اجزاء کہتے ہیں جیسے ۸ ÷ ۳ یہ ضعف و ثلثین ہے۔ اگر عدد زوج الزوج خارج قسمت ہو اور باقی ایک بچے جیسے ۱۳÷۳ تو اسے اضعاف و جزء کہتے ہیں اور اگر باقی ایک سے زیادہ ہو تو اسے اضعاف و اجزاء کہتے ہیں جیسے ۱۴ ÷ ۳۔ جبکہ خارج قسمت عدد زوج الزوج نہ ہو اور باقی ایک رہے تو امثال و جزء کہتے ہیں۔ جیسے ۱۰ ÷ ۳ کہ امثال و ثلث ہے۔ اور جب اسی صورت میں باقی ایک سے زیادہ ہو تو امثال و اجزاء کہتے ہیں جیسے ۱۱ ÷ ۳ کہ امثال و ثلثین ہے۔

اگر کوئی سر قائم کرکے اسے اس سے اونچا کریں تو قدر زائد اصل کی نسبت سے احد اور اصل زائد کی نسبت سے اثقل ہوگا۔ اور جب دو مختلف سروں کو تالیف

دیں تو اسے بعد کہتے ہیں۔ اگر یہ نسبت مدرک نفس ہو کر باعث لذت نفس ہو تو یہ
بعد ملائم طبع ہوتا ہے ورنہ منافر۔ مقادیر متباینہ میں نسبت عددی بہ نسبت نسبت
صمی اسہل اوراک ہوتی ہے۔ اسی لئے ابعاد نسبت عددی ابعاد نسبت ہندسی
سے اشرف ہیں کیونکہ مدار شرف کا ملایمت نفس پر منحصر ہے اور نسبت عددی سہل
تر نسبت ضعف ہے جو ایک اور دو میں پائی جاتی ہے۔ لہذا اشرف ابعاد وہ بعد
ہے کہ جس کا اثقل طرفین ضعف احدؔ ہو کہ جسکو بعد ذوی الکل کہتے ہیں اور اس
نسبت کے اشرف ہونے کی وجہ سے سروں کی تالیف میں طرفین میں سے ایک کو بجائے
ایک دوسرے کے استعمال کرتے ہیں یعنی نصف کو بجائے ضعف کے اور ضعف کو بجائے
نصف کے۔ بعد اسکے نسبت مثل وجزء اشرف ہے کہ جیسے انواع ترتیب طبعی پر ہوں انکا
اول مثل و نصف پھر مثل وثلث پھر مثل وربع پھر مثل وخمس ہے۔ اور تمام ابعاد کا
شریف ہونا انہیں ابعاد مذکور سے مشابہت پر منحصر ہے (یہ آخری دونوں پیرے
اخلاق جلالی کے حاشیہ سے لئے گئے)

اقسام نسبت نسبت بالکیفیت وہ نسبت جو تناسب میں کسر واحد کیساتھ
متوالی ہو اسکو نسبت ہندسیہ بھی کہتے ہیں۔ اسکی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) متصلہ یعنی نسبت ایک
کی دو کیساتھ وہ ہے جو دو کی چار کیساتھ (۲) منفصلہ نسبت ایک کی دو کے ساتھ وہی ہے
جیسے تین کی چھ کے ساتھ،

طرد نسبت مقدم کیطرف تالی کے جیسے نسبت دو کیطرف تین کے اور ۴ کیطرف چھ کے،
عکس نسبت تالی کی طرف مقدم کے جیسے نسبت ۳ کی طرف ۲ کے اور ۶ کیطرف ۴ کے،
تبدیل نسبت مقدم کی طرف مقدم کے اور تالی کیطرف تالی کے جیسے نسبت دو کی طرف
چار کے اور ۳ کی طرف ۶ کے، ترکیب نسبت مجموعہ مقدم وتالی کی مقدم وتالی میں سے
کسی ایک کیطرف جیسے نسبت ۲ + ۳ کی طرف یا ۴ + ۶ کی طرف ۴ یا ۶ کے،

تفضیل نسبت فضل مقدم تا تالی مجموع کی دونوں مقدم یا تالی کیطرف' قلب نسبت مقدم وتالی کی مجموع فضل مقدم وتالی کیطرف' دوسری نسبت بالکمیت ہے۔ اسکو نسبت عددیہ بھی کہتے ہیں۔ اس میں تفاضل ایک ہی سے شمار ہوتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں'

(۱) طبعی اسکی تین قسمیں ہیں (الف) یا تو ایک سے لیکر نظم طبعی کے موافق شمار کریں مثلاً ا و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ (ب) یا افراد متوالیہ لیں جیسے ا و ۳ و ۵ و ۷ و ۹ (ج) یا ازواج لیں جیسے ۲ و ۴ و ۶ و ۸ و ۱۰ (۲) غیر طبعی جس میں فاصلہ متساوی ہوتا چلا جائے اور قید ابتداء از واحد یا فرد و زوج کی نہ ہو مثلاً فاصلہ ۳-۳ کا سات سے شروع کریں جیسے سات اور تین دس اور تین تیرہ اور تین سولہ - عدد کی تعریف یہ ہے جو اپنے طرفین کا نصف ہو مثلاً پانچ کی ایک طرف چار ۴ ہیں اور دوسری طرف ۶' چھ اور چار کو جوڑا دس ہوئے - دس کا نصف پانچ ہوتا ہے' (۳) نسبت تالیفیہ اسی کو موسیقیہ بھی کہتے ہیں - یہ مرکب ہے ہندسیہ اور عددیہ سے اس میں تین حدیں اور دو تفاضل ہوتے ہیں (۱) فضل اکبر و اوسط (۲) فضل اصغر و اوسط - نسبت عددیہ میں صرف تفاوت یعنی کمیت ملحوظ ہوتی ہے۔ اور ہندسیہ میں قدر یعنی کیفیت اور نسبت تالیفیہ میں تفاوت و قدر یعنی کیفیت و کمیت دونوں ملحوظ ہوتے ہیں اور انہیں دونوں نسبتوں سے نغمات اور الحان تالیف پاتے ہیں

یہی نسبت تالیفیہ اگر حروف میں پائی جائے تو خوشخطی اور خطوط و خط و خال میں ہو تو تصویر اور اعضا میں ہو تو حسن اور ترکیب الفاظ یا وزن میں ہو تو شعر اور آواز میں ہو تو موسیقی کہلاتا ہے - یہ نسبت شریف جس چیز میں ہو باعث انجذاب قلوب ہوتی ہے اور نفس اسکی طرف مائل ہے'

حس سمع چونکہ موسیقی کا تعلق صوت سے اور صوت کا تعلق سماعت سے ہے اسلئے حس سمع کا ذکر اس محل پر نامناسب نہ ہوگا'

حواس خمسہ ظاہری میں سے ایک حس سمع بھی ہے - اسکی خدمت یہ ہے کہ آوازوں کا

احساس کرے۔ قلع یا قرع سے جو ارتجاج و ارتعاش ہوا کی لہروں میں پیدا ہوتا ہے اسکا نام آواز یا صوت ہے اور جب اسکا تصادم کان کی غشاء طبلی سے ہوتا ہے تو اسکا نام سماعت ہے جس قسم کا تموج ہوا میں پیدا ہو کر چند چھوٹی چھوٹی نازک ہڈیوں اور گھونگے سے گذرتا ہوا عصب سمع تک پہنچ جاتا ہے اور اس کو حرکت دیتا ہے۔ یہ عصب (پٹھا) باریک اور چھوٹے چھوٹے ریشوں کا مجموعہ ہے جو اندرونی حصہ گوش کے تجاویف میں رطوبت مائی کے اندر ڈوب کر دماغ میں اسطرح پھیلے ہیں کہ نگاہ سے دکھائی نہیں دیتے۔ اس پردہ غشائی گوش کو انگریزی میں (Ear Drum) کہتے ہیں،

قوتوں کا اختلاف اشخاص میں بیّن ہے بعض کی حس سمع اتنی تیز ہوتی ہے کہ کثیر آوازوں کے اختلاف کی تمیز کر سکتی ہے۔ چنانچہ فیثاغورث کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اسنے آواز حرکات افلاک و سیارگان سے علم موسیقی ایجاد کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو حس سمع اسکی کسقدر ممیز اور قوی تھی۔ کچھ حس سمع ہی پر منحصر نہیں۔ کل نظام قوائے جسمانی اعصاب و رباطات و اوردہ پر مبنی ہے۔ آواز کے لئے بھی حنجرہ کے رباطات کو دخل ہے۔ بذریعہ اجتہاد و ورزش ان قویٰ میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ علم تشریح (اناٹومی) اور انسائکلوپیڈیا سے مدد لیکر صوت اور سمع کی نسبت بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا مگر میں نے اس سے زیادہ کو غیر ضروری سمجھ کر اتنے ہی پر اکتفا کی،

ان لامتناہی آوازوں میں سے موسیقی کو صرف چند مخصوص آوازوں سے تعلق ہے جنہیں اس فن میں سُر کہتے ہیں۔ اور ان سروں سے جو نغمات تالیف ہوئے ہیں تقریباً سب مطبوع و دلپسند ہیں اور جس محل کے لئے جو صنف وضع کی گئی ہے اگرچہ اسکی معین تاثیر کی کوئی علت صحیح دریافت نہیں ہوئی پھر بھی حسب موقع اسمیں اثر ضرور ہے۔ مگر جسطرح ہر ایک نوع شکل و طبیعت میں تناسب خاص رکھتی ہے اسی طرح اثر و تاثیر میں دیگر انواع سے مغائر ہے پھر یہ مغائرت نوع سے صنف اور فرد تک میں موجود ہے۔ افراد کا حال بھی یکساں نہیں رہتا جس نغمہ سے کسی وقت انقباض خاطر ہوا ہو دوسرے وقت اسکا موجب انبساط ہونا ممکن ہے و بالعکس،

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

عربوں کا لباس

کسی قوم کی معاشرت اور ان کے تمدن کا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے انکی اولیں مادی ضروریات مثل خوراک، لباس، اور مسکن سے بحث ہوتی ہے۔ رسالہ ہذا میں اس سے پیشتر حال کے عربوں کی خوراک کا ذکر ہو چکا، اس اشاعت میں ان کے موجودہ لباس کا مختصر بیان کرتے ہیں،

اگرچہ مختلف علاقہ جات اور مختلف قبائل کے طرز لباس میں کم و بیش اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم بلاد عرب پر اگر ایک عام نگاہ ڈالی جائے تو اہل بادیہ کی پوشش میں تین کپڑے مشترک نظر آئینگے۔ اول ثوب، دوسرے عَبَاء، تیسرے لِثام +

(۱) ثوب

ثوب ایک لمبا کرتا ہوتا ہے جو ٹخنوں تک پہنچتا ہے اور جسکی آستینیں دراز اور فراخ ہوتی ہیں۔ آجکل بالعموم سوتی کپڑے سے بناتے ہیں۔ مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ثوب ہمیشہ سوتی نہیں ہوا کرتا تھا۔ مثلاً حضرت عمرؓ کا کرتا (جب انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں شام کا سفر اختیار کیا) اونی تھا۔ بیت المقدس کے اسقف سے پہلے تو ایک عمدہ کپڑے کا کرتا قبول کیا۔ مگر پھر واپس کر دیا اور اپنا وہی پرانا موٹا جھوٹا کرتا یہ کہہ کر دوبارہ پہن لیا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے +

عورتیں اپنے کرتوں کو گہرے نیل میں رنگ لیتی ہیں - جو دُور سے میل کچیل کے سبب تقریباً سیاہ دکھائی دیتے ہیں - نیل جنوب عرب کے اکثر مقامات میں پیدا ہوتا ہے، جہاں کسی زمانہ میں رنگائی کی دستکاری خوب رونق پر تھی ٭

(۲) عَبَاء

ثوب کے اوپر عرب لوگ عباء پہنتے ہیں - یہ ایک قسم کا کوٹ یا چُغہ سا ہوتا ہے - جو گھٹنوں سے ذرا نیچے تک پہنچتا ہے - مگر اسکی آستینیں بالکل نہیں ہوتیں - بروایتِ مُوسِل اور فلبی، اِس عباء کو آجکل عرب میں عام طور پر بِشت بھی کہتے ہیں - یہ لفظ دخیل معلوم ہوتا ہے ٭

یہ عَبَائیں رنگت اور کپڑے کی عمدگی کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہوتی ہیں مگر اُن میں یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اونٹ یا بھیڑ کی اون سے بُنے ہوئے دھاری دار کپڑے سے بنائی جاتی ہیں - گھر سے باہر عَبَا کا استعمال ضروری ہے، کیونکہ عَبَا کا پہننا حرمت و وقار کی نشانی ہے - جب بدوی کسی شہر یا قصبہ میں داخل ہوتے ہیں تو عَبَاء ضرور پہن لیتے ہیں ٭

سرما میں بعض اوقات اہل بادیہ بجائے عَبَاء کے بھیڑ کی کھال سے بنی ہوئی پوستین پہن لیتے ہیں جسے فَرْوہ کہتے ہیں - قوم صُلَیْب کے لوگ جو خالص عربی نسل میں شمار نہیں ہوتے، علاوہ صنعت و حرفت کے شکار میں خوب مہارت رکھتے ہیں، اور ہرن اور دوسرے جنگلی جانوروں کا بڑی کامیابی سے شکار کرتے ہیں، سرما میں جو لباس پہنتے ہیں وہ تمام تر ہرن کی کھال سے بنا ہوتا ہے - اپنی ضروریات سے جو بچ رہتا ہے وہ بدویوں کے ہاتھ

فروخت کر دیتے ہیں ۔

اہل بادیہ پاجامہ نہیں پہنتے۔ جسم کا زیریں حصّہ لمبے ثوب کے دراز دامن سے ڈھنپا رہتا ہے۔ اس کرتے کے اوپر کمر پر چمڑے یا اُون کی پیٹی (نطاق) باندھتے ہیں۔ ہاں البتہ نجد کے شہروں میں مرد اور عورت دونو پاجامہ پہنتے ہیں جسے سِروَال کہتے ہیں۔ مکہ اور طائف سے جنوب کی طرف یمن کے علاقوں میں بلکہ تمام جنوبی عرب میں پاجامہ کی بجائے لوگ اِزَار یعنی تہبند پہنتے ہیں ۔ جسے وہ چمڑے کی پیٹی سے کمر سے باندھے رکھتے ہیں۔ جس طرح یہاں اپنے ملک میں آپ نے بعض سقّوں کو تہبند کے اوپر کمر پر مضبوطی کے خیال سے پیٹی باندھے دیکھا ہوگا ۔ گرما میں نیم عریاں بغیر کرتے کے چلتے پھرتے ہیں۔ صرف رات کی خنکی میں عَبَاء اوڑھ لیتے ہیں (ملاحظہ ہو بُرکھارٹ کے نوٹس ص۱۳۱)

(۳) لِثَام

عربوں کے سر کا لباس جو وہ سفر یا جنگ کے موقعہ پر پہنتے ہیں' لِثَام کہلاتا ہے۔ اسکے پہننے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر پر ایک گول اُونی یا سوتی ٹوپی رکھتے ہیں جو کھوپری کیساتھ چپکی رہتی ہے۔ پھر ایک گز بھر مربع رومال لیکر دُہرا تہ کرکے ایک مثلث کی صورت بنا کر سر پر اسطرح رکھتے ہیں کہ اسکا ایک گوشہ تو دونو شانوں کے درمیان لٹکا رہتا ہے' اور باقی دو گوشے دائیں بائیں لٹکے رہتے ہیں۔ پھر اس رومال کے اوپر تقریباً ایک اِنچ موٹی اونی رسّی سر اور پیشانی کے گرد لپیٹ لیتے ہیں۔ جسے عِصَابَہ یا عِقال کہتے ہیں۔ اگر رومال کو آگے کی طرف پیشانی کے اوپر کھینچ لیں' تو دھوپ سے آنکھوں کا بچاؤ رہتا ہے۔ طرفین کے گوشوں کو ٹھوڑی کے نیچے سے لیجا اوپر

عقال میں اس طرح داب لیتے ہیں کہ دو سینگ سے معلوم ہوتے ہیں *

اس طرز خاص کے لباس کو جو بالخصوص سفر یا جنگ کے موقع پر پہنتے ہیں لِثَام کہتے ہیں اور پہننے والے کو متلثم یا مُتَلَثِّم۔ اگر چاہیں کہ کوئی پہچان نہ سکے تو لثام کے زیریں حصہ کو ٹھوڑی کے اوپر کھینچ لیتے ہیں۔ جس سے بُشرہ چھپ جاتا ہے۔ صرف آنکھیں برہنہ رہتی ہیں۔ علاوہ بھیس بدلی کے لثام کا یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ گرما میں اس سے سموم اور گرد و غُبار سے بچاؤ رہتا ہے اور سرما میں سَر اور گلا سردی سے محفوظ رہتے ہیں *

یہاں لِثَام کو بُرنُس سے تمیز کرنا ضروری ہے۔ بُرنس بھی سر کا ایک لباس ہے۔ مگر لثام سے الگ ہے۔ بُرنس ایک قسم کا بلند ہُڈ (hood) ہوتا ہے۔ جس کو سر پر دیگر لباس کے اوپر ڈال لیتے ہیں۔ آج کل صرف المغرب یعنی مراکو وغیرہ میں پہنا جاتا ہے۔ عرب میں اس کا رواج نہیں۔ ناظرین میں سے بعض نے سلطان مراکو کی تصاویر میں اس کا سفید برنس ملاحظہ کیا ہوگا۔ اسلامی سپین میں بھی اسکا رواج تھا۔ مگر اب وہاں صرف عورتوں کے لباس میں اسکا اثر باقی رہ گیا ہے۔ مغربی زبانوں میں آج کل بُرنس (Burnous) سے وہ کوٹ مراد لیتے ہیں۔ جس کے ساتھ ہُڈ لگا ہوا ہو۔ مگر قدیم معنی اس کا صرف ہُڈ ہے *

نقاب

اہل بادیہ کی آزاد اور با مشقت زندگی میں عورتوں کے لئے نقاب نہ صرف تکلیف دہ ہے۔ بلکہ تقریباً ناممکنات سے ہے۔ عورتیں بھی بھیڑ بکریوں کا دودھ دوہتی ہیں۔ کھانا پکاتی ہیں۔ اقامت کے وقت خیمے گاڑتی ہیں۔ سفر کے

وقت خیمے اکھاڑتی ہیں اور انکو اونٹوں پر بار کرتی ہیں۔ جب فرصت کے چند دن ملتے ہیں تو اُون کو کات کر موٹا چھوٹا کپڑا بُنتی ہیں۔ قبیلہ کی لڑکیاں مال مویشی چراتی ہیں۔ ان حالات میں بدوی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ بلکہ برہنہ رو رہتی ہیں۔ صرف شہروں میں پردہ کی سختی سے پابندی ہوتی ہے خصوصاً نجد اور اس کے ماتحت علاقوں میں جہاں آجکل وہابیت کا دَور دَورہ ہے ✦

ملاحظاتِ عامہ

عربوں کا لباس زیادہ تر اُون سے بنتا ہے جسے وہ اپنے پالتو جانوروں سے حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی عَبَاء اور لثام سے نیچے کی ٹوپی 'عقال اور بعض اوقات پیٹی بھی سبھی اُون سے بنتی ہیں۔ لہذا لباس کے معاملہ میں بھی عربوں کا مدار زیادہ تر اپنے پالتو جانوروں پر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے حیوانات کے صوف وغیرہ کو انعامات الٰہی میں شمار کیا ہے واللہ جَعَل لکم من جلودِ الانعام بیوتاً . . . ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثاً ومتاعاً الیٰ حین (سورۃ النحل) ✦

عربوں کے لباس کا دوسرا اہم جزو روئی ہے۔ مگر عرب میں باشندوں کی ضروریات کے لئے کافی مقدار میں روئی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ عرب کی آب و ہوا روئی کے پودے کی نشو و نما کے موافق نہیں۔ روئی کے پودے کو بڑھنے اور پکنے کے دوران میں بہت پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی وجہ سے روئی قُصیم' عسیر' یمن میں وادی زبید' حضرموت اور عمان کے صرف بعض مقامات میں پیدا ہوتی ہے۔ جہاں سوتی کپڑے

بننے کی دستکاری پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ روئی کافی مقدار میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے وہاں کے لوگ بھی سوتی کپڑے باہر سے منگواتے ہیں۔ اور تجارتی آمد و رفت کی روز افزوں سہولتوں کے باعث ممالک غیر کے تیار شدہ کپڑے اب عرب میں کم و بیش ہر جگہ عام ہو گئے ہیں +

عربوں نے ہمیشہ اونی کپڑوں کے مقابلہ میں سوتی پارچات کو نفیس اور پُر تکلف خیال کیا ہے۔ اسکے غالباً دو سبب ہیں۔ اولاً روئی عرب میں نسبتاً ہمیشہ سے کمیاب رہی ہے۔ دوسرے روئی کے کپڑے میں جو باریکی اور صفائی آ سکتی ہے وہ اونی کپڑے میں ممکن نہیں۔ اسی لئے اونی کپڑے بالعموم زہد اور پرہیزگاری کا لباس سمجھے گئے ہیں۔ لفظ صُوفی کا اشتقاق بھی صُوف (اُون) ہی سے ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ابن خلدون نے تصریح کی ہے، صدر اسلام میں متقی اور پرہیزگار لوگ از راہ انکسار دیگر لباسہائے فاخرہ کو ترک کر کے موٹے جھوٹے اونی کپڑے پہنتے تھے

ریشم عرب کی ملکی داخلی پیداوار نہیں، کیونکہ ریشم کے کیڑے شہتوت کے پتوں پر پلتے ہیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے، شہتوت کا درخت بلاد عرب میں پیدا نہیں ہوتا۔ عربوں کے لباس میں ریشم بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ ویسے بھی شریعت اسلام میں مردوں کے لئے ریشم کا پہننا ممنوع ہے۔ صرف سر کا رومال بعض اوقات روئی اور ریشم سے ملے جُلے (مشروع) کپڑے سے بناتے ہیں۔ ریشمی کپڑے (حریر) دیگر اقوام کی طرح اہل عرب کے نزدیک بھی تمام پارچات سے زیادہ نفیس اور پُر تکلف سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں کئی جگہ ان کا ذکر اسی حیثیت سے آیا ہے اور اہل جنّت

کا لباس بھی ریشمی ہی بیان کیا گیا ہے ۰

قدیم عربی لباس

زمانہ قدیم کے عربی لباس کے متعلق ہنوز تحقیق کی کافی گنجائش ہے روایات کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں حجاز کے عام لوگوں کا لباس بالعموم دو کپڑوں (ثوبان) پر مشتمل تھا (۱) رِدَاء اور (۲) اِزَار - جرمن پروفیسر یعقوب نے اپنی کتاب حیاۃ البَدَو بِیْنَ الاقدمین (*Altarabisches Beduinenleben*) میں قدیم عربی شعراء کے کلام کا استقصاء کرکے عرب قدیم کے لباس کی بہت سی جزئیات کا پتہ چلایا ہے اور جیسا کہ ڈوزی نے اپنی کتاب الالبسۃ عند العرب (*Les Vetements chez les Arabes*) کے دیباچہ میں اشارہ کیا ہے، خود آنحضرت (صلعم) کے لباس کے متعلق کتب حدیث میں بہت سا مواد موجود ہے۔ مگر اس مواد کو بہت تنقید کے ساتھ دیکھنے اور اس سے بہت احتیاط کے ساتھ استنباط کرنے کی ضرورت ہے - نہ صرف اس وجہ سے کہ بعض روایات کے مجہول یا ضعیف ہونے کا امکان ہے - بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ بعض اوقات ایک ہی لفظ کے معنی و مفہوم میں امتداد زمانہ یا اختلاف مکان کے سبب سے فرق پیدا ہو جاتا ہے ۰

عنایت اللہ

متنبی پر ایک نظر

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۱۸)

علماء شعر نے لکھا ہے کہ قادر الکلام شاعر قصیدہ کو اسطرح ختم کرتا ہے۔ کہ طبیعت پیاسی رہتی ہے اور شوق کم نہیں ہوتا متنبی بعض اوقات اس کے خلاف بھی کر جاتا ہے۔ جو صنعت شعر میں عیب ہے۔ مثلاً اسکے ایک قصیدہ کے اشعار ذیل پڑھئے اور داد دیجئے ؎

فِی خَطِّہٖ مِنْ کُلِّ قَلْبٍ شَھْوَۃٌ حَتّٰی کَاَنَّ مِدَادَہُ الْاَھْوَاءُ

(ترجمہ) اسکے خط کی ہروں میں رغبت ہے۔ گویا اسکی روشنائی لوگوں کی خواہشات سے بنی ہوئی ہے'

وَلِکُلِّ عَیْنٍ قُرَّۃٌ فِیْ قُرْبِہٖ حَتّٰی کَاَنَّ مَغِیْبَہُ الْاَقْذَاءُ

(ترجمہ) اس کے قرب سے ہر ایک آنکھ کو ٹھنڈک ہے۔ گویا اسکی غیبوبیۃ آنکھوں کی کنک ہے'

مگر اس قصیدہ کا مطلع دیکھئے۔ تو بالکل بے رونق ہے ؎

لَوْ لَمْ تَکُنْ مِنْ ذَا الْوَرٰی اللَّذْ مِنْکَ ھُوْ عَقِمَتْ بِمَوْلِدِ نَسْلِھَا حَوَّاءُ

(ترجمہ) اگر تو منجملہ اس مخلوق کے جو درحقیقت تجھ سے ہے۔ نہ ہوتا تو حضرت حواء اپنی نسل کے پیدائش سے بانجھ ہوتی'

پھر ذا اور اللذ کے اجتماع سے طبیعت پر جو اثر پڑتا ہے۔ اسکو ایک بلیغ خوب سمجھ سکتا ہے۔ ایک دوسرے قصیدہ کا مطلع ہے ؎

خَلَتِ الْبِلَادُ مِنَ الْغَزَالَۃِ لَیْلَھَا فَاَعَاضَھَاکَ اللّٰہُ کَیْ لَا تَحْزَنَا

(ترجمہ) شہر رات کے وقت آفتاب سے خالی تھے۔ تو اس کے عوض خدائے تعالےٰ نے

تجھے ان شہروں کو بخشتا '

ہم چاہتے ہیں کہ یہاں پر متنبی کے قبایح و معائب کا بیان ختم کر دیں اور اس کے محاسن کلام اور اسکی جدت طرازیاں - اسکی بلند پروازیاں - اسکے فریدے اور منتخب اشعار کا مختصر تذکرہ کریں - جنکے ذریعہ وہ تمام متقدمین اور متاخرین شعراء سے گوئے سبقت لے گیا ہے '

[محاسنِ متنبی]

(۱)

حسن مطلع مثلاً ؎

فَدَیْنَاکَ مِنْ رَبْعٍ وَاِنْ زِدْتَنَا کَرْباً　　فَاِنَّکَ کُنْتَ الشَّرْقَ لِلشَّمْسِ وَالْغَرْبَا

(ترجمہ) اے خانۂ حبیب - ہم تجھ پر سے قربان جائیں کیونکہ کبھی تو محبوب کے لئے مشرق ومغرب تھا - اگرچہ تینے (ایام وصال کو یاد دلاکر) ہمارے غم کو بڑھا دیا -

دیگر ؎

اِذَا کَانَ مَدْحٌ فَالنَّسِیْبُ الْمُقَدَّمُ　　اَکُلُّ فَصِیْحٍ قَالَ شِعْراً مُتَیَّمُ

(ترجمہ بحیرت ہے) جب کبھی مدح کرنا ہو - تو پہلے تشبیب لاتے ہیں - کیا جو فصیح شخص شعر کہے - وہ عاشق زار ہوتا ہے '

فائدہ [تشبیب و نسیب میں عام طور پہ فرق نہیں کیا جاتا - چنانچہ ابن رشیق نے العمدۃ میں دونوں کو مترادف مانا ہے - دیکھو کتاب العمدہ ص۱۱ مگر شمس الدین محمد بن قیس رازی کتاب المعجم فی معاییر اشعار العجم میں لکھتے ہیں کہ تشبیب کے معنی کسی خاص محبوب (فرضی یا حقیقی) کو پیش نظر رکھ کر جذبات عشقیہ کا اظہار کرنا ہے شعرائے جاہلیت اور متقدمین عموماً اسی روش کے پابند ہیں - اور نسیب عام جذبات عشقیہ کا اظہار ہے - اور یہ متاخرین خصوصاً شعرای ایران کا طغرای امتیاز ہے مترجم]

دیگر ؎

اَفَاضِلُ النَّاسِ اَغْرَاضٌ لِذَا الزَّمَنِ يَخْلُو مِنَ الْهَمِّ اَخْلَاهُمْ مِنَ الْفِطَنِ

(ترجمہ) فضلاء تو اس زمانہ (سفلہ نواز) کا نشانہ ہوا کرتے ہیں ۔ صرف وہی شخص بے غم ہے ۔ جو بے عقل ہو

دیگر ؎

اَلْيَوْمَ عَهْدُكُمْ فَاَيْنَ الْمَوْعِدُ هَيْهَاتَ لَيْسَ لِيَوْمِ عَهْدِكُمْ غَدُ

(ترجمہ) آج تمہاری ملاقات کا دن ہے ۔ پھر دوسری ملاقات کب ہوگی؟ (اسکی تردید کرتا ہوا کہتا ہے) افسوس اے دوستو تمہاری ملاقات کے لئے کل ہی نہ ہوگی (کیونکہ میں کل سے پیشتر مرجاؤنگا)'

(۲)

حسن مخلص مثلاً ؎

مَرَّتْ بِنَا بَيْنَ تِرْبَيْهَا فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيْنَ جَانَسَ هٰذَا الشَّادِنُ الْعَرَبَا

(ترجمہ) وہ اپنی دو سہیلیوں کے ہمراہ ہمارے پاس سے گذری تو میں نے کہا یہ آہو بچہ عرب سے کس طرح مشابہ ہوگیا'

فَاسْتَضْحَكَتْ ثُمَّ قَالَتْ كَالْمُغِيثِ يُرَى لَيْثَ الشَّرَى وَهُوَ مِنْ عِجْلٍ اِذَا انْتَسَبَا

(ترجمہ) سو وہ (پہلے تو) ہنسی ۔ پھر کہا ۔ یہ اس طرح جیسے مغیث ۔ وہ بیشۂ شری کا شیر ہے ۔ حال آنکہ جب وہ اپنا نسب بیان کرے ۔ تو بنو عجل سے ہے'

دیگر ؎

وَمَقَانِبٍ بِمَقَانِبٍ غَادَرْتُهَا اَقْوَاتَ وَحْشٍ كُنَّ مِنْ اَقْوَاتِهَا

(ترجمہ) اور میں نے دشمنوں کے بڑے لشکر کو اپنے بڑے لشکر کے ذریعہ وحشی جانوروں کی خوراک بنایا ۔ اور پہلے وہ وحشی اسکی خوراک تھے'

اَقَبْلتُهَا غُرَرَ الجِيَادِ كَاَنَّمَا   اَيْدِي بَنِيْ عِمْرَانَ فِيْ جَبْهَاتِهَا

(ترجمہ) میں نے ان کے سامنے ایسے روشن پیشانی گھوڑے پیش کئے۔ گویا بنو عمران کی نعمتیں ان کی پیشانیوں پر چمک رہی ہیں '

(۳)

بدوی عورتوں سے اظہار معاشقہ اور ان کے حسن کے متعلق متنبی کی روش نہایت دلربا اور پسندیدہ واقع ہوئی ہے مثلاً ؎

مَنِ الجَآذِرُ فِيْ زِيِّ الاَعَارِيْبِ   حُمْرُ الحُلٰى وَالمَطَايَا وَالجَلَابِيْبِ

(ترجمہ) عربی لباس میں یہ گاوان وحشی کے بچے کون ہیں۔ جن کے زیور اونٹنیاں اور دوپٹے سب کے سب سرخ ہیں '

اِنْ كُنْتَ تَسْئَلُ شَكًّا فِيْ مَعَارِفِهَا   فَمَنْ بَلَاكَ بِتَسْهِيْدٍ وَ تَعْذِيْبِ

(ترجمہ) پھر اپنے کو خطاب کر کے کہتا ہے) اگر تجھے انکی پہچان میں شک ہے۔ تو پھر بتلا کہ تجھ کو بیخوابی اور عذاب میں کس نے مبتلا کر رکھا ہے '

دیگر ؎

كَمْ زَوْرَةٍ لَكَ فِي الاَعْرَابِ خَافِيَةٍ   اَدْهٰى وَقَدْ رَقَدُوْا مِنْ زَوْرَةِ الذِّيْبِ

(ترجمہ) محبوبہ سے ملنے کے لئے اعراب میں جبکہ وہ سوتے تھے۔ میرا مخفی طور پر بھیڑیے کی چال سے بھی زیادہ ہوشیاری سے چلنا بہت دفعہ ہوا ہے '

اَزُوْرُهُمْ وَ سَوَادُ اللَّيْلِ يَشْفَعُ لِيْ   وَاَنْثَنِيْ وَ بَيَاضُ الصُّبْحِ يُغْرِيْ بِيْ

(ترجمہ) میں معشوقوں کے پاس رات کو جاتا ہوں اور اسکی سیاہی میری امداد کرتی ہے۔ اور وہاں سے ایسے وقت لوٹتا ہوں۔ کہ صبح کی روشنی میری گرفتاری پر محافظین کو برانگیخت کرتی ہے '

یہ شعر الفاظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے بہترین ہے [حذاق کہتے ہیں۔

کہ یہ شعر متنبی کے اشعار کا امیر ہے کہ اس کے اول مصرع میں پانچ چیزیں لایا زیارت - سیاہی - لیل - شفاعت - تی جو شاعر کے فائدے کی ہیں۔ پھر دوسرے مصرع میں پانچ چیزیں مخالف بترتیب لایا - انثنی - بیاض - صبح - یغری - بی جو شاعر کے نقصان کی ہیں اور بایںہمہ انسجام الفاظ اور بداعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا"

دیگر ؎

مَا اَوْجُهُ الْحَضَرِ الْمُسْتَحْسَنَاتُ بِهِ　　كَاَوْجُهِ الْبَدَوِيَّاتِ الرَّعَابِيبِ

(ترجمہ) شہری حسینوں کے چہرے صحراء کے سفید اور گداز عورتوں کے چہروں کے برابر خوبصورت نہیں ہیں"

حُسْنُ الْحَضَارَةِ مَجْلُوبٌ بِتَطْرِيَةٍ　　وَفِي الْبَدَاوَةِ حُسْنٌ غَيْرُ مَجْلُوبِ

(ترجمہ، دکیونکہ) شہری عورتوں کا حسن مانگ پٹی کا مرہون منت ہے اور صحرا نشین عورتوں کے حسن میں تکلف نہیں"

اَفْدِي ظِبَاءَ فَلَاةٍ مَا عَرَفْنَ بِهَا　　مَضْغَ الْكَلَامِ وَلَا صِبْغَ الْحَوَاجِيبِ

(ترجمہ) میں قربان جاؤں ان آہوان وحشی پر جنہوں نے چبا چبا کر بولنا اور ابروؤں کا رنگنا نہیں سیکھا"

وَلَا بَرَزْنَ مِنَ الْحَمَّامِ مَائِلَةً　　اَوْرَاكُهُنَّ صَقِيلَاتِ الْعَرَاقِيبِ

(ترجمہ) اور نہ وہ سرین ہلاتے ہوئے حمام سے نکلتی ہیں - بحالیکہ انکی پنڈلی چمکتی ہو"

متنبی کو اس باب میں ید طولیٰ حاصل ہے - چنانچہ متعدد قصائد میں اس مضمون کو نہایت خوبی سے مختلف پیرایوں سے بیان کر گیا ہے

(۴)

پوری غزل میں متنبی کمال فن - جدت مضامین - روانی وسلاست - گھلاوٹ

شیرینی - سوز و گداز کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا - مثلاً ؎

قَدْ کَانَ یَمْنَعُنِیَ الْحَیَاءُ مِنَ الْبُکَا   فَالْآنَ یَمْنَعُهُ الْبُکَا اَنْ یَمْنَعَا

(ترجمہ) بیشک پہلے حیا مجھے رونے سے روکتی تھی - مگر آج میرا رونا حیا کو منع گریہ سے روکتا ہے (نہایت ہی جدید خیال ہے)

حَتّٰی کَاَنَّ لِکُلِّ عَظْمٍ رَنَّةً   فِیْ جِلْدِهٖ وَ لِکُلِّ عِرْقٍ مَدْمَعَا

(ترجمہ) شدت گریہ کا یہ حال ہے) کہ ہر ہڈی کھال کے اندر رو رہی ہے اور ہر رگ آنسو بہا رہی ہے -

سَفَرَتْ وَ بَرْقَعَهَا الْحَیَاءُ بِصُفْرَةٍ   سَتَرَتْ مَحَاسِنَهَا وَ لَمْ تَکُ بُرْقُعَا

(ترجمہ) اسنے چہرہ کھولا تو شرم وحیانے اسپر زرد رنگ کا برقع ڈالدیا - جسنے اسکے محاسن کو چھپا لیا اور درحقیقت اسوقت اس کے چہرہ پہ برقع نہیں تھا '

فَکَاَنَّهَا وَالدَّمْعُ یَقْطُرُ فَوْقَهَا   ذَهَبٌ بِسِمْطَیْ لُؤْلُؤٍ قَدْ رُصِّعَا

(ترجمہ) سو گویا وہ از روئے چہرہ جسپر قطرات اشک متواتر بہ رہے تھے سونے کا واسطۃ العقد تھا جو دو موتیوں کی لڑی میں جڑ دیا گیا تھا '

کَشَفَتْ ثَلٰثَ ذَوَائِبٍ مِنْ شَعْرِهَا   فِیْ لَیْلَةٍ فَاَرَتْ لَیَالِیَ اَرْبَعَا

(ترجمہ) اسنے ایک رات اپنے بالوں کے تین گیسو (عقاص - مثنٰی - مرسل) کھول دئے سو اسنے چار راتیں ایک ساتھ دکھلا دیں '

وَاسْتَقْبَلَتْ قَمَرَ السَّمَاءِ بِوَجْهِهَا   فَاَرَتْنِیَ الْقَمَرَیْنِ فِیْ وَقْتٍ مَعًا

(ترجمہ) اور محبوبہ نے اپنا روئے انور چاند کے سامنے کر دیا - سو اسنے مجھ کو دو چاند یک وقت اکٹھے دکھلا دئے '

دیگر ؎

کَاَنَّ الْعِیْسَ کَانَتْ فَوْقَ جَفْنِیْ   مُنَاخَاتٍ فَلَمَّا ثُرْنَ سَالَا

(ترجمہ) گویا انکی سانڈنیاں میرے پپوٹوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ (کہ آنسو رکے ہوئے تھے) جب وہ اٹھیں۔ تو میرے آنسو جاری ہو گئے۔

ابوالفتح کہتا ہے۔ رونے کے بارے میں ایسا نفیس مضمون آج تک کسی نے نہیں باندھا،

لَبِسْنَ الْوَشْیَ لَا مُتَجَمِّلَاتٍ　　وَلٰکِنْ کَیْ یَصُنَّ بِهِ الْجَمَالَا

(ترجمہ) انہوں نے منقش کپڑے زینت کے لئے نہیں پہنے۔ بلکہ اسلئے کہ انکے حسن وجمال کی حفاظت ہو سکے،

وَضَفَّرْنَ الْغَدَائِرَ لَا لِحُسْنٍ　　وَلٰکِنْ خِفْنَ فِی الشَّعْرِ الضَّلَالَا

(ترجمہ) اور انہوں نے اپنی زلفوں کو حسن کے لئے نہیں گوندھا۔ بلکہ اس خوف سے کہ کہیں ان میں غائب ہو کر گم نہ ہو جائیں (کثرت مو کی تعریف کر رہا ہے)

(۵)

(متاخرین شعراء نے تشبیہ کی ایک قسم ایسی بھی استنباط کی ہے جو حروف تشبیہ سے خالی ہوتا ہے۔ اس میں شعراء متاخرین خصوصاً شعرای ایران نے کمال کے تمام مراحل طے کر لئے ہیں،

نظیری نیشاپوری کہتا ہے ؎

بوی یار من ازیں سست وفا می آید　　گلم از دست بگیرید کہ کار شدم

متنبی بھی اس بات میں کسی سے پیچھے نہیں مثلاً ؎

بَدَتْ قَمَراً وَمَالَتْ خُوطَ بَانٍ　　وَفَاحَتْ عَنْبَراً وَرَنَتْ غَزَالَا

(ترجمہ) وہ چاند کیطرح دکھائی دی۔ اور شاخ بان کی طرح لچکی اور عنبر کی طرح مہکی اور اسنے آہو کی طرح دیکھا،

دیگر ؎

تَرْنُوْ اِلَیَّ بِعَیْنِ الظَّبْیِ مُجْھِشَۃً وَ تَمْسَحُ الطَّلَّ فَوْقَ الْوَرْدِ بِالْعَنَمِ

(ترجمہ) محبوبہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر میری طرف چشمِ آہو سے دیکھتی ہے اور اپنے گلابی رخسار سے (آنسوؤں کی) شبنم کو عنم (حنا بستہ انگلیوں) سے صاف کرتی ہے۔

دیگر ؎

قَمَرًا تَرَیٰ وَ سَحَابَتَیْنِ بِمَوْضِعٍ مِنْ وَجْھِہٖ وَ یَمِیْنِہٖ وَ شِمَالِہٖ

(ترجمہ) تم اس کے چہرے پر اور دائیں بائیں ایک چاند اور دو بادل کے ٹکڑے دیکھو گے۔

(۶)

تشبیہ اور تمثیل میں جدت [نازک خیالی متاخرین کا خصوصی جوہر ہے۔ اس بارے میں متاخرین نے وہ تمام مراحل طے کئے ہیں جو عقل انسانی کی انتہائی پرواز ہو سکتی تھی۔ کیا شعر ذیل سے بڑھ کر اس باب میں کچھ کہا جا سکتا ہے ؎

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد صبا حکایت زلف تو درمیاں انداخت

اس باب میں متنبی کا رنگ ملاحظہ ہو ؎

کَاَنَّ رَقِیْبًا مِنْکَ سَدَّ مَسَامِعِیْ عَنِ الْعَذْلِ حَتّٰی لَیْسَ یَدْخُلُھَا الْعَذْلُ

(ترجمہ) گویا تیری طرف سے ایک محافظ نے میرے کان ملامت کے سننے سے بند کر دئے ہیں۔ پس اس میں ملامت کارگر نہیں ہو سکتی۔

کَاَنَّ سُھَادَ الْعَیْنِ یَعْشَقُ مُقْلَتِیْ فَبَیْنَھُمَا فِیْ کُلِّ ھَجْرٍ لَنَا وَصْلُ

(ترجمہ) گویا بیداری میری آنکھ پر عاشق ہے سو ان دونوں کو ہماری ہر شب فراق میں وصال نصیب ہوتا رہتا ہے۔

دیگر ؎

كَرِيْمٌ نَفَضْتُ النَّاسَ لَمَّا رَأَيْتُهُ كَأَنَّهُمُ مَا جَفَّ مِنْ زَادِ قَادِمِ

(ترجمہ: وہ ایسا کریم ہے کہ جب میں اس سے ملا تو میں نے (اپنے دل سے) سب لوگوں (کے خیال) کو جھاڑ دیا۔ گویا وہ لوگ سفر سے واپس آنے والے کا خشک توشہ ہیں (سفر سے واپس آنے کے بعد توشہ دان صاف کیا جاتا ہے'

وَكَادَ سُرُوْرِيْ لَا يَفِيْ بِنَدَامَتِيْ عَلٰى تَرْكِهٖ فِيْ عُمْرِيَ الْمُتَقَادِمِ

(ترجمہ) قریب تھا۔ کہ میری خواہش اس ندامت کا جبر نقصان نہ کر سکے جو میری عمر گذشتہ میں ممدوح کے چھوڑ دینے پر مجھ کو لاحق ہوئی ہے'

یہ مضمون متنبی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے [اس سے پہلے کسی نے نہیں باندھا]

اسکی جدت اور نازک خیالی کا اور نمونہ ملاحظہ ہو ؎

رَضُوْا بِكَ كَالرِّضَا بِالشَّيْبِ قَسْرًا وَقَدْ وَخَطَ النَّوَاصِيَ وَالْفُرُوْعَا

(ترجمہ) وہ تمہاری تابعداری پر بمجبوری راضی ہوئے۔ جیسے ایک شخص بڑھاپے کے سامنے سپر انداز ہوجاتا ہے۔ جب وہ پیشانی اور زلفوں میں نمودار ہو'

(۷)

متنبی بعض اشعار میں مسائل صرف و نحو کو نہایت خوبی سے بھاتا جاتا ہے اور حقیقی مطلب بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا مثلاً ؎

وَإِنَّمَا نَحْنُ فِيْ جِيْلٍ سَوَاسِيَةٍ شَرٍّ عَلَى الْحُرِّ مِنْ سُقْمٍ عَلَى الْبَدَنِ

ہم ایسے لوگوں میں پیدا ہوئے جو برائی میں سب برابر ہیں اور شریف کے حق میں مرض جسمانی سے زیادہ مضر ہیں'

حَوْلِيْ بِكُلِّ مَكَانٍ مِنْهُمُ خِلَقٌ تُخْطِئْ إِذَا جِئْتَ فِيْ اسْتِفْهَامِهَا بِمَنِ

(ترجمہ) ہر جگہ میرے گرد ایسی صورتیں رہتی ہیں کہ اگر تم ان کا استفہام لفظ من سے

تَرْنُوا اِلَیَّ بِعَیْنِ الظَّبْیِ مُجْھِشَۃً وَ تَمْسَحُ الطَّلَّ فَوْقَ الْوَرْدِ بِالْعَنَمِ

(ترجمہ) محبوبہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر میری طرف چشم آہو سے دیکھتی ہے اور اپنے گلابی رخسار سے (آنسوؤں کی) شبنم کو عنم (حنا بستہ انگلیوں) سے صاف کرتی ہے'

دیگر ؎

قَمَرًا تَرٰی وَ سَحَابَتَیْنِ بِمَوْضِعٍ مِنْ وَجْھِہٖ وَ یَمِیْنِہٖ وَ شِمَالِہٖ

(ترجمہ) تم اس کے چہرے پر اور داہنے بائیں ایک چاند اور دو بادل کے ٹکڑے دیکھوگے'

(۶)

تشبیہ اور تمثیل میں جدت [نازک خیالی متاخرین کا خصوصی جوہر ہے۔اس بارے میں متاخرین نے وہ تمام مراحل طے کئے ہیں جو عقل انسانی کی انتہائی پرواز ہوسکتی تھی۔کیا شعر ذیل سے بڑھ کر اس باب میں کچھ کہا جا سکتا ہے ؎

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد صبا حکایت زلف تو درمیاں انداخت

اس باب میں متنبی کا رنگ ملاحظہ ہو ؎

کَاَنَّ رَقِیْبًا مِنْکَ سَدَّ مَسَامِعِیْ عَنِ الْعَذْلِ حَتّٰی لَیْسَ یَدْخُلُھَا الْعَذْلُ

(ترجمہ) گویا تیری طرف سے ایک محافظ نے میرے کان ملامت کے سننے سے بند کردئے ہیں۔پس اس میں ملامت کارگر نہیں ہوسکتی'

کَاَنَّ سُھَادَ الْعَیْنِ یَعْشَقُ مُقْلَتِیْ فَبَیْنَھُمَا فِیْ کُلِّ ھَجْرٍ لَنَا وَصْلُ

(ترجمہ) گویا بیداری میری آنکھ پر عاشق ہے سو ان دونوں کو ہماری ہر شب فراق میں وصال نصیب ہوتا رہتا ہے'

دیگر ؎

کَرِیْمٌ نَفَضْتُ النَّاسَ لَمَّا رَاَیْتُہٗ کَاَنَّھُمْ مَا جَفَّ مِنْ زَادِ قَادِمِ

(ترجمہ) وہ ایسا کریم ہے کہ جب میں اس سے ملا تو میں نے (اپنے دل سے) سب لوگوں (کے خیال) کو جھاڑ دیا۔ گویا وہ لوگ سفر سے واپس آنے والے کا خشک توشہ ہیں (سفر سے واپس آنے کے بعد توشہ دان صاف کیا جاتا ہے)

وَکَادَ سُرُوْرِیْ لَا یَفِیْ بِنَدَامَتِیْ عَلٰی تَرْکِہٖ فِیْ عُمْرِیَ الْمُتَقَادِمِ

(ترجمہ) قریب تھا۔ کہ میری خواہش اس ندامت کا جبر نقصان نہ کر سکے جو میری عمر گذشتہ میں ممدوح کے چھوڑ دینے پر مجھ کو لاحق ہوئی ہے

یہ مضمون متنبی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے [اس سے پہلے کسی نے نہیں باندھا]

اسکی جدت اور نازک خیالی کا اور نمونہ ملاحظہ ہو ؎

رَضُوْا بِکَ کَالرِّضَا بِالشَّیْبِ قَسْرًا وَقَدْ وَخَطَ النَّوَاصِیَ وَالْفُرُوْعَا

(ترجمہ) وہ تمہاری تابعداری پر بمجبوری راضی ہوئے۔ جیسے ایک شخص بڑھاپے کے سامنے سپر انداز ہو جاتا ہے۔ جب وہ پیشانی اور زلفوں میں نمودار ہو

(۷)

متنبی بعض اشعار میں مسائل صرف و نحو کو نہایت خوبی سے جماتا جاتا ہے اور حقیقی مطلب بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا مثلاً ؎

وَاِنَّمَا نَحْنُ فِیْ جِیْلٍ سَوَاسِیَۃٍ شَرٌّ عَلَی الْحُرِّ مِنْ سُقْمٍ عَلَی الْبَدَنِ

ہم ایسے لوگوں میں پیدا ہوئے جو برائی میں سب برابر ہیں اور شریف کے حق میں مرض جسمانی سے زیادہ مضر ہیں

حَوْلِیْ بِکُلِّ مَکَانٍ مِنْھُمْ خِلَقٌ تُخْطِیْ اِذَا جِئْتَ فِیْ اِسْتِفْھَامِھَا بِمَنِ

(ترجمہ) ہر جگہ میرے گرد ایسی صورتیں رہتی ہیں کہ اگر تم ان کا استفہام لفظ من سے

کروگے تو غلطی کروگے (کیونکہ وہ بہائم ہیں)
لفظ مَن کے ذریعہ ذو والمعقول سے سوال کیا جاتا ہے۔ متنبی کہتا ہے کہ وہ لوگ بہائم ہیں۔ لہذا انکو من انتم سے خطاب کرنا غلط ہے بلکہ ما انتم کہہ کر انکو مخاطب کرنا چاہیے
کہتے ہیں جریر نے جب یہ شعر کہا ؎
یَاحَبَّذَا جَبَلُ الرَّیَّانِ مِنْ جَبَلٍ ‏ ‏ ‏ ‏ وَحَبَّذَا سَاکِنُ الرَّیَّانِ مَنْ کَانَا
(ترجمہ) ریان نامی پہاڑ اور اسکے رہنے والے جو بھی ہوں کیا ہی اچھے ہیں
اسپر فرزدق نے تنقیداً کہا۔ اگرچہ وہ رہنے والے بندر ہی ہوں
جریر نے کہا اوراگر میں یہ قصد ہوتا [تا زب خیال من کا نا آئے ۲ ما کان کہتا [اسی تو بجائے من کا نا کہتا
قسم کا ایک واقعہ دوسرا بھی مشہور ہے کہ جب یہ آیت اتری (انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم) تو کفار کو بڑی خوشی ہوئی کہ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔ اور دربار رسالت میں حاضر ہوکر کہا۔ اس آیت کے بموجب تو حضرت عیسیٰ بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔
آپ نے فرمایا۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو من تعبدون فرماتے ما تعبدون نہ کہتے۔ مگر احقر کا خیال ہے کہ کسی خالص عربی سے اس قسم کی ناش غلط فہمی کا ہو جانا قرین قیاس نہیں ہے۔ رہا جریر و فرزدق کا معاملہ تو انکے قصوں کی اصلیت بیربل اور دو پیازہ کے قصوں سے شاید کچھ ہی بڑھ کر ہے۔ مترجم]
دیگر ؎
اَمْضٰی اِرَادَتَهٗ فَسَوْفَ لَهٗ قَدٌ ‏ ‏ ‏ ‏ وَاسْتَقْرَبَ الْاَقْصٰی فَثَمَّ لَهٗ هُنَا
(ترجمہ) ممدوح ارادے کا پکا ہے۔ پس لفظ سوف (جو حرف استقبال ہے) اسکے

لئے قد کا کام دیتا ہے (جو تحقیق ماضی کے لئے ہے) اور وہ دور کو بہت نزدیک سمجھتا ہے سپس کلمۂ ثم (جو اشارۂ بعید کے لئے ہے) اس کے لئے ھنا کے حکم میں ہے (جو اشارہ قریب کے لئے ہے)

سوف استقبال کے لئے آتا ہے اور قد تحقیق ماضی اور تقریب حال کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ممدوح جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو گویا اپنی نیت سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے'

دیگر ؎

اِذَا کَانَ مَا تَنْوِیْہِ فِعْلاً مُضَارِعاً مَضٰی قَبْلَ اَنْ تُلْقٰی عَلَیْہِ الْجَوَازِمُ

(ترجمہ) جب تو کسی فعل مستقبل کے کرنے کا قصد کرتا ہے تو وہ حروف جازمہ کے داخل ہونے سے پہلے ماضی بن جاتا ہے (یعنی ملامت گر کے لا تفعل اور حاسد کے لم یفعل کہنے کا موقعہ ہی نہیں آنے پاتا' نیز شعر میں تلمیح ہے کہ مضارع کو حروف جازمہ ماضی منفی بنا دیتے ہیں' دیگر ؎

وَکَانَ ابْنَا عَدُوٍّ کَاثَرَاہُ لَہٗ یَائِیْ حُرُوْفِ اُنَیْسِیَانِ

(ترجمہ) اور تیرے دشمن کے دو بیٹے جو اس مجمع کی تعداد بڑھاتے ہیں تو وہ درحقیقت اس کے معنی کو لفظ انیسیان کے دو یاؤں کی طرح کم کرتے ہیں'

انیسیان انسان کا مصغر ہے جس کے حروف پانچ ہیں۔ جب لفظ انسان کی تصغیر بنانی ہو۔ تو اس میں دو یاء بڑھا دیتے ہیں۔ جس سے حروف کی گنتی بڑھ جاتی ہے اور معنی گھٹ جاتے ہیں۔ پس اسی طرح دشمن کے دو بیٹوں نے اگرچہ انکی مردم شماری کو بڑھایا۔ مگر درحقیقت اپنی نالائقی اور تجربہ کاری سے اپنے باپ کی کمزوری کا سبب ہوئے'

(۸)

مدح موجہ [جسکو علمای بدیع۔ استتباع المدح بالمدح۔ کہتے ہیں۔ یعنی

ممدوح کی مدح اسطرح کرنا۔ کہ مدح سے دوسری مدح سمجھی جائے مثلاً
انوری کہتا ہے ؎

اے زیزداں تا ابد ملک سلیماں یافتہ   ہرچہ جستہ جز نظیر از فضل یزداں یافتہ

متنبی کا شعر مذکور ذیل تو اس باب میں کچھ ایسے مبارک وقت پر کہا گیا
ہے کہ شاید ہی کوئی کتاب فن بدیع کی ایسی ہو جس میں یہ شعر تمثیلاً نہ آیا
ہو۔ مترجم]

نَهَبْتَ مِنَ الْاَعْمَارِ مَا لَوْ حَوَيْتَهُ   لَهُنِّئَتِ الدُّنْيَا بِاَنَّكَ خَالِدُ

(ترجمہ) تونے دشمنوں کو قتل کر کے انکی اتنی عمریں لوٹیں ہیں۔ کہ اگر تو انکو جمع کر
لیتا۔ تو دنیا کو تیری ہمیشگی کی مبارکباد دی جاتی ؎

[یہ شعر مدح میں بجائے قصیدہ بلکہ بمنزلہ ایک دیوان کے ہے۔ اس
میں بوجوہ کثیر مدح ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ عمروں کو لوٹتا ہے نہ اموال کو۔ دوسرے
یہ کہ اسنے اسقدر دشمن قتل کئے ہیں کہ اگر وہ انکی عمروں کا وارث ہوجاتا۔
تو دنیا میں ہمیشہ رہتا۔ تیسری یہ کہ اسکا دنیا میں ہمیشہ رہنا باعث صلاح
اہل دنیا ہے۔ ورنہ مبارکبادی دینے کا کیا موقعہ تھا۔ چوتھے یہ کہ وہ دشمنوں
کے قتل میں ظالم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انکے قتل سے صلاح دنیا و اہل دنیا
کا قصد کرتا ہے اور لوگ اسکے ہمیشہ رہنے سے خوش ہیں۔ اسلئے لُهُنِّئَتِ
الدنیا (ای اہل دنیا) کہا۔ شارح ابن جنی کہتا ہے کہ اگر سیف الدولہ کی
مدح میں متنبی اس شعر کے سوا اور کچھ نہ کہتا تو اس کے دوام یادگار کے لئے
کافی تھا]

(۹)

سیف الدولہ کے لقب سیف میں مختلف تصرفات کر کے متنبی نے
اپنی قادر الکلامی اور جدت طرازی پر مہر لگادی۔ مثلاً ؎

لَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ مِنْ دَوْلَةٍ　　لَهَا مِنْكَ يَا سَيْفَهَا مُنْصُلُ

(ترجمہ) بیشک خدا نے اس دولت کو بلند کر دیا۔ اے سیف الدولہ جس کے لئے تو شمشیر براں ہے'

دیگر ؎

تُهَابُ سُيُوفُ الْهِنْدِ وَهِيَ حَدَائِدُ　　فَكَيْفَ إِذَا كَانَتْ نِزَارِيَّةً عُرْبَا

(ترجمہ) ہندی تلواروں سے لوگ ڈرتے ہیں حالانکہ وہ لوہے کی بنی ہوئی ہیں۔ پس کیا حال ہوگا۔ اس تلوار کا جو نزاری اور عربی ہو'

(۱۰)

اس کے علاوہ سیف الدولہ کے بقیہ مدائح میں بھی ابداع اور جدت طرازی سے کام لیا۔ مثلاً ؎

مَلِكٌ سِنَانُ قَنَاتِهِ وَ بَنَانُهُ　　يَتَبَارَيَانِ دَماً وَعُرْفاً سَاكِباً

(ترجمہ) وہ ایسا شہنشاہ ہے۔ جس کے نیزوں کے بھالے خونریزی میں اور پوریاں احسان جاری میں ایک دوسرے سے بڑھتی ہیں'

يستصغرُ الخطرَ الكبيرَ لوفدِهِ　　وَيَظُنُّ دجلةَ ليس تَكفي شارِباً

(ترجمہ) وہ بڑی سے بڑی قیمتی چیز کو بھی سائل کے لئے کم سمجھتا ہے اور اسکا گمان ہے۔ کہ نہر دجلہ باین فراوانی بھی ایک پینے والے کے لئے کافی نہیں (بلکہ زیادہ کی ضرورت ہے)

كَالْبَدْرِ مِنْ حَيْثُ الْتَفَتَّ رَأَيْتَهُ　　يُهْدِي إِلَى عَيْنَيْكَ نُوراً ثَاقِباً

(ترجمہ) وہ ماہ چار دہم کی مانند ہے۔ جہاں سے بھی تو اسکی طرف متوجہ ہوگا وہ تیری آنکھوں کو چمکتا ہوا نور بخشے گا'

كَالشَّمْسِ فِي كَبِدِ السَّمَاءِ وَضَوْءُهَا　　يَغْشَى الْبِلَادَ مَشَارِقاً وَمَغَارِباً

(ترجمہ) وہ آفتاب کی مانند ہے کہ ہے تو وسط آسمان میں۔ مگر اسکی روشنی تمام ممالک مشرقی اور مغربی پر پڑتی ہے'

کَالْبَحْرِ يَقْذِفُ لِلْقَرِيْبِ جَوَاهِراً   جُوْداً وَيَبْعَثُ لِلْبَعِيْدِ سَحَائِبَا

(ترجمہ) وہ سمندر کی مانند ہے۔ کہ سخاوت کے باعث بخشتا ہے۔ پاس والے کو جواہر۔ اور دور رہنے والے کے پاس بادل بھیجتا ہے۔

دیگر

اَلنَّاسُ مَا لَمْ يَرَوْكَ اَشْبَاهٌ   وَالدَّهْرُ لَفْظٌ وَاَنْتَ مَعْنَاهُ

(ترجمہ) لوگ جب تلک تجھ کو نہ دیکھیں۔ باہم مشابہ ہیں اور زمانہ لفظ ہے۔ جس کا تو معنی ہے (یعنی تو تمام لوگوں سے برتر اور زمانہ کا لب لباب ہے)

وَالْجُوْدُ عَيْنٌ وَاَنْتَ نَاظِرُهٗ   وَالْبَاْسُ بَاعٌ وَاَنْتَ يُمْنَاهُ

(ترجمہ) اور سخاوت آنکھ ہے۔ جس کا تو نور ہے اور جنگ بازو ہے۔ جس کی داہنی جانب تو ہے'

دیگر

تَمْشِي الْكِرَامُ عَلٰى آثَارِ غَيْرِهِمِ   وَاَنْتَ تَخْلُقُ مَا تَاْتِي وَتَبْتَدِعُ

(ترجمہ) دوسرے بڑے لوگ تو اوروں کے نشان قدم پر چلتے ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کے موجد اور مبدع خود ہی ہو'

مَنْ كَانَ فَوْقَ مَحَلِّ الشَّمْسِ مَوْضِعُهٗ   فَلَيْسَ يَرْفَعُهٗ شَيْءٌ وَلَا يَضَعُ

(ترجمہ) جس کا رتبہ آفتاب سے بھی اونچا ہو اسکو کوئی چیز گھٹا بڑھا نہیں سکتی'

دیگر

وَرُبَّ جَوَابٍ عَنْ كِتَابٍ بَعَثْتَهٗ   وَعُنْوَانُهٗ لِلنَّاظِرِيْنَ قَتَامُ

(ترجمہ) بسا اوقات تم نے کسی خط کا جواب بھیجا جس کا سرنامہ دیکھنے والے کے

لئے غبار لشکر تھا (یعنے تونے غبار لشکر کو قائم مقام جواب سمجھا)

دیگر ؎

ولولا احتقار الاسد شبھتھا بھم ولکنھا معدودۃ فی البھائم

(ترجمہ) اور اگر شیر حقیر نہ ہوتے تو میں انکو ممدوح کے قبیلہ سے تشبیہہ دے دیتا - مگر وہ تو بہائم میں شمار ہیں - لہٰذا تشبیہہ گو نہ بے ادبی ہوگی ؛

کافور کی مدح میں کہتا ہے ؎

فجاءت بنا انسان عین زمانہ وخلت بیاضا خلفھا ومآقیا

(ترجمہ) سو وہ گھوڑے ہم کو ایسے بادشاہ کے پاس لے آئے جو زمانہ کی آنکھ کی پتلی ہے اور اپنے پیچھے ایسے لوگوں کو چھوڑ دیا جو سفیدی چشم اور گوشہائے دیدہ کی طرح تھے ؛

کسی حبشی بادشاہ کی مدح کی بس یہ آخری حد ہے - یہ شعر اپنے حسن شرافت معنی - تمثیل جید کے اعتبار سے بے نظیر ہے - کیونکہ شاعر نے کافور حبشی کو آنکھ کی پتلی قرار دیا ؛

(۱۱)

ممدوح سے اسطرح خطاب کرتا ہے جیسے کوئی اپنے ہمسر رفیق سے خطاب کرے - پھر اس میں خاص خوبی اور جدت کو ملحوظ رکھتا ہے - متنبی پہلا شاعر ہے جسنے اس میدان میں جولانیاں دکھائی ہیں - [کیونکہ متنبی اپنی شرافت نفسی اور حریت منشی کے باعث عام شعراء سے بلند رہ کر امراء اور سلاطین کے طبقہ میں اپنے آپ کو شمار کرتا ہے - یہی وہ راز خودی ہے جو متاخرین شعراء میں نام کو بھی نہیں ملتا - متنبی میں عربی رگ کے آثار موجود تھے - اس لئے وہ امراء اور سلاطین کی مدحیات

میں اپنا فخر یہ بھی بلا تحاشا کہتا جاتا ہے مترجم] مثلاً ایک قصیدہ میں کافور کو خطاب کرتا ہے ؎

وَمَا اَنَا بِالْبَاغِي عَلَى الْحُبِّ رِشْوَةً ضَعِيفُ هَوًى يُبْغَى عَلَيْهِ ثَوَابُ

(ترجمہ) اور میں محبت کے بدلے رشوت نہیں مانگتا۔ کیونکہ جس محبت کا بدلہ طلب کیا جائے وہ ضعیف ہوتی ہے۔

وَمَا شِئْتُ اِلَّا اَنْ اُذِلَّ عَوَاذِلِي عَلَى اَنَّ رَأْيِي فِي هَوَاكَ صَوَابُ

(ترجمہ) میرا مقصد تو صرف ملامت کرنے والوں کو ذلیل کر کے یہ بتلانا ہے۔ کہ تیری محبت کے بارے میں میری رائے صائب تھی۔

وَاُعْلِمُ قَوْمًا خَالَفُوْنِي فَشَرَّقُوْا وَغَرَّبْتُ اَنِّي قَدْ ظَفِرْتُ وَخَابُوْا

(ترجمہ) اور تاکہ ان لوگوں کو جو میری مخالفت کر کے مشرق کی طرف گئے اور میں مغرب کی طرف آیا۔ یہ بتلادوں کہ میں بیشک کامیاب ہوں اور وہ ناکامیاب

اِذَا نِلْتُ مِنْكَ الْوُدَّ فَالْمَالُ هَيِّنٌ وَكُلُّ الَّذِي فَوْقَ التُّرَابِ تُرَابُ

(ترجمہ) جب تیری محبت مجھ کو حاصل ہو جائے تو مال کی کوئی حقیقت نہیں اور روئے زمین پر جو چیز ہے وہ (بالآخر) مٹی (ہونے والی) ہے

استاد ابن العمید کی مدح میں کہتا ہے ؎

تَفَضَّلَتِ الْاَيَّامُ بِالْجَمْعِ بَيْنَنَا فَلَمَّا حَمِدْنَا لَمْ تُدِمْنَا عَلَى الْحَمْدِ

(ترجمہ) زمانہ نے ہم دونوں کو ملا دینے میں ابتداء میں احسان کیا۔ سو جب ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا تو اسنے ہمیں اداءِ شکر پر باقی نہیں رکھا (بلکہ جدا کیا)

فَجُدْ لِي بِقَلْبٍ اِنْ رَحَلْتُ فَاِنَّنِي مُخَلِّفُ قَلْبِي عِنْدَ مَنْ فَضْلُهُ عِنْدِي

(ترجمہ) سو اگر میں چل پڑوں۔ تو تو اپنا دل مجھے بخشدے۔ کیونکہ میں اپنے

(ترجمہ) دل کو اس شخص کے پاس چھوڑ چلا ہوں - جس کا عطیہ میرے پاس ہے'

[پہلے شعر میں جمع کی تین ضمیریں لایا ہے - جس میں یہ اشارہ ہے کہ جیسا میں ابن العمید کا مشتاق تھا - ویسا ہی وہ بھی میری دید کا طالب تھا - مترجم]

عضد الدولہ کو خطاب کرتا ہے ؎

اَرُوحُ وَقَدْ خَتَمْتَ عَلٰی فُؤَادِیْ بِحُبِّکَ اَنْ یَحُلَّ بِہٖ سِوَاکَا

(ترجمہ) میں تجھ سے ایسی حالت میں چلتا ہوں کہ تو نے میرے دل پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی ہے - تاکہ اس میں کوئی اور نہ اتر سکے'

فَلَوْ اَنِّی اسْتَطَعْتُ خَفَضْتُ طَرْفِیْ فَلَمْ اُبْصِرْ بِہٖ حَتّٰی اَرَاکَا

(ترجمہ) پس اگر میرے بس میں ہو - تو میں اپنی آنکھوں کو بند کر لوں - تا آنکہ واپس آکر تجھے دیکھ لوں'

اشعار ذیل میں متنبی سیف الدولہ کی مدح کرتا ہے - اشعار کی روانی اور لطافت قابل داد ہے - بایں ہمہ وہ ان اشعار میں آداب شاعری اور مناسبت محل کو نظر انداز کر گیا ہے [دیکھئے ممدوح کو محبوب کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے] ؎

مَالِیْ اُکَتِّمُ حُبًّا قَدْ بَرٰی جَسَدِیْ وَتَدَّعِیْ حُبَّ سَیْفِ الدَّوْلَۃِ الْاُمَمُ

(ترجمہ) کیا وجہ ہے کہ میں اس محبت کو چھپائے ہوں - جس نے میرے جسم کو لاغر کر دیا ہے حال آنکہ سیف الدولہ کی محبت کا دعویٰ تمام لوگ کرتے ہیں'

اِنْ کَانَ یَجْمَعُنَا حُبٌّ لِغُرَّتِہٖ فَلَیْتَ اَنَّا بِقَدْرِ الْحُبِّ نَقْتَسِمُ

(ترجمہ) اگرچہ ہم سب اس کے چہرہ کی محبت میں مشترک ہیں - کاش ہم بقدر محبت اس کے انعام و احسان کو بھی آپس میں تقسیم کیا کریں'

یَا اَعْدَلَ النَّاسِ اِلَّا فِیْ مُعَامَلَتِیْ فِیْکَ الْخِصَامُ وَاَنْتَ الْخَصْمُ وَالْحَکَمُ

(ترجمہ) اے میرے معاملہ کے سوا تمام لوگوں میں بڑھ کر عادل - تجھی میں میرا جھگڑا اور تجھی سے جھگڑا ہے اور تو ہی حکم ہے'

إِذَا رَأَيْتَ نُيُوبَ اللَّيْثِ بَارِزَةً ٭ فَلَا تَظُنَّنَّ أَنَّ اللَّيْثَ يَبْتَسِمُ

(ترجمہ) جبکہ تو شیر کی کچلیاں کھلی ہوئی دیکھے - تو یہ نہ سمجھ کہ وہ ہنس رہا ہے

أُعِيذُهَا نَظَرَاتٍ مِنْكَ صَادِقَةً ٭ أَنْ تَحْسَبَ الشَّحْمَ فِيمَنْ شَحْمُهُ وَرَمُ

(ترجمہ) میں تیری صادق نگاہوں کے لئے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ کسی آماسیدہ کے ورم کو چربی سمجھنے لگیں'

وَمَا انْتِفَاعُ أَخِي الدُّنْيَا بِنَاظِرِهِ ٭ إِذَا اسْتَوَتْ عِنْدَهُ الْأَنْوَارُ وَالظُّلَمُ

(ترجمہ) کسی دنیا میں بسنے والے کو ایسی آنکھ سے کیا فائدہ ہے - جس کے نزدیک روشنی اور تاریکی برابر ہو'

يَا مَنْ يَعِزُّ عَلَيْنَا أَنْ نُفَارِقَهُمْ ٭ وِجْدَانُنَا كُلَّ شَيْءٍ بَعْدَكُمْ عَدَمُ

(ترجمہ) اے وہ شخص جسکی جدائی ہمیں شاق گذرتی ہے اور تم سے الگ ہونے کے بعد ہمیں ہر چیز کا ملنا ہیچ ہے'

مَا كَانَ أَخْلَقَنَا مِنْكُمْ بِتَكْرِمَةٍ ٭ لَوْ أَنَّ أَمْرَكُمْ مِنْ أَمْرِنَا أَمَمُ

(ترجمہ) ہم کس قدر تمہاری عزت کے مستحق ہوتے - اگر تم بھی ہم سے ایسی محبت کرتے جیسی کہ ہم تم سے کرتے ہیں'

أَرَى النَّوَى تَقْتَضِينِي كُلَّ مَرْحَلَةٍ ٭ لَا تَسْتَقِلُّ بِهَا الْوَخَّادَةُ الرُّسُمُ

(ترجمہ) میں دیکھتا ہوں کہ فراق مجھے ایسی منزل قطع کرنے پر مجبور کرتا ہے جسکو تیز رو سانڈنیاں بھی نہیں طے کر سکتے ہیں'

لَئِنْ تَرَكْنَا ضُمَيْرًا عَنْ مَيَامِنِنَا ٭ لَيَحْدُثَنَّ لِمَنْ وَدَّعْتُهُمْ نَدَمُ

(ترجمہ) اگر ہم نے مقام ضمیر کو اپنی داہنی طرف چھوڑ دیا تو یقیناً اس شخص کو ندامت

حاصل ہو گی۔جس سے میں رخصت ہوا'

إذا ترحلت عن قوم وقد قدروا　　أن لا تفارقهم فالراحلون هم

(ترجمہ) جب تو کسی ایسی قوم سے کوچ کرے جنکے بس میں تھا کہ تو ان سے کوچ نہ کرسکے تو در حقیقت کوچ کرنے والے وہ ہیں نہ تو'

(۱۲)

غزل کے الفاظ کو قصائد میں کھپانا متنبی کے ان خصوصیات میں سے ہے جن میں نہایت حذاقت سے اسنے حسن تصرف کیا ہے مثلا ؎

أعلى الممالك ما يبنى على الأسل　　والطعن عند محبيهن كالقبل

(ترجمہ) بہترین سلطنت وہ ہے جسکی بنیاد نیزوں پر قائم ہو اور اسکے عاشقوں کے نزدیک نیزہ زنی بوسہ بازی کیطرح محبوب ہو'

دیگر ؎

[ثعالبی نے اس شعر کو متنبی کے فرائد میں سے شمار کیا ہے]

شجاع كأن الحرب عاشقة له　　إذا زارها فدته بالخيل والرجل

(ترجمہ) وہ ایسا بہادر ہے۔گویا لڑائی اسپر عاشق ہے جب وہ اس سے ملتا ہے تو لڑائی دشمن کے سوار و پیادے اسپر قربان کر دیتی ہے'

دیگر ؎

تعود أن لا تقضم الحب خيله　　إذا الهام لم ترفع جنوب العلائق

(ترجمہ) اس کے گھوڑوں کی عادت ہے کہ وہ دانہ نہیں کھاتے جب تک کہ دشمنوں کی کھوپڑیاں ان کے توبروں کے پہلوؤں کو اونچا نہ کر دیں'

[گھوڑے کی عادت ہے کہ جب اسکو توبرہ چڑھایا جاتا ہے تو وہ اونچی جگہ تلاش کر کے اسکا سہارا دے کر دانہ کھاتا ہے]

وَلَا تَرِدُ الْغُدْرَانَ إِلَّا وَمَاءُهَا ۔۔۔ مِنَ الدَّمِ كَالرَّيْحَانِ تَحْتَ الشَّقَائِقِ

(ترجمہ) اسکے گھوڑے ایسی ہی صورتوں میں حوضوں کا پانی پیتے ہیں۔ جب انکا پانی خون اعداء کے تلے ہو۔ اور وہ ایسا معلوم ہوتا ہو۔ جیسا ریحان سبز گلہائ لالہ کے تلے (پانی کی سبزی سے اشارہ ہے اسکی صفائی اور کثرت کی طرف)

(۱۳)

حسن تقسیم۔ علامۂ آمدی نے کتاب الموازنہ میں نقل کیا ہے کہ بعض ناقدین شعر نے جب عباس بن احنف کا یہ شعر سنا ؎

وِصَالُكُمْ هَجْرٌ وَحُبُّكُمْ قِلًى ۔۔۔ وَعَطْفُكُمْ صَدٌّ وَسِلْمُكُمْ حَرْبٌ

(ترجمہ) تمہارا وصال فراق اور محبت دشمنی اور میلان اعراض اور صلح جنگ کے مترادف ہے'

وَأَنْتُمْ بِحَمْدِ اللهِ فِيكُمْ فَظَاظَةٌ ۔۔۔ وَكُلُّ ذَلُولٍ مِنْ مَرَاكِبِكُمْ صَعْبٌ

(ترجمہ) اور بحمد اللہ تم میں سختی بھی ہے اور تمہاری رام سواری بھی سخت ہے'

تو کہنے لگے۔ واللہ یہ تو اقلیدس کی تقسیم سے بھی بہتر ہے [ثعالبی کہتا ہے] کہ میں کہتا ہوں متنبی کا شعر ذیل عباس کے شعر سے کہیں زیادہ اس وصف کا مستحق ہے ؎

ضَاقَ الزَّمَانُ وَوَجْهُ الْأَرْضِ عَنْ مَلِكٍ ۔۔۔ مِلْءُ الزَّمَانِ وَمِلْءُ السَّهْلِ وَالْجَبَلِ

(ترجمہ) زمانہ اور تمام روئے زمین اس بادشاہ (کے سما دینے) سے تنگ ہے جو زمانہ اور میدان اور پہاڑ کی وسعت کو بھر دیتا ہے'

فَنَحْنُ فِي جَذَلٍ وَالرُّومُ فِي وَجَلٍ ۔۔۔ وَالْبَرُّ فِي شُغُلٍ وَالْبَحْرُ فِي خَجَلٍ

(ترجمہ) پس ہم خوش ہیں اور رومی خائف اور خشکی (اس کے لشکروں سے) گھری ہوئی ہے اور دریا (اسکی سخاوت کے مقابلے میں) شرمندہ ہے'

دیگر ؎

اَلدَّھْرُ مُعْتَذِرٌ وَالسَّیْفُ مُنْتَظِرٌ وَاَرْضُھُمْ لَکَ مُصْطَافٌ وَمُرْتَبَعٌ

(ترجمہ) زمانہ (تیرے لشکر کے درماندہ اور ضعفاء کے قتل کی بابت) عذرخواہ ہے اور تلوار تیری منتظر ہے اور غنیم کی زمین تیرے لئے موسم گرما اور موسم بہار کی فرودگاہ ہے'

لِلسَّبْیِ مَا نَکَحُوْا وَالْقَتْلِ مَا وَلَدُوْا وَالنَّھْبِ مَا جَمَعُوْا وَالنَّارِ مَا زَرَعُوْا

(ترجمہ) انکی بیگمات قید کے لئے۔ بچے قتل کے لئے۔ مال غارت کے لئے۔ زراعت جلانے کے لئے ہے'

دیگر ؎

اُذُمُّ اِلٰی ھٰذَا الزَّمَانِ اُھَیْلَہٗ فَاَعْلَمُھُمْ فَدْمٌ وَاَحْزَمُھُمْ وَغْدٌ

(ترجمہ) میں اس زمانہ سے اس کے حقیر باشندوں کی ہجو بیان کرتا ہوں کہ ان کا بڑا عالم غبی اور انکا بڑا دانشمند ناکس ہے'

وَاَکْرَمُھُمْ کَلْبٌ وَاَبْصَرُھُمْ عَمٍ وَاَسْھَدُھُمْ فَھْدٌ وَاَشْجَعُھُمْ قِرْدٌ

(ترجمہ) اور انکا بڑا بزرگ کتے کی طرح ہے اور ان میں زیادہ بینا اندھا اور بڑا جاگنے والا چیتے کی طرح کثیر النوم اور انکا بڑا بہادر بندر کی طرح بڑا بزدل ہے'

(۱۴)

سیاقۃ الاعداد (چند چیزوں کو ایک سیاق پر کلام میں ذکر کرنا۔ مثلاً نظامیؒ کا یہ قول ؎

غم و شادی بکار و بیم و امید شب و روز آفرین و ماہ و خورشید مترجم)

میں متنبی نے جس خوبی سے مہارت فن کا ثبوت دیا ہے وہ ملاحظہ ہو

لَا یَسْتَحِیْ اَحَدٌ یُقَالُ لَہٗ نَضَلُوْکَ آلُ بُوَیْہِ اَوْ فَضَلُوْا

(ترجمہ) وہ شخص شرمندہ نہیں ہوتا۔ جسکو کہا جائے کہ آل بویہ تیراندازی میں تم پر

لب رہے (کیونکہ ان کا غلبہ مسلم ہے)'

لَمُوْا عَفَوْا وَعَدُوْا وَفَوْا سُئِلُوْا   اَغْنَوْا عَلَوْا اَعْلَوْا وَلَوْا عَدَلُوْا

ترجمہ) آل بویہ دشمنوں پر غالب ہوئے تو معاف کر دیا۔ وعدہ کیا تو پورا کیا۔ ان
ے مانگا گیا تو انہوں نے غنی کر دیا۔ بلند رتبہ ہوئے تو متوسلین کو بلند کیا۔ والی
وئے تو انصاف کیا'

دیگر ؎

مُرْهَفٍ سِرْتُ بَيْنَ الْجَحْفَلَيْنِ بِهِ   حَتَّى ضَرَبْتُ وَمَوْجُ الْمَوْتِ يَلْتَطِمُ

ترجمہ) کئی تیز تلواریں ہیں۔ جنکو لے کر میں دو بڑے لشکروں کے بیچ میں گھسا ہوں
آنکہ میں نے شمشیر زنی شروع کی۔ بحالیکہ موت تھپیڑے مار رہی تھی'

لْخَيْلُ وَاللَّيْلُ وَالْبَيْدَاءُ تَعْرِفُنِي   وَالسَّيْفُ وَالرُّمْحُ وَالْقِرْطَاسُ وَالْقَلَمُ

ترجمہ) سو گھوڑے اور رات اور جنگل مجھے جانتے ہیں۔ نیز تلوار نیزہ اور کاغذ و قلم بھی'

ابن جنی کہتا ہے۔ بہت سارے شعراء نے ان چیزوں کو ایک بیت میں
مع کرنے کی کوشش کی۔ مگر اتنی چیزیں جہانتک مجھے معلوم ہے۔ کسی کے
شعر میں جمع نہ ہو سکیں۔

بحتری نے کہا ہے ؎

طْلُبَا ثَالِثًا سِوَايَ فَاِنِّي   رَابِعُ الْعِيْسِ وَالدُّجَى وَالْبِيْدِ

ترجمہ) تم دونوں میرے علاوہ کسی اور کو ساتھی بنالو۔ کیونکہ میں سانڈنیوں اور اندھیریوں
ور صحراؤں کا چوتھا (ساتھی) ہوں'

اس کے الفاظ تو بیشک عمدہ ہیں مگر جو چیزیں متنبی کے بیت میں جمع ہوئی
ہیں وہ اس میں بالکل نہیں'

دیگر ؎

وَلٰكِنَّ بِالْفُسْطَاطِ بَحْرًا اَزَرْتُهٗ حَيَاتِيْ وَنُصْحِيْ وَالْهَوٰى وَالْقَوَافِيَا

(ترجمہ) لیکن فسطاط میں ایک دریای فیاض ہے جس سے ملنے کے لئے میں اپنی زندگی اور خیرخواہی اور محبت اور اشعار مدحیہ لے آیا'

دیگر ؎

اَمَيْنًا وَاِخْلَافًا وَغَدْرًا وَخِسَّةً وَجُبْنًا اَشَخْصًا لُحْتَ لِيْ اَمْ مَخَازِيَا

(ترجمہ) کیا تو جھوٹا۔ وعدہ خلاف۔ عہدشکن خسیس۔ بزدل ہے۔ کیا تو آدمی ہے۔ یا مجسّم رسوائیاں، جو مجھے دکھائی دیا'

(۱۵)

(سعدی کی طرح) متنبی کا دیوان (بھی) بے شمار ضرب المثلوں پہ مشتمل ہے۔ مثلاً ؎

مصرع مَصَائِبُ قَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدُ

(ترجمہ) ایک قوم کی مصیبت دوسرے کے لئے منفعت بخش ہوتی ہے'

وَمَنْ قَصَدَ الْبَحْرَ اسْتَقَلَّ السَّوَاقِيَا

(ترجمہ) جسنے دریا کا قصد کیا وہ نہروں کو بہت ہی معمولی سمجھتا ہے'

خَيْرُ جَلِيْسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ

(ترجمہ) بہترین ساتھی زمانے میں کتاب ہے'

نَجَبْهَةُ الْعَيْرِ يُفْدٰى حَافِرُ الْفَرَسِ

(ترجمہ) گدھے کی پیشانی گھوڑے کے سم پہ قربان کر دی جاتی ہے'

وَالْجُوْعُ يُرْضِي الْاُسُوْدَ بِالْجِيَفِ

(ترجمہ) بھوک شیر کو بھی مُردار خوری پہ رضامند کر دیتی ہے'

وَيَسْتَصْحِبُ الْاِنْسَانُ مَنْ لَا يُلَائِمُهٗ

(ترجمہ) کبھی انسان غیر موافق سے بھی گذارا کرتا ہے،

وَفِیْ عُنُقِ الْحَسْنَاءِ یُسْتَحْسَنُ الْعِقْدُ

(ترجمہ) حسینوں کے گلے میں ہار اچھا معلوم ہوتا ہے،

اَنَا الْغَرِیْقُ فَمَا خَوْفِیْ مِنَ الْبَلَلِ

(ترجمہ) میں ڈوبا ہوا ہوں۔ پھر بھیگنے کا مجھے کیا ڈر؟

فَاِنَّ الرِّفْقَ بِالْجَانِیْ عِتَابٌ

(ترجمہ) مجرم سے نرم برتاؤ ہی اسپر عتاب ہے،

اِنَّ الْقَلِیْلَ مِنَ الْحَبِیْبِ کَثِیْرٌ

(ترجمہ) دوست کے ہاتھ کی تھوڑی چیز بھی بہت ہے،

بَغِیْضٌ اِلَیَّ الْجَاهِلُ الْمُتَعَاقِلُ

(ترجمہ) جاہل مدعی عقل مجھے بہت مبغوض ہے،

وَلَیْسَ کُلُّ ذَوَاتِ الْمِخْلَبِ السَّبُعُ

(ترجمہ) ہر پنجہ دار درندہ نہیں ہوتا،

فِیْ طَلْعَةِ الشَّمْسِ مَا یُغْنِیْکَ عَنْ زُحَلِ

(ترجمہ) سورج کے طلوع میں تمہیں زحل سے بے نیازی ہے،

فَاَوَّلُ قُرَّحِ الْخَیْلِ الْمِهَارُ

(ترجمہ) جوان گھوڑے پہلے بچھیرے ہوتے ہیں،

لَیْسَ التَّکَحُّلُ فِی الْعَیْنَیْنِ کَالْکَحَلِ

(ترجمہ) سرمہ لگانے سے آنکھ قدرتی سرگیں آنکھ کے برابر نہیں ہوسکتی،

(۱۶)

کبھی ایک شعر کے دو مصرعوں میں الگ الگ دو مثالیں کہہ جاتا ہے

مثلاً ؎

وَكُلُّ امْرِئٍ يُوْلِي الْجَمِيْلَ مُحَبَّبٌ ۔۔۔ وَكُلُّ مَكَانٍ يُنْبِتُ الْعِزَّ طَيِّبٌ

(ترجمہ) ہر محسن شخص محبوب ہے اور ہر وہ مکان جس میں آدمی عزت پائے اچھا ہے'

دیگر ؎

مَنْ يَهُنْ يَسْهُلِ الْهَوَانُ عَلَيْهِ ۔۔۔ مَا لِجُرْحٍ بِمَيِّتٍ إِيْلَامُ

(ترجمہ) ذلیل کے لئے ذلت کی برداشت بہت آسان ہے۔ کیونکہ مردے کو زخم سے درد نہیں محسوس ہوتا۔

دیگر ؎

وَأَتْعَبُ مَنْ نَادَاكَ مَنْ لَا تُجِيْبُهُ ۔۔۔ وَأَغْيَظُ مَنْ عَادَاكَ مَنْ لَا تُشَاكِلُ

(ترجمہ) سب سے زیادہ درماندہ وہ شخص ہے۔ جسکو تو جواب نہ دے اور تیرے دشمنوں میں جو شخص تیرا ہم پلہ نہیں وہ سب سے زیادہ خشمناک ہوگا'

دیگر ؎

إِنْ أَنْتَ أَكْرَمْتَ الْكَرِيْمَ مَلَكْتَهُ ۔۔۔ وَإِنْ أَنْتَ أَكْرَمْتَ اللَّئِيْمَ تَمَرَّدَا

(ترجمہ) اگر تونے کسی شریف کی عزت افزائی کی۔ تو تونے اسے غلام بنا لیا۔ اور اگر کسی رذیل کی عزت کی تو سرکش ہو جائیگا۔

(۱۷)

موعظہ اور زمانہ کی شکایت اور لوگوں کی سردمہری بیان کرتے وقت متنبی لطیف اور بلیغ ضرب الامثال سے کام لیتا ہے۔ مثلاً ؎

وَمَا الْجَمْعُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالنَّارِ فِيْ يَدِيْ ۔۔۔ بِأَصْعَبَ مِنْ أَنْ أَجْمَعَ الْجَدَّ وَالْفَهْمَا

(ترجمہ) پانی اور آگ کا باہم ملانا میرے نزدیک قسمت اور عقل کے جمع کر دینے سے

زیادہ آسان ہے (یعنی اہل ثروت عموماً بیوقوف ہوتے ہیں)

دیگر ؎

یُخْفِی الْعَدَاوَۃَ وَھِیَ غَیْرُ مُخَفِیَّۃٍ　　نَظَرُ الْعَدُوِّ بِمَا اَسَرَّ یَبُوْحُ

(ترجمہ) دشمن عداوت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ نہیں چھپتی کیونکہ دشمن کی آنکھیں اس پوشیدہ راز کو فاش کرتی رہتی ہیں،

دیگر ؎

وَالْاَمْرُ لِلّٰہِ رُبَّ مُجْتَھِدٍ　　مَا خَابَ اِلَّا لِاَنَّہٗ جَاھِدٌ

(ترجمہ) حکم خدا کے قبضہ میں ہے۔ بسا اوقات ایک کوشش کرنے والا صرف اپنی کوششوں کی وجہ سے ناکامیاب ہوجاتا ہے،

دیگر ؎

لَیْسَ الْجَمَالُ لِوَجْہٍ صَحَّ مَارِنُہٗ　　اَنْفُ الْعَزِیْزِ بِقَطْعِ الْعِزِّ یُجْتَدَعُ

(ترجمہ) حقیقت میں وہ چہرہ خوبصورت نہیں جس کی ناک سالم ہو۔ کیونکہ معزز شخص کی ناک بیعزتی سے کٹ جاتی ہے،

دیگر ؎

وَلَیْسَ یَصِحُّ فِی الْاَفْھَامِ شَیْءٌ　　اِذَا احْتَاجَ النَّھَارُ اِلٰی دَلِیْلٍ

(ترجمہ) کوئی بات ذہن میں نہیں بیٹھ سکتی۔ جبکہ دن بھی دلیل کا محتاج ہو جائے،

[ابن جنی فرماتے ہیں کہ متنبی نے اس شعر میں منطق کے مسئلہ ذیل کو خوبی سے باندھا ہے جو مشاہدات میں ناقص ہے۔ وہ روحانیات میں بڑھ کر بیسدی ہوگا]

دیگر ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی الْمَرْءُ یُدْرِکُہٗ　　تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ

(ترجمہ) انسان اپنی ہر تمنا کو نہیں پاتا - کیونکہ ہوا کشتی (نشینوں) کی مرضی کے خلاف بھی چلتی ہے'

دیگر

وَمِنْ نَکَدِ الدُّنْیَا عَلَی الْحُرِّ اَنْ یَرٰی　　عَدُوًّا لَهُ مَا مِنْ صَدَاقَتِهِ بُدٌّ

(ترجمہ) شریف کے لئے دنیا کی یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ وہ اپنے دشمن کی دوستی پر مجبور ہو جائے'

(متنبی سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا - تمہیں اپنے پورے دیوان میں کونسا شعر زیادہ پسند ہے - اس نے شعر مذکور کا حوالہ دیا - بہت ممکن ہے کہ متنبی کا یہ انتخاب وقتی جذبے کے ماتحت عمل میں آچکا ہو - مگر شعر کی خوبی اور لطافت میں شبہ نہیں' مترجم)

دیگر

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ　　فَهِیَ الشَّهَادَةُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلُ

(ترجمہ) جب کسی ناقص آدمی کی طرف سے تم تک میری مذمت پہنچے تو بس یہی میرے کامل ہونے کی شہادت ہے'

دیگر

اِذَا مَا قَدَرْتُ عَلٰی نُطْقَةٍ　　فَاِنِّیْ عَلٰی تَرْکِهَا اَقْدَرُ

(ترجمہ) جب میں بولنے پر قادر ہوں تو اس کے چھوڑ دینے پر بطریق اولیٰ قادر ہونگا'

دیگر

وَاِذَا مَا خَلَا الْجَبَانُ بِاَرْضٍ　　طَلَبَ الطَّعْنَ وَحْدَهُ وَالنِّزَالَا

(ترجمہ) جب کوئی بزدل تنہا ہوتا ہے تو نیزہ زنی اور مقابلے کی تمنائیں کرتا پھرتا ہے'

دیگر

فَقْرُ الْجَهُوْلِ بِلَا قَلْبٍ اِلٰی اَدَبٍ　　فَقْرُ الْحِمَارِ بِلَا رَاْسٍ اِلٰی رَسَنٍ

(ترجمہ) جاہل بے عقل کی احتیاج علم کی طرف ایسی ہے۔ جیسے بے سر گدھے (مردہ) کی حاجت رسی کی طرف (یعنی نہ مردہ گدھا رسی کا محتاج۔ اور نہ بیوقوف جاہل علم کا محتاج)

دیگر ؎

تُرِیْدِیْنَ لُقْیَانَ الْمَعَالِیْ رَخِیْصَۃً　　وَلَا بُدَّ دُوْنَ الشَّھْدِ مِنْ اِبَرِ النَّحْلِ

(ترجمہ) تو حصول مراتب کو ارزاں چاہتی ہے۔ حال آنکہ شہد سے پہلے زنبور عسل کا نیش ضروری ہے'

دیگر ؎

وَمَکَایِدُ السُّفَھَاءِ وَاقِعَۃٌ بِھِمْ　　وَعَدَاوَۃُ الشُّعَرَاءِ بِئْسَ الْمُقْتَنٰی

(ترجمہ) کمینوں کے فریب انہیں پر لوٹ کر پڑتے ہیں اور شاعروں سے پرخاش بہت برا ذخیرہ ہے'

دیگر ؎

وَاَتْعَبُ خَلْقِ اللّٰہِ مَنْ زَادَ ھَمُّہٗ　　وَقَصَّرَ عَمَّا تَشْتَھِی النَّفْسُ وَجْدُہٗ

(ترجمہ) تمام مخلوق خدا میں زیادہ درماندہ وہ شخص ہے۔ جسکی ہمت تو (واہ سبحان اللہ!) بلند ہو۔ مگر اسکا مال اس کی خواہشات سے قاصر ہو

فَلَا یَنْحَلِلْ فِی الْمَجْدِ مَالُکَ کُلُّہٗ　　فَیَنْحَلَّ مَجْدٌ کَانَ بِالْمَالِ عَقْدُہٗ

(ترجمہ) سو چاہیئے کہ طالب مجد میں اپنا سارا مال خرچ نہ کرو تا کہیں وہ عزت بھی کافور نہ ہو جائے۔ جو مال سے وابستہ ہے'

وَدَبِّرْہُ تَدْبِیْرَ الَّذِیْ الْمَجْدُ کَفُّہٗ　　اِذَا حَارَبَ الْاَعْدَاءَ وَالْمَالُ زَنْدُہٗ

(ترجمہ) اور اس کے ساتھ اس شخص کی سی تدبیر کرو جسنے دشمنوں سے لڑتے وقت مجد کو ہتھیلی اور مال کو پونچا بتایا ہو' (یعنی جیسے ہتھیلی بے پونچے کے کچھ نہیں کر سکتی۔ ویسا ہی مجد بے مال

بیکار محض ہے،

فَلَو مَجدُهٗ فِی الدُّنیَا بِمَن قَلَّ مَالُهٗ　　وَلَا مَالَ فِی الدُّنیَا لِمَن قَلَّ مَجدُهٗ

(ترجمہ) کیونکہ جس کے پاس مال کم ہے۔ اسکو دنیا میں رتبۂ عالی حاصل نہیں اور جسکو رتبہ حاصل نہیں تو اس کے پاس مال ہی نہیں (یعنی دونوں میں کچھ تلازم سا ہے)

دیگر ؎

لَولَا المَشَقَّةُ سَادَ النَّاسُ کُلُّهُمُ　　اَلجُودُ یُفقِرُ وَ الاِقدَامُ قَتَّالُ

(ترجمہ) اگر محنت اٹھانی نہ ہوتی تو ہر شخص سردار بنجاتا (مطلب سرداری کا حصول بہت مشکل ہے کیونکہ) سخاوت فقیر کر دیتی ہے اور میدان جنگ میں بڑھنا قتل کر دیتا ہے،

وَاِنَّمَا یَبلُغُ الاِنسَانُ طَاقَتَهٗ　　مَا کُلُّ مَاشِیَةٍ بِالرَّحلِ شِملَالُ

(ترجمہ) اور انسان کو اسکی طاقت مراتب عالیہ تک پہنچا دیتی ہے۔ دیکھو ہر پالان بردار اونٹنی تیز رفتار اور مضبوط نہیں ہوا کرتی،

ذِکرُ الفَتٰی عُمرُهُ الثَّانِی وَحَاجَتُهٗ　　مَا قَاتَهٗ وَ فُضُولُ العَیشِ اَشغَالُ

(ترجمہ) نوجوان کی یادگار اسکی دوسری زندگی ہے (کما قال تعالےٰ وجعلنا لی لسان صدق فی الآخرین) اور اسکو ضرورت بقدر قوت ہے۔ باقی سب نکمے جھگڑے ہیں،

دیگر ؎

وَلَقَد رَأَیتُ الحَادِثَاتِ فَلَا اَرٰی　　یَقَقًا یُمِیتُ وَلَا سَوَادًا یَعصِمُ

(ترجمہ) بے شک میں نے حادثات زمانہ کو دیکھا ہے سو میں یہ نہیں خیال کرتا کہ سفید بال مار دیتے ہیں۔ یا کالے بال کسی کو مرجانے سے بچاتے ہیں (بلکہ بسا اوقات جوان مر جاتے ہیں اور بوڑھے زندہ رہتے ہیں)

وَالهَمُّ یَختَرِمُ الجَسِیمَ نَحَافَةً　　وَیُشِیبُ نَاصِیَةَ الصَّبِیِّ وَیُهرِمُ

(ترجمہ) اور غم جسیم آدمی کو لاغر کر دیتا ہے اور چھوٹے بچے کے پیشانی کے بالوں کو سفید

کرکے اسکو بڑھا کر دیتا ہے '

ذُو العَقْلِ يَشْقَىٰ فِي النَّعِيمِ بِعَقْلِهِ وَأَخُو الْجَهَالَةِ فِي الشَّقَاوَةِ يَنْعَمُ

(ترجمہ) ہوشیار آدمی ناز و نعمت میں بھی اپنی عقل کے رُو سے بدنصیب رہتا ہے اور جاہل باوجود شقاوت کے بھی چین اڑاتا پھرتا ہے '

لَا يَخْدَعَنَّكَ مِنْ عَدُوٍّ دَمْعُهُ وَارْحَمْ شَبَابَكَ مِنْ عَدُوٍّ تَرْحَمُ

(ترجمہ) تجھ کو دشمن کے آنسو دھوکے میں نہ ڈالیں اور اسپر رحم کرنے سے پیشتر اپنی جوانی پر رحم کر (کیونکہ وہ قابو پا کر تجھے ضرور زک پہنچائیگا)

لَا يَسْلَمُ الشَّرَفُ الرَّفِيعُ مِنَ الْأَذَىٰ حَتَّىٰ يُرَاقَ عَلَىٰ جَوَانِبِهِ الدَّمُ

(ترجمہ) کسی شریف کی بلند شرافت اسوقت تک دشمنوں کی اذیت سے محفوظ نہیں رہتی جبتک اس کے چاروں طرف خون کے نالے نہ بہا دئے جائیں '

ابن جنی کہتا ہے۔ خدا گواہ ہے۔ اگر متنبی اس شعر کے علاوہ کچھ بھی نہ کہتا تو یہی ایک شعر اسکو اکثر متاخرین شعراء سے بڑھا دیتا۔ اور ویسے بھی یہ تمام اشعار مذکورہ بالا اپنے حسن و خوبی میں سب بے نظیر ہیں۔ جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ بغیر علم کامل اور فضل ظاہر کے ایسے اشعار نہیں کہے جا سکتے ؂

وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ فَإِنْ تَجِدْ ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ

(ترجمہ) ظلم انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ سو اگر تم کسی کو عفیف پاؤ تو سمجھ لو کہ کسی خاص مصلحت سے وہ ظلم سے محترز ہے '

وَمِنَ الْبَلِيَّةِ عَذْلُ مَنْ لَا يَرْعَوِي عَنْ جَهْلِهِ وَخِطَابُ مَنْ لَا يَفْهَمُ

(ترجمہ) جو اپنی جہالت سے باز نہ آئے۔ اسکو ملامت کرنا اور بے عقل سے خطاب کرنا بہت بڑی مصیبت ہے '

وَمِنَ الْعَدَاوَةِ مَا يَنَالُكَ نَفْعُهُ وَمِنَ الصَّدَاقَةِ مَا يَضُرُّ وَيُؤْلِمُ

(ترجمہ) بعض دفعہ دشمنی نافع - اور دوستی مضر اور تکلیف دہ ہوتی ہے (یعنی ذلیل کی عداوت مفید اور دوستی مضر ہے)

دیگر ؎

إِذَا سَاءَ فِعْلُ الْمَرْءِ سَاءَتْ ظُنُونُهُ وَصَدَّقَ مَا يَعْتَادُهُ مِنْ تَوَهُّمِ

(ترجمہ) جب آدمی کے افعال بُرے ہوتے ہیں تو اس کے گمان بھی بُرے ہو جاتے ہیں - اور اپنی معتاد توہمات کو سچ سمجھنے لگتا ہے -

(۱۸)

مرثیہ اور تعزیت جیسے پیش پا افتادہ مضامین میں متنبی جدت اور بداعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا مثلاً فاتک کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

عَدِمْتُهُ وَكَأَنِّي سِرْتُ أَطْلُبُهُ فَمَا تَزِيدُنِي الدُّنْيَا عَلَى الْعَدَمِ

(ترجمہ) میں نے اسکو گم کیا - اب جو دنیا میں پھر رہا ہوں - گویا اسکو ڈھونڈتا ہوں مگر دنیا اسکے نیست ہونے کے سوا مجھ کو کچھ پتہ نہیں دیتی (کیونکہ اس کی مانند کوئی نہیں)

مَنْ لَا يُشَابِهُهُ الْأَحْيَاءُ فِي شِيَمٍ أَمْسَى يُشَابِهُهُ الْأَمْوَاتُ فِي الرِّمَمِ

(ترجمہ) (فاتک) وہ شخص تھا کہ زندوں میں کوئی شخص اخلاق میں اسکی ہمسری نہیں کر سکتا - مگر افسوس کہ (بعد مرد‌ن) مردے اس سے بوسیدہ ہڈیوں میں مشابہ ہو گئے واللہ بہترین مضمون ہے ؛

دیگر ؎

وَقَدْ فَارَقَ النَّاسُ الْأَحِبَّةَ قَبْلَنَا وَأَعْيَا دَوَاءُ الْمَوْتِ كُلَّ طَبِيبِ

(ترجمہ) ہم سے پہلے بھی لوگ اپنے دوستوں سے جدا ہوئے ہیں اور موت کی دوا نے تو تمام اطباء کو عاجز کر دیا ہے ؛

سُبِقْنَا إِلَى الدُّنْيَا فَلَوْ عَاشَ أَهْلُهَا مُنِعْنَا بِهَا مِنْ جَيْئَةٍ وَذُهُوبِ

(ترجمہ) ہم دنیا میں بعد کو آئے۔ سوا اگر پہلے لوگ زندہ رہتے۔ تو ہم (بوجہ عدم گنجائش) چلنے پھرنے سے بھی روک دئے جاتے

تَمَتَّكَهَا الْاٰتِيْ تَمَلُّكَ سَالِبٍ وَ فَارَقَهَا الْمَاضِيْ فِرَاقَ سَلِيْبٍ

(ترجمہ) آنے والا اپنے مورث سے اسطرح مال لے لیتا ہے۔ جیسا کوئی چھیننا والا اور جانے والا اسکو اسطرح چھوڑ دیتا ہے۔ جیسا چھینا ہوا شخص

دیگر سے

مَا كُنْتُ اَحْسِبُ قَبْلَ دَفْنِكَ فِي الثَّرٰى اَنَّ الْكَوَاكِبَ فِي التُّرَابِ تَغُوْرُ

(ترجمہ) میں تیرے مٹی میں دفن ہونے سے پہلے یہ نہیں سمجھتا تھا کہ تارے (بھی) مٹی میں ڈوبتے ہیں

مَا كُنْتُ آمُلُ قَبْلَ نَعْشِكَ اَنْ اَرٰى رَضْوٰى عَلٰى اَيْدِي الرِّجَالِ تَسِيْرُ

(ترجمہ) تیرا جنازہ اٹھنے سے پہلے مجھے یہ توقع نہ تھی کہ کوہ رضوی کبھی مردوں کے ہاتھوں پر چلیگا

خَرَجُوْا بِهٖ وَلِكُلِّ بَاكٍ خَلْفَهٗ صَعَقَاتُ مُوْسٰى يَوْمَ دُكَّ الطُّوْرُ

(ترجمہ) اسکو ایسی حالت میں لے کر چلے کہ ہر رونے والا اسکے پیچھے ایسا بیہوش تھا جیسے حضرت موسے۔ جسدن کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا تھا

دیگر سے

خِطْبَةٌ لِلْحِمَامِ لَيْسَ لَهَا رَدٌّ وَاِنْ كَانَتِ الْمُسَمَّاتُ تُكْلَا

(ترجمہ) یہ وفات موت کا پیام خواستگاری تھا جو قابل رد نہ تھا۔ اگرچہ اس خواستگاری مسمات مذکورہ کا نام مصیبت ودرد تھا (یعنی یہ موت سوت کی منگنی کا پیام تھا۔ جس میں موت کامیاب ہوئی اور بنظر عظمت مطلوبہ اسکی عزت کا سبب ہوئی)

وَاِذَا لَمْ تَجِدْ مِنَ النَّاسِ كُفْوًا ذَاتُ خِدْرٍ اَرَادَتِ الْمَوْتَ بَعْلًا

(ترجمہ) اور جبکہ مسمات پردہ نشین نے لوگوں میں کوئی اپنا ہمسر نہ پایا تو اسنے موت کو اپنا شوہر بنانا چاہا تاکہ اسکی عظمت محفوظ رہے اور کسی کمتر کی محکومہ نہ بنے '

حرم شاہی کے مرثیہ میں یہ سب سے بہتر مضمون ہے '

سیف الدولہ کے شیرخوار بچے کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

فَاِنْ تَکُ فِی قَبْرٍ فَاِنَّکَ فِی الْحَشَا　　وَاِنْ تَکُ طِفْلاً فَالْاَسیٰ لَیْسَ بِالطِّفْلِ

(ترجمہ) سو اگرچہ تو قبر میں ہے ۔ مگر تو ہمارے دل میں بھی ہے اور اگرچہ تو بچہ ہے مگر تیرا غم بچہ نہیں '

وَمِثْلُکَ لَا یُبْکیٰ عَلیٰ قَدْرِ سِنِّہٖ　　وَلٰکِنْ عَلیٰ قَدْرِ الْمَخِیْلَۃِ وَالْفَضْلِ

(ترجمہ) اور تجھ جیسے پر اسکی عمر کے مطابق رویا نہیں جاتا ۔ بلکہ بقدر فراست اور بزرگی کے رویا جاتا ہے '

وَمَا الْمَوْتُ اِلَّا سَارِقٌ دَقَّ شَخْصُہٗ　　یَصُوْلُ بِلَا کَفٍّ وَیَسْعیٰ بِلَا رِجْلٍ

(ترجمہ) موت ایک لطیف بدن والا چور ہے ۔ جو بغیر ہاتھ کے حملہ کرتا اور بغیر پاؤں چلتا ہے (اور اس لئے اس سے بچنا محال ہے '

یَرُدُّ اَبُوا الشِّبْلِ الْخَمِیْسَ عَنِ ابْنِہٖ　　وَیُسْلِمُہٗ عِنْدَ الْوِلَادَۃِ لِلنَّمْلِ

(ترجمہ) شیر اپنے بچہ سے بڑے لشکر کو لوٹا دیتا ہے ۔ مگر جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے چیونٹیوں کے سپرد کر دیتا ہے (کہتے ہیں ۔ شیر کے بچے کو چیونٹیاں ہلاک کر دیتی ہیں واللہ اعلم)

دیگر ؎

نَحْنُ بَنُوا الْمَوْتیٰ فَمَا بَالُنَا　　نَعَافُ مَا لَا بُدَّ مِنْ شُرْبِہٖ

(ترجمہ) ہم سب مردوں کی اولاد ہیں ۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم اس چیز کو ناپسند جانتے ہیں جس کا پینا ضروری ہے '

نَبْخَلُ اَیْدِیْنَا بِاَرْوَاحِنَا   عَلٰی زَمَانٍ هُنَّ مِنْ کَسْبِهٖ

(ترجمہ) ہمارے ہاتھ ان ارواح کو جو زمانہ کی پیدا کی ہوئی ہیں زمانہ کے سپرد کر دینے میں بخل کرتے ہیں'

فَهٰذِهِ الْاَرْوَاحُ مِنْ جَوِّهٖ   وَهٰذِهِ الْاَجْسَامُ مِنْ تُرْبِهٖ

(ترجمہ) سو یہ ارواح فضای زمانہ سے آئی ہوئی ہیں اور یہ اجسام اسی کی خاک سے پیدا ہوئے ہیں'

لَوْ فَکَّرَ الْعَاشِقُ فِیْ مُنْتَهٰی   حُسْنِ الَّذِیْ یَسْبِیْهِ لَمْ یَسْبِهٖ

(ترجمہ) سو اگر عاشق اس معشوق کے حسن کے انجام میں غور کرلے جسنے اسے قید کر رکھا ہے تو ہرگز قید نہ ہوتا'

لَمْ یُرَ قَرْنُ الشَّمْسِ فِیْ شَرْقِهٖ   فَشَکَّتِ الْاَنْفُسُ فِیْ غَرْبِهٖ

(ترجمہ) آفتاب کا کنارہ مشرق سے طلوع کرتے ہوئے جب کبھی دیکھا گیا تو کسی کو اس کے غروب میں شبہ نہیں ہوا'

یَمُوْتُ رَاعِی الضَّأْنِ فِیْ جَهْلِهٖ   مِیْتَةَ جَالِیْنُوْسَ فِیْ طِبِّهٖ

(ترجمہ) چرواہا اپنی جہالت میں ویسا ہی مرتا ہے جیسے جالینوس مہارت طب میں'

(۱۸)

[مضامین شعر کو علما نے چار قسموں میں منحصر مانا ہے۔ نسیبؔ (یا عشقیہ) فخریہؔ - مدحیہؔ - ہجویہ۔ شعرا میں بہت کم ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا چاروں میدانوں کو فتح کیا ہے۔ اور تو اور شعرائے عربی کے آفتاب و ماہتاب جریر و فرزدق کو لیجیئے۔ جریر افتاد طبع کے رو سے فخریہ نہیں کہہ سکتا اور فرزدق کے متعلق جاحظ تک کو سخت تعجب ہے کہ وہ رند ہو کر نسیب اچھی نہیں کہہ سکتا اور جریر خشک ملا ہو کر غزل خوب کہتا ہے۔ متنبی کے کلام

پر تفصیلی تبصرہ گذر چکا ہے۔ ہجو یہ باقی تھا۔ اس باب میں بھی متنبی درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے] اسکی ہجو نہایت سخت دل دوز اور اضطراب بخش ہوتی ہے مثلاً ضبہ نامی ایک شخص کی ہجو میں کہتا ہے ؎

إِنْ أَوْحَشَتْكَ الْمَعَالِي فَإِنَّهَا دَارُ غُرْبَة

(ترجمہ) اگر بزرگی کے کارنامے تجھے وحشت میں ڈالیں (تو کیا تعجب ہے) کیونکہ وہ تیرے لئے بمنزلۂ دار غربت کے ہیں'

أَوْ آنَسَتْكَ الْمَخَازِي فَإِنَّهَا لَكَ نِسْبَة

(ترجمہ) اور اگر تو رسوائی کے کاموں سے مانوس ہے (تو کوئی حیرت نہیں) کیونکہ وہ تیرے ہم نسب ہیں'

(متنبی کا یہ ہجویہ قصیدہ اتنا فحش ہے کہ اسکے دیگر اشعار کی نسبت یہ دو شعر مدحیہ معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ خود متنبی کو بھی بعد میں ان اشعار کا سننا سنانا گوارا نہیں تھا۔ حال آنکہ اس بیچارے کا قصور صرف اتنا تھا کہ اسنے متنبی کی خاطر خواہ مہمان نوازی نہیں کی تھی اور بالآخر یہی قصیدہ متنبی کا جان لیوا ثابت ہوا۔ مترجم)

دیگر (کافور کی ہجو میں کہتا ہے ؎

الْعَبْدُ لَيْسَ لِحُرٍّ صَالِحٍ بِأَخٍ لَوْ أَنَّهُ فِي ثِيَابِ الْحُرِّ مَوْلُودُ

(ترجمہ) غلام کسی آزاد آدمی کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ آزاد آدمی کے کپڑوں میں پیدا ہو'

لَا تَشْتَرِ الْعَبْدَ إِلَّا وَالْعَصَا مَعَهُ إِنَّ الْعَبِيدَ لَأَنْجَاسٌ مَنَاكِيدُ

(ترجمہ) غلام کو مت خریدو۔ مگر لاٹھی کے ساتھ۔ بیشک غلام ناپاک اور نالائق ہوتے ہیں'

مَنْ عَلَّمَ الْأَسْوَدَ الْمَخْصِيَّ مَكْرُمَةً أَقَوْمُهُ الْبِيضُ أَمْ آبَاؤُهُ الصِّيدُ

(ترجمہ) خواجہ سرا حبشی کو بزرگی کس نے سکھائی۔ اسکی بزرگ قوم نے یا اس کے بادشاہ باپ دادوں نے (طنز کر رہا ہے)'

أَمْ أُذْنُهُ فِي يَدِ النَّخَّاسِ دَامِيَةٌ أَمْ قَدْرُهُ وَهُوَ بِالْفَلْسَيْنِ مَرْدُودُ

(ترجمہ) یا اس کان نے جو بردہ فروش کے ہاتھ میں خون آلود تھا۔ یا اسکی قدر و قیمت نے جو دو پیسے پر بھی قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

وَذَاكَ إِنَّ الْفُحُولَ الْبِيضَ عَاجِزَةٌ عَنِ الْجَمِيلِ فَكَيْفَ الْخِصْيَةُ السُّودُ

(ترجمہ) اور یہ اسکی معذوری اس وجہ سے ہے کہ نرینہ اور بزرگ سلاطین احسان کرنے سے عاجز ہیں۔ پھر کیا حال ہوگا بیچارے حبشی خواجہ سرا اُونکا'

(آخری شعر میں سیف الدولہ پر تعریض ہے کہ وہ باوجود شریف ہونے کے بھی میرے ساتھ احسان نہ کرسکا۔ ورنہ نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ مترجم)

دیگر ؎

لَقَدْ كُنْتُ أَحْسِبُ قَبْلَ الْخَصِيِّ أَنَّ الرُّؤُسَ مَقَرُّ النُّهَى

(ترجمہ) میں اس خواجہ سرا کو دیکھنے سے پہلے سمجھتا تھا کہ عقل کا ٹھکانا سر ہے'

فَلَمَّا نَظَرْتُ إِلَى عَقْلِهِ رَأَيْتُ النُّهَى كُلَّهَا فِي الْخُصَى

(ترجمہ) سو جب میں نے اسکی عقل کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ساری عقل خصیوں میں رہتی ہے (جب اس کے خصیے کاٹ ڈالے گئے تو عقل بھی جاتی رہی)

(متنبی جب سیف الدولہ سے ناراض ہوکر چلا تو کافور نے بہت سے خوش آیند وعدے کرکے اور حکومت دلانے کا سبز باغ دکھا کر اسکو مصر بلایا۔ مگر متنبی کی بلند ہمتی دیکھ کر اسے خطرہ پیدا ہوا کہ اگر اسکو مصر کے کسی علاقہ کا حاکم مقرر کردوں تو بعید نہیں کہ کل کو خود مختاری کا دعوے کردے۔ چنانچہ جب کافور کے بعض مصاحبین نے اس کو وعدہ یاد دلایا تو اسنے جواب میں کہا کہ لوگو جو شخص محمد رسول اللہ کے بعد نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔ اسپر میں کیونکر اعتماد کرسکتا ہوں کہ کل کو موقعہ پاکر وہ میرے ساتھ حکومت میں شرکت کا مدعی نہیں ہوگا۔ متنبی ناراض ہوکر مصر سے چلا آیا اور

کافور کی متعدد ہجویں کہکر اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ اسکی ہجویات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کافور ایک نکما اور بیوقوف شخص تھا بلکہ اسکی حیثیت ایک مجسمے اور بت سے زیادہ نہیں تھی۔ حال آنکہ جب ہم کافور کی سوانح دیکھتے ہیں تو وہ ایک نہایت مدبر۔ عالی ہمت۔ بلند حوصلہ۔ اور دانشمند شخص گذرا ہے۔ مترجم)'

اسحٰق بن ابراہیم اعور بن کیغلغ کی ہجو میں کہتا ہے ؎

وَجُفُوْنُهُ مَا تَسْتَقِرُّ كَأَنَّهَا　　مَطْرُوْفَةٌ أَوْ فُتَّ فِيْهَا حِصْرِمُ

(ترجمہ) اور اسکی پلکیں جھپکنے سے نہیں ٹھہرتی ہیں۔ گویا ان میں تنکا پڑگیا ہے۔ یا ترش انگور اس میں نچوڑی گئی ہے'

وَتَرَاهُ أَصْغَرَ مَا تَرَاهُ نَاطِقًا　　وَيَكُوْنُ أَكْذَبَ مَا يَكُوْنُ وَيُقْسِمُ

(ترجمہ) اور جب تو اسے بولتا ہوا دیکھے تو وہ تجھے نہایت حقیر معلوم ہوگا' اور سب سے زیادہ جھوٹا جب ہوگا۔ جب قسم کھائیگا

وَإِذَا أَشَارَ مُكَلِّمًا فَكَأَنَّهُ　　قِرْدٌ يُقَهْقِهُ أَوْ عَجُوْزٌ تَلْطِمُ

(ترجمہ) اور جب وہ بولتے وقت اشارہ کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بندر ہنس رہا ہے یا بڑھیا منہ پیٹتی ہے'

يَقْلِي مُفَارَقَةَ الْأَكُفِّ قَذَالُهُ　　حَتَّى يَكَادَ عَلَى يَدٍ يَتَعَمَّمُ

(ترجمہ) وہ اپنی کھوپری سے ہتھیلیوں کی جدائی کو برا جانتا ہے یہانتک کہ قریب ہے کہ (اس شوق میں) ہاتھ پر بھی عمامہ باندھے (تاکہ لوگ اسے بھی سر سمجھ کر اسپر طمانچہ رسید کریں)

(۱۹)

متنبی نازک اور لطیف مضامین کو شستہ اور فصیح الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کر دیتا ہے کہ رمز و تلویح کے ساتھ ہی جدت و ملاحت کو ہاتھ سے جانے

نہیں دیتا چنانچہ شعر ذیل میں سیف الدولہ اور کافور کی مدح کو جمع کر رہا ہے۔
(یہ وہ موقعہ ہے کہ متنبی سیف الدولہ سے ناراض ہو کر کافور کے پاس جا رہا
ہے۔ مترجم)

فِرَاقٌ وَمَنْ فَارَقْتُ غَيْرُ مُذَمَّمٍ　　وَأَمٌّ وَمَنْ يَمَّمْتُ خَيْرُ مُيَمَّمِ

(ترجمہ) یہ فراق کا وقت ہے اور جس سے میں جدا ہوتا ہوں۔ وہ مذموم نہیں ہے۔ اور یہ
(ایک دوسرے امیر کے) قصد کا وقت ہے اور میں نے جس کا قصد کیا ہے وہ بہتر مقصود
ہے'

پھر سیف الدولہ پر تعریض کرتا ہوا کہتا ہے ؎

وَمَا مَنْزِلُ اللَّذَّاتِ عِنْدِي بِمَنْزِلٍ　　إِذَا لَمْ أُبَجَّلْ عِنْدَهُ وَأُكَرَّمِ

(ترجمہ) عیش اور لذت کی جگہ میں اگر میری عزت نہ ہو تو میرے نزدیک قابل قیام نہیں'

رَحَلْتُ فَكَمْ بَاكٍ بِأَجْفَانِ شَادِنٍ　　عَلَيَّ وَكَمْ بَاكٍ بِأَجْفَانِ ضَيْغَمِ

(ترجمہ) میں وہاں سے چلا۔ تو بہت سے معشوق بچشمان آہو میری جدائی پر روتی تھیں اور
بہت سے بہادر بچشم شیر'

اس شعر کا دوسرا مصرع متنبی کے اس قول " لیحدثن لمن ودعتہم ندم "
کی پوری پوری تصدیق کر رہا ہے'

دیگر جس میں کافور کی مدح اور سیف الدولہ پر تعریض کرتا ہے ؎

قَالُوا هَجَرْتَ إِلَيْهِ الْغَيْثَ قُلْتُ لَهُمْ　　إِلَى غُيُوثِ يَدَيْهِ وَالشَّآبِيبِ

(ترجمہ) لوگوں نے کہا تو نے کافور کے لئے بارش (سیف الدولہ) کو چھوڑ دیا۔ میں نے
کہا ہاں۔ اسکے بارا نہائے کثیر اور زیادہ برسنے والے بادل کے لئے'

إِلَى الَّذِي تَهَبُ الدَّوْلَاتِ رَاحَتُهُ　　وَلَا يَمُنُّ عَلَى آثَارِ مَوْهُوبِ

(ترجمہ) ایسے شخص کے لئے جسکی ہتھیلی حکومتیں بخشتی ہے اور وہ اپنے کئے ہوئے احسان

کو جتلاتا نہیں،

وَلَا يَرُوعُ بِمَغْدُورٍ بِهِ اَحَدًا وَلَا يُفَزِّعُ مَوْفُورًا بِمَنْكُوبُ

(ترجمہ) جس سے غدر کیا گیا ہو۔ اس سے دوسرے کو ڈراتا نہیں اور مالدار کو بذریعۂ مصیبت زدہ کے نہیں دھمکاتا (یعنی ایک پر ظلم کرکے دوسرے کو عبرت نہیں دلاتا)

دیگر جس میں سیف الدولہ سے جدا ہونے کے بعد اسکی سابقہ نعمتوں کا شکریہ اور آئندہ کے لئے احسان کی درخواست کرتا ہے،

وَاِنْ فَارَقَتْنِيْ اَمْطَارُهُ فَاَكْثَرُ غُدْرَانِهَا مَا نَضَبْ

(ترجمہ) اگرچہ اسکی بارش (احسانات) مجھ سے منقطع ہو چکی ہے۔ مگر اس کے حوض اب تک خشک نہیں ہوئے،

وَاِنِّيْ لَاَتْبَعُ تِذْكَارَهُ صَلَاةَ الْاِلٰهِ وَسَقْيَ السُّحُبْ

(ترجمہ) اور میں اس کی یاد کے بعد خدا کی رحمت اور بادلوں کی بارش اسکے لئے طلب کرتا ہوں،

دیگر جس میں سیف الدولہ سے عطا کا مطالبہ کر رہا ہے ؎

اَرٰى لِيْ بِقُرْبِكَ عَيْنًا قَرِيْرَةً وَاِنْ كَانَ قُرْبًا بِالْبِعَادِ يُشَابُ

(ترجمہ) میں تیرے قرب میں اپنے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک پاتا ہوں۔ اگرچہ یہ قرب بعد کے مشابہ ہے،

وَهَلْ نَافِعِيْ اَنْ تُرْفَعَ الْحُجْبُ بَيْنَنَا وَدُوْنَ الَّذِيْ اَمَّلْتُ مِنْكَ حِجَابُ

(ترجمہ) کیا یہ بات مجھے مفید ہے۔ کہ ہمارے درمیان پردے اٹھا دئے جائیں (یعنے ہر وقت بلا روک ٹوک ملاقات ہو) مگر میرے مقصود کے ورے پردہ پڑا ہوا ہو۔

اُقِلُّ سَلَامِيْ حُبَّ مَا خَفَّ عَنْكُمُ وَاَسْكُتُ كَيْمَا لَا يَكُوْنَ جَوَابُ

(ترجمہ) میں سلام کے لئے کم حاضر ہوتا ہوں تاکہ آپ پر آسانی ہو، اور چپ رہتا ہوں،

تاکہ آپ کو جواب دینے کی تکلیف نہ ہو '

وَفِی النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِیْکَ فَطَانَۃٌ   سُکُوْتِیْ بَیَانٌ عِنْدَھَا وَخِطَابٌ

(ترجمہ) میرے دل میں حاجتیں ہیں اور تجھ میں ایسی زیرکی ہے کہ میری خاموشی اس کے سامنے بیان وخطاب (کے برابر) ہے '

گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے ؎

وَاَصْرَعُ اَیَّ الْوَحْشِ قَفَّیْتُہٗ بِہٖ   وَاَنْزِلُ عَنْہُ مِثْلَہٗ حِیْنَ اَرْکَبُ

(ترجمہ) میں جس وحشی کے پیچھے اسکو ڈالتا ہوں - اسے پچھاڑ دیتا ہوں اور جب اس سے اترتا ہوں تو وہ ایسا تازہ دم ہوتا ہے - جیسے اسوقت جبکہ میں اسپر سوار ہوا تھا '

دیگر جس کا حسن کنایہ ملاحظہ ہو ؎

تَشْتَکِیْ مَا اشْتَکَیْتُ مِنْ اَلَمِ الشَّوْ   قِ اِلَیْنَا وَالشَّوْقُ حَیْثُ النُّحُوْلُ

(ترجمہ) (اے قاصد) تو بھی شوق کا وہی شکوہ کرتا ہے جو میں کرتا ہوں - حال آنکہ تو جھوٹا ہے - کیونکہ شوق وہاں ہوتا ہے جہاں لاغری ہوتی ہے (جب تو لاغر نہیں تو شوق کیسا) '

شعر مذکور میں قاصد کے اظہار شوق کی تکذیب کر رہا ہے - مگر تصریح نہیں کرتا بلکہ کنایہ کے طور پر مضمون کو ادا کر گیا ہے '

دیگر - شعر ذیل میں متنبی نے حشو استعمال کیا - مگر حشو قبیح نہ ہونے دیا بلکہ اس حشو نے بجائے خود شعر میں ایک تازگی پیدا کر دی - جو اسکی قادر الکلامی کی دلیل ہے ؎

صَلّی عَلَیْکَ اللّٰہُ غَیْرَ مُوَدَّعٍ   وَسَقٰی ثَرٰی اَبَوَیْکَ صَوْبَ غَمَامٖ

(ترجمہ) خدا تجھ پر رحمت کرے - اور مجھ کو تجھ سے جدا نہ کرے - اور تیری ماں باپ کے قبر کو بارش تر کرے '

اس میں "غیر موزوں" حشو ہے۔ مگر یہی حشو ملیح شعر کی روح ہے،

وَتَحْتَقِرُ الدُّنْيَا احْتِقَارَ مُجَرِّبٍ   يَرَى كُلَّ مَا فِيهَا وَحَاشَاكَ فَانِيَا

(ترجمہ) اور تو دنیا کو اس تجربہ کار شخص کی طرح حقیر جانتا ہے۔ جو تمام کائنات کو آپ کے علاوہ فانی سمجھتا ہے،

سبحان اللہ۔ لفظ حاشاک نے (جو حشو ملیح ہے) مضمون شعر کو کس قدر بلند کر دیا۔

دیگر۔ سیف الدولہ کی عیادت کرتا ہے ؎

لَا نَعْذُلُ الْمَرَضَ الَّذِي بِكَ شَائِقٌ   أَنْتَ الرِّجَالَ وَشَائِقٌ عِلَّاتِهَا

(ترجمہ) ہم اس مرض کو جو تیرا شائق ہے۔ ملامت نہیں کرتے۔ کیونکہ تو آدمیوں کو اپنا شائق بناتا ہے اور ان کے مرضوں کو بھی،

وَمَنَازِلُ الْحُمَّى الْجُسُومُ فَقُلْ لَنَا   مَا عُذْرُهَا فِي تَرْكِهَا خَيْرَاتِهَا

(ترجمہ) اور بخار کی فرودگاہ اجسام ہیں۔ پھر بتلائیے۔ اگر وہ عمدہ جسم کو چھوڑ دے تو ان کے پاس اسکا کیا جواب ہے،

دیگر۔ سیف الدولہ کو صحت یابی پر مبارک باد دے رہا ہے ؎

اَلْمَجْدُ عُوفِيَ إِذْ عُوفِيتَ وَالْكَرَمُ   وَزَالَ عَنْكَ إِلَى أَعْدَائِكَ الْأَلَمُ

(ترجمہ) جس دن تو تندرست ہوا۔ تو مجد و کرم تندرست ہوئے اور تکلیف تجھ سے تیرے اعداء کی طرف منتقل ہو گئی۔

وَمَا أَخُصُّكَ فِي بُرْءٍ بِتَهْنِئَةٍ   إِذَا سَلِمْتَ فَكُلُّ النَّاسِ قَدْ سَلِمُوا

(ترجمہ) اور میں شفایابی کی مبارک باد تنہا تجھ کو نہیں دیتا۔ کیونکہ جب تو اچھا ہو گیا تو گویا تمام لوگ شفایاب ہو گئے،

(۲۰)

حسن مقطع مثلاً ؎

قَدْ شَرَّفَ اللّٰہُ اَرْضاً اَنْتَ سَاکِنُھَا ۔۔۔ وَشَرَّفَ النَّاسَ اِذْ سَوَّاکَ اِنْسَاناً

(ترجمہ) جس سرزمین کا تو باشندہ ہے۔ خدا نے اسے مشرف کر دیا۔ اور خدا نے تجھے انسان بنا کر نوع انسانی کو مشرف بنایا'

شارح ابن جنی کہتا ہے مجھے یہ لفظ' سواک انساناً' اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ متنبی کے شستہ و رفتہ الفاظ میں یہ لفظ کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے اگر بجائے اس کے "انشاک" وغیرہ کہتا تو نہایت موزون ہوتا'

(ثعالبی کہتا ہے) میں کہتا ہوں۔ اگر متنبی لفظ سَوَّاکَ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا لفظ یہاں رکھ دیتا۔ تو مقطع کی خوبی خاک میں ملجاتی۔ کیونکہ خود قرآن شریف میں موجود ہے 'ثُمَّ سَوَّاکَ رَجُلاً' اور جو لفظ قرآن شریف میں آئے وہ اس سے فصیح ہے۔ جو قرآن شریف میں نہ ہو'

دیگر ؎

وَمَنْ تَکُ بَحْراً لَہٗ یَا عَلِیُّ ۔۔۔ لَمْ یَقْبَلِ الدُّرَّ اِلَّا کِبَاراً

(ترجمہ) اے علی جس کا سمندر تو ہو۔ وہ صرف بڑے موتی قبول کرے گا'

دیگر ؎

وَاَعْطَیْتَ الَّذِیْ لَمْ یُعْطِ خَلْقٌ ۔۔۔ عَلَیْکَ صَلٰوۃُ رَبِّکَ وَالسَّلَامُ

(ترجمہ) تم نے وہ وہ انعامات کئے۔ جو کسی نے نہیں کئے۔ تجھ پر خدا کی رحمت اور سلام ہو'

سید محمد ادریس افغانی

مظہر کڑہ

گذشتہ سردیوں میں دوست فاضل پروفیسر محمد وحید مرزا کو اس دیوان کا ایک نسخہ لکھنؤ میں ملا، انہوں نے مجھ کو بھی اس کے متعلق اطلاع دی[1] تو میں نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اورینٹل کالج میگزین کے لئے اس پر مضمون لکھیں، انہوں نے مہربانی سے یہ مضمون لکھ کر ارسال کیا اور مجھ سے چاہا کہ شاعر کے متعلق تذکروں وغیرہ میں جو مواد مل سکے میں اس مضمون کے ساتھ ملحق کردوں۔ پہلے وہ مواد مختلف مآخذ سے لے کر درج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد میرزا صاحب کا مضمون ہے اور آخر میں بتخانہ سے وہ اشعار لے کر بطور ضمیمہ شامل کئے گئے ہیں جو صاحب بتخانہ نے انتخاب کئے، بتخانہ کے اقتباسات آکسفورڈ سے حاصل کئے گئے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا +

محبی حافظ محمود شیرانی کے کتابخانہ میں ایک رسالہ نصیب اخوان کے نام سے موجود ہے۔ جو نصاب صبیان کی طرح کی چیز ہے، یہ عربی فارسی کا منظوم فرہنگ ہے۔ اس کا مصنف بھی غالباً یہی مظہر ہے۔ جس نے ۷۷۶ میں اس کو نظم کیا۔ یہ رسالہ ۲۳ صفحہ پر ختم ہوا ہے۔ تقطیع ۸" × ۷" ہے۔ فی صفحہ ۹ سطریں ہیں۔ تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ مگر بہ لحاظ خط وغیرہ سے بارھویں یا تیرھویں صدی کی تحریر معلوم ہوتی ہے، ابتدا اس رسالہ

---

[1] میرزا صاحب نے از راہ کرم دیوان بھی دیکھنے کے لئے عطا کیا۔ جس کے لئے ہم ان کے منت پذیر ہیں +

کی ان اشعار سے ہوتی ہے :

نامہ بر نام کردگار جہان کوست الله و راحم و رحمن
پس درود نبی کہ شد منزل بزبان عرب برو فرقان
زانست دانستن لغات عرب فرض ہمچون فرایض ایمان
قدری گفتہ بود زان استاد متفرق مختلف اوزان
من بیک شعر جمع کردم تا حفظ بر مبتدی شود آسان
نام او گر نصاب ... ن[عبیان؟]بود نام این را نصیب اخوان دان
علم و فقہ و شعور دانائی فکر اندیشہ حدس[1] دو ظن گمان
عقل و لب وحجی است و نہیہ خرد مہجہ و روح نفس (و) حوبا جان

خاتمہ کے اشعار یہ ہیں :

سال ششش بود ہفصد و ہفتاد کہ ز مطہر شد این نوشتہ عیان
یارب این نامہ را قبولی دہ تا[2] . . . . . عصیان

کڑہ جس کی طرف مطہرؔ منسوب ہے ۔ تغلقوں کے زمانہ میں ہندوستان کے اہم شہروں میں سے تھا ۔ صوبہ کا نام بھی یہی تھا ۔ قلقشندی نے صبح الاعشےٰ میں (جلد ۵ ص ۷۷ پر) اس کو صاحب ہند کی مملکت کی ۲۳ اقلیموں میں سے ایک اقلیم بتایا ہے۔ کڑہ کے کھنڈر الہ آباد سے ۴۰ میل شمال مغرب کو گنگا کے دائیں کنارے پر موجود ہیں' معزالدین کیقباد اور اس کے باپ کی ملاقات جس کا ذکر قران السعدین میں آیا ہے یہیں ہوئی تھی' اکبر کے عہد میں کڑہ کی بجائے الہ آباد کو مرکز حکومت بنا دیا گیا اور کڑہ کی اہمیت جاتی رہی (ترجمۂ آئین اکبری از جیرٹ ج ۲ ص ۱۶۷ حاشیہ)'

---

[1] اصل : حدیث [2] اصل سے یہ لفظ کٹ گئے ہیں'

اب ہم مطہرؔ کا حال مختلف تذکروں وغیرہ سے لے کر درج کرتے ہیں ۔

تذکرۂ احوالِ مطہرؔ کڑہ

۱۔ از اخبار الاخیار

(مصنفہ شیخ عبد الحق بن سیف الدین الترک الدھلوی البخاریؒ)

مصنف نے اس کتاب کا نقش اول ۹۹۶ھ سے پہلے مرتب کیا۔ اس سال میں انہوں نے حج کیا اور واپسی کے بعد کتاب پر نظر ثانی کی۔ ۱۰۲۸ھ میں اس کا ایک نسخہ خود مصنف نے جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ ریو کا خیال ہے کہ نظر ثانی ۱۰۲۹ھ کے نواح میں ہوئی ہوگی (دیکھو فہرست ریو ص ۳۵۵)، اس کتاب میں شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ کے حال میں مطہرؔ کا ترجمہ بھی آگیا ہے۔ یہ ترجمہ اخبار الاخیار کے ایک قلمی نسخہ سے لے کر جو جناب شیخ کے پڑپوتے سیف الدین بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق ترک بن شیخ عبد الحق نے شاہجہان کے عہد میں ۱۰۶۰ھ میں لکھا درج ذیل کیا جاتا ہے:

(ورق ۱۲۴ الف) و از جملۂ فضلاء عصر کہ در حلقۂ ارادت شیخ نصیر الدین محمود در آمدہ بودند مولانا مطہر کڑہ است، در فضیلت و بلاغت و فصاحت از متفردان روزگار بود، بانواع مراحم و (۱۲۴ ب) اشفاق شیخ مخصوص، قصیدہ وارد در مدح وی کہ بعضی ابیات او اینست:

دوش آن زمان کہ از افق مغرب شتا خورشید خواند سورۂ والنجم اذ ھوی
شمع فلک زبانہ فرو برد اندر آب دور زمین نشانہ بر آورد بر سما
گفتی مگر کہ یوسف خورشید شد بچاہ کز تیرگی چو دیدۂ یعقوب شد ہوا
بادی بر آمد از لب دریا کہ دامنش گرد سیاہ (چو؟) سرمہ ہمی ریخت بر فضا

چون ساعتی دو از شب دیجور برگذشت　　　بنشست باد و ابر در آمد با نجلا

یک یک ستاره بر سر گردون فروغ داد　　　چون در بهشت طلعت تابان تلقیا

فراشش صنع از ید قدرت برآورید　　　قندیلهای نور برین نیلگون خبا[1]

می جست نرم نرم نسیم از کنار باغ　　　گوئی پیام دوست همی داد در خفا

گر کیمیای دولت جاوید آرزوست　　　یا گلشن بهشت ازین شاخ بی نما

جستی خسی بگیر نفس خواجه نو بهار　　　جانت مسی شمر نظر شیخ کیمیا

بر دست او اگر نتوانی نهاد دست　　　باری بدار این سر خاکی بزیر پا

والا نصیر ملت و دین و دول که هست (۱۲۵۱) نعم النصیر از پس یزدان بر و سزا

و در مرثیه شیخ نصیر الدین محمود گفته است

ز دور محنت این نه سپهر زنگاری　　　کدام دل که نه خون گشت از جگر خواری

کجا بجام طرب مجلسی بنا کردند　　　که از سپهر نبارید سنگ قهاری

وفا ز عالم فانی مجو که مشهورند　　　فلک بخیره کشی، اختران بغداری

خزینه ایست سپهر از نفوس انسانی　　　دفینه ایست زمین از بتان فرخاری

تو اے عزیز که در ملک و مال مغروری　　　مباش ایمن اگر عاقلی و هشیاری

چه دانی آنکه در اوراق کارخانه غیب　　　قضا چه نقش بر آرد ز کلک جباری

زمانه صلح کند با دل تو یا خصمی　　　فلک بدشمنی آید به پیش یا یاری

چو وقت آن برسد هیچکس نگیرد دست　　　نه ملک نی ملکی نی سپاه سالاری

بقا بقای خدایست و ملک ملک خدا　　　که نیست قایم و دایم کسی بجز باری

ز دست چرخ ندانم کجا کنم فریاد　　　که برگذشت بما جور او ز بسیاری

جهان بماتم خواجه نصیر دین محمود　　　هزار گونه فغان کرد و نوحه و زاری

---

[1] نسخہ حاشیہ: قبا، ۱۲۷۰ کا مطبوعہ اڈیشن مثل متن،

بقیہ سلف و یادگار اہل کرم　　کہ کرد ختم خلافت بسالک پندرہی
(۵۲ب) مہیمنا ملکا منعما خداوندا　　بحق نعمت قرآن و دولت قاری
برحمت تو کہ عام است در جہانبانی　　بعزت تو کہ خاص است در جہانداری
کہ روح اعظم آن شیخ پیشوای کرم　　کہ مقتدای جہان بودہ است زاخیاری[1]
ندیم قربت خود کن غریق رحمت خویش　　مجاور رسل و انبیا ز مختاری
بساط صحن وہ از حلہای فردوسی　　غلاف قبر کن از پردہای غفاری

(۲) از تذکرہ مصنفین دہلی

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ نے ایک چھوٹا سا رسالہ مصنفین دہلی پر بھی لکھا ہے، جسکو فاضل معاصر حکیم شمس اللہ قادری نے اپنے رسالہ تاریخ جلد اول حصہ ۳ و ۴ میں شائع کیا۔ اس میں ص ۱۷ پر مطہر کے متعلق عبارت ذیل درج ہے:

ص ۱۷ ایکی از شعرای زمان سلطان فیروز بلکہ بالاتر از آن مطہر کرہ بود۔ سخن وی خالی از فصاحتی و بلاغتی نیست دیوانی دارد در قصایدکہ درین روزگار کمیاب بلکہ نایاب است، در اخبار الاخیار چند بیت از وی در ذکر شیخ نصیرالدین محمود قدس سرہ نوشتہ شدہ است،

(۳) از منتخب التواریخ بداؤنی (نسخہ خطی جدید الخط)

یہ تاریخ سنہ ۱۰۰۰ھ میں تمام ہوئی۔ ملا صاحب نے فیروز تغلق کے عہد کے شعرا کا ذکر کرتے ہوئے مطہر کے متعلق چند سطریں لکھی ہیں:

---

[1] مطبوعہ اڈیشن: دینداری، ۵۲ اصل: زخیاری، مطبوعہ اڈیشن مثل متن،

و از شعرای عصر فیروز شاہی و ندماء او ملک احمد ولد میر خسرو است علیہ الرحمۃ .... دیگر مولانا مطہر[1] کڑہ است کہ اولادش حالا در بلدہ لکھنؤ[2] ساکن اند و ابا عن جد معزز و محترم آمدہ اند و او را دیوانی است مشتمل بر پانزدہ[3] ہزار[4] بیت و چون ملائی او بر شاعری غالب است نقد شعرش چندانی در بازار فضل رواج ندارد و باآنکہ اگر بکاوند چیزہای خوب بر سبیل ندرت پیدا می شود

(۴) از بتخانہ

مولانا محمد[۴] صوفی اور میرزا حسن[۵] بیگ خاکی نے ۱۰۰۹ھ اکبری (یعنی ۱۰۱۰ھ) میں شعرا کے کلام کا ایک انتخاب مرتب کیا، ۱۰۲۱ھ میں عبد[۶] اللطیف بن عبد اللہ العباسی ساکن احمد آباد گجرات نے اسمیں بعض اضافات کئے اور خلاصہ احوال الشعرا کے نام سے کتاب کے شروع میں تراجم بڑھا دئے اور دیباچہ بھی لکھا۔ اس کتاب کا ایک نسخہ دو جلد میں کتبخانہ باڈلی آکسفورڈ میں موجود ہے (دیکھو فہرست ایتھے، عمود ۱۹۶)، نسخہ پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے، اس نسخہ کی جلد اول میں ورق ۱۷ پر مطہر کا ترجمہ دیا ہے اور جلد دوم کے ورق ۲۵۳ ب جد پر

---

[1] نسخہ مطبوعہ کلکتہ: مطہرہ (نسخہ حاشیہ: مطہر)، [2] نسخہ مطبوعہ: لکھنوتی، [3] نسخہ مطبوعہ: پانزدہ شانزدہ ہزار [4] مولانا محمد مازندرانی کا ترجمہ میخانہ ص ۳۴۵ ببعد پر مفصل درج ہے، صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ اس میں قدما کے ساٹھ ہزار بیت جمع کئے گئے تھے اور مولف کہتا تھا "ہر کس میل دارد کہ شعر فہمی مرا امتحان کند، منتخب مرا ملاحظہ نماید کہ چون انتخابی براشعار قدما زدہ" مگر دیباچہ نسخہ باڈلی میں لکھا ہے کہ بتخانہ میں ۸۴ ہزار شعر ہیں، [5] حسن بن محمد خاکی شیرازی کا حال فہرست ریو ص ۵۸ پر دیا ہے، ۱۰۰۵ھ میں بخشی گجرات مقرر ہوا [6] انکا حال دیکھو فہرست ریو صفحہ ۵۸ پر،

انتخاب کلام مطہر' اس نسخہ سے لے کر ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ انتخاب
کلام آخر میں درج کیا جائیگا۔

مطہرؔ

بغایت خوشگوی و شیرین طرز است' در تذکرہ و تواریخ اسم او بنظر نرسیدہ اما
در بلدہ احمدآباد گجرات صانہا اللہ عن الآفات روزی جزای کہنہ اشعارش بخط
قدیم و بلوی بنظر فیض اثر عارف الہی مولانا محمد صوفی کہ منتخب بتخانہ است در آمد
و بعد از ملاحظہ و مطالعہ جزائت کلامش بمذاق سخن سنجی آن سر دفتر سخن شناسان
خوش افتاد و اشعارش را ترتیب حرف کردہ دیوانی مرتب ساختند بہنجزار بیت'
انتخاب آن را داخل بتخانہ نمودند شعرش بسے تکلفانہ و سہل ممتنع است' از اقوالش
ظاہر می شود کہ بہند آمدہ و مداح سلطان فیروز شاہ و اعیان دولت او بودہ عمرش
بمنزل ثمانین رسیدہ بود' کلامش دال بر اینست کہ ذوفنون بودہ واسلاف و اجداد
او ارباب دولت بودہ اند' جلوس سلطان فیروز شاہ بر تخت دہلی در تاریخ دویم
رجب سنہ اثنی (کذا) وخمسین و سبعمایہ ووفاتش بتاریخ ہیژدہم ماہ رمضان
سنہ تسعین و سبعمایہ واقع شدہ' قیاس زمان مطہرؔ ہم از ان می توان کرد'
دیوانش اکنون متعدد شدہ و درمیانست'

(۵) از مجمع النفائس تصنیف سراج الدین علی خان آرزو

یہ تذکرہ ۱۱۶۴ھ میں تصنیف ہوا۔ اس میں مطہر کا ترجمہ بھی ہے۔ پنجاب
یونیورسٹی کے نسخہ سے یہ ترجمہ نقل کیا جاتا ہے :

(ص ۷۵۴) مولانا مظہر (کذا) گجراتی ص ۷۵۲

از افاضل زمان و سخنوران کامل است' مدح بادشاہان گجرات نمودہ دیوانش قریب

بیست ہزار بیت است گویند اصلش از ایران است بہرحال طبع روان داشت از وست

ولہ

غم عالم درازی دارد — ہرچہ گیرید مختصر گیرید
ہرگز از دہر کس نیاساید — این امید از زمانہ بر دارید
اہلا و مرحبا بتو ای باد نوبہار — لقد درکت ای نفس نافۂ تتار
بشر نفوسنا بسلامی زسوی دوست — روح قلوبنا بہ نسیمی ز زلف یار

(۶) از مخزن الغرایب

یہ تذکرہ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی نے ۱۲۱۸ھ میں دہلی میں مکمل کیا،
پروفیسر محمود شیرانی کے کتاب خانہ میں اس کا نسخہ ہے اور ترجمہ ذیل اسی نسخہ
سے لیا گیا ہے:

مولانا مطہر المعروف بگجراتی

اصلش معلوم نیست کہ از کدام جا بودہ شاعر صاحب قدرتست، او راست

ای دلبری کہ زلف تو دیواست و رخ پری — در زیب و زینت از مہ و خورشید بہتری
خورشید را کجاست لب لعل جانفزای — مہ را کجاست سلسلۂ زلف عنبری
گو بایدت کہ زندہ کنی کشتگان خویش — بر خاک ریز جرعۂ جامی کہ میخوری

ولہ

غم عالم درازی دارد — ہرچہ گیرید مختصر گیرید

ولہ

ہرگز از دہر کس نیاساید — این امید از زمانہ بردارید

(۷) از صبح گلشن

یہ تذکرہ مولوی علی حسن خان بن نواب محمد صدیق حسن خان کی تالیف ہے[1]،
۱۲۹۵ھ میں مطبع شاہجہانی بھوپال میں طبع ہوا، اس میں ص۴۲۸
پر مظہر کا حسب ذیل ترجمہ دیا ہے:

مظہر (کذا) قاضی مظہر (کذا) متوطن شہر کرہ ست جوہر علم و فضلش سنجیدہ و برگزیدہ و نقود نظم و نثرش کامل العیار وسرہ دست بہ بیعت حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ دادہ و در حضور سلطان فیروز شاہ قدم بر مسند قرب و منزلت اعلیٰ نہادہ ناظم تبریزی او را شاعر شیرین زبان و نمکین بیان نگاشتہ و مسودات اشعارش مولانا محمد صوفی مازندرانی در گجرات یافتہ بترتیب دیوانش قلم برداشتہ ازینجا بعضی او را گجراتی انگاشتہ ؎

صبح شد صبح سر از خواب گران بردارید　　بادہ خواہید و ز دل درد گران بردارید
ای عزیزان ادب مجلس ما بی ادبی ست　　خوش نشینید و تکلّف ز میان بردارید
عمر دنیا درازی دارد　　ہرچہ گیرید مختصر گیرید
دوستان در عزیمت سفرند　　یک زمان لذت نظر گیرید

(۸) از نزہۃ الخواطر تالیف علامہ سید عبدالحی لکھنوی رح

القاضی مظہر (کذا) الدین الکروی

الشیخ العالم الفاضل مظہر (کذا) الدین الحنفی الصوفی الکروی احد الرجال المعروفین بالفضل والکمال اخذ الطریقۃ عن الشیخ نصیر الدین محمود بن یحیی الاودی وکان

---

[1] اس تذکرہ کا حال اسی رسالہ بابت فروری ۱۹۲۷ء میں ص۵ پر بیان ہو چکا ہے،

شاعراً مجید الشعر له ابیات رقیقة رائقة وکان من ندماء فیروز شاہ السلطان وله منزلة عالیة لدیه قال فیه الناظم التبریزی انه کان حلو الکلام ملیح البیان وجد ابیاته مولانا محمد الصوفی الماژندرانی بارض گجرات فرتبها فی دیوان فلذلک نسبوه الی گجرات کما فی صبح گلشن، وقد ذکره الشیخ عبد الحق بن سیف الدین الدهلوی فی رسالة له فی اخبار الفصحاء و ذکره فی داخبار الاخیار، و اورد فیه شیئا کثیرا من ابیاته ومن شعره قوله

غم دنیا درازی دارد — ہرچه گیرید مختصر گیرید
دوستان در عزیمت سفرانند — یک زمان لذت نظر گیرید

(نزہۃ الخواطر ۱۳۵۰ھ ص ۱۷۰)
(اڈیٹر)

دیوانِ مطہرؔ کڑہ[1]

میدانِ علم و فضل میں جو اہلِ کمال اپنے ہم پیشہ و ہم مشرب لوگوں سے گوی سبقت لے جا رہے ہیں۔ انہیں علاوہ شہرت دوام اور قبول عام کے جو ان کا قدرتی حق ہے۔ ایک اور فائدہ (یا نقصان) بھی ہمیشہ حاصل رہا ہے

---

[1] دیوان مطہر کا وہ قلمی نسخہ جس پر میرا مضمون مبنی ہے لکھنؤ کے معروف علم دوست جناب حکیم آشفتہ صاحب کی ملکیت ہے۔ جناب حکیم صاحب نے یہ نسخہ میرے دوست پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی کو معاینہ کے لئے دیا اور انہوں نے مجھے دکھایا۔ چونکہ میں نے اس نسخہ میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس لئے مسعود حسن صاحب نے میرے لئے حکیم صاحب سے اس پر مضمون لکھنے کی اجازت لے لی۔ بنا برین مضمون شروع کرنے سے پہلے ہر دو صاحبان کا شکریہ ادا کرنا فرض خیال کرتا ہوں ۔

یعنی بہت سے ایسے کارنامے جو ان کے خامۂ مضمون آفرین کے بالکل رہین منت نہیں ہوتے انکی طرف منسوب کر دئے جاتے ہیں - اور ان کے بدقسمت مدمقابل اس خراج تحسین سے جسکے وہ بجا طور پر توقع ہو سکتے ہیں محروم رہ جاتے ہیں -
کسی صاحب فن کے علم و ھنر کو پرکھنے کے لئے مرور زمانہ سے بہتر کوئی کسوٹی نہیں - یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ہر زمانے میں اہل کمال پیدا ہوتے ہیں - لیکن دو تین سو برس گذر جانے کے بعد ان میں سے چند ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے نام آسمان شہرت پر چاند اور سورج کی طرح چمکتے رہتے ہیں - زیادہ تر ان میں سے ایک شہاب ثاقب کی طرح اوج قبول پر درخشاں ہو کر جلد ہی ظلمت خمول میں غائب ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ صفحۂ روزگار پر ان کے نام کی دھندلی سی لکیر بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی - اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کاموں پر جو مختلف زمانوں میں انجام دئے گئے کسی ایسے شخص کی نظر پڑتی ہے جو ذوق تحقیق سے پوری طرح بہرہ مند نہ ہو - تو اسکا ذہن انہی خوش قسمت مصنفین کی طرف راجع ہوتا ہے - جن کے نام سے اس کے کان آشنا ہیں - اور وہ بلا سوچے سمجھے انکو ان میں سے کسی کے سر منڈھ دیتا ہے - بعض تصنیفات ایسی ہیں کہ جن میں مصنف کا نام کہیں مذکور نہیں اور سوائے اس کے کہ انکو بغور و استیعاب دیکھا جائے اور طرز تحریر وغیرہ سے کوئی قطعی نتیجہ اخذ کیا جائے - ان کے مصنف کا صحیح پتہ لگانا واقعی دشوار ہوتا ہے - اگر میر امّن دہلوی نے باغ و بہار (قصۂ چہار درویش) کو امیر خسرو کی طرف منسوب کر دیا تو ہم ان کو کسی حد تک معذور سمجھ سکتے ہیں - لیکن کسی ایسی تصنیف کو جس میں صریحاً مصنف کا نام یا اس کا زمانہ مذکور ہو کسی دوسرے شخص کی طرف نسبت کرنے کے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے - باوجود اس کے یہ

واقعہ ہے کہ انڈیا آفس کے قلمی نسخوں کو مرتب کرنے والے قابل و عالم آدمیوں نے بھی دو تین ایسی تصنیفات امیر خسرو کی طرف منسوب کر دیں جو انکے برسوں نہیں بلکہ صدیوں بعد تحریر کی گئی تھیں[1]۔ اور یہ کیوں؟ محض اس سے کہ ان تصنیفات پر کسی انجان شخص نے امیر خسرو کا نام لکھ دیا تھا۔ بعینہ یہی حال دیوانِ مطہر کے اس نسخہ کا ہے۔ جس سے میں احباب کو روشناس کرنا چاہتا ہوں بدقسمتی سے مطہر کا نام ہم میں سے بہت کم لوگوں نے سنا ہوگا۔ کم از کم میری نظر سے یہ نام پہلے نہیں گذرا تھا۔ اور کسی مشہور کتب خانہ کی فہرست میں بھی کوئی کتاب اس کی تصنیف کردہ مذکور نہیں۔ اس نسخہ میں جہاں کہیں مطہر کا نام آیا ہے وہ بلا کسی خاص خط یا روشنائی کے لکھا گیا ہے۔ اور جب تک پورے پورے قصائد نہ دیکھے جائیں نام تلاش کرنا مشکل ہے۔ علاوہ اس کے چونکہ دیوان میں بعض ایسے نام ہیں جو امیر خسرو کے دیوانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دھوکے کا امکان اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس نسخہ پر کسی نے قصائد امیر خسرو لکھدیا تو شاید زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ لیکن دیوان کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شاعر فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں تھا۔ اسلئے کہ متعدد قصائد اور ترکیب بند اس بادشاہ کی مدح میں موجود ہے۔ اور شاعر نے اس کی بعض فتوحات اور عمارتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ دیوان کا یہ حصہ نہ صرف دلچسپ بلکہ تاریخی حیثیت سے اہم بھی ہے اور اگر زمانہ نے مساعدت کی اور صاحب نسخہ نے اجازت دی تو ممکن ہے کہ پورے نسخہ کو آیندہ چھپوا سکوں۔ فی الحال اس مضمون میں بعض چیدہ چیدہ ٹکڑے بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ لیکن شروع

---

[1] دیکھیے انشائی امیر خسرو اور قصیدۂ امیر خسرو دہلوی (فہرست انڈیا آفس)، [2] حقیقت یہ ہے کہ دیوان مطہر بھی کبھی اس نسخہ کے سرورق پر لکھا تھا۔ مگر ان لفظوں کو کسی ضرورت سے بہت حد تک مٹا دیا گیا (اڈیٹر)

میں خود شاعر کے متعلق جو معلومات مختلف ذرائع سے فراہم کر سکا ہوں درج کرنا مفید سمجھتا ہوں۔ مظہر کے طرز تحریر یا خوبیٔ کلام کے متعلق تبصرہ میرا مقصد نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک علٰحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ غالباً ملّا بداؤنی نے جو رائے اس کے متعلق ظاہر کی ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن کلام کے نمونے سے اصحاب ذوق خود اندازہ کر سکیں گے۔

شاعر کے اپنے کلام سے ہمیں بعض باتیں اس کے متعلق معلوم ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ

(۱) شاعر ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو وقتاً فوقتاً دربار دہلی میں بادشاہوں کی داد و دہش اور ہنر پروری کی شہرت سے کشاں کشاں ایران و خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ سے آتے رہے۔ بلکہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ اور ممالک بالا کو دیکھنے کی اسے حسرت ہی رہی۔ چنانچہ ایک قصیدہ میں جو مولانا جلال الدین کی مدح میں ہے کہتا ہے :

بہندوستان سفر بسیار کردم ہر سوی لیکن ہوس دارم کہ یکچندی بہ بینم ملک بالا را
درآیم از حجاز اندر زمین زانجا سوی مکہ بہ بینم (مر) صفا و مروہ و عرفات و بطحا را

[یہ امر محل تامل ہے کہ مظہر ہندی الاصل تھا ' ملا عبد اللطیف کا قول اوپر نقل ہو چکا ہے کہ " از اقوالش ظاہر می شود کہ بہند آمدہ " ہمارے سامنے اس کا پورا دیوان نہیں ہے کہ اس قول کی تصدیق یا تکذیب کر سکیں ۔۔ اڈیٹر]

(۲) اسنے کافی طویل عمر پائی۔ اس لئے کہ ایک قصیدے میں جو ضعف پیری کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ یوں کہتا ہے[۲]:

چو عمرم از حد پنجہ بشست گشت ادا شدم (بہ) پنجۂ محنت اسیر شستِ بلا

[۱] دیکھئے آگے [۲] نیز ملاحظہ ہو نوٹ بر ناصر الدین محمد شاہ '

۔ے نام کے ساتھ کریم الدولہ والدین کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے۔ کہ
۔ر کا پورا نام کریم الدین عین الملک تھا۔ یہ غالباً مشہور حاکم مالوہ عین الملک
ملتانی کا بیٹا تھا۔ شاعر ایک جگہ کہتا ہے:

ملک الشرق نہ این والد مرحوم ترا   صدر خالی نبُدی از علماء و زہاد

ایک اور ملک جن کی تعریف میں بہت سے قصائد ہیں حسام الدولہ ہے۔ اسے
بھی شاعر نے اکثر ملک الشرق کہا ہے۔ اور یہ غالباً وہی حسام الدولہ ہے۔ جس
کے متعلق فرشتہ نے لکھا ہے:

"و اقطاع بروده و سندیله (؟) و کول را حوالۂ حسام الملک کرد" (فرشتہ
ج ۱ - ص ۱۴۸)

ایک طویل قصیدہ میں شاعر نے اس ملک کے مہم جاجنگر پر جانے وغیرہ کا
مفصل بیان لکھا ہے اور ایک اور قصیدہ میں بادشاہ کا اس کے ہاں مہمان
بیان کیا گیا ہے۔

(۶) غالباً شاعر بہت خوشحال نہ تھا۔ اس لئے کہ اکثر قصائد کے شروع
میں تنگی روزگار اور نامساعدت ایام مذکور ہے۔ لیکن اس سے کوئی قطعی نتیجہ نہ
نہ ہو سکتا۔ اس لئے کہ زمانے کا شکوہ شاعروں کا پرانا وتیرہ ہے۔ اور صوفیانہ
ملائیت اور زہد نے اس جذبہ کو اور بڑھا دیا ہوگا۔

(۷) شاعر کو علاوہ شعر کے اور علوم میں بھی کافی دخل تھا۔ قصیدہ نمبر
معشوق شاعر کی ناداری و افلاس پر تعجب کے اظہار کے بعد اس کی یوں
کرتا ہے:

گفتا بہ از ہنر چہ وسیلت بود ترا   کاندر زمانہ نادرۂ ...
در شعر و در ... و در وعظ و در مثل   در رمز و در لطیفہ و ...

ایک اور جگہ خود شاعر اپنے سے یوں کہتا ہے :

میگفتی اینکہ زیر کبودی آسمان　　　در ہیچ شہر و کشور و از ہیچ شاہ و میر
در علم و فضل نیست چو من مفتی حکیم　　　در نظم و نثر نیست چو من شاعر دبیر
من ہمنشین شاہم و من ہم نژاد خان　　　من ہمدم امیرم و من ہم زبان وزیر
در فن چو ثنای (سنائی) و در طبع چون ہُم　　　در خط چو ابن مقلہ و در نقط چون ظہیر
نشنید گوش ملکت گیہان ترا مثال　　　نا دیدہ چشم گنبد گردون ترا نظیر

ان اشعار سے ضمناً اس بیان کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ شاعر فیروز شاہ کے ندماء میں سے تھا[1]۔

(۸) شاعر کا نام اور تخلص مطہر تھا نہ کہ مظہر جیسا کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے۔ دیوان میں سے یہ چند اشعار جن میں اسکا نام مذکور ہے اس کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں :

ای مطہر گر ہوس داری کہ گوئی مدحتی　　　مدح خاقان جہان بر طرز خاقانی بیار

ای مطہر نخواہی آسودن　　　ترک کونین تا نخواہی کرد

وز زبان مطہر مسکین　　　شاہ را این دعا مبارکباد

وغیرہا ،

شاعر کے دیوان سے کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں کا باشندہ تھا۔ کس شہر میں متوطن تھا۔ لیکن بظاہر اسنے عمر کا بہت بڑا حصہ دہلی ہی

---

[1] ... ان کی صحت میں تامل ہے۔ شاعر پہلے ایک ادیب کو مخاطب کرتا ہے پھر امیر کو۔ اور دونوں ... بڑھاپے کے آنے سے جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں انکا ذکر کرتا ہے۔ لازمی نہیں کہ شاعر اپنا ہی حال ... آگے دیکھئے ؛

میں گذارا - اسلئے کہ اسے بادشاہ کے ندماء میں شمار ہونے کا فخر حاصل تھا،
علاوہ اس دیوان کے اور کتابوں میں جو کچھ شاعر کے متعلق مل سکا اسے درج
ذیل کرتا ہوں :

بداؤنی منتخب التواریخ میں لکھتا ہے : " دیگر مولانا مطہر کرہ[1] است کہ اولادش الخ
شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں کہتے ہیں (مطبع احمدی ص ۹۷ و
۹۸) : " و از جملۂ فضلای عصر کہ در حلقۂ ارادت شیخ نصیرالدین محمود (روشن چراغ
دہلی) آمدہ بودند مولانا مظہر (کذا) کرہ است در فضیلت و بلاغت و فصاحت از
متفردان روزگار بود و بانواع مراحم و اشفاق شیخ مخصوص - قصیدۂ دارد در مدح
وی کہ بعضی ابیات او اینست :

دوش آن زمان کہ از افق مغرب شتا   خورشید خواند سورۂ والنجم و الضحی[2]
شمع فلک زبانہ فرو برد اندر آب   دود زمین نشانہ بر آورد بر سما ...
آخری شعر، والانصیر ملت و دین و دول کہ ہست   نعم النصیر از پس یزدان بر و سزا "

ان چند اشعار کے بعد چند بیت ایک مرثیہ کے درج ہیں جو شاعر نے انہی بزرگ
کی وفات پر کہے ہیں - آخر میں یہ دو بیت ہیں :

جہان بماتم خواجہ نصیر دین محمود   ہزار گونہ فغان کرد و نوحۂ و زاری[3]

. . . .

بساط صحن وہ از حلہای فردوسی   غلاف قبر کن از پردہ ہای غفاری
اس کے علاوہ چند سطور نزہۃ الخواطر میں اس شاعر کے متعلق درج ہیں[4]۔

---

[1] یہ عبارت اوپر لکھی جا چکی ہے - اس لئے حذف کی گئی - (اڈیٹر) [2] یہ قصیدہ موجودہ دیوان کے نسخہ میں نہیں ہے [3] یہ مرثیہ بھی اس نسخہ میں نہیں ہے [4] ان حوالوں کے لئے میں اپنے مکرم استاد پروفیسر محمد شفیع صاحب کا ممنون ہوں ۔

کسی تاریخ کی کتاب میں شاعر کا تذکرہ نہیں حالانکہ ایک اس عہد کے اور شاعر عزّ الدین یا اعزّ الدین کا تذکرہ مآثر الامراء اور فرشتہ وغیرہ میں موجود ہے۔ جسنے تھتہ کی فتح کے موقع پر بعض پرانی سنسکرت کی کتابوں کا فارسی نظم میں ترجمہ کرکے فیروز شاہ کو پیش کیا تھا۔

ان مختصر تذکروں سے جو شاعر کے متعلق دستیاب ہوسکے اس کی زندگی پر زیادہ روشنی نہیں پڑتی اور اسکی تاریخ وفات کی تعیین بھی مشکل ہے۔ لیکن کم از کم یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر ایک عالم و فاضل آدمی تھا۔ شیخ نصیرالدین کے خاص مریدوں میں سے تھا اور اسے بادشاہ کا قرب بھی حاصل تھا۔ علاوہ اس کے اپنے معاصرین میں فن شعر کے لحاظ سے بھی ممتاز تھا۔ اور اس طرح دیوان مطہر کے اس نسخہ کی دریافت خاصی اہم ہو جاتی ہے ٭

اس تمہید کے بعد اب میں موجودہ قلمی نسخے کا بیان مختصر طور پر کرتا ہوں۔ نسخہ مجلّد ہے۔ سرورق پر قصاید امیر خسرو تحریر ہے۔ ورق ۱۲۸۔ تقطیع ۷" × ۳" حاشیہ کہیں کہیں سے کرم خوردہ ہے۔ لیکن متن محفوظ ہے۔ سوائے پہلے ورق کے جو کسی قدر بوسیدہ ہو گیا ہے اور جس کی لکھائی کچھ مٹ گئی ہے۔ پہلے دو صفحے رنگین اور مطلّا ہیں۔ باقی صفحوں پر سنہری اور نیلے رنگ کے جدول ہیں۔ خط نستعلیق بہت پاکیزہ اور صاف، ہر ایک صفحہ پر بالاوسط ۱۶ سطریں، نقاط وغیرہ اکثر احتیاط سے نہیں بنائے گئے۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں ہیں۔ اور کہیں کہیں الفاظ غائب ہیں۔ جس سے خیال ہوتا ہے۔ کہ یہ نسخہ کسی اور نسخہ سے منقول ہے۔ سنہ کتابت مذکور نہیں۔ لیکن سرلوح اور کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ گیارھویں صدی میں لکھا گیا ہوگا۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ شاعر نے اپنا نام بہت سے قصیدوں میں بیان

نہیں کیا۔ صرف چند قصیدوں میں نام پایا جاتا ہے۔

شروع (بلا حمد و نعت) بعد بسم اللہ:

سلام کن ز من ای باد شبگیہا ترا سپر ملوک ملک شمس الدین (دین) سلیمان را

ختم کتاب ایک مخمس پر ہوتا ہے جو شمس[1] الحق کی تعریف میں ہے۔ اور جس کا آخری بند یہ ہے:

تا قفل دہن را ز کف عید کلیدست تا کوکبۂ عید ز آدینہ مزیدست
وان جمعہ ہمان جمعہ کہ بخت تو سعیدست و آسودہ زی از عیش کہ ہر دم ز تو عیدست
دست اجل از دامن عمر تو بعیدست ای کسوت اقبال ترا ہست بیالا

کل تعداد نظموں کی اٹھاون ہے۔ جن میں سے انیس ترکیب بند ہیں۔ ایک قطعہ اور باقی قصائد۔

قصیدہ نمبر ۲۴ جو ملک الشرق حسام الدین کی تعریف میں ہے ناتمام ہے۔ اس کے بعد نمبر ۲۵ بھی ناتمام ہے اور یہاں سے دیوان کے بہت سے ورق غائب ہو گئے ہیں۔ یعنی یہ قصیدہ[2] ردیف راء میں ہے اور اس کے بعد ایک دم ردیف یا آ جاتی ہے:۔

ردیف را کا آخری شعر یوں ہے:

الواحد این فرستاد سلطان کہ بر بودش آہوا بص الشکر (کذا)

ردیف یاء یوں شروع ہوتی ہے:

ذخیرہ نام نکو کن کہ جز نکو نامی ہبا بود ہمہ آوازہا چو بانگ درا

---

[1] پورا نام شاعر نے شمس الحق ایرانشہ دیا ہے۔ ممکن ہے پہلا اور آخری قصیدہ دونوں ایک ہی ملک کے نام ہوں [2] یہ قصیدہ تصوف اور صوفیای کرم کے بیان میں ہے۔

علاوہ فیروز شاہ، عین الملک، حسام الدولہ اور ناصر الدین محمد شاہ کے قصاید وغیرہ میں ان لوگوں کے نام ہیں:

ملک علی (نمبر ۱)، صدر آفاق جہان زین الدین (نمبر ۱۳)، ملک زادہ سلیمان شاہ (نمبر ۱۵)، جمال الدین (جلال الدین[1]؟) (نمبر ۱۸)، میر یوسف، خواجہ حاجی، خواجہ ضیاء الحق، خواجہ محمود (نمبر ۲۴)، ملک اختیار الدین (نمبر ۲۸)، شیخ الاسلام قطب جہان صدر الدین[2]، جلال الدین رومی (نمبر ۳)، حاجی سیف الدین (نمبر ۳۸)، ملک علاء الدین (نمبر ۵)، قاضی القضاۃ شمس الدین (نمبر ۱)، شمس الحق ایرانشہ (آخر کتاب)، جلال الحق والدنیا (مولانا جلال الدین[3]) نمبر ۲،

تاریخی اعتبار سے مندرجہ ذیل نظمیں خاص طور پر قابل غور ہیں:

قصیدہ نمبر ۲۲ - در مدح فیروز شاہ - اس میں بادشاہ کے کارہائی خیر، عمارات

---

[1] دیکھئے نوٹ بر جلال الدین　[2] شیخ بہاء الدین ملتانی کے بیٹے جنہیں فیروز شاہ نے شیخ الاسلام مقرر کیا تھا - قصیدوں کے نمبر میرے اپنے مقررہ کردہ ہیں - نسخہ میں نہیں ہیں ❊

[3] اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر برنی نے کیا ہے - ایک تو مولانا جلال الدین کرمانی جن کے متعلق وہ لکھتا ہے "صدر الصدور جہاں جلال الحق والدین کرمانی کہ بہ نسب فرزند مصطفی و نور دیدۂ مرتضیٰ است و بوفور علم منقول و معقول غزالی عہد و رازی عصر است" (برنی - ص ۵۷۹) اور دوسرے مولانا جلال الدین رومی کہ بس استادی متفنن است دائما در منصب افادات سبق علوم دینی میگوید و متعلمان را بہموارہ تعلیم میکند" - قصیدہ نمبر ۲۸ میں شاعر نے جلال الدین کے ساتھ رومی لکھا ہے اور ان کا نام مدرسہ کے بیان میں آیا ہے - لیکن قصیدہ نمبر ۲ میں صرف جلال الحق والدنیا نام دیا ہے - اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ سید جلال الدین کرمانی صدر الصدور کی مدح میں ہے ❊

اور فتوحات کا بیان ہے - بہت لمبا اور دلچسپ قصیدہ ہے (دیکھئے اقتباسات)
قصیدہ نمبر ۲۹ - در مدح عین الملک - اس میں اسلام آباد کا ذکر ہے -
قصیدہ نمبر ۳۰ - بہت لمبا قصیدہ ہے - جس میں شاعر کی بادشاہ کے دربار میں طلبی، اسکا دہلی جانا - وہاں کی عمارات اور مشایخ وغیرہ کا بیان ہے - یہ بھی بہت دلچسپ ہے (دیکھئے اقتباسات)
قصیدہ نمبر ۳۳ - در مدح حسام الدین، فتح جاجنگر، سرکوبی رای وغیرہ کے بیان میں ہے،
ترکیب بند نمبر ۵ - اس میں دہلی کی عمارات اور فیروز شاہ کے کارناموں کا ذکر بہت خوبصورت طریقہ سے کیا گیا ہے (دیکھئے اقتباسات)
علاوہ ان کے اور لحاظ سے یہ نظمیں دلچسپ ہیں :-
نمبر ۶ - جس میں شاعر پہلے چار شعر عربی کے لاتا ہے پھر چار شعر فارسی کے، اور اسی ترتیب کو بار بار دہرا کر سارا قصیدہ ختم کرتا ہے اور جو یوں شروع ہوتا ہے :
اذا زُرتَ فی دامت (رامة) دارَ ہا فزاید (فَزاید) عن الدایم (الرَّنم) اخبارہا
قصیدہ حسام الدین کی تعریف میں ہے -
نمبر ۷ - مرثیہ ہے لیکن نام پڑھا نہیں جاتا - کسی خواجہ کی وفات پر لکھا گیا - جنکا نام یوں آتا ہے : صدر الشیوخ خواجگی آن خواجہ مساب (کذا مُشاب؟)
نمبر ۳ - قصیدہ جو تمام کا تمام ضعف پیری کے بیان میں ہے (دیکھئے اقتباسات)
ترکیب بند سب بہت اچھے لکھے ہیں - بحرین اور قافیے بہت موزون استعمال کئے گئے ہیں،
یہ بات افسوسناک ہے کہ دیوان مطہر کا یہ نسخہ بہت نامکمل ہے - اور اس

سے بڑھکر افسوس کی یہ بات ہے کہ جہانتک میں تلاش کرسکا ہوں کسی مشہور کتبخانہ کی فہرست میں اس شاعر کے دیوان کا کوئی نسخہ موجود نہیں - ممکن کیا عجب ہے کہ جس طرح اس نسخہ پر قصاید خسرو لکھ دیا گیا - اسی طرح اور کوئی نسخہ کہیں گمنام میں پڑا ہو - اور اس پر بھی کسی قلم غلط نگار نے کسی دوسرے شاعر کا نام ثبت کر دیا ہو - اسکی تحقیق سوائے ان کتبخانوں کے سب قلمی نسخوں کو دیکھنے کے نہیں ہوسکتی اور یہ کام سہل نہیں ؛

اب میں دیوان مطہر میں سے بعض اقتباسات پیش کرتا ہوں - جو امید ہے ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہونگے :-

در ضعف پیری (از قصیدہ نمبر ۳)

رخی کہ بود چو بیجادہ ارغوانی رنگ　　شد از نہایت زردی بسان کاہ ربا[1]
تنی کہ روی در و می نمود آئینہ وار　　کنون در آئینہ دیدن نمی توان اصلا
تنی کہ بود بمانند سرو در صورت　　بنفشہ وار ز بار ہموم گشتہ دوتا
حواس خمسہ ظاہر کہ نقش حیوانست　　ہمیشہ مجمع لذات و معدن نعما
چنان شدست خلل و آنچنان شدست خراب　　کہ از نہاد و نشانش نماند جز اسما
دو گوش من ز گرانی شدست ہمچون کوہ　　دو چشم من ز روانی شدست چون دریا
شعاع چشم کہ دیدی فراز سنگ سیاہ　　بقعر چاہ پی مور در شب یلدا
کنون نمی نگرد لشکری بطبل و علم　　کہ میرود بہ بلندی[2] روز در صحرا

---

[1] ن = لعما　[2] ن = بلند روز - ان اقتباسات میں جہاں کہیں ادنی تحریف یا تصحیف نظر آئی اسکو بلا نوٹ کے درست کر دیا گیا ہے - جہاں متن بہت مشتبہ تھے وہاں اسکی بعینہ نقل کر دی ہے اور اپنے قیاس کو یا تو متن میں خطوط کے اندر لکھ دیا ہے یا فٹ نوٹ میں ؛

صماخ گوش که آوازهای پشهٔ خرد — همی شنید برفتار نرم بر دیبا
کنون نمی شنود بانگ رعد بر گردون — اگرچه میدرد آواش صخرهٔ صمّا
مذاق کام که می یافتی ز یک معجون — هزار طعم جداگانه از هزار اشیا
کنون اگرچه خورد ریزه ریزه نشناسد — نمک ز شورهٔ می از سرکه حنظل از حلوا
مشام مغز که می یافتی ز مشرق بوی — اگر بمغرب شگفتی گلی ز باد صبا
کنون نیابد بوئی اگرچه در بر او — هزار توده بسوزی ز عنبر سارا

در مدح فیروز شاه (نمبر ۲۲)

[بادشاہ کی تخت نشینی، اخلاق، بہبودی، رعیت کا خیال، رفاہ عام کے کام، فتوحات وغیرہ - اس قصیدہ میں بادشاہ کی مہم جاجنگر کا ذکر ہے اور پدماوتی کے جنگل میں ہاتھیوں کے شکار کا بھی بیان ہے - مقابلہ کیجئے تاریخ فرشتہ ج ۱ - ص ۱۴۷]

شاه زمان که روی چو سوی شکار کرد — وز تیغ بی قرار جهان را قرار کرد
هرگز قرار ملک بدین امن و ایمنی — شاهی نکرده بود که این شهریار کرد
فیروزشه که خاطر فرخنده رای او — حکمت شعار ساخت شریعت دثار کرد
آن سایه خدای که سلطان اختران — از خاکبوس درگه او افتخار کرد
وآن نایب رسول که در هر فضیلتی — او را خدای نادرهٔ روزگار کرد
شاهی که از محاسن اوصاف خویشتن — در گوش دهر تا ابد گوشوار کرد
از جود و جدّ مآثر میمون ذخیره ساخت — وز عدل و بذل نام نکو یادگار کرد
از هر طرف که رایت شاهانه برفراخت — تیغش عروس فتح و ظفر در کنار کرد
در هر گهی که خاطر میمونش برگماشت — یزدانش عون و عصمت و تایید یار کرد

هر بخششی که داد کفش بی شمار داد — هر کوششی که کرد دلش استوار کرد

بخشش چنین دهند که این پادشاه داد — کوشش چنین کنند که این کامگار کرد

آن شاه پیلتن که بنخچیر شیر و گرگ — آسوده تا زیان بسواری نزار کرد

هر روز گرگ و شیر گهی بیست و گاه سی — آورد بسته بر در میدان قطار کرد

جز شاه ما که حضرت یزدان ذوالجلال — صمصام و ساعدش اسد و ذوالفقار کرد

از خسروان که بود که [هم] چون گوزن و گور — پیلان گرفت زنده و شیران شکار کرد...

بشنو کنون که شرح دهم با تو شمهٔ — زان چیزها که این شه میمون شعار کرد

اوّل که پای بر سر تخت کیان نهاد — شکر و سپاس حضرت پروردگار کرد

و آئین عدل و سیرت احسان و وصف جود — لازم گرفت و قاعده حلم و وقار کرد

هر جا که بود در همه آفاق بندئی — بندش گشاد و مرحمت بیشمار کرد

هر جا که اهل دانش و اصحاب زهد بود — نان داد و دیه داد و درمها نثار کرد

هرسو برای صادر و وارد زمین و دیه — تعیین بهر ولایت و در هر دیار کرد

پیران کهنه سال و یتیمان خورد را — چندان وظیفه داد که صاحب یسار کرد

و اعیان دولت و امرا را علی العموم — تضعیف جاه و منزلت و اقتدار کرد

قحط از زمین سترد بدان حد که کاروان — از غلّه صد ستور بیک تنکه بار کرد

امن آنچنان فزود که تنها رونده راه — هر جا که شب فتاد همانجا قرار کرد

و آن دیهها که یاد ندارد کسی به عمر — کانجا کسی زراعت و چاه و جدار کرد

چندان بخلق داد باحکام خمس و عشر — کان بیشها همه چمن و کشت زار کرد

وامروز در بلاد ممالک برای نام — دیهی خراب کس نتواند شمار کرد

در دشتهای خشک و بیابان بی نبات — کانجا نه مرغ بود و نه وحشی وجار[1] کرد

---

[1] اصل: وحار، وجار بمعنی جحر الضبع (قاموس)

چندان گشاد چشمه و چندان کشید جوی   کاندر یگان گروه دوگان جویبار کرد....

چندان رباط و مدرسه و خانقاه ساخت   چندان سرای و مسجد و حوض و حصار کرد

از آب سند تا بدر دهلی همه دیار   از باغ و کشت جنّت و دار القرار کرد

وز بهر آنکه حضرت دهلی ز ازدحام   گه گه عص سهمدی و مدارا سار کرد[1]

شهری دگر چو خلد برین بر کنار جون   آباد هم بنام شه نامدار کرد

شهری چنان لطیف که نقشی بدان جمال   مانی بنوک خامه ندارد (ندانند؟) نگار کرد

قصری در وچو ماه بر آورد اوچون نجوم   برگرد خانهای ملوک و کبار کرد

وآنگاه بنای مسجد جامع بر آب جون   از رنگ روشنی چو دُر شاهوار کرد

وانگاه پس مناره ز زمین تا بآسمان   از یک ستونِ سنگ بنا برجدار کرد[2]

طاسی برای معرفت هشت دو ساعتش[3]   ترتیب بر بلندی ایوان بکار کرد

کآغاز صوم و وقت صلواة آدمی بر آن[4]   روشن بروز ابر و به شبهای تار کرد

این خود حدیث خود و جهان پروری اوست   کاین قصه ها بیان نه یکی از هزار کرد

ور بشنوی حکایت آن فتحنامها   کآنجا برای عزّت دین کارزار کرد

بیشک قسم خوری که بدین حد بهاد و جنگ   نی رستم و نه گیو نه اسفندیار کرد

یاد آیدم معمّتش[5] که در مبدأ جلوس   بالشکر مُعاج مصافی بعسار کرد

چندان بکشت خون اعادی در آن زمین   کآن خاک را ز خون عدو لاله زار کرد

---

[1] کذا فی النسخہ۔ گہ گہ کے بعد غالباً عفن شدی ہے اور مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازدحام خلق سے چونکہ کبھی کبھی دہلی کی فضا متعفن ہو جاتی تھی۔ اس لئے .... الخ [2] مراد اشوک کی لاٹھ ہے جسے فیروز شاہ نے فیروز آباد میں نصب کیا [3] مراد طاس گھڑیال سے ہے جسکی ایجاد کو شمس سراج نے فیروز شاہ کے کارناموں میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۵ تا ص ۳۶۰ [4] کذا۔ بدان؟ زیادہ موزوں یوں ہوگا: کآغاز صوم و وقت صلواة و دمِ اذان [5] کذا۔ بجملہ ؟

وآن دم که در ممالک شرقی بفال نیک — رایات برکشاد و عساکر سوار کرد

روی زمین بآتش و آہن سپید ساخت — رنگ ہوا ز گرد سواران چوقار کرد

بر شاه شرق نامه فرستاد در نخست — بر پیل و مال و بیعت او اقتصار کرد

صفدار شرق چونکه اجابت نیاورید — فرمان و بر سپاه و سلاح اغترار کرد

ناچار شہریار بتاراج ملک او — لشکر ز آب گنگ بدانسو گذار کرد

وز بہر رزم ضابط[۱] و نہب دیار او — ترتیب جنگ و تعبیهٔ انتصار کرد

با صد ہزار پایک و باسی ہزار اسپ — پیلان حصار ساخت و بمیدان مدار کرد

ہم در زمان لشکر منصور پادشاه — خنجر کشید و حمله چو موج بحار کرد

آن حمله موجہای سواران و پیادگانش — در ساعتی بتم سپه خاکسار کرد

پنجاه زنده پیل بیک حمله شد اسیر — صد فوج ازان سپه بزمین ہموار کرد

باز آن چه رعب بود که رایات عالیش — آہنگ[۲] فتح جاجنگر از بہار کرد

بگزید چل ہزار سوار از نود ہزار — وانگه جریده گشت و رخ اندر قفار کرد

میراند تا دو ماه بر آن دشت و غار و کوه — چندانکه رو به جنگل (و) ہامون تار کرد

وآمد برون قلعهٔ تنہکی[۳] گرفت روی[۴] — در جایگاه کافر ناحق گذار کرد

رای ارچه پیل و اسپ چشم[۵] عدو داشت — از رعب شه بجانب دریا[۶] فرار کرد

ہندو ندید جای امان جز جناب شاه — لابد بصد زبان طلب زینہار کرد

وآنچه از زر و جواہر و پیلان و اسپ داشت — یکسر بہای نعل شه کامگار کرد

---

۱ مراد الیاس ضابط لکھنوتی ہے - دیکھئے برنی ۵۸۶ وغیرہ ۲ دیکھو مبارک شاہی ص ۱۲۹ سطر ۲ ۳ کذا، ظاہرا یہ تنہکی دہی جگہ ہے۔ جسکو مبارک شاہی ص ۱۲۹ س ۵ پر سکھرہ لکھا ہے، یہ واقعہ ۷۶۱ کا ہے' ۴ شاید "گرفت وزان" پڑھنا چاہئے ۵ کذا 'بیحساب؟ بیشمار؟ ۶ مبارکشاہی میں ہے کہ رای جانب تلنگ کو بھاگ گیا'

وآن ہم شنیدۀ کہ نگرکوٹ قلعہ ایست — کز اوج چرخ کنگرہ عالیش عار کرد
چون نیست ثرف در بن آن کوہ بار شخ — کوہ[۵۱] طوف گرد او صد و هشتاد بار کرد
وز روی آب در تگ این جوی سنگہاست — غلطان چو کعبتین کسی کو قمار کرد
القصہ چون بقصد چنین قلعۀ عظیم — رای عظیم شاہ عزیمت خیار کرد
چندان سپاہ راند کہ گرد سپاہ او — تیشما بمیل* سرمہ چشم نہار کرد
و افواج لشکرش برافاق (؟)، برق سیر — زانسان عبور از لب آن رود بار کرد
کان آب و سنگ از سم اسپان بادپای — گاہی چو نار شعلہ و گاہی شرار کرد
چندانکہ شاہ زین زرہ (درہ؟) تنگ جیش را — چون اختران سوار بر آن کوہسار کرد
رزمی دو روبہ رفت کہ در روی روزگار — تاریخ ماند و صیت بدان اشتہار کرد
و آخر چو شاہ دید کہ آن قلعہ محکم است — از تیغ و تیر می نتوان انکسار کرد
عرادہا نہاد و بسی منجنیقہا — نفط افگنان ز چرخ[۵۳] کسان برفوار کرد*
چندان نشاند آتش و چندان فگند سنگ — کان دیو سیرتان بحجر سنگسار کرد
ناچار رای سر باطاعت در آورید — مال و خراج داد و ز جرم اعتذار کرد
وز جملہ فتوح گل فتح نحمہ (نفتہ؟) بود — کز استماع آن ہمہ خلق انتشار کرد
فتحی کہ در ہوادئ ہمت قلادہ بست — فتحی کہ در سواعد دولت سوار کرد
فتحی کہ نی تہمتن ایرانی آنچنان — در عمر نی سکندر رومی نجار کرد
در موضعی چنان کہ ز سختیٔ او سپہر — انگشت حیرت از سر دندان فگار کرد
دریا و پنج آب ز ہر چار سوی او — گشتہ یکی دو چشم تو چندانکہ کار کرد
کشتیٔ بی نہایت و مردان بے قیاس — ہر یک یلی کہ نیزہ چو رستم گذار کرد
جیشی چو مار و مور کہ ہر یک برای تیر — برجاس[۵۴] چشم مور و ہدف گوش مار کرد

---

۵۱ اصل : کر سلہ کذا شہہاء خیل؟ ۵۳ ز چرخ کشان برق وار کرد یا بر بوار کرد ؟
۵۴ اصل : برخاش - برجاس = نشانۂ تیر بمعنی ہدف ،

شاہ جہان کہ خاطر او ہر مہم کہ خواست　　کردن کفایت، از کرم کردگار کرد
ہمت چو برکشادنِ این جایگاہ بست　　وآثار خسروی بجہاں وش جہار کرد
چندان سپاہ برکہ از سم مرکبان　　صحرا ستوہ[1] آمد و دریا غبار کرد
ہر روز نہب و غارت وہر دم نبرد وجنگ　　میکرد با [تا] دیار عدو پُر دمار کرد
تا عاقبت چو کار بسکّان آن مقام　　در اضطراب آمد و حال اضطرار کرد
دادند سر بطاعت وجستند امان شاہ　　شہ داد امان و بر کرم امیدوار کرد
صفدار سند سمستان[2] را ورای جام　　اندر رکاب با ہمہ خلق و تبار کرد
تنہا نہ این فتوح کہ در ہر ولایتی　　صد اینچنین فتوح دگر برقرار کرد
حصر صفاتِ شاہ چو در وسع عقل نیست　　میخواہم از ثنا بدعا اختصار کرد
تا باد صبحگاہ در ایّام نوبہار　　دامان خاک پر گہر آبدار کرد
بادت بہار عیش منوّر کہ در جہان　　بخت تو خاک تیرہ چو[3] مشک تتار کرد

در صفت عمارات دہلی

[از قصیدہ نمبر ۳۰ ۔ شاعر بادشاہ کے دربار میں طلب ہوتا ہے ۔ اور معشوق کی معیت میں دلی کی سیر کرتا ہے]

ہم ازین عزم گرفتیم رہِ روضۂ شیخ[4]　　تا رسیدیم در آن مرقد میمون آثار

---

[1] اصل: ستوہ وہ [2] کذا ۔ مقابلہ کیجئے اقتباس از ترکیب بند بر فتح تہتہ ۔ وہاں یہ نام اور طرح لکھا ہے ۔ لیکن نقطے اس میں بھی غائب ہیں ۔ صحیح نام یقیناً بنہتیان (= بنہتیا) ہے جسے بعض مورخین نے بانبہتیا بھی لکھا ہے اور جو فیروز تغلق کے عہد میں تہتہ کا حاکم تھا ۔ فیروز نے اسکے خلاف تین دفعہ فوج کشی کی اور تیسری دفعہ اسے گرفتار کرکے دہلی لے آیا ۔ دیکھئے شمس سراج، آئین اکبری، تاریخ معصومی وغیرہ [3] چو مشکبار [4] حضرت نظام الدین اولیا

شرط تعظیم زیارت چو بجا آوردیم　　آمدیم از طرف روضه سوی راست دار[1]

می بگشتیم دراطراف و عمارت هرسوی　　تا به بینیم تماشای بنای احجار

راستی چونک بدیدآن همه ساحت (همه) صحن　　وآن سرگنبد وآن چشمهٔ روشن بکنار

قبهٔ قصر چو ماهی و کواکب بر گرد　　صوفیان و خدم و سایر خلوة دوآر[2]

گفت اینست مگر روضهٔ رضوان کرده　　روح و ریحان بهشتست دم دار قرار

گفت (گفتم) اینست هنوز اول بیت المعمور　　باش تا جنت فردوس ببینی و انهار

اندر ز[3] در مدرسهٔ شاه جهان*　　آسمانی نگری تازهٔ جهانی زانوار

بینی آنجای که در عمر ندیدست کسی　　آنچنان جای نه در گوش شنیده اخبار

نه چنان جای بهمدان[4] نه خورنق بشد ند (نه سدیر)　　نه چنان نقش بروم و نه بچین نی بلغار

[اسکے بعد حوض خاص کی سیر کرکے مدرسہ کے باغ میں پہنچتے ہیں]

اول از در که درون رفت درآن فرخ جای　　عرصهٔ دید چو صحرا، تهی همواره

صحن او روح فزا ساحت او جان پرور　　خاک او مشک فشان نکهت او عنبر بار

سبزهٔ و سنبل و ریحان و گل و لاله درو　　رسته و آراسته چندانکه کند چشم تو کار

نار و نارنج و ترنج و به و سیب و انگور　　در رسانیده در و میوه امسال ببار

بلبلان نغمه سراینده ز هر سو گوئی　　چنگ دارند بچنگ اندرونی در منقار

واندران باغ یکی فرش ببالای دو مرد　　طول و پهناش ز هر سوی چهل رس بشمار

قبهٔ بر سرش افراشته تا طارم ماه　　که چو خورشید در و خیره همی شد ابصار

بام و بر جش بزر آراسته چون روی عروس　　در و دیوار جلا داده بطلق آئینه وار

---

[1] کذا　[2] کذا　[3] کذا - اندر آئی ز در مدرسهٔ شاه جهان؟ چون در آئی ز در مدرسهٔ شاه جهان
* مدرسہ کے اس وصف کا مقابلہ اس تعریف سے کیجئے جو برنی نے لکھی ہے (ص ۵۶۲) - مدرسۂ حوض علائی (حوض خاص) کے کنارہ پر تھا ٭　[4] بتمدان؟

قصر مانی شرف دو، باغ ارم ساحت صحن — طاق کسریش در و سد سکندر دیوار

سطح او را ز رخ روشن حورا شنگرف — سقف او را ز پر سبز ملایک زنگار

چونه و سنگ جداریش همه حلقی[1] رخام — تخته و چوب درش صندل چین، عود، قمار[2]

وز بساطین و مفرش شیراز و دمشق — همه آراسته بیرون و درونش چو نگار

چو نظر کرد درین گنبد گردون فرسای — رنگ برگشته ز رویش چو پری دیده صفار

گفت این جای چه جائیست بدین زینت و زیب — باز این باغ چه باغست ز انواع شمار

گفتم این مدرسه و باغ شهنشاه جهانست — اندرون آی که یک حسن به بینی به هزار

چون در آمد ز درش دید در آن جنت خلد — قاصدان [فاضلان] صف‌زده هر سوی ملایک کردار

عالمان عربی لفظ و عراقی دانش — همه در جبهٔ شاهی (شامی) و بمصری دستار

هر یکی نادرهٔ دهر در انواع هنر — هر یکی واسطهٔ عقل در اطراف دیار

در فقاهت ببخارا و سمرقند نشان — در بلاغت بحجاز و یمن و نجد منار

صفه [صدر] آن محفل و سردفتر آن استادی — که ز سر تا بقدم صورت عقلست و وقار

باز آهسته در آورد سر اندر گوشم — گرد از نسبت این صاحب درس استخبار

گفتم این عالم آفاق جلال الدین است[3] — رومی، آن کز نسبش ری کند و روم فخار

راوی هفت قرا و مده [قراءت سنده؟] چارده علم — شارح پنج سنن مفتی مذهب هر چار

گر بخواهی شنوی سحر حلال سخنش — یک زمان گوش دل و هوش بفوائش بسپار

پس شنیدیم ز گفتارش انواع علوم — اخذ کردیم ز تفسیر و اصول و اخبار

همچنان (کذا) یکدگر از طالب علمان هر سوی — بر فلک برده صدا غلغل بحث و تکرار

ساعتی چون شغب و شور و جدل ساکن شد — اندر آورد [ز] در خورد نیش نوان سالار

---

[1] کذا۔ صحیح غالباً یوں ہے: چونهٔ و سنگ جدارش همه خلقی و رخام (تا تلقی و رخام) خلقی بمعنی حجر املس۔

[2] ن = قمار [3] ان کے متعلق ملاحظہ ہو نوٹ جو اوپر دیا جاچکا ہے۔

مدرسہ کے کھانے کی کیفیت

همه درّاج و کبوتر بچه و کبک و کلنگ   ماهی و مرغ مسمّن برهٔ کوه و قسار
ناروان نوشکر و لوز و حوایج [فوایح] دروی   زعفران صندل و مشک (و) همه بر[گونه؟] افزار
قرص بریان زلیبیا و دگر آرایش (کذا)   خشت (و) لوزینه تر و خشک بهرسو انبار
راست گوئی که بیاراست بهاری ز نعیم   صحنها برگ صفت کاسه در و نرگس وار
واندران [وآبداران] همه بردست قدحها حُلّه   کرده با شربت حمّاض شراب آنار

. . . .

چون بپرداخت زمان محفل از شرب و نوش   سفره برداشته شد دست کشیدند اخیار
برگ داران شده در دادن تنبول دوان   برگ دان های زر و سیم گرفته یکبار
بیڑے[1] ها چون گل صدبرگ چو گل[2]   دوخته آن گل صدبرگ بیک سورت (سوزن) خار
زعفران اَنگ (رنگ) ولقد[3] مزه و عنبر بوی   چرب پہلو و تر اندام و تنقط[4] رخسار

خانقاہ کا حال

بازآزانجا[5] بسوی خانقه خاص شدیم   یعنی از درس مقامات ملاعین بحذار
قبّها بود منور چو مه و مهر بر آب   ساده چون بیضهٔ سیمرغ فراز کهسار
زیر هر قبّه یکی ملب قلندر جبه طلب[6]   شاهبازان براری و نهنگان بهار [بحار]
همه شیران سیه جامه و پیلان سفید   پاکبازان مجرد ز دو عالم بیزار
حاجیان حرم و قافلهٔ قدس رسید   زایران قدم و راهبران سفّار

---

[1] اصل: بہ ہا- بیرہا = بیڑے [2] لفظ چھوٹ گئے ہیں [3] کذا
[4] کذا- صحیح لفظ غالباً منقطا ہے دیکھو شمس سراج عفیف ص ۵۷ سطر آخر [5] دیکھو فیروز شاہی ص ۵۸۵
[6] کذا- پورا مصرع مشتبہ ہے' ملب کی طرح کا ایک لفظ اس کے بعد گیارھویں اور شاید پندرھویں شعر میں بھی آیا ہے'

رہ نوردان (رہ نوردان) ہمہ وسال بصحرا و بدشت　　زندہ داران شب و روز بسان اشجار

ہمہ را عیش میسر شدہ از دولت شاہ　　میوہ و مایدۂ و صوف و سلاح و دینار

ہمہ مشغول دعاء و ہمہ مستغرق شکر　　بر[1] مزدہ شہ عالم لسی و انکار*

بدگر صفّہ رسیدیم چو کیوان [ایوان] بہشت　　عارفان جمع بدیدیم چو اصحاب الغار

صوفیان در صف بالا و مور[2]ان در پیش　　نحرمان (؟) سوی یمین حیدر[3]یاں سوی یسار

ہمہ پیران کہن سال و جوانان لطیف　　ہمہ گردان جہانگیر و سران [ملان] سیّار

ہمہ ابدال سکندر دل و مہدی سیرت　　ہمہ اوتاد مسیحا نفس و خضر شعار

ہمہ را جامہ سیاہ و ہمہ را نامہ سفید　　ہمہ را روی ز نور و ہمہ را سینہ زنار

سر آن ملت[4] سجادہ نشین آزادی　　کہ ہمی تافت جبینش چو شموس و اقمار

چون بدید آن اثر نور مرا گفت این کیست　　شیخ الاسلام جہان قطب زمان صدر الدین[5]

مشرق نور ازل مشرق (مشرف) احکام ضمیر　　محرم (؟) کعبۂ جان محرم سرّ الاسرار

یعنی[6] ابنا د ابن، خلف شیخ بہاء ملت　　زکریا[6] کہ بدو فخر کند خویش و تبار

یک زمانی بر خلعت (؟) [بسر حلقۂ] او بنشستیم　　نوش کردیم ز نفس وداروی لہای فگار

. . . .

مسجد کا بیان

اوّل از شہر چو در مسجد آدینہ شدیم　　آنکہ او راست سر مشرق و مغرب معمار

مسجدی دیدہ نہ مسجد کہ جہانی در وی　　آسمانی ز گہر کردہ زمینی ز نضار[7]

چہ فریبندہ بہشتی کہ اگر بیند حور　　بدل و دیدہ شود بر رخ او عاشق زار

---

[1] کذا۔ شاید پورا مصرع یوں ہو: برمزید شہ عالم بعشق و بکار　[2] کذا۔ مریدان؟　[3] اصل: حتدامان

[4] کذا　[5] کذا۔ دیار۔ تاریخ مبارکشاہی ص ۱۲۴ پر ہے کہ شیخ زادہ صدر الدین نبیسۂ شیخ کبیر بہاء الدین کو ۸۵۳ھ میں شیخ الاسلام بنایا گیا اور اسی سال مسجد جامع 'نزدیک کوشک' اور مدرسہ بالای حوض خاص بنا ہوا'　[6] پہلے مصرعہ میں یحیی اور دوسرے میں زکریا لکھا ہے مگر شیخ صدر الدین کا نام یحیی کہیں نہیں دیکھا بظاہر یحیی ہے　[7] نضار (= زر خالص)

طاق بر طاق برآراسته چو[ن] قوس قزح | قبّه بر قبّه برافراخته چون ابر بهار
خط ایوان وی و دایرهٔ طاقش را | رشتهٔ صبح شده مسطر و گردون پرکار
بام وسعت (صحن) فلک آسا و زمین پیمایش | آنچنان برده برون از حد وهم و افکار
کین به پهناش به پهنائی زمین گیرد عیب | وآن بلندی ز بلندئ فلک دارد عار
وهم عاجز شده ز اندیشه و چشم از دیدن | زان هنرها که بر آن سنگ زده (آن) نجّار
نقشها ساخته بر سنگ که هرگز نتوان | آنچنان نقش برانگیخت ز سوزن کهنار

ترکیب بند ـ تهنیت بر فتح تهتہ

بزمی است هر سوی و نشاطی بهر سری | باغی بهر رهی و بهشتی بهر دری
هر جا نهاده نخلی و هر جای مجمری | هر جانبی صراحی و هر سوی ساغری
وآورده اند جمع بهر کیش کشوری | از دف زن و ربابی و رقاص لشکری
هر یک چنان که در شب تاریک اختری
مه روی و مشک موی و شکر خنده شمع تاب

هر لعبتی لطیف چو نو رسته نارون | گل روی و سرو قد و سمن ساق و سیمتن
شکر لبی که شهد شود در لبش لبن | وآرد نبات را ز هوس آب در دهن
چشمان و ابروان و بر و بازوان و تن | چون نرگس و بنفشه و نسرین و نسترن
رفتارشان قیامت و گفتارشان فتن
دیدارشان بهشت و جدائی شان عذاب

تا نهفت رکاب همایون شنیده اند | خاصان و خاصگان که درین جای بوده اند

لہ نخیار ؟ (نخیار = کھیرا) ۔ شاعر کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی مسجد جامع ہے جو اب فیروز شاہ کے کوٹلے کے پاس ویران اور شکستہ پڑی ہے اور جسکا حال فیروز شاہی ص ۲۶۵ پر دیا ہے ؛

صدگونه عیش و عشرت و شادی فزوده اند   صدگونه[1] هوس به بستن آذین[2] نموده اند
سرهای قبه بر سر افلاک سوده اند   و اعلام او بعالم علوی شنوده اند
گوئی که گوی حسن ز جنت ربوده اند
این قبها[3] بزینت و این کلّها بتاب

هر قبهٔ چو گنبد گردون چنبری   نقش و نگار او همه مرّیخ و مشتری
پوشیده اند رنگ همه شقر[4] و ششتری   از سبز و سرخ و زرد و بنفش و معصفری[5]
یا بر مثال قصر سلیمان نه برتری   سقف و ستون او همه از زرّ جعفری

. . . .

نی نی که شهر نیست بهشتی ست دلپذیر   آراسته بسندس و استبرق و حریر
حوران درو کواعب اتراب بی نظیر   سلسال و سلسبیل درو چشمه و غدیر
وز شربت و شراب خمیرش[6] در آبگیر   جاری هزار جوی می و انگبین و شیر
آبش همه گلاب و گلابش همه عبیر
خشتش ز زرّ سرخ و زمینش ز سیم ناب

اکنون که از شکوه شهنشاه روز جنگ   باز ظفر رکاب عدو کرد چون کلنگ
مائیم و صحن گلشن و صهبائی لاله رنگ   و آواز نای و نغمهٔ رود و نوای چنگ
با ساقیان دلبر و با شاهدان شنگ   در سایه‌های تیره و در جایهای تنگ
ایمن ز درد و انده و فارغ ز نام و ننگ
گه در نشاط و نوش و گهی در خمار و خواب

. . . .

---

[1] اصل: گونه [2] کذا - آذین به معنی آرائش؟ (آذین بمعنی و وزن آئین آرایش ... و قبتها که بدان شهر بیارانید = سنائی = از پی قدر خویش صدرش را بسته روح القدس ز خلد آئین - فرهنگ انندراج)
[3] اصل: فتها [4] بشقر بجای شقر؟ [5] مزعفری؟ معصفری؟ [6] اصل: قمرش، کشیرش؟

فیروزشه که افسر شاهان عالم است | مهدی تاج بخش و سلیمان خاتمست
دست و دلش که محیی ابنای آدمست | تریاک و نوشدارو و اکسیر اعظمست
فیض سحاب لجۀ دریای قلزم است | دستش بگاه جود و سنانش گه حراب

شاهی که چرخ مسند و خورشید افسر است | سلطان شش جهات و شه هفت کشور است
در فرّ و یال همچون فریدون و نوذر است | در رزم و بزم همبر سام و سکندر است
کشورکشا و خصم کش و ملک پرور است | دانش پژوه و دین طلب و دادگستر است
کین تو ز تاج بخش چو محمود و سنجر است
صفدار و سرفراز چو سام و فراسیاب

دیدی که شه چه معجزه بنمود در جهاد | کانصافِ رزم بستد و داد نبرد داد
در یک نگام ریز که شه در وغا نهاد | اقلیم سند و ممالکت مولتان کشاد
فتحی نمود رو که ندارد کسی بیاد | زامروز تا زمانِ کیومرث و کیقباد
بشنو کنون حکایت این فتح با عتقاد
تا گویمت تمام بایجاز و انتخاب

تهته که آن جزیره بلادیست پر کهف | دریاش یک طرف شده پنج آب یک طرف
صحراش بی نبات و بیاباش بی علف | زرهادرو [تیره؟] شده (و) اقلیمها تلف
کشتیٔ کوه قاف بگردش کشیده صف | جنگ آوران بدو همه شمشیر با کف
در موج او نه مدخل ماهی و نی کشف
بر اوج او نه منحر شاهین و نی عقاب

۱؎ اصل : فرد مال ۲؎ اصل : بلادیت ۳؎ اصل لفظ کهف ہے
۴؎ مهبط ؟

صفدار سند بهتیان که در مقام　　با سرفراز رای تماجی و رای جام
برگردشان ز خیل و تبار و خواص و عام　　جیشی کثیر همچو هجوم نجوم شام
غیر از یلان جلد و جوانان تیز گام　　هر یک بسان رستم و اسفندیار و سام
القصه این سران ولایت همه تمام
یکجان و یکزبان شده در هم چنین جواب

بر حکم آن غرور که داریم جای تخت　　اسپان باد پای و فراوان سلاح و رخت
با لشکری گران که کند کوه لخت لخت　　بر خاکبوس مانده درین بندگی سخت
بر تافتند روی بتلقین تیره بخت　　هر تیغ و نیزه شان چو یکی شاخ از درخت
شاه جهان ز خنجر خونریز کینه اخت
و اندیشه کرد کردن آن جایگاه خراب

چندان سپاه برد که دریای دشت و کوه　　از سم اسپ و آهن و پولاد شد ستوه
صفها کشیده خیل امیران گران شکوه　　هر یک صفی چو سد سکندر بصد گروه
با هول و هیبتی که کند شوکت و شکوه　　در لرزه بد زمین و دل مرد دین پژوه
میخواستند صبحدمان بر دم خروه[2]
کز بیخ بر کنند بیکبار آن خراب

. . . .

کان قوم هم به هم سیه روی تافتند　　ناکرده رزم سینه ز هیبت شگافتند
چندانکه چاه غور کز اندیشه کافتند　　جز عجز و مسکنت ره دیگر نیافتند
لابد رسن ز موی سر و ریش بافتند
بردند روی عجز بدرگاه آنجناب

---

[1] کذا۔ صحیح بهتیان (= بنهتیا) ہے۔ دیکھئے نوٹ قصیدہ نمبر ۲۲۔ رائے تماجی یا تماچی اسکا بھائی تھا جو اس کے بعد ٹھٹہ کا حکمران بھی رہا [2] = خروس۔

شاه جهان بموجب آن جمله را نواخت — وز جاه و منزلت سرشان بر فلک فراخت
اسپان تنگ پشت بزرین ستام (و) ساخت — واجناس جامهاکه ورولعل و دربباخت [نشاخت]
چندان بداوشان که نه کس حدّ آن شناخت — بی آن مدد اگر جان و تن گداخت
ابری ز جود بر سر آن بستگان بتاخت
کز فیض گشت غرقهٔ احسان بجمله باب

آری چنین کنند سلاطین شکارها — وز بخت شان برآید ازین گونه کارها
این ست آن فتوح که در روزگارها — ماند بخسروان جهان یادگارها
زین گونه کارهاست که رفته ست بارها — صیت شهان و نام مهان در دیارها
تنها نه آن حصار که چندین حصارها
کرده است شاه فتح بیک جنبش رکاب

ای خسروی که بر سر تاج کیان توئی — تخت آسمان و اختر آن آسمان توئی
جسمی است نه فلک که درو نور جان توئی — دارا توئی قباد توئی اردوان توئی
عیسیٔ عهد و مهدیٔ آخر زمان توئی
کز تیغ تست فتنهٔ دجّال را جواب

گر من قلم ز جملهٔ شاخ گیا کنم — دریا دوات سازم و دفتر سما کنم
پس خواهم اینکه حق مدحت قضا کنم — هر لحظه دفتری دوسه اندر ثنا کنم
با اینکه این بمدّت نا منتها کنم — حرفی ز دفتری نتوانم ادا کنم
چون عاجزم ز مدح سزد گر دعا کنم
زیرا دعائی عاجز مسکین ست مستجاب

---

[1] کذا - بی حدّ آن بدید اگر جان و تن گداخت ،

شاہا حیات دولت و ملکت دوام باد — چرخ بریّت از بُن دندان غلام باد
ماہت نگین خاتم و خورشید جام باد — سافیت خضر و چشمۂ حیوان مدام باد
رایاتِ تو ز نصرت تو بر دوام باد — زاکنونش تا قیام قیامت قیام باد
تخت تو تازہ روی و دولت شاد کام باد
فرّ تو کامگار و شکوہ تو کامیاب

ترکیب بند در صفت فیروز آباد

حبّذا شهر گزین حضرت فیروز آباد — که در و جوی خلو است و بناہا بغداد[1]
ہر طرف طرفہ عمارات ارم ذات عماد — ہر سوی نزہت صحرای و تماشای سواد
لشکر آسودہ رعیت خوش و بازاری شاد — اینک آن شہر کہ انصاف سخن خواہی داد
آفرین باد برین شہر و بدین شاہِ جواد — کاچنین شہر جہانگیر ازو شد بنیاد
گو بگو در ہمہ آفاق کسی دارد یاد
ہیچنین جنّتی آراستہ بر آب روان

این عمارت کہ شہنشاہِ جہان فرمودست — واین بناہا کہ سرش بر سر گردون سودست
کس ندیدست در آفاق وکسی نشنودست — نہ ازین پس بود آن نوع نہ وقتی بودست
یارب این قصر چہ قصرست کہ دل بربودست — وین چہ جاییست کزو راحتِ جان افزودست
قصر اگر اینست عمارات جہان بیہودست — وآن کہ کردست جز این باد و ہوا پیمودست
چرخ بر منظر او نقطۂ نیل اندودست
تا بگردش نرسد چشم زخ[2] از دوران

---

[1] کذا۔ پورا مصرع شاید یوں ہو: کہ مرو جوی خلو واست وبناہا بغداد (بہ عداد) یا آخر میں بنائی بغداد ہو سکتا ہے [2] چشم زخ = چشم زخم دیکھو بہار عجم جہاں متعدد اشعار سے استناد کیا ہے۔

قبهٔ قصرِ همایونِ شهِ شیر شکار　　که بطیبت چو بهشتست و بزینت چو بهار
آسمانی ز نجوم است پُر از نقش و نگار　　بوستانی ز ریاحینست پُر از مشک تتار
قصرِ همدان [غمدان ؟] و ارم صحن وی و صفّه‌ی او　　طاق کسریش [کسری ست ؟] در و سدّ سکندر دیوار
لاجوردش ز سپهرست و سفیده ز اسحار
آب زر ریخته بر چشمهٔ خورشید روان

هر یکی منظری[1] از روح‌فزای دگرست　　هر یکی منزلی از خلد نمای دگرست
زیر هر صُفّه و هر سقف سرای دگرست　　پیش هر ساحت و هر صحن فضای دگرست
هر طرف روحی و هر سوی صفای دگرست　　هر جهت وجدی و هر کوی هوای دگرست
بر سر هر شرفی ساخته جای دگرست　　هر یکی جای بفرّی و بهای دگرست
آن نه قصرست که در عهد همای دگرست
وآن نه شهرست که در وی ز بهشتی است عیان

همچنین شهر نکو در همه آفاق کجاست　　ویچنین قصر ز شاهان جهانگیر کجاست
کآب او آب حیاتست و هواجان‌افزاست　　آن نم چشمهٔ خضر آن دم عیسی بدعاست
باد مشکینش نسیمی چو نفسهای صباست　　آب شیرینش گلابی است که داروی شفاست
این همه از اثر رحمت و الطاف خداست
کاینچنین جای توان دید در اطراف جهان

مسجد جامع او بسته ز جوزاست نطاق　　طاق در طاق یکی عالم و در عالم طاق
بر سماکین سر و بر سمک الارضش[2] ساق　　خود چنان جای ندیدست کسی در آفاق
نه در اطراف خراسان نه در اقصای عراق　　نه در اقلیم خطا و نه حدود خفچاق
همه از سنگ رخام ست روشهای رواق　　همه از مرمر صافیست ستون بر اطلاق

---

[1] هر یک از منظر او الخ - هر یک از منزل او الخ ؟ [2] اصل : لارصس

طاقهایش همه عالی و طبقها براق
منبرش نادر و محراب عجیب الالوان

مسجد است اینکه برین قاعده پرداخته اند　　یا بهشتی ست که بر روی زمین ساخته اند
آهن و روی و رصاص و شبه بگداخته اند　　زیر هر سنگ بمانند گچ انداخته اند
قبهایش که به آفاق سر افراخته اند　　انجم از ماه ندانسته و نشناخته اند
عارفانی که در اطراف جهان تاخته اند　　جان و دل در هوس دیدن او باخته اند
سنیان تیغ قضا بر در او آخته اند
تا نتابند سر اصحاب فجور از فرمان

آسمان سای ستونیست ز یک پارهٔ سنگ　　گاو دم رفته ز بنیاد سر[۱] بالا تنگ
پای بر قعر ثری سر بسر هفت اورنگ　　زیر و بالا همه از زر طلا[۲] آتش رنگ
می نماید چو یکی کوه زر از صد فرسنگ　　همچو خورشید که در صبح برون تازد چنگ
نه پرد مرغ باوجش نه عقاب و نه کلنگ　　نه سر تیر به نیمش نه خطائی نه خدنگ
رعد اگر بر سر او تندر بر آرد آهنگ
نشنود هیچکس آواز ز دوری مکان

گر نخواهی بکم و کیف دهم آن تفصیل　　نتوان عمر تصبیر آمد و این قصه طویل
در سوالت ز مناره است که سلطان جلیل　　آورید از ره دورش بچه ساز و چه سبیل
چون[۳] بکندند ز بن رانده بدو پانصد پیل　　چون ببستند بیک لک من زنجیر ثقیل
چون کشیدند بصد کشتئ دریا در نیل　　چون نهادند بمسجد به هزاران قندیل

---

[۱] اصل: رطلی، مگر سعدی فرماتے ہیں: وجود مردم دانا مثال زر طلاست [۲] پتھر کی لاٹھ جو فیروز شاہ کے کوٹلے میں ہے۔ اسپر فیروز شاہ نے ایک سونے کے ملمع کا قبہ یا کلس لگایا تھا۔ جو اب نہیں رہا۔ دیکھئے شمس سراج ص ۳۰۸ تا ص ۳۱۲۔ جہاں لاٹھ کے لانے اور لگانے کا بھی بیان ہے [۳] اصل میں یہ شعر چون کشیدند الخ کے بعد درج ہے ؎

در برآنی که قناعت کنی از وی بقلیل

وہم از منظر عالیش باحیاز نشان

یارب آن کوه گران را بچه پیداشته اند   ورچه بستند که جنبیدن نگذاشته اند

چون بهر ترند بیالا و چه سان داشته اند   بر بنای که سرش بر فلک افراشته اند

چون توانسته که در زر همه بنگاشته اند   تا چو صبحی بزر آراسته پنداشته اند

طوقی[1] ست آنکه طلایک بزمین داشته اند   یا یکی سدره که مردم جبل انگاشته اند

بن و بیخش بحدید و حجر انباشته اند

تنه و شاخ ز زر ساخته اند و[2] مرجان

این قدر قدرت و تائید بکه داد خدای   که کند کوه ز جائی و نهد دیگر جای

جز شهی را که بداد و کرم و دانش و قدر زای   هست از فرق سر آراسته تا ناخن پای

پادشاهی که ز اقبال ممالک آرای   هست دشمن کش و لشکر کش و اقلیم کشای

دولت افروز و جهاندار و فرمان فرمای   معدلت گستر و دین پرور و دشمن فرسای

آنک عاجز بود از مدحت او مدح سرای

وآنک قاصر بود از منقبتش شرح و بیان ...

آنکه در عهد وی از کس نرمیده ست کسی   وز تظلم بدر کس نرسیده ست کسی

تن جز از شعر بشوخی ندریده ست کسی   جز سر زلف بناخن نبریده ست کسی

زخم جز بر دهل و دف نه بدیده ست کسی   ناله جز از نی و بربط نه شنیده ست کسی

بند غیر از خم باده نکشیده است کسی   تلخ غیر از می و ساغر نه چشیده ست کسی

نه بجز چنگ ز بیداد خمیده ست کسی

نه بجز جام کس از دست کسی سرگردان

---

[1] بظاہر ترکی لفظ ہے جس کو طوغ بھی لکھتے ہیں = جھنڈا، نشان۔ [2] اصل از

ای شهنشاه جهان شاه سزاوار توئی — روز نیکست جهانرا که جهاندار توئی
مشتری فال و عطارد فرو دیدار توئی — آسمان صلب و زحل قدر و مه انوار توئی
مهدی عهد توئی عیسی مختار توئی — حاتم جود توئی حیدر کرار توئی
دوست دیندار تو و دشمن دینار توئی — بخت یار است کسی را که ورا یار توئی

در صف رزم دو صد لشکر جرار توئی
بگه بزم دو صد بحر در اطراف بنان

وشتهائی که بنی رست درو هیچ نبات — و آب در خواب ندیدیش کس از هیچ جهات
چون سپاه تو برافراخت در آن شورایات — و آب[1] دید از حد صد میل درو آب حیات
آنچنان گشت بفر تو کنون آن اموات — که همه باغ و بساتینست قری و قصبات
واندر آنجا که نبد جز به تیمم صلوات — میرود هر طرفی دجلهٔ و جیحون و فرات

آنکه یک قطره نبد آب که ریزی بدوات
کار او فتاده بکشتی و نهیب از طوفان

ای خداوند جهان دولت جاوید تراست — فر کیخسرو و فیروزی جمشید تراست
فال برجیس ترا فرحت ناهید تراست — قهر مریخ ترا قوت خورشید تراست
حرص در بذل و بر آوردن امید تراست — مهر بر آنکه بود از همه نومید تراست
نقد دهر آنچه سیاه وارد و اسفید تراست — صافی عیش که راوق کندش چون نیران[2]

تشبیب کا ایک نمونہ

جشن عید است جهان همچو بهشت آرایید — زینت بزم چو فردوس برین افزایید
صفه و صحن بکجا و نسیج آرایید — در و دیوار بکافور و بصندل سایید

---

[1] وادوید ؟ [2] کذا ـ مشتبہ

گل و ریحان همه در مشک و عبیر آرایید　　فرش مجلس همه از دیبهٔ چین آرایید
ای ملایک همه درهای فلک بگشایید
تا ببینند تماشا همه حوران ز حجاب

عید زد طبل طرب مژده بخمار دهید　　نوبهار است ندا بر سر بازار دهید
ابر برداشت علم خیمه بگلزار دهید　　رعد برکوفت دهل بادهٔ بسیار دهید
روی در روی صنم پشت بدیوار دهید　　هوش بر جام می و گوش بمزمار دهید
شیخ این کار منم پیش من اقرار دهید
رفت ز آفاق بدانسان که نه بینی درخواب[1]

ای که در اندهِ دنیا، دنی حیرانی　　چند ازین محنت بیهوده و سرگردانی
جورِ گردون وجفاهای جهان فانی　　نیست بر رای تو پوشیده تو هم میدانی
یکدو روزی که درین دار فنا مهمانی　　شاد زی بر رخِ اصحاب اگر بتوانی
نیست کس را بجهان دولت جاویدانی
پس غنیمت شمر ایام که دوریست شباب...

دل بمی می کشدم ترکِ ریا خواهم کرد　　آشکارا بدر میکده جا خواهم کرد
دوست اگر جور کند بازه وفا خواهم کرد　　ور بگوید بد و دشنام دعا خواهم کرد
مدعی پند مگو ورنه بلا خواهم کرد　　ترکِ من ده که نه من عشق رها خواهم کرد
تا زیم خدمتِ ترکانِ خطا خواهم کرد
خواهی تو دار چه خطا گیر درین خواه صواب

تا تو رفتی ز برم از بر من تاب برفت　　وز غم و هجر تو در دیدهٔ من خواب برفت

---

[1] بظاہر یہ دو مختلف مصرعے ہیں'

هرگزم دل بگل و سبزهٔ سیراب نرفت تشنه مردم ز غم و در گلوم آب نرفت
وز جفاهای تو که جز بر سر احباب نرفت خونم از دیده چنان رفت که سیلاب نرفت

ای که هرگز غم تو از دل احباب نرفت
وقت آنست که تشریف دهی در عزت رب

ای که در حسن و جمالت بجهان ثانی نیست حیف است اگر گشتن احباب پشیمانی نیست
زان سر زلف که جز بی سر و سامانی نیست نیست جمعی که در آن جمع پریشانی نیست
ای که پیداست جفاهای تو پنهانی نیست خوردن خون مسلمان ز مسلمانی نیست

کشتنم سهل بدان حد که تو میدانی نیست
خاص در عهد ملک مالک مجموع رقاب

. . . .

ڈاکٹر محمد وحید مرزا
لکھنؤ یونیورسٹی

ضمیمہ

انتخاب دیوان مطہر

از بتخانہ محمد صوفی مازندرانی (نسخۂ کتابخانۂ بادلی آکسفورڈ)

(ب) ز دریا چیست افزون ترکہ آن خوانیم دریا را ... ز جوزا چیست بالاتر کہ آن خوانیم جوزا را[1] ....
کجا داند صفت کردن گیا بیچارہ طوبیٰ را ... کجا داند ثنا گفتن ثریٰ مسکین[2] ثریا را
چہ ہدیہ آرد از تان ریزہ موری مر سلیمان را ... چہ مہمانی کند بر دانۂ کنجشک عنقا را ....
بسبزی کس چہ آراید پر طاؤس بستان را ... بسرخی کس چہ آلاید رخ یاقوت حمرا را
بگردونی کہ ہفت اقلیم چون یکدانہ خشخاش ست ... چہ داند ذرہ پیمودن درازا[1] و پہنا را
ولی رسمیست کار و خدمتے در خورد احوالش[3] ... گدائے پادشاہی را ضعیفی مر توانا را ....
درم ریزد از ورق ساز دچمن رایات شاہی را[4]* ... نثار از ذرہ پردازد[5] ہوا خورشید رخشا را
درایت را چہ خواہی گفت لقمانیست حکمت را ... روایت را چہ خواہی گفت نعمانیست فتوا را ...

بہر جانب کہ خورشید لوایت سایہ افگندی
ملازم بودہ ام چون سایہ نور عالم آرا را

---

[1] یہ قصیدہ "جلال الحق والدنیا" کی مدح میں ہے۔ صاحب بتخانہ نے مختلف قصیدوں سے متفرق اشعار منتخب کیے ہیں۔ شعر کے آخر اور شروع میں نقاط یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شعر کے بعد یا پہلے ایک یا زیادہ شعر صاحب بتخانہ نے چھوڑ دئے ہیں [2] اصل: مشکین، تصحیح از روی دیوان [3] اصل: احوالش، تصحیح از روی دیوان [4] اصل: را ساز بستان را، تصحیح از روی دیوان [5] دیوان: پردازد،

چو عمرم از حد پنجه بشصت گشت ادا   شدم به پنجهٔ محنت اسیر شست بلا
فرونشست بیکبارگی غبار غرور   فرو شکست بیکبارگی جمیع قوا
نه زور ماند در اعصاب[1] و نیست خون در رگ   نه راستی بقدو[2]ی* قیام در بالا...
نه ماند خفّت گوش و نماند حدّت چشم   نماند قوت بازو، نماند قدرت پا...
تنی که روی درو می نمود آیینه وار   کنون در آینه دیدن نمی توان اصلا
تنی که بود بمانند سرو در صورت   بنفشه وار ز بار هموم گشت دوتا
حواس خمسهٔ ظاهر که نفس حیوان راست   همیشه مجمع لذات و معدن نعما
چنان شدست خلل وآنچنان شدست خراب   که از نهاد و نشانش نماند جز اسما
دو گوش من ز گرانی شدست همچون کوه   دو چشم من ز روانی شدست چون دریا
شعاع چشم که دیدی فراز سنگ[3] سیاه   بقعر چاه پی مور در شب یلدا
کنون نمی نگرد لشکری بطبل و علم   که میرود به بلندی[4] روز* در صحرا...
مذاق کام که می یافتی ز یک معجون   هزار طعم جداگانه از هزار اشیا
کنون اگرچه خورد ریزه ریزه نشناسد   نمک ز شوره[5] می از سرکه حنظل از حلوا
مساس[6] جسم بدان حد که یافتی لذت   چو می نهاد زنی زال دست بر کف پا..

برین قیاس همی گیر نیست حاجت آن
که کیست دهم شرح یا کذا و کذا

وله

آمد بهار و داد جهان را جمالها   و آفاق را ز دولت و اقبال فالها

---

[1] اصل: اعضانه نیز، تصحیح از روی دیوان [2] اصل: بفزونی [3] اصل: انک
[4] اصل: بلندی بروز، دیوان: بلندروز [5] اصل: یوزه [6] اصل: سناس،

(ص ۲۵۴ ۱) پُر شد کنار گلشن و دامان کوه و دشت — از نرگس و بنفشه و گلها و لالها..

مائیم و باغ و مجلس مستی و بیخودی — مائیم و رود و مطرب و شبها[1] و نالها[*]

از شام تا بصبح طربها و عیشها — وز صبح تا بشام قدحها و فالها..

حورلیست شمع مجلس ما کز فروغ او — وارد دل فرشتگان اشتغالها

خورشید چهرهٔ که بنا گوش او ز زلف — مه را دهد به پنجهٔ شب گوشمالها...

خورشید طلعتی که نیارد نظیر او — گردون بماهها و کواکب بسالها..

آب سنان و باد رکابش زر دی دین

بستر در فقهها[2] و بشت اعتزالها

ای[3] سرافراز ملکت دنیا — وی دل افروز حضرت علیا...

روی تو چون بهشت جان پرور — خوی تو چون بهار جان افزا...

نکند دانشش ترا تحریر — نکند بخشش ترا احصا

موج در بحر و قطره در باران — نل در دشت و رمل در صحرا..

سنگ گردد بمهر تو یاقوت — خار گردد بمهر تو خرما...

دی که فرمودیم ستوری چند — همچنان کاو قلم شدست عطا....

شاخشان همچو دشنهٔ پولاد — سمشان همچو صخرهٔ صما....

بارکش همچو کشتی اندر بحر — راهبر همچو قطب در صحرا

زورمند آنچنان که گاو زمین — سربلند آنچنانکه ثور سما[4]...

---

[1] دیوان: بها و نالها [2] اصل: زقصها [3] در مدح معین الملک ماهرو

[4] اس کے بعد دیوان میں ہے:

من چو پرسیدم از امینی کو — دیده بود آن بقعه ستور؟ را آنجا

که بگو وصف شان چنین و چنین — که بده شرحشان کذا و کذا

ذرّهٔ جسم نمانده در اندام قطرهٔ خون نمانده در اعضا...
استخوانی و پوستی مانده همچو کیمخت بر شکسته حنا...
نه در ایشان قیام را قوت نه در ایشان قعود را پروا...
هیچ خیریتی در ایشان نیست جز درازی عمر و طول بقا...
جان شان همچو جن روحانی گاه در زیر و گاه در بالا
تن شان همچو نو مهی در ابر
گاه پیدا و گاه ناپیدا

ولہ

چو پادشاه کواکب سر بر گردون یافت (؟) گرفت بر سر آن نه سپهر سیمین تاب (؟)...
مثال داد که محروریان بستان را زمانه شربت صندل سرشت از سیلاب
هوا بشیرق بیارید سونش کافور فلک ز اشک فرو ریخت مشکهای گلاب
چو ساقیان ازل تشنگان نامیه را ز حوض کوثر دادند شربت جلاب...
خوشا کسی که درین وقت خاطری دارد بی زمانه و غم فارغ از عنا و عذاب
نه سهم صولت سلطان نه هول هیبت میر نه ترس شحنه و عامل نه زحمت بوّاب
ز روزگار کفافی بدان قدر دارد که بهر عیش مهیا کند از آن اسباب
زریش هست که آرد بدان می و مطرب زریش هست که سازد از آن طعام و شراب...

(بقیہ حاشیہ صفحہ) گفت اگر راستی همی خواهی دور این جمع دور از این ماوا
کانچنانست حال آن انفار آنچنان حال باد مر اعدا
رمقی نیست در روان البته جنبشی نیست در میان اصلا

(حاشیہ صفحہ) ۱ بظاهر حنا = زین ۲ اصل: در تصحیح از روی دیوان ۳ اصل: ماب، دیوان: باب، یہ قصیدہ بھی عین الملک کی مدح میں ہے ۴ دیوان: زیرق ۵ اصل: کس،

کشاده چشم بدیدار یار و دیدن باغ — نهاده گوش برآواز چنگ و بانگ رباب

زمان زمانش وگرگون نشاطی از هر نوع — زمان زمانش وگرگون مقال از هر باب

دمی کباب و دمی کعبتین دمی شطرنج — دمی فسانهٔ صبیان دمی حساب و کتاب

دمی روایت اشعار و علم موسیقی — دمی حکایت تقویم و بحث اسطرلاب

بدین صفت همه روز است در سماع و سرود — بدین نمط همه گاه هست در شراب و کباب...

وزین همه که شنیدی نکوتر و خوشتر — نشان عاشق برناست بانگاری[1] شاب...

گه این حریف گهی ساقی و گهی شاهد — گه آن ندیم گهی مطرب و گهی لعاب

ولی مباد که افتد چو من کسی تنها — در این چنین قفسی[2] از دیار و از احباب

که باشد از غم یاران همیشه در باران — چو برق سینه پر آتش چو ابر دیده پر آب

نه در روانش سکونی بود نه در دل صبر — نه روزهاش قراری ز غم نه شبها خواب

گهی چو رعد بنالد ز درد تنهائی — گهی چو سیل براند ز چشمها خوناب

تو ای عزیز که داری ز کامرانی بخت — فراغ و صحت[3] و امن و غذا* و عهد شباب

حیات و دولت ایام را غنیمت دان — فراغ و فرصت دوران و عیش را دریاب...

شتاب کن بملاقات دوستان نه درنگ — که کارها بدرنگست و عمرها بشتاب...

وگر ز محنت ایام زحمتی داری

دوای آن علی باده ایست چون عناب...

نماز شام[4] که مشرق ز مشک بست نقاب — زمانه قاقم گردون نهفت در سنجاب...

دمید رنگ شفق بر سپهر سیمابی — چنانکه سونش گوگرد سرخ بر سیماب

سواد طرهٔ شب بر بیاض عارض روز — همی دوید چو بر گل بنفشه سیراب

---

۱ اصل: نکار شباب ۲ دیوان: قفسی ۳ اصل: صحبت وامن وعدا، دیوان: صحت وامن ۴ یہ قصیدہ فیروز شاہ کی مدح میں ہے۔

هوا عمامه و پیراهن و ردا یکسر　　چو طیلسان خطیبان بمشک کرد خضاب
ستارگان فلک چون سمنبران بهشت　　ز چهرهای منور کشاده سبز نقاب...
من از کرانهٔ بامی بغرفهٔ تنها　　نشسته بودم بر رسم و عادت طلاب
دوات و خامه به پهلو و شمع و کاغذ پیش　　نهاده هر طرف از هر فنی سه چار کتاب
سفینهٔ چو معلم گرفت اندر دست　　فرو رفته ز فکرت بحر بی پایاب
درین مطالعه بودم که ناگه از در من　　در آمد آن بت من بی حجاب مست و خراب...
دو چشم او چو دو نرگس فزوده خواب و خمار　　دو زلف او چو دو سنبل گرفته پیچ و تاب
درین دو سنبل تر صد هزار دل در بند　　وزان دو نرگس مستش هزار خانه خراب[1]...
سپیش[2] به تهنیت من کشاده درج عقیق　　همی فشاند دُر از لعل و شکر از عناب...
چو این خبر[3] بشنیدم ز شادمانی دل　　تنم چو غنچه نگنجید در میان ثیاب...
سپس نهادم شمع[4] و فروختم مجمر　　حریف ساده طلب کردم و مغنی شباب
من و نگار من و چند یار بنشستیم　　بیاد دولت شه با هزار حشمت و آب[5]
سماع کرد مغنی بچنگ و نای آغاز　　همی نواخت نهاوند و بوسلیک[6] رباب
ستاره وار روان داشت ساقی مه روی　　پیالهای بلورین پر از عقیق مذاب...
چنانکه[7] می بکف و نقل می حریفان را　　حدیث بود ز هر در حکایت از هر باب
گهی بدیههٔ نظمی گهی قرینهٔ نثر　　گهی بدیع سوالی گهی غریب جواب...
به پیش از آنکه وید جلوه صبح چون طاؤس　　نشستم از بر تازنده توسنی چو عقاب
پرنده همچو دخان و رونده همچون سیل　　جهنده همچو درخش و دونده همچو سحاب...

---

[1] اسکے بعد کے شعروں میں ہے کہ سلام کیا　[2] دیوان: سمن　[3] خبر یہ تھی کہ تیرا قصیدہ بادشاہ کے حضور میں قبول ہوا　[4] اصل: شمعی　[5] دیوان: داب　[6] دیوان: بوسکندساب
[7] دیوان میں اس سے پہلے دو شعروں میں می کی صفت بیان کی ہے ؛

بخاک بادیه پرورده آتش آهنگی کز آب و کاه کفایت کند بباد و سراب...
مصورست جهان در ضمیر روشن او بدان صفت که فلک در میان اصطرلاب

ولہ

روز[1] شادی و خوشی وقت سماع طرب است نوبت نوش و نشاط است و گه نشو و نماست...
ظفر و فتح در آن سوی بود کو آن سوست دولت و بخت در آنجای بود کو آنجاست...
همه را هست رجای تو نه زانسان که مرا همه راحت هوای تو نه چندان که مراست...
نه شب و روز بجز ذکر تو ام هیچ مراد نه مه و سال بجز شکر تو ام هیچ نواست

ولہ

راحت[2] از روزگار نتوان یافت خرمی زین دیار نتوان یافت
حشمت و جاه و امن و آسایش اندرین روزگار نتوان یافت
مهد بر پشت مور نتوان بست شهد در کام مار نتوان یافت
ای طلبگار وصل روز وصال بی شب انتظار نتوان یافت
(ص ۱۲۵۵) خاطر آسوده کن که یک شادی بی غم بے شمار نتوان یافت...
تا نسوزی وجود از محنت بوی مشک تتار نتوان یافت
پر سیمرغ و بیضهٔ اکسیر
بتوان[3] یافت یار نتوان یافت

چو آفتاب ببرج حمل رسید از حوت سپهر پیر جوان کرد عالم فرتوت
صبا بجلوه بیاراست همچو مشاطه عروس ملک زمین را بزیور ملکوت...

---

[1] یہ قصیدہ بھی عبدالملک کی مدح میں ہے [2] دیوان : اکبر
[3] دیوان : نتوان

وله

فصل دی ماهست پیش از صبح خوان باید کشید[1] — من [می؟] بجای هود ہائی [؟] نقلدان باید کشید
خرگهی چون مهر و ماه از دیبه باید کرد راست — خوابگاهی چون سپهر از پرنیان باید کشید
مجلسی چون خلد باید ساخت وز ساقی و جام — حور در بازو و کوثر درمیان باید کشید
مطرب خوشگوی هم زانوی دل باید نشاند — شاهدی چون توش[2] در آغوش جان باید کشید
ارغوان و گل اگر نبود بیاد این و آن — باده گلرنگ می چون ارغوان باید کشید
شب نکوتر آمد از قرابه می کردن بجام — زانکه می گنجست و گنج زر نهان باید کشید
گنج زر داری زیاده رنج کم کن کز جهان — هرکه گنجش نیست رنج بیکران باید کشید
هر سبک روحی که دارد دل گران از روزگار — گر سبک خواهد دلش رطل گران باید کشید
وانکه در پیرانه سر دارد جوانی آرزو — بادهٔ پیریش ز ساقی جوان باید کشید

گر کشاید گل دهن او را دهن باید شکست
ور کشد سوسن زبان او را زبان باید کشید

مردم[3] چو پیر شد خرد این اقتضا کند — کار و فضول ترک و رعونت رها کند
داند که رفت لذت دنیا و وقت شد[4] — کآغاز کار دولت دارالبقا کند
رو در صلاح و توبه و تقویتش آورد — ترک غرور و غفلت و حرص و هوا کند
وین آخرین دمی[5] وو که ماندست از حیات* — مصروف در عبادت و ذکر خدا کند...
در عالم توکل و تسلیم او فتد — تفویض کار بر کرم کبریا کند
ترک آورد زر و زن و فرزند خان[6] و مان* — و اسباب ملک و مال سراسر[7] رها کند...

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ملا [2] بمعنی توان' یا 'ہوش' ہے ؟ [3] یہ قصیدہ ابوالفتح ناصرالدین محمد شاہ کی مدح میں ہے [4] دیوان: آنست [5] اصل: رو ماندست از حباب' تصحیح از روی دیوان' (مگر دیوان میں در حیات ہے) [6] دیوان: خانمانش [7] دیوان: ہبا'

وز بهر آنکه رنج و ریاضت نبوده نیست — پیر ضعیف را که خلل در قوا کند
ناچار در طریقت حکمت بقدر وسع — اصلاح حال خانه لباس و غذا کند...
هرچه از غذا بوزن قلیل و قوی کثیر — از وی تناولی نگه اشتها کند...
تا در دل و دماغ و جگر قوتی دهد — واندر تنش بدایت نشو و نما کند...
من هم چو دیدم اینکه چو هفتاد و سر گذشت — عمر و فلک بر نیست که پشتم دوتا کند
وابنا و اقربا و تبار و تبع هنوز — میخواهدم برنج و تعب مبتلا کند...
تا ابر اشک بارد و تا مه دهد فروغ — تا گل نشاط آرد[و] تا گل نما کند

بادا چو ماه روشن و بادا چو ابر راد
دست و دولت که باگل و گل بزمها کند

ولہ

خورشید چو از منزل مریخ سفر کرد — واندر حرم حضرت برجیس مقر کرد
ماناش که آن خانه نبود دست موافق — کاندر تن نازک وطن گرم ضرر کرد...
بنشست بشادی و قدح خواست ز ماهی — کز دست شفق رنگ روان چشمه خور کرد
آن سرو سمن ساق که چون سنبل زلفش — بر صفحهٔ کافور رقم عنبر تر کرد
صد سلسله از مشک بخورشید بر آویخت — صد دایره از غالیه برگرد قمر کرد...
فیروزشه آن خسرو آفاق که یزدانش — دارای جهان داور جمشید سیر کرد
آن خسرو عالم که نگارندهٔ گیتی — نقش علمش آیت تائید و ظفر کرد
آن زبدهٔ آفاق که دارندهٔ دوران — سر تا قدمش صورت فرهنگ و هنر کرد
(۲۵ب) از تیغ چنان کرد عجم را که عرب را — از دره و شمشیر علی کرد و عمر کرد
خورشید که از[1] روشنی چشم جهانست — از خاک درت سرمهٔ انسان بصر کرد...

---

[1] اصل: از

وشکرت الله[1] على سلامة شخصه[2] الذي بخصاله[3] نظام الخيرات معقود و
بجماله قوام الحسنات مشيد[4] واما ما ذكر[5] من اعراضه عن الدنيا
واشغالها ومفارقته[3] رحمه امورها واعمالها[6] فمن شخصت عينا همته
الى ابتناء امر من الامور الدينية واقتناء علم من العلوم اليقينية[7]
لم ينظر الى الدنيا بحذافيرها الا بعين الاستحقار ولم يكرم اهلها من
الزخارف الا بلسان الاستصغار[7] واما ما التمسه[8] من حسن المناب
عنه* في مجلس المالك[8] فهو من الواجبات التي الزمتها الانسانية في
عنقي وذمتي وناطته المروة والدين بمطامح همتي ،

وله[9] من رسالة اخرى الى بعض الاكابر في حق شاعر
كتبت[9] اطال الله بقاء سيدنا في نعمة مضيئة الكواكب ودولة
ص ۲۱۳ ضخمة المناكب في معنى فلان | وهو شاعر بليغ ولد بسرة
البطحاء ونشأ بين اظهر العرب العرباء واختص بالتربية والترشيح
في منابت القيصوم والشيح ونضا برد شبابه باكناف البادية شاربا
من ينابيعها[9] آكلا من يرابيعها ضاربا في قبائلها واحيائها ملتقطا فقر
امواتها واحيائها وقد[10] تطبع* بطباع اهل الوبر وسلم لسانه
من سقطات ساكنة المدر وله شعر متقن اللفظ والمعنى محكم الاساس

---

[1] بعد ش زیادتی در مجموعہ، آئندہ اس کی علامت (ـــه) ہوگی۔ [2] ب: بخالصة، تصحیح از روی مجموعہ
و آنہ فقط آ: مفارقة۔ [4] از روی مجموعہ، بیاض در آ و ب، [5] آ ب: من، تصحیح از
روی مجموعہ، [6] آ: لها، تصحیح از روی ب و مجموعہ [7] آ: التمسه من بجسن منازعنه،
ب التمسه من حسن مقارعته، مجموعہ: التمس من تقرير امره وشرح حاله
وحسن المناب عنه، تصحیح قیاسی ہے۔ [8] مجموعہ ج ۲ ص ۴۹، [9] فقط ب: ينابعها، مجموعہ: فقطہ
* اس علامت سے مراد یہ ہے کہ مجموعہ میں اس لفظ کے بعد کوئی لفظ یا عبارت زائد ہے۔

والمبنی یقطر منه ماء البراعة و یعجز عن مثله ارباب الصناعة والآن عطف لعناق رکائبه و صرف ازمّة نجائبه الی ذالك الجناب[1] المعشب والفناء[1] المخصب و رءوس امانیه راقصة و عیون آماله[2] شاخصة[3] و المنتظر[4]* من کرم سیدنا[5] ان ینزله [فی ریاض] قبوله و تمکینه و یغمره بلطائف احسانه و تحسینه و ینعو علیه بتنعیم باله و یظهر اثر هذه الوسیلة علی صفحات احواله،

ولہ[6] من رسالة اخری فی حق شاعر*

یروی عن رجل صادق اللهجة رایق البهجة[7] عفیف الازار خفیف الاوزار طیب[8] بخراسان مولده معظم بخوارزم مورده*، مدعو فی المجالس باسمی مختلطة[9] روحه باجزاء جسمی یحیط به اهابی و یشتمل [علیه] ثیابی[10] حالته* فی جمیع الاوصاف[11] حالتی وهو ابن اخت خالتی[12]، ان من قابل لفظ[13] الشعراء بلفظة "لا" وکلمة لیس حرم یوم القیامة شفاعة امرء القیس [وفلان] شاعر[14] قد زفت الی مجلسه[15] الشریف[16] من ابکار افکاره قصیدة غرّاء کانها خریدة عذراء

---

[1] فقط مجموعہ: رحاب (بجای الفناء) [2] آ ب: امالیه، [3] متن: احضة، تصحیح از روی مجموعہ، [4] مجموعہ: فالمنتظر۔ [5] از روی مجموعہ، [6] مجموعہ ج ۲ ص ۴۹، : کتاب الی واحد من العظماء، [7] آ: اللهجة، تصحیح از روی ب و مجموعہ، آ میں بھی لفظ کے اوپر کسی نے بعد میں البهجة بنایا ہے۔ [8] آ: مداره طیبه بخراسان معظمه بخوارزم موسرده، ب: مداره طینه بخراسان معظمه بخوارزم مورده، تصحیح از روی مجموعہ، [9] آ: مختلط، [10] فقط آ: نقابی حالیة، [11] فقط مجموعہ: الاحوال [12] فقط مجموعہ: مدح [13] مجموعہ: مجلس سیدنا

وما[1] وصل الیه مهرها ولا حصل لدیه اجرها فالمطلوب منه[1] ان یقضی حق شعره و یغتنم جمیل شکره و یسقی روض رجائه بفیض عطائه فلا یحرم نفسه شفاعة صاحب لوائه[1]؛

وله[2] من رسالة اخری*

کنت قبل هذا[3] اسمع بکتبی من کعب[4] بن مامة* باقداحه فصرت الآن اشح بها من عبد الله بن الزبیر بارماحه لما لاقیت من تقصیر المستعیرین فی الرد و خروجهم[5] فی تضییعها[6] عن الحد و عرفت ان قول القائل الغیرة علی الکتب من المکارم بل هی اخت الغیرة علی المحارم قول لا محید عنه و کلام لا کلام اصدق منه، وهذه الدفاتر التی فی یدی انفقت خلاصة عمری فی تحریرها و تنقیحها وارقت ماء شبیبتی فی اتقانها[6] و تصحیحها ولو طلب[7] غیر سیدنا منی ورقة* لما دفعتها الیه[8] [ولا غلقت باب الاجابة علیه و] لکن دعتنی الی اجابته فیما التمس منها مقتی له وثقتی له واعتمادی علی کرمه و فتوته واستظهاری بدینه و مروته فبعثت ما طلبه الیه و عولت فی حسن حفظه و تعجیل رده علیه فلیحفظ[9] علیه* حفظ الانسان انسان عینه و (ص ۲۱۴) یعجل[10] رده تعجیل الحر الدین[11] قضاء دینه[1]،

ص ۲۱۴

---

[1] در مجموعه ندارد، [2] مجموعه ج ۲ ص ۵۰ : کتاب الی بعض الفضلاء،
[3] فقط ب : زمانه [4] فقط ب : خر جهم [5] فقط آ : تصنیعها [6] فقط مجموعه : اتقانها
[7] مجموعه : کان غیر سیدنا ادام الله فضله طلب منی ورقة عنها، [8] از روی مجموعه بیاض در آ و ب،
[9] مجموعه : فلیحفظه [10] مجموعه : ییجل، [11] مجموعه : المدین،

وله من اخرى

الى القاضی الامام یعقوب الجندی[1] لسیدنا[2] فضائل یتحلی بها حزن البلاد وسهلها* [سه]

فما نحنة الاوبیشاه اصلها ... وما بدحة الاوعلیاه اهلها

ورد خطاب سیدنا اطال الله فی الدولة السنیة و النعمة الهنیئة بقاءه وصان من بوائق المحن وطوارق الفتن حوباءه فحسبته غادة حسناء رائقة الجمال رائقة الدلال قد ابیضت کالصبح غرتها واسودت[3] کاللیل الدجوجی طرتها او روضة غناء ناضرة الانوار زاهرة الازهار قد اخضرت جنبات[4] حدائقها و احمرت وجنات شقائقها فلله در[5] [فلک] بلاغته ما ازهر قمره ونجمه[6] و روض فصاحته ما انضر[7] شجره و نجمه و سررت بوروده مسرة المعدم وجد مالا و فرحت بوصوله فرحة الظمآن اصاب بلالا[8] وما هذه الاکرومة باول نعمة صادفتها من جنبته[9] الکریمة ولا باول حسنة الفیتها [من ناحیته]*[10] الغزیرة الاحادیث مجمع البحرین ومنبع السحرین فقد القذته[11] لینظر فیه[12] و

---

[1] آ: الحمدی، ب: الحمدی، مجموعہ ج ۱ ص ۶۸: الجندی [2] فقط مجموعہ: لسیدنا افضل [والصواب: اقضی] القضاۃ فضائل تحلی بها حزن البلاد و سهلها،

[3] فقط ب: اسود [4] فقط مجموعہ: جنات [5] آ ب: قمر، تصحیح از روی مجموعہ،

[6] فقط مجموعہ: ولله، [7] فقط ب: انظر، [8] مجموعہ: زلالا، آ: ابلاله، ب: مثل متن

[9] ب: جنبیة، [10] آ ب: الفتها

[11] آ ب: انقذته، در مجموعہ بعدش زیادات را دارد،

بحث عن غوامض الفاظه و معانیه فان وجد فیه فاسدا اصلحه او سقیما صححه او معوجا قوم عوجه او مغیرا نفض عن عطفیه رهجه فان وجده صلب المعاجم بریئا[1] من ابن الاعاجم اخبرنی بذلک فهو غایة منیتی و نهایة بغیتی جعله الله قدوة للافاضل یقتفون مواطی اقدامه و ملکا للعلماء یسیرون تحت ظلال اعلامه[2]

و[3] له الی بعض اصدقائه

[ذهبت][4] کفی الله سیدنا کل امر مهم و خطب مدلهم علی موجب اشارته الشریفة الی ذلک الخبیث النفس الساقط الهمة السیئ الادب القاعد عن اقتناص[5] ابکار الفتوات الهارب عن خطبة عرائس المروات فوجدته و عصابة من السفهاء فی صور[6] الفقهاء یجتمعون[7] حوله و یستمعون قوله مفتخرون بنفسه الخبیثة [مع] قلة فطنتها و کیسها و کثرة خیلائها[8] و خبسها فوق افتخار بنی حمان بتیسها * ان قال کذبا صدقوه و ان زعم باطلا حققوه فلما شرعت فی ذکر المعنی الذی نص سیدنا علیه و اشار الیه وثب سفهاؤه علی[9] کالذئاب العادیة و الکلاب العاویة وکادوا یخرقون بردتی و یمزقون جلدتی[10] فعلمت ان آذانهم[11] عن استماع الحق صم و

---

[1] آ: فریا، ب: بریا [2] مجموعہ ج ۲ ص ۵۱: کتاب الی واحد من
[3] از روی مجموعہ، [4] ب: اقتضاص، مجموعہ: اقتناص، [5] آ: نور،
ب: ثیر، تصحیح از روی مجموعہ [6] مجموعہ: مجتمعون حوله و مستمعون، [7] آ: خلانها، ب: خلائها ...
فوق افتخار بنی عمان .... تصحیح از روی مجموعہ، [8] آ: خلائق، تصحیح از روی مجموعہ و آ،
[9] آ: اذابهم، تصحیح از روی آ و مجموعہ،

نستهو من الاعتراف به[1] بكره وسكت وكان السكوت فى تلك الحالة اصوب ومن صيانة العرض و الجاه اقرب وعرفت انه[2] لا يلين لنصح الناصحين ولا يلتفت الى وعظ الواعظين والاصلح[3] و الانجح لسيدنا ان يسلك معه طريقة اخرى فان دفع الشر بالشر احرى وهل بعد الرشاد الا الغى وهل آخر الدواء الا الكى '

[ص ۲۱۵]

وله[4] من رسالة*

بلغنى لا زال سيدنا متدرعا [كسوة[5]] الجلال منضرعا ذروة[5] الكمال ان فلانا جاءه باكيا و اطلق لسانه[6] شاكيا[7] والمنافق عنان عينه بيده كلما شاء حلب ضروعها وسكب دموعها فالمرغوب[7] من سيدنا[7] ان[7] لا يسمع كلمته العوراء ويعيد[6] شكايته اذنا صماء فانها شكاية فى طيها خبث ونكاية* وبكاء فى ضمنه تصدية ومكاء '

وله[8] من فصل تهنية مولود*

انا[9] اسأل الله تعالى ان يديم انتفاع[10] سيدنا ببقاء هذا الولد الميمون[10] النقيبة المأمون الضريبة ويطيل امتاعه ببقائه[10] ويقر عينه بجمال فضله ويشد عضده بكمال نبله[11] ويجعله نجلا سارا و شبلا[12] بارا وخلفا[13]

---

[1] مجموعہ: بالصدق ' [2] مجموعہ: ان الخبيث ' [3] مجموعہ: فالاصلح '

[4] مجموعہ ج ۲ ص ۷۰: كتاب الى بعض الاكابر ' [5] بیاض در آ ' ب: دروة ' مجموعہ مثل متن '

[6] فقط آ: يعيد [7] آ: حذف الخ ' مجموعہ: خبث و نكاء ' ب مثل متن '

[8] مجموعہ ج ۲ ص ۷۰: كتاب الى صديق ' [9] یہ اصل مکتوب کی صرف چند آخری سطریں ہیں '

[10] مجموعہ: انس . . . . المولود ' [11] فقط آ: شبله ' [12] فقط آ: سبلا

[13] فقط آ: خلقا '

صالحا[1] و ولداً ناجحاً ینتصر[2] الاصاغر والاکابر بحفوة افضاله و یعتصم الاقارب والاجانب بعروة اقباله

وله من رسالته[3] فی التهنیة بالعود من السفر*

بلغنی ایاب سیدنا فره[4] الله بصنوف المعالی وصانه من صروف اللیالی من سفرته المیمونة التی اسفرت عن حوز النجح و فوز القدح[5] وتحصیل المنیة و تعجیل[4] البغیة الی دار مقامته و مستقر کرامته سالما غانما لم یؤثر فیه نصب السیر و عناؤه وکلال السفر ووعثاؤه فبلغ امتداد سروری و ازدیاد حبوری بذلک مبلغا یضاهی[6] ما کنت بصدده* من الجزع لغیبته والهلع لفقدان رؤیته وحمدت الله تعالی علی ما یسّر[7] له من الرجوع الی مغانیه والطلوع علی بلدة تجرّ فیها ذیول امانیه وسألته جلّت قدرته ان یجعل ما انعم علیه به[8]* من قرب الدار ودنو المزار موصولا بطول العمر والبقاء مقروناً بدوام العزّ والعلاء ویقرّ اعین خدمه بضوء جبینه و یروی ریاض آمالهم بنوء یمینه[9]

وله[10] فصل العتاب*

[[11] ما ذاک] التقرب والوداد و ما هذا التجنب والابعاد[12] اهل بدرت منی سیئة[13] فاعتذر او صدرت [منی[14]] جریمة فاستغفر

[1] فقط مجموعہ. ناصحا [2] آ: یقتصر ' ب: یعتصر ' تصحیح از روی مجموعہ '
[3] مجموعہ ج ۲ ص ۱۰: کتاب الی بعض الاحبة فی تهنئة القدوم ' [4] فقط مجموعہ: تسهیل '
[5] فقط آ: بما کنت بصدده [6] مجموعہ: تیسّر [7] ب: به ' مجموعہ: به علیه
[8] مجموعہ: ج ۲ ص ۱۱: نمیقة الی صدیق [9] از روی مجموعہ [10] فقط مجموعہ: البعاد
[11] فقط مجموعہ: خطیئة '

فان لم یکن ذاک[1] ولا هذا فلیشرح[2] سبب هذا الامتناع والانقباض وموجب هذا الصدود والاعراض حتی اعرف حقیقة الامر واعد لسهام فراقه فضفاضة من الصبر،

وله[3] الی بعض الاکابر*

کتاب منتخب[4] الاسرو مخجلة للروض الفاظه والروض مزهوم*
فالنثر ورد یشوق القلب منتثر[5] والنظم عقد یروق العین منظوم

عرضت قصیدته الغراء بل خریدته العذراء علی مجلس الملک[6] وکانت نعرات المستمعین [ص ۲۱۶] تلطم خدود الجو[6] اء واصوات المستعبدین[7] تشق حجب السماء ولم یبق احد منهم الا وقضی من بدائعها[8] العجب وادی[8] من الاهتزاز لسماعها[9] ما وجب وقال الملک عز نصره[10]* لله در هذا الشاب الفاضل و[11] علیه عینه* فانه سهیل الزمن لا سهیل الیمن وعزیز هذا العصر لا بل عزیز هذا المصر،

---

[1] فقط مجموعه: ذلک، [2] درآ ندارد، ب: فیشرح،
[3] مجموعه ج ۲ ص ۷۲: کتاب الی واحد من ابناء الکبار المشاهیر،
[4] مجموعه: منتجب .... تخجله، ... موهوم [5] آ و ب: الاهواء [6] مجموعه: المستفیدین،
[7] مجموعه: بدائعه [8] آ و ب: ادنی، تصحیح از روی مجموعه، [9] فقط ب: اسماعها، مجموعه: لاستماعها [10] مجموعه: اعز الله انصاره وضاعف اقتداره،
[11] در مجموعه ندارد،

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۲ - عدد ۴ | بابت ماہ اگست ۱۹۳۵ء | عدد مسلسل ۴۸

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این منزا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا +

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد - اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دیجائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت - عربی - فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں +

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کیجائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں' غیر زبانوں سے ہم مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے +

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی' فارسی' اردو اور پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت' ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی ملسکتا ہے'

وقت اشاعت - یہ رسالہ بفضل سال میں چار بار یعنی نومبر فروری مئی - اگست[1] میں شایع ہوگا +

قیمت اشتراک - سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عہ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا +

خط وکتابت و ترسیل زر - خریدی رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے - مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت - یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے +

قلم تحریر - حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم - اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم - اے - پی - ایچ - ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے - اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے +

پرتھی راج راسا از چند بردائی

(۲) مطالب

سلسلہ کے لئے دیکھیئے رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء

فہرست مضامین

۹ - حسین کتھا :- حسین شہاب الدین کا ایک سردار پرتھی راج کے ہاں پناہ گزین ہوتا ہے - شہاب الدین اسکی طلب میں پرتھی راج سے جنگ کرتا ہے اور گرفتار ہوتا ہے - حسین میدان جنگ میں مارا جاتا ہے - آخر میں شہاب الدین کی رہائی ،
۱۰ - اکھیٹک چوک ورنن :- پرتھی راج اپنے چند سرداروں کے ساتھ کھٹو بن میں مصروف شکار ہے - شہاب الدین اسپر حملہ آور ہوتا ہے - مگر شکست کھاتا ہے ،
۱۱ - چترریکھا سمے :- چتر ریکھا عرب خاں عرب پتی (شاہ عرب) کے پاس تھی - شہاب الدین جنگ کی دھمکی دے کر اس نازنین کو اس سے طلب کرتا ہے اور اسپر عاشق ہو جاتا ہے - بالآخر حسین خان مذکور الصدر اسے لے بھاگتا ہے ،
۱۲ - بھولارای سمے :- بھیم دیو کا قاصد شہاب الدین کے دربار میں مارا جاتا ہے - بھیم دیو شاہ پر چڑھائی کرتا ہے - پرتھی راج مداخلت کرتا ہے اور اپنی فوج کے دو حصے کرکے ایک حصہ شاہ کے خلاف اور دوسرا حصہ بھیم دیو کے خلاف بڑی جنگ روانہ کرتا ہے - کیماس اس حصہ کا سپہ سالار تھا اسپر جادو کیا جاتا ہے اور ناگور پر بھیم دیو کا قبضہ ہو جاتا ہے ،
۱۳ - سلکھ جدہ سمے :- یہ گذشتہ داستان کا بقیہ ہے - شہاب الدین تین لاکھ لشکر کے ساتھ روانہ ہوتا ہے - پرتھی راج مدافعت کے لئے آگے بڑھتا ہے - گرو رام کے منتر سے ملیچھوں کو شکست ہوتی ہے اور سلکھ سلطان کو قید کر لیتا ہے ،
۱۴ - اِنچھنی وِیاہ (بیاہ) :- انچھنی سے پرتھی راج کی شادی ،
۱۵ - مگل (مغل) جدہ :- مغلوں سے پرتھی راج کی جنگ ،
۱۶ - پنڈیر داہمی ویاہ :- داہمی دختر چندسین پنڈیر سے پرتھی راج کا بیاہ ،
۱۷ - بھومی سپن - پرتھی راج شکار میں شیر مار کر ایک درخت کے سایہ میں ٹھہرتا ہے - خواب میں دیوی آکر اسے خبر دیتی ہے - کہ کھٹو بن میں ایک بڑا خزانہ

مدفون ہے'

۱۸ - دلّی دان پرستاو :- اننگ پال تنوراپنے نواسے پرتھی راج کو دان میں دلّی عنایت کرتا ہے'

۱۹ - مادھو بھاٹ کتھا :- مادھو بھاٹ دلّی سے رخصت ہو کر شہاب الدین کو دلّی کے تازہ حالات سے باخبر کرتا ہے - شاہ نئی فوج کشی کرتا ہے - جنگ میں تتارخاں مارا جاتا ہے اور شاہ کو شکست ہوتی ہے - چامنڈ رای شہاب الدین کو اسیر کر لیتا ہے'

۲۰ - پدماوتی ویاہ :- سمودر شکھر گڈھ کے جادو بنسی راجا دجے پال کے کنور پدم سین کی دختر پدماوتی ایک طوطے سے پرتھی راج کے حالات سنکر اسپر نادیدہ عاشق ہو جاتی ہے - اور طوطے کے ذریعہ سے پرتھی راج کے پاس پیام محبت بھیجتی ہے پرتھی راج اسکو لانے کے لئے روانہ ہوتا ہے - شہاب الدین سدّراہ ہوتا ہے اور پکڑا جاتا ہے - پدماوتی سے پرتھی راج کا بیاہ ہوجاتا ہے'

۲۱ - پرتھا بیاہ :- پرتھا ہمشیرۂ پرتھی راج کا راول سمر سنگھ والی چتوڑ سے بیاہ'

۲۲ - ہولی کتھا :- ہولی کا بیان'

۲۳ - دیپ مالا کتھا :- دیوالی کے تہوار کا بیان'

۲۴ - دھن کتھا :- کھٹو بن میں پرتھی راج کو ایک دفینہ کا پتہ لگتا ہے - جب راجا اسے نکالنا چاہتا ہے - سلطان اسپر حملہ کر دیتا ہے' آخر میں شاہ گرفتار ہو کر رہائی پاتا ہے'

۲۵ - ششی ورتا :- پرتھی راج دیوگیری کے راجہ کمدھج کی کنیا کو بھگا لے جاتا ہے آخر میں کمدھج سے جنگ ہوتی ہے'

۲۶ - دیوگیری سمے :- جے چند دیوگیری کا محاصرہ کرتا ہے - پرتھی راج کا ایک سردار

چامنڈ رای اسکو شکست دیتا ہے '

۲۷ - ریوا تٹ سمے :- ریوا کے کنارے پر سلطان سے جنگ '

۲۸ - اننگ پال سمے :- اننگ پال اہل دہلی کی شکایت پر پرتھی راج سے دلی واپس مانگتا ہے - جنگ ہوتی ہے - شہاب الدین امداد کے لئے آتا ہے اور گرفتار ہوتا ہے

۲۹ - گھگھر کی لڑائی :- دریای گھگر پر شاہ سے جنگ '

۳۰ - کرناٹی ودہ :- پرتھی راج دکن سے کرناٹا ویس جاتا ہے '

۳۱ - پیپا جدہ :- پیپ پڑھیار جنگ میں سلطان کو قید کر لیتا ہے '

۳۲ - کریے روجدہ :- راول جی کی مدد کو پرتھی راج چتوڑ جاتا ہے چالکیہ سے جنگ '

۳۳ - اندرا وتی ویاہ :- اندرا وتی سے بیاہ - اس داستان کا دوسرا نام سمرسی راجیہ ہے

۳۴ - جیت راو جدہ سمے :- کھٹو بن میں پرتھی راج شکار کھیل رہا ہے - سلطان اس پر اچانک حملہ کرتا ہے - جیت راؤ اسے گرفتار کر لیتا ہے '

۳۵ - کانگڑا جدہ :- پرتھی راج قلعۂ کانگڑا پر قبضہ کر لیتا ہے

۳۶ - ہنساوتی ویاہ :- ہنساوتی سے پرتھی راج کی شادی اور سلطان کی شکست -

۳۷ - پہاڑ رای سمے :- پرتھی راج اور شہاب الدین میں جنگ - پہاڑ رای سلطان کو قید کر لیتا ہے '

۳۸ - برن کتھا :- چاند گرہن کے وقت سومیشور اور اسکی فوج کا جمنا کے کنارے جل بیروں کو دیکھ کر بیہوش ہو جانا '

۳۹ - سوم ودہ سمے :- گجرات کا راجہ بھولا بھیم پرتھی راج کے باپ سومیشور کو قتل کر ڈالتا ہے '

۴۰ - پجوّن چھونگا نام پرستاو :- پجوّن رای سات کوس سے واپس آکر چالکیہ کی بھری فوج میں سے اپنا چابک اٹھالے جاتا ہے

۴۱ - پجوّن چالکیہ :- جے چند کے ابھارنے سے بالک رای سولنکھی اور شہاب الدین دلی پر حملہ کرتے ہیں - پجوّن رای انہیں شکست دیتا ہے '
۴۲ - چند دوارکا سمے :- چند جاترا کے واسطے دوارکا جاتا ہے '
۴۳ - کیماس جدّہ :- پرتھی راج کا وزیر کیماس سلطان کو کھٹو کے جنگل میں گرفتار کرتا ہے
۴۴ - بھیم ودہ سمے :- پرتھی راج بھولا بھیم راجۂ گجرات کو اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر ڈالتا ہے '
۴۵ - سنجوگتا پُورو جنم :- سنجوگتا کی پیدایش سے قبل کے حالات '
۴۶ - ونیا منگل :- سنجوگتا دختر جے چند والی قنوج کی ولادت کے حالات '
۴۷ - سُکھ ورنن :- پرتھی راج اور سنجوگتا ایک دوسرے کے حالات سُنکر عاشق ہو جاتے ہیں '
۴۸ - بالک رای سمے :- پرتھی راج بالک رای کو قتل کر دیتا ہے - اسکی بیوی جےچند کے ہاں فریادی جاتی ہے - جے چند اپنی اور مسلمان فوج پرتھی راج کے خلاف بھیجتا ہے جو شکست کھاتی ہے '
۴۹ - پنگ جگیہ ودھونس :- جے چند کا سنجوگتا کے لئے سویمبر کا ارادہ کرنا -
۵۰ - سنجوگتا نام پرستاو :- سنجوگتا کا پرتھی راج سے بیاہ کا قول و قرار '
۵۱ - ہانسی پرتھم جدّہ :- ہانسی پر شاہی فوج کا پہلا حملہ -
۵۲ - ہانسی دوتیہ جدّہ :- شہاب الدین بذات خود ہانسی پر حملہ آور ہوتا ہے '
۵۳ - پجوّن مہوبا پرستاو :- شاہی فوج کے خلاف پجوّن مہوبا کی کامیاب مدافعت کرتا ہے - مسلمانوں کو شکست ملتی ہے '
۵۴ - پجوّن پانساہ جدّہ پرستاو :- پجوّن رای جنگ میں شاہ کو گرفتار کر لیتا ہے '
۵۵ - سامنت پنگ جدّہ :- جے چند کا لشکر دہلی کا محاصرہ کرتا ہے اور ناکام واپس

آتا ہے '

۵۶ - سمر پنگ جدہ :- جے چند چتوڑ کا محاصرہ کرتا ہے اور راول سمر سنگھ اسے ہزیمت دیتا ہے '

۵۷ - کیماس وده :- کیماس کا قتل - کیماس کی کرناٹی رانی سے محبت تھی - ایک رات بھیس بدل کر محل میں گھس گیا اور پرتھی راج نے قتل کر دیا '

۵۸ - درگا کیدار سمے :- سلطان ایک مرتبہ اور قید کیا جاتا ہے '

۵۹ - دلی ورنن :- نگمبوده کے باغ کا ذکر '

۶۰ - جنگم کتھا :- سنجوگتا سویمبر کے وقت پرتھی راج کی سونے کی مورت کو ہار پہنا دیتی ہے اور جے چند ناخوش ہو کر اسے گنگا کے کنارے نکال دیتا ہے '

۶۱ - کنوج سمے :- پرتھی راج کی راجہ جے چند سے جنگ

۶۲ - شک چرتر :- رانی انچھنی طوطے کے ذریعہ سے سنجوگتا اور پرتھی راج کے حالات معلوم کرتی ہے

۶۳ - آکھیٹ چکھ سراپ :- پرتھی راج کو ایک رشی کا سراپ کہ تجھے دشمن اندھا کرے -

۶۴ - دھیر پنڈیر پرستاو :- دھیر پنڈیر پھر سلطان کو اسیر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے

۶۵ - وواہ سمے :- پرتھی راج کی بیویوں کی فہرست '

۶۶ - بڑی لڑائی پرستاو :- آخری جنگ جس میں شہاب الدین پرتھی راج کو گرفتار کرتا ہے '

۶۷ - بان بیدھ :- اندھا پرتھی راج سلطان کو آواز پر تیر سے ہلاک کر ڈالتا ہے '

۶۸ - رین سی نام پرستاو :- نراین سنگھ عرف رین سی خلف پرتھی راج گدی پر بیٹھتا ہے اور بہت جلد بعد مارا جاتا ہے اور دہلی لوٹ لی جاتی ہے '

(...) مہوبا سمے :- مرتبین اس داستان کو الحاقی خیال کرتے ہیں - اسی لئے انھوں

نے اسکو شمار سے خارج کر دیا ہے

راسا کی اس فہرست سے جو اوپر درج ہے ۔ حسب ذیل داستانیں سلطان شہاب الدین اور مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہیں :-

(۱) میواتی مگل (مغل) کتھا ۔ آٹھویں داستان ۔
(۲) حسین کتھا :- نویں داستان ۔
(۳) آکھیٹک چوک ورنن ۔ دسویں داستان ۔
(۴) چِتر ریکھا سمے ۔ گیارھویں داستان ۔
(۵) بھولا رای سمے ۔ بارھویں داستان
(۶) سلکھ جدہ سمے تیرھویں داستان ۔
(۷) مگل جدہ ۔ پندرھویں داستان ۔
(۸) مادھو بھاٹ کتھا ۔ انیسویں داستان ۔
(۹) پدماوتی ویاہ ۔ بیسویں داستان ۔
(۱۰) دھن کتھا ۔ چوبیسویں داستان ۔
(۱۱) ریوا تٹ سمے ۔ ستائیسویں داستان ۔
(۱۲) اننگ پال سمے ۔ اٹھائیسویں داستان ۔
(۱۳) گھگھر کی لڑائی ۔ انتیسویں داستان ۔
(۱۴) پیپا جدّہ ۔ اکتیسویں داستان ۔
(۱۵) جَیت راو جدہ سمے ۔ چونتیسویں داستان ۔
(۱۶) ہنساوتی ویاہ ۔ چھتیسویں داستان ۔
(۱۷) پہاڑ رای سمے ۔ سینتیسویں داستان ۔
(۱۸) پجّوں چالکیہ ۔ اکتالیسویں داستان ۔

(۱۹) کیماس جدّہ ۔ تینتالیسویں داستان۔
(۲۰) ہانسی پرتھم جدہ ۔ اکاونویں داستان۔
(۲۱) ہانسی دوتیہ جدہ ۔ باونویں داستان۔
(۲۲) پجّون مہوبا پرستاو ۔ ترپنویں داستان۔
(۲۳) پجّون پاتساہ جدہ ۔ چونویں داستان۔
(۲۴) درگا کیدار سمے ۔ اٹھاونویں داستان۔
(۲۵) قنوج سمے ۔ اکسٹھویں داستان۔
(۲۶) دھیر پنڈیر پرستاو ۔ چونسٹھویں داستان۔
(۲۷) بڑی لڑائی رو پرستاو ۔ چھیاسٹھویں داستان۔
(۲۸) بان بیدہ ۔ سرسٹھویں داستان۔
(۲۹) رینسی نام پرستاو ۔ ارسٹھویں داستان۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ راسا کی تمام داستانوں کا خلاصہ یہاں درج کروں۔ بلکہ ان میں سے صرف ضروری ضروری داستانوں کی تلخیص جو مرتّبین راسا کے بیان پر مبنی ہے نہایت اختصار کے ساتھ دی جاتی ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ راسا جہانتک کہ مسلمانوں کا تعلق ہے کس قسم کے پوچ ومہمل افسانوں کا حامل ہے ساتھ ہی ناظرین سے میری یہ استدعا ہے کہ ان افسانوں میں جو آرا دی گئی ہیں ان کو میری ذاتی رائے نہ سمجھا جائے۔ میرا مقصد ان افسانوں کے بیان کرنے سے راسا کی غیر تاریخی حیثیت کو طشت از بام کرنا ہے۔

میواتی مگل کتھا

داستان ہشتم

راجہ سومیشور نے مگل (مغل) رای کے پاس ایک قاصد بھیجا اور کر (خراج) مانگی چٹھی

پڑھ کر مغل راجہ سخت ناراض ہوا اور قاصد کو واپس بھیجدیا۔ اس سلوک پر سومیشور کو طیش آیا اور لشکر کشی کا حکم دیدیا۔ گھر کی حفاظت کیلئے اپنے فرزند پرتھی راج کو چھوڑ دیا اور خود نے میوات پر چڑھائی کی۔ قاصد دوبارہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ یا تو جنگ کرو یا ڈنڈ دو۔ مغل نے دونو باپ بیٹوں کے خلاف لڑائی مانگی۔ پرتھی راج یہ خبر پاکر اپنے باپ کے لشکر میں شامل ہونے کی نیت سے روانہ ہوا۔ یہاں آکر اسنے اپنے باپ اور اسکی فوج کو خواب غفلت میں مست پایا۔ بہت برافروختہ ہوا اور اسی عالم میں دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑا۔ کیماس پٹھان بازید کے مقابل ہوا۔ تیر۔ تیغ اور تلواریں چلنے لگیں۔ پرتھی راج نے غنیم کی فوج میں گھس کر اسے شکست فاش دی۔ بازید پٹھان اور خورسان خان مارے گئے اور پرتھی راج فتحیاب ہوا۔

حسین کتھا

نویں داستان

پرتھی راج اور غزنی کے بادشاہ شہاب الدین میں عداوت کی بنا یہ ہوئی کہ شہاب الدین کا ایک بھائی میر حسین شہاب الدین کی پاتر چیتر ریکھا سے محبت رکھتا تھا۔ شہاب الدین کو بھی اس سے محبت تھی مگر چیتر ریکھا میر حسین کو چاہتی تھی۔ جب شاہ کو اس عشقبازی کی اطلاع ہوئی طیش میں آیا اور انکے تعلقات کو روکنے لگا۔ مگر حسین نے شاہ کا حکم نہیں مانا۔ آخر شہاب الدین نے اس سے کہا کہ تم میری عملداری سے نکل جاؤ ورنہ قتل کردیے جاؤ گے۔ اسپر حسین ترک وطن کرکے اور پرتھی راج کے ہاں پناہ لینے کی نیت سے ناگور چلا آیا۔ پرتھی راج ان دنوں شکار میں تھا۔ حسین نے (اپنے لازم) سندرداس کو تو پرتھی راج کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ ایک سایہ دار مقام دیکھ کر خیمہ زن ہوگیا۔ حرم کا خیمہ پیچھے رکھا۔ ادھر سندرداس پرتھی راج کے پاس پہنچا۔ راجہ نے میر حسین کی خیر و عافیت پوچھی۔ سندر نے تمام کیفیت بیان کی۔ راجہ نے کیماس وزیر اور چند پنڈیر سے مشورہ کیا کہ اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ دونوں

طرح خرابی ہے۔ ادھر بادشاہ کا ڈر ہے ۔ اُدھر ایک پناہ گزین کو پناہ نہ دینا دھرم کے خلاف
ہے ۔ چند نے صلاح دی کہ آپ ضرور پناہ دیں ۔ پرتھی راج نے سندر داس سے پوچھا
کہ کیا شاہ سے حسین کا جھگڑا ہونے کی بات سچ ہے ۔ سندر داس نے عرض کی کہ ایک حور
نژاد پاتر شہاب الدین کے پاس تھی حسین اسکو اپنے ساتھ اڑا لایا ہے اور آپ کی پناہ میں آیا
ہے ۔ چند نے پرتھی راج کو بڑھاوے دیکر کہا کہ ارجن جسطرح برہمن بنکر مور وج کے ہاں پناہ
لینے گیا اور بھگوان نے شیر بنکر گوشت مانگا ۔ شری کرشنا نے دروپدی کا چیر بڑھایا ۔ ویسے ہی
تم نے ایک پناہ گزین کو اپنی پناہ دیکر چھتری دھرم کی حفاظت کی ہے ۔ تمہارے ماں باپ کو
آفرین ہو ۔ حسین پرتھی راج سے ملا ۔ راجہ اسکے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا ۔ ناگور کے
جنوب میں اسکو جاگیر دی ۔ اسکے علاوہ گھوڑے دیے اور ہاتھی دیے اور دونوں میں محبت بڑھنے لگی'
شہاب الدین نے خبر لانے کے لئے چار جاسوس اجمیر روانہ کئے ۔ ادھر پرتھی راج نے
حسین سے خوش ہوکر کیتھل ۔ ہانسی اور حصار کے پرگنوں کا پٹہ اسکے نام لکھدیا ۔ جاسوسوں
نے یہ واقعہ سنا اور غزنی لوٹ کر اسکی اطلاع شہاب الدین کو دیدی ۔ شاہ سخت ناخوش ہوا ۔
اسنے عرب خاں کو سفیر بنا کر اس پیغام کیساتھ پرتھی راج کے پاس بھیجا کہ اگر تم اپنی خیریت
چاہتے ہو تو حسین کو فوراً اپنے ہاں سے نکال دو ۔ اسنے عرب خاں کو یہ بھی ہدایت کر دی تھی
کہ پہلے حسین کے پاس جانا اور اس سے وہ پاتر طلب کرنا اگر وہ پاتر دے دیگا تو ہم معاف
کر دینگے ۔ بصورت انکار تم پرتھی راج کے پاس چلے جانا اور ہمارا پیغام اسکو دیدینا ۔ عرب خاں
کو تین سو سوار اور رتھ دیکر رخصت کیا '

عرب خاں حسب الحکم سب سے پہلے حسین کے پاس ناگور پہنچا اور اسکو خوب ہی
فہمایش کی مگر جب حسین نے ٹکا سا جواب دیدیا وہ سیدھا پرتھی راج کی خدمت میں حاضر
ہوا ۔ راجہ نے سلطان کی خیریت مزاج پوچھی ۔ عرب خاں نے عرض کی کہ سلطان نے آپ
کے علاقہ سے حسین کے اخراج کی خواہش کی ہے ۔ یہ پیغام سنکر راجہ کا منہ غصہ سے

سُرخ ہو گیا اور بھویں چڑھ گئیں۔ اسپر کیماس نے سفیر کو ڈپٹ کر کہا کیا سلطان آریا قوم کے رسم و اوضاع سے واقف نہیں جو ایسا ذلت آمیز پیام بھیجتا ہے حسین ہملے راجہ کے ہاں پناہ گزین ہے اور چھتری کا یہ دھرم نہیں ہے کہ ایک پناہ میں آئے کو چھوڑ دے۔ پرتھی راج کے ساونتوں کنہ چوہان۔ سور سنگھ۔ گوبند راج اور چند پنڈیر نے اس بیان کی تائید کی اور بولے کہ ہم سب سلطان سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں عرب خاں یہ رنگ دیکھ کر چپکا ہو گیا اور اپنی بیعزتی کے ڈر سے فوراً دربار سے رخصت ہو کر غزنیں کا راستہ لیا اور وہاں پہنچکر ساری رام کہانی شہاب الدین کو سنادی۔ اس پر شہاب الدین نے دربار عام کیا اور اپنے امرائے لشکر تتار (خان)۔ عرب خان۔ میر ہمام۔ کمام۔ خان خورسان۔ خان رہن۔ مہن۔ خان رستم۔ حاجی خان۔ غازی خان۔ خان ہمن۔ غزنین خان۔ محبت خان۔ میر خان وغیرہ کو بلوا بھیجا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ تتار خان نے پرتھی راج پر فوراً حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ خان خورسان نے کہا۔ ای خان تتار! تم نے اس چوہان کی طاقت کا بھی اندازہ کر لیا ہے؟ جلدبازی نہ کرو۔ شیخ عارب (عرب) نے کہا اسکی طاقت بے اندازہ ہے۔ تم نے ابھی اسے آزمایا نہیں ہے اسی لئے ایسا مشورہ دیتے ہو۔ اسپر شاہ نے پرتھی راج کی طاقت وشان وشوکت کا حال پوچھا اسنے بیان کیا مگر تتار خان نے اسکی بات کو مذاق میں اڑا دیا۔ عرب نے کہا۔ چونکہ تم نے پرتھی راج کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے اس لئے تم ٹھٹول میں اُڑا رہے ہو۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر خان تتار کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ اب شاہ کو دن رات چوہان کی فکر رہنے لگی اور فراہمی لشکر میں مصروف ہو گیا۔

روانگی کے وقت بدشگونی دیکھنے میں آئی۔ عرب (خان) نے سلطان سے عرض کی کہ آج کے دن سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان نے کہا اس کافر چوہان کو مار لینا کونسی بڑی بات ہے۔ تم ناحق تشویش کرتے ہو۔ یہ کہکر کوچ کا حکم دیا اور جاسوسوں نے یہ اطلاع ناگور میں پہنچادی۔ پرتھی راج نے اپنے سرداروں کو بلوا بھیجا اور خبر دی کہ شہاب الدین

آمادۂ پیکار ہو کر سندھ تک پہنچ گیا ہے۔ سرداروں نے جنگ کی آمادگی ظاہر کی اور طیاری میں لگ گئے۔ گرو رام برہمن نے آکر اشیرباد دی۔ دان دیا اور خیر و خیرات کی اور وید منتر سے تلک کیا گیا۔ حسین اپنے لشکر کیساتھ آکر پرتھی راج کے شامل ہوگیا اور متحدہ فوج نے کوچ کرکے دس کوس پر جا کر پڑاؤ کیا۔ یہ اطلاع جاسوسوں کے ذریعہ سے سلطان کو پہنچ گئی۔ سلطان یہ سنکر بڑے زور شور سے چلا۔ شاہ کے لشکر کی کیفیت کے بیان میں یہ شعر یاد رکھنے کے قابل ہے:-

نمیں نیاج (نماز) سائیں بے پنج بخت (وقت) سیپارے پڑھیں دن رات
نمیں شیخ دھـــــرم سرم (شرم) کریں رہ رہنی قرآن کرم

سلطان نے اچل پور پہنچکر ڈیرہ جمایا۔ گھڑی رات گئے پرتھی راج کو یہ خبر کیماس نے پہنچائی۔ پرتھی راج اسیوقت طیار ہوا اور سوار ہوگیا۔ سید حسین کے خیمے میں آیا۔ حسین نے اپنے ساتھیوں سمیت راجہ کو سلام کیا۔ خبرداروں نے سلطان کو خبر دی کہ راجپوتوں کی فوج ایک یوجن (چار کوس) کے فاصلہ پر آگئی ہے۔ سلطان نے صف بندی کا حکم دیا۔ جنوب میں تتار (خاں) بائیں طرف خورسان (خان) حاجی [خان] راجی [خان] غازی خان مقدمہ میں۔ میر جمام۔ خان کمام اور محبت عقب میں۔ الغرض سار ونڈے کے بائیں طرف سلطان صف بندی کرکے کھڑا ہوگیا۔ سلطانی فوج کو دیکھ کر پرتھی راج نے حسین کی طرف دیکھا حسین نے اپنی فوج کو اسطرح جمایا کہ رومی خان قمام (بیگ) حسین اور خان دلیل دکھن کیطرف اور قاسم خان۔ کریم خان خواجہ قاسم کاج شدہ اتر کیطرف رہے۔ حسین نے راجہ کو سلام کیا اور کہا کہ آپ نے میرے لئے بڑی زحمت گوارا فرمائی ہے۔ میں بھی اسکے عوض میں اپنا سر دینے کے لئے طیار ہوں۔ پرتھی راج نے کہا کونسی بڑی بات ہے۔ میں بھی آج تمکو غزنیں کا پادشاہ بنائے دیتا ہوں۔ میر حسین سلام کرکے فوج کی بائیں طرف چلا گیا اور پرتھی راج نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ تم لوگ حسین کی امداد کرو ÷

رای چامنڈ ۔ چندرسین پنڈیر گھیلوٹ ۔ تنور رای پڑھیار راجہ کے جنوب میں اور رای گوبند ۔ دیورای ۔ کنہ چوہان ۔ کھیچی رای وغیرہ مقدمہ میں تھے ۔ بالآخر دونوں فوجیں مقابل ہوئیں اور نشان بجنے لگے حسین کا تتار کیساتھ مقابلہ ہوا اور تتار کی فوج کے پانو اٹھ گئے خان خورسان آگے بڑھ کر لڑنے لگا ۔ اسکی فوج بھی بھاگ کر سلطانی فوج میں جا ملی ۔ اب بائیں طرف سے جمام ۔ داہنی طرف سے کیماس اور سامنے سے پرتھی راج نے حملہ کیا اور جنگ مغلوبہ شروع ہوگئی ۔ پرتھی راج کی فوج آگے بڑھی ۔ منڈلیک مارا گیا ۔ شہاب الدین کی فوج نے پانو چھوڑ دیے اور چوہانوں کی فوج نے تعاقب شروع کردیا ۔ ہندو سرداروں نے مسلمانی فوج کا تعاقب کیا ۔ اور شہاب الدین گرفتار ہوگیا ۔ بیس ہزار مسلمان اور سات ہزار ہاتھی گھوڑے مارے گئے ۔ تیرہ سو ہندو قتل ہوئے ۔ تین کوس کے اندر لڑائی ہوئی حسین مارا جاچکا تھا ۔ پرتھی راج نے اسکی لاش تلاش کرواکر منگوائی جسکو دفنایا گیا اور چیترریکھا پاتر جیتے جی اسکی لاش کیساتھ قبر میں گڑ گئی ۔ راجہ نے شہاب الدین کو پانچ روز تک عزت کیساتھ رکھا ۔ پھر اس سے تین بار سلام کرواکر میر حسین کے بیٹے غازی کو اسکے ساتھ کردیا اور یہ وعدہ لے لیا کہ وہ آیندہ ہندوؤں پر کبھی حملہ نہیں کرے گا ۔ شہاب الدین غازی کو اپنے ساتھ لے کر بخیریت تمام پہنچ گیا ۔ اسکے امرا نے اسکے جیتے جاگتے لوٹ آنے پر بڑی دھوم کیساتھ خوشیاں منائیں

آکھیٹک چوک برنن

دسویں داستان

پورا برس ختم ہوگیا مگر شہاب الدین کے دل میں پرتھی راج کی عداوت بدستور ہری رہی حسین (غازی ؟) ایک مہینہ پانچ دن رہکر غزنیں سے واپس پرتھی راج کے پاس چلا آیا تھا ۔ پرتھی راج نے کھٹو کے بن میں شکار کی ٹھانی ۔ نیتراؤ کھتری نے یہ خبر شہاب الدین کو پہنچادی ۔ شاہ نے اپنا جاسوس تحقیقات کیلئے روانہ کیا ۔ اسنے یہاں پہنچکر ساری کیفیت تحریر کردی ۔

شہاب الدین نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ پرتھی راج پر چڑھائی کیلئے خفیہ طیاری کیجائے۔ مسلمان سرداروں کا اس امر پر اتفاق تھا کہ بغیر فریب اور دھوکا دیے چوہانوں پر فتح نہیں ہوسکتی۔ ادھر پرتھی راج عین بے خبری کے عالم میں مصروف شکار ہے اور ادھر شہاب الدین آٹھ ہزار فوج ساتھ لیکر کھتوبن میں آپہنچا اور علی الصباح حملہ کرنے کے لئے طیار تھا۔ چند کوی نے پرتھی راج سے کہا کہ میرے پاس خبر آئی ہے کہ شہاب الدین آگیا ہے۔ جب اس امر کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یونی (مسلمانی) فوجیں جنگل کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اسوقت راجہ کیساتھ صرف پانچ سردار تھے۔ انہوں نے راجہ کو اپنے بیچ میں کر لیا۔ یونی (مسلمانی) فوج پہلے ہی سے انہیں محصور کئے ہوئے تھی۔ اب جنگ شروع ہوئی۔ راجہ نے کمان سنبھال لی اور چن چن کر یونی سرداروں کو گرانا شروع کردیا۔ اسکے بعد تلوار ہاتھ میں لی اور دشمنوں کو کاٹنے لگا۔ کچھ دیر میں سلطانی فوج کے سات سو پچپن آدمی کام آئے۔ راجہ کے ہمراہیوں میں سے چالکیہ نہایت بہادری کیساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ اس بہادر کی موت کا پرتھی راج کو بہت صدمہ ہوا اور طیش میں آکر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا اور دشمنوں کو کاٹ کاٹ کر گرانے لگا۔ دو گھڑی تک بڑی گھمسان کی جنگ رہی۔ آخر جب بڑے بڑے مسلمانی سردار کٹ چکے۔ مسلمانوں نے غزنیں کا رخ کرلیا اور شہاب الدین ہارے جواری کی طرح اپنا سامنہ لیکر چلدیا۔

مگل جدہ (جنگ مغل)

پندرہویں داستان

جب انچھنی کو بیاہ کر پرتھی راج آرہا تھا۔ میوات کا راجہ مدگل رای اپنے فرزند کے انتقام کے لئے پرتھی راج کو مارنے کیواسطے چھپ کر جمنا کی ایک گھاٹی میں بیٹھ گیا۔ پرتھی راج صبح اٹھ کر شکار کو نکلا مگل راج نے آکر راستہ روک لیا۔ پرتھی راج نے اس موقعہ پر بڑی جانبازی کیساتھ جنگ کی۔ آخر مگل گرفتار ہوا اور پرتھی راج اسے قید کرکے اور انچھنی کو ساتھ لیکر بخیریت تمام

اپنے شہر پہنچ گیا۔

مادھو بھاٹ کتھا

انیسویں داستان

پرتھی راج دلی آکر رہنے لگا۔ شہاب الدین کا بھاٹ مادھو بھاٹ جو اکثر علوم و فنون میں باکمال تھا دلی آگیا اور یہاں ایک مہینہ تک رہا۔ یہ شہر اسکو بہت پسند آیا۔ خبریں لینے کے لئے وہ پرتھی راج کے دربار میں بھی جانے لگا۔ اسنے اپنے کمال سے اہل دربار پر خوب سکہ جمایا دھرمائن کایستہ نے اسکو سلطنت کے راز بتائے اور پرتھی راج نے اتنا انعام دیا کہ اسنے عمر بھر میں نہیں دیکھا تھا۔ الغرض شاہی راز سے آشنا اور انعام سے مالا مال مادھو بھاٹ اپنے آقا شہاب الدین کی خدمت میں غزنیں لوٹا اور بتایا کہ اب دلی پرتھی راج کو مل گئی ہے اور اننگ پال نے بن باس لے لیا ہے۔ یہ خبر سنکر شہاب الدین کو بڑا حسد ہوا۔ اسی غصہ میں فوج کشی کی اور چلدیا۔ پھر تتار خان وغیرہ سرداروں کو جمع کرکے ان سے پرتھی راج کا زور توڑنے کی رای پوچھی۔ تتار خاں کی راے بھی یہی تھی کہ دلی پر لشکر کشی کی جائے۔ اس رای سے باقی سردار بھی متفق تھے۔ رستم خاں نے مشورہ دیا کہ فراہمی افواج کے وقت تک ایک جاسوس دلی بھیجا جائے جو ہندوؤں کی خبر لے آئے۔ چونکہ مادھو بھاٹ کی اطلاع پر شاہ کو بھروسا نہیں تھا۔ مخبر بھیج کر شاہ لشکر کی طیاری میں لگ گیا۔ ادھر جاسوس دلی پہنچ گیا۔ یہاں اسکو پرتھی راج کو تخت دیے جانے اور اننگ پال کے بن باس لینے کی خبر کی تصدیق ہوگئی۔ دھرمائن کایستہ نے نئے راجہ کے سرداروں کے حالات وغیرہ بیان کئے اور باقی ضروری امور عرضی میں لکھ کر جاسوس کے حوالے کردیے۔ جاسوس چھ مہینے میں لوٹا اور اپنے چشمدید حالات شاہ سے عرض کردیے۔ سمت ۱۱۳۰ بکرمی میں پرتھی راج کو دلی ملی۔ اب شاہ نے اپنے امرا سے پھر مشورت کی انھوں نے وہی جنگ کی صلاح دی۔ الغرض شاہ

مع اپنے لشکر کے بڑی دھوم دھام کے ساتھ چلا۔ دو لاکھ فوج ساتھ تھی۔ جب شاہ کے کوچ کی خبر پرتھی راج کو ملی۔ اسنے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ کیماس نے کہا کہ ہمیں چاہیئے آگے بڑھ کر ہم شاہ کا استقبال کریں۔ اسپر سب سرداروں نے اتفاق کیا۔ علی الصباح پرتھی راج نے کوچ کیا۔ جب میدان جنگ میں پہنچے لڑائی بڑے زور شور کیساتھ شروع ہوئی اور بہت جلد بعد شاہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لشکر بھاگتا دیکھ کر سلطان بہت برہم ہوا اسنے انہیں لعنت ملامت کی۔ بھگوڑے تھم گئے اور لڑائی پھر جمی۔ اس اثنا میں تتار خان مارا گیا۔ اب فوج تو کیا خود سلطان نے بھی ہمت ہار دی اور راہ گریز اختیار کی۔ پرتھی راج نے تعاقب کیا اور چامنڈ رای نے سلطان کو گرفتار کر لیا۔ پرتھی راج نے ایک مہینہ قید رکھ کر سلطان کو آزاد کر دیا۔ اس داستان میں اسمای ذیل ملتے ہیں:۔

خورسان خان۔ تتار خان۔ نصرت خان۔ ملتان خان۔ ممریز خان۔ خان سیرن۔ کالی بلائی (ملیچھ) میر فتح جنگ۔ میر حسن۔ غزنین خان۔ محمود میر معروف خان وغیرہ

پدماوتی سمے

بیسویں داستان

پورب کی سمت میں سمودر شکر گڑھ کے جادو بنسی راجا وجے پال کی حکومت ہے اسکے کنور پدم سین کے پدماوتی نام ایک نہایت حسین و مہ جبین لڑکی ہے۔ کھیل میں ایکدن ایک طوطے کو دیکھ کر اسپر لٹو ہوگئی اور اسے پکڑ کر پنجرہ میں رکھ لیا۔ اس طوطے کی محبت میں وہ اپنے تمام کھیل اور تفریحیں بھول گئی اور رات دن اسکو پڑھانے لگی۔ پدماوتی کا حسن گلو سوز دیکھ کر طوطے نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر پدماوتی کو پرتھی راج کا بر ملے تو بہت اچھا ہو۔ پدمنی نے ایک دن طوطے سے اسکا وطن پوچھا اسنے کہا میں دلی کا رہنے والا ہوں جہاں کا حاکم راجہ پرتھی راج اندر کا اوتار ہے۔ شہزادی پرتھی راج کے حسن و کمال

کا ذکر سنکر اسپر نادیدہ عاشق ہوگئی۔ جب پدمنی سیانی ہوگئی ماں باپ کو اسکے بر کی فکر ہوئی۔ بس
غرض سے راجہ نے پروہت کو بیس دیس بھیجا۔ پروہت پھرتا پھرتا کماؤں کے راجہ کمودمنی کے
ہاں پہنچا اور اسکے ساتھ کنیا کے لگن چڑھا دئے۔ کمودمنی بڑی دھوم کیساتھ برات لیکر بیاہنے
نکلا۔ پدماوتی کو بہت صدمہ ہوا۔ اطلاع دینے کیلئے طوطے کو پرتھی راج کے پاس بھیجا اور
پیغام دیا کہ رکمنی کی طرح میری سہیل کرو۔ طوطے نے چٹھی پرتھی راج کی خدمت میں پہنچا دی۔
راجہ چامنڈ رای کو دلی میں چھوڑ کر اور سرداروں کو ساتھ لیکر روانہ ہوا جسدن برات سمودر
شکر گڈھ پہنچی۔ پرتھی راج بھی پہنچ گیا۔ اسیدن شہاب الدین کو بھی غزنیں میں خبر مل گئی۔
سنتے ہی شاہ اپنے امیروں کیساتھ پرتھی راج کا راستہ روکنے کیلئے نکلا۔ ادھر یہ خبر چندنے پرتھی راج
کو پہنچادی۔ طوطے نے لوٹ کر سارا ماجرا پدماوتی کو سنایا وہ بہت خوش ہوئی۔ سنگار کرکے سہیلیوں
کیساتھ شوجی کی پوجا کو گئی۔ وہاں سے پرتھی راج نے اٹھا کر اسے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔
اور لے نکلا۔ شہر میں یہ اطلاع راجہ کو پہنچی اسنے تعاقب کیا اور بڑے گھمسان کا معرکہ پڑا۔ پرتھی راج
دلی کیطرف بڑھا۔ شہاب الدین بھی آپہنچا۔ اسکی شاہ کو پورا یقین تھا کہ پرتھی راج کو اسیر کرلیگا۔
فوج بھی زبردست ساتھ لایا تھا۔ اسمیں خراسانی۔ ملتانی۔ کھنکھار۔ روہنگی۔ فرنگی۔ بلخی۔
بلوچ۔ منجاری۔ ہزاری وغیرہ تھے۔ فرنگی لال سقلات (سقرلات) پہنے تھے اور مرمری رچھوڑیا۔
عراقی۔ عربی۔ تازی۔ ترکی۔ مہابان۔ کمان وغیرہ گھوڑے تھے۔ پرتھی راج تلوار سنبھال کر
دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ رات دن گھمسان کی جنگ رہی۔ آخر پرتھی راج نے موقعہ پاکر کمان[1] ڈال کر
شہاب الدین کو پکڑ لیا اور گنگا پار کرکے دلی چلا آیا اور سادہ لگن پاکر پدمنی کیساتھ دھوم دھام سے
بیاہ کیا۔ بعد میں شہاب الدین کو چھوڑ دیا اور دشمن کیساتھ رنگ رلیاں منانے لگا۔

---

[1] کمان ان داستانوں میں کئی موقعوں پر استعمال ہوئی ہے۔ کمان سے گرفتار کرنیکا دستور کبھی نہیں سنا گیا۔ غالباً مصنف کی مراد کمند سے ہے۔ بالفاظ دیگر کمان کو بمعنی کمند سمجھ رہا ہے (مقالہ نگار) لیکن شعر ذیل ملاحظہ ہو۔ مارا بس است گوشۂ ابروی التفات کین صید رام را بکمان می توان گرفت (اڈیٹر)

دھن کتھا

(افسانہ گنج)

چوبیسویں داستان

ایک مرتبہ مروبھومی (مارواڑ) سے دلّی آتے وقت ایسا اتفاق ہوا کہ راجہ پرتھی راج کھٹو کے جنگل میں خیمہ زن ہوا اور مجلس خاص میں اپنے فاضل وزیر کیماس کی دانشمندی کی تعریف کرتے ہوئے اس سے دریافت کیا کہ اے وزیر اس جنگل میں صاف پانی کے ایک تالاب کے کنارے ایک پتھر کی مورت ہے۔ جسپر یہ کتبہ ہے "سر کٹے دھن سنگر ہے سر ٹیتے دھن جای" (سر کٹتے خزانہ ملے اور سر رہتے خزانہ جائے) اس کا مطلب معلوم کرنے کے لئے بڑے بڑے دانشمند حیران ہیں اور اصل حقیقت کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکی۔ اسلئے میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ تمہارے نزدیک اس نوشتہ کا کیا مفہوم ہے۔ کیماس نے جواب میں کہا۔ سُنا تو یوں جاتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ویر باہن نامی کوئی با اقبال راجہ تھا جو بڑا ظالم اور جفا کار تھا۔ اسنے رعیت پر ظلم کر کر کے بڑا خزانہ جمع کیا۔ آخر رعایا نے بھی تنگ آکر اسکے حق میں بد دعا کی کہ وہ اوت اور بے نام و نشان جائے۔ خدا کی قدرت! رعایا کی دعا قبول ہوئی اور راجہ لاولد مرا۔ مہاراج! یہ سب خزانہ اسی راجہ کا جمع کردہ ہے۔ جسکا نکالنا بھی جائز ہے۔ اگر آپ اس خزانہ کے نکالنے کے خواہشمند ہیں تو سب سے پہلے چتوڑ کے دانشمند راول سمر سنگھ جی کو بلوا لیجیے اور پھر اس مہم میں ہاتھ ڈالیے کیونکہ جے چند شہاب الدین اور بھیم دیو آپ کے دائمی دشمن ہیں۔ ہمیشہ آپ کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہر طرف سے اپنا پورا پورا بندوبست کر کے خزانہ نکالنے کی کوشش کیجائے۔ راجہ نے کیماس کا یہ اخلاصمندانہ مشورہ سنکر اسے اپنے پاس بلایا۔ عزت سے بٹھایا اور سروپا عنایت کیا اور بولا کہ اے مشیر با تدبیر میں تیرے اس مشورہ سے بہت خوش ہوں۔ یہ کہکر اسنے چند پنڈیر کو بلوایا اور ایک خط دیکر اسے راول سمر سنگھ کو لانے کیلئے چتوڑ روانہ کیا۔ چند پنڈیر راول جی کے نذرانہ

کیواسطے پرتھی راج کے دیئے ہوئے ہاتھی۔ گھوڑے اور کپڑوں کے تھان وغیرہ لیکر چتوڑ پہنچا اور بڑے ادب کیساتھ راول جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور راجہ کا خط دیکر اس خزانہ کا قصہ سنانے لگا۔ خط پڑھ کر اور باتیں سنکر یوگراج راول سمرسنگھ جی نے ہنسکر جواب دیا کہ اے چند پنڈیر اس دنیا کی رسم و راہ بڑی نرالی ہے۔ ایک گیدڑ گوشت کا لوتھڑا لیکر آتا ہے۔ دوسرا گیدڑ وہ لوتھڑا اس سے چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس چھینا جھپٹی میں کوئی اور ہی اسے لے بھاگتا ہے۔ راول جی کا یہ قول سنکر چند پنڈیر نے عرض کی کہ آپکا فرمانا بالکل درست ہے۔ تاہم پرتھی راج کو سراسر آپ ہی کا بھروسا ہے وہ صرف آپکے بھروسے پر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بھی کچھ مال نہیں سمجھتا۔ اس لئے میری گذارش بس اسیقدر ہے کہ آپ پرتھی راج کی محنت کو برباد نہ کریں اور دلی تشریف لے چلیں اور خزانہ نکالنے میں اسکی مدد کریں۔

چند پنڈیر کا معروضہ سنکر راول جی ایک بڑی فوج لیکر ناگور کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ جب منزل بمنزل قطع مسافت کرکے راول جی ناگور پہنچے۔ دھرماین کایستہ نے ساری اطلاع شہاب الدین کو لکھ بھیجی۔ جب دہلی سے دس کوس پر راول جی آگئے۔ پرتھی راج معہ اپنے امیروں درباریوں اور فوج کے شہر سے نصف کوس باہر آگیا۔ اور استقبال کرکے راول جی کو شہر میں لے گیا اور اننگ پال جی کے بھون میں انکے قیام کا انتظام کیا۔ اور ہر طریق سے انکی خدمت گذاری کی گئی۔ دو دن آرام کیا تیسرے دن پرتھی راج نے ایک مجلس منعقد کی جسمیں راول جی اور امرای دربار حاضر ہوئے اور خزانہ نکالنے کی تدبیر پر غور وخوض کی گئی۔ دانای روزگار کیماس کی یہ رای منظور کی گئی کہ شہاب الدین کا مقابلہ پرتھی راج جی کریں اور بھیم دیو کا راستہ راول جی روکیں اور تب خزانہ نکالنے کی صورت کی جائے۔ چنانچہ اس رائے پر کاربند ہونے کے لئے پرتھی راج اور راول سمرسنگھ اپنے اپنے لشکر کیساتھ ناگور کیطرف چلدیے اور وہاں پہنچکر ہر ایک نے اپنے اپنے حریف کی روک تھام کیلئے ڈیرے ڈال دیے۔ جب یہ اطلاع شہاب الدین کو پہنچی کہ دلی کا راجہ دفینہ نکالنے کی غرض سے ناگور پہنچ گیا ہے وہ بھی چیدہ چیدہ مسلمانوں کی

زبردست فوج لیکر ناگور کی سمت روانہ ہوگیا اور فوج کا دل بڑھاتا رہا کہ ابکی دفعہ پرتھی راج ضرور گرفتار کر لیا جائیگا۔ ایسے منصوبے باندھتا وہ ناگور کے قریب آدھمکا۔ شاہ کی آمد کی خبر پاکر راول جی نے نشیب و فراز سمجھا کر کیماس وزیر کو تو دفینہ کی حفاظت کے واسطے تعین کیا۔ اور خود شاہ پر چڑھائی کے لئے تیار ہوئے۔ صبح ہوتے ہی راول جی شاہ کی طرف بڑھے۔ انکی فوج کا غبار دیکھ کر شہاب الدین سمجھ گیا اور آمادۂ جنگ ہو کر راول جی کی طرف بڑھا۔ ادھر سے بہادر راجپوت اور ادھر سے جنگجو مسلمان بھوکے شیر کیطرح ایک دوسرے پہ جھپٹے۔ ہاتھی ہاتھی سے گھوڑا گھوڑے سے اور پیادہ پیادہ سے بھڑ گیا اور سرداروں نے سرداروں کو ٹوکا پریمل پرہار نے رستم خاں کے بھائی مور خاں کو ہلاک کر ڈالا۔ ادھر رستم خاں نے پرہار رای پہ بھرپور ہاتھ چھوڑا۔ الغرض کثرت کشت و خوں سے خون کا دریا بہنے لگا۔ دن بھر لوہا جھڑتا رہا۔ ہندو اور مسلمان دل کھولکر لڑے۔ آدھی گھڑی دن باقی تھا جب سورما راجپوتوں نے میر پیرزادوں کو پسپا کر دیا۔ جونہی سورج کی روشنی ماند پڑی اور مغرب میں ڈوبنے لگا۔ بزدلوں نے ہمت ہار دی۔ کمودنی چاند کی طرف منہ کرکے چھکنے لگی اور پرندے نرم نرم پتوں کے کیواڑ بند کرکے اپنے اپنے گھونسلوں میں چہک چہک کر چپ ہوگئے۔ دونوں فوجیں جنگ سے دستکش ہوکر اپنے اپنے پڑاؤ کیطرف لوٹیں اور سب سپاہی اور جمعدار وغیرہ اپنے اپنے مقام پہ دنیا کے جنجالوں کو خیرباد کہکر نیند کے آغوش میں پانو پھیلا کر بیخبری کے خواب میں مست ہوگئے۔ چامنڈ رای۔ نڈھور رای۔ اتاتائی۔ جیت راؤ۔ رین پرمار اور کنہ کا بھتیجا پرتھی راج کی چوکی پہ تھے۔ اور غنیم کے لشکر میں رستم خاں۔ تتار خاں۔ نوری خاں۔ حجاب خاں۔ محمد اساکلی (عیسیٰ قلی؟) اور کھوکھر خاں شہاب الدین کے پہرہ پہ تھے۔

رات خیریت کیساتھ گذر گئی۔ دوسرے دن جب سپیدۂ سحری مشرق سے نمودار ہوا نبرد آزما میدان جنگ میں آدھمکے گھڑی دن چڑھے پرتھی راج چھتیسوں بانے اور زرہ بکتر پہنے مست ہاتھی پہ سوار اپنی فوج کے قلب میں جلوہ افروز ہوا اور غنیم پر حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی

سورما راجپوت دشمن پر اسطرح جھپٹے جسطرح بھیڑیا بھیڑوں کے گلّے پر دوڑتا ہے - داہنی جانب سے پرتھی راج اور بائیں جانب سے سمر سنگھ جی نے یورش کی۔ تب مسلمانی فوج بھی اللہ بسم اللہ کرتی ہوئی جنگ میں مصروف ہوئی - اسوقت نشانوں کے لہرانے ـ نقاروں کی گڑگڑاہٹ ـ تیروں کی بوچھاڑ اور گولے گولیوں کی سنسناہٹ سنکر بہادروں کا کلیجہ خوشی کے مارے بلیّوں اچھلتا تھا مگر نامرد حواس باختہ ہو رہے تھے ،

شاہ کی طرف سے عرب خاں سپہ سالار تھا اور عمر خاں اسکا مددگار اور فوج کا نایک تھا اسنے اپنی ہوشیاری سے گیارہ دن برابر راجپوتی لشکر کا مقابلہ کیا۔ آخرکار بارھویں دن پانچ گھڑی دن چڑھے مسلمانی لشکر کے پانو اکھڑ گئے - یہ خبر پاکر عقبی فوج کے نایک ختمان خان نے بہت زور مارا اور فوج کا دل بڑھایا جس سے اسکے پانو تھم گئے اور یَوَنی (مسلمان) پھر جی توڑ کر لڑنے لگے - جب دوپہر ہوگئی اور دو ہزار گکھڑ کام آچکے تب مسلمانوں نے راجپوتوں پر ایک زور شور کا حملہ کیا۔ الغرض اسطرح چوٹیں ہوتے ہوتے آدھی گھڑی دن باقی رہ گیا - اور تب نصرت خاں - یعقوب خاں اور تتار خاں نے تین طرف سے زبردست حملہ کیا - اور ایسی ہوشیاری اور بہادری سے کام لیا کہ اس مرتبہ راجپوتوں کے پانو ڈگمگانے لگے - یہ دیکھ کر راول سمر سنگھ جی اور پرتھی راج ہاتھیوں سے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنی جانیں ہتھیلی پر لیکر غنیم کی فوج میں گھس پڑے اور اسکے بڑے بڑے سورماؤں کو کاٹنے چھانٹنے لگے انکے پیچھے بہادر راجپوت ہو لئے اور غنیم کی فوج کو کائی کی طرح سے پھاڑ دیا۔ ادھر مسلمان پانو پیچھے رکھنا جہنم میں جانیکے برابر جانتے تھے - اسلئے دونو فوجوں میں خوب زد و خورد ہوتی رہی۔ بالآخر مسلمان راول جی کی تیز تلوار کی دھار کے مقابلہ میں ٹھہرنے سے عاجز آگئے۔ اسطرف پرتھی راج نے اپنے ہاتھی کو شہاب الدین کیطرف بڑھایا - شاہ اسپر تیروں کا مینہ برساتا اپنی فوج سے یوں مخاطب ہوا :-

اے بہادرو کھانے اور سونے میں تو سارے انسان برابر ہیں مگر سچا بہادر وہی ہے -

جو دشمن کے سامنے سینہ کھول کر جا ڈٹے۔ اگرچہ مجھ کو یقین ہے کہ آپ لوگ اپنے نام اور میرے کام پر اپنی جان و مال کو کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر پھر بھی کہتا ہوں کہ جسکا جی چاہے یہاں سے بیشک چلا جائے اور جا کر اپنے بال بچوں سے ملے اور میرا تو عزم جزم یہی ہے کہ یا تو میدان جنگ میں مارا جاؤں یا جس نیت سے میں غزنی سے چلا ہوں اسے پورا کرکے چھوڑوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بغیر مطلب کوئی تنکا تک بھی نہیں ہلاتا۔ کیا دیو کیا جنات کیا انسان سب گوں کے یار ہیں۔ انسان دولت اور آرام چاہتا ہے۔ شہید۔ دیو اور جن پرستش کے خواہشمند ہیں مگر سچا نوکر وہی ہے جو مشکل کے وقت اپنے آقا کے کام آئے۔ سچا دوست وہی ہے جو اپنے دوست کے دل کی بات جانتا ہوا ہمیشہ اسکو خوش و خرم کرنے کی تدبیر کرے اور کوئی بات اس سے نہ چھپائے۔ جو شخص سچے دل سے محبت کرتا ہے وہی دوست ہے۔ سلطان کی یہ تقریر سنکر تمام مسلمان سردار اپنے پادشاہ کی خوش تدبیری کی تعریف کرتے ہوئے جان پر کھیل کر لڑنے لگے۔ ادھر کنہ نے خورسان خان کے بھائی کا مقابلہ کیا اور ایک ہی وار میں اسکا کام تمام کر دیا۔ اس سے مسلمانی فوج گھبرا گئی۔ ادھر پرتھی راج نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور شہاب الدین پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی چامنڈ رای۔ بلبھدر۔ پیپ پڑھیار اور نڈھور رای شاہ کے چاروں طرف ہو لئے۔ لیکن شاہ کے پانچ سرداروں نے جو خواصی میں تعین تھے اپنے آقا کی حفاظت کے لئے بڑی پامردی دکھائی۔ انکے مارے جانے پر شہاب الدین گرفتار ہوا اسوقت لشکر اسلام ناامید ہوکر بھاگ نکلا اور تمام شاہی سامان، رخت بخت، وغیرہ جہاں کا تہاں پڑا رہ گیا اور ہندو فوج نے لوٹ لیا۔ فتح کے بعد گرو رام نے پرتھی راج سے کہا کہ مہاراج! اب آپ دلی کو چلیے اور وہاں فتح کی خوشیاں منا کر اور خزانہ کھودنے کے لئے سبھ مہورت معلوم کرکے آئیے۔ گورو جی کی بات سنکر راجہ نے کاکا کنہ اور داہم رای کیماس کیطرف دیکھا انہوں نے بھی گرو جی کی رائے کی تائید کی۔ تب پرتھی راج راول سمر سنگھ جی۔ کیماس

اور باقی لشکر کو کھنٹو کے بن میں چھوڑ کر جام دیو - پجّون رای - بلبھدر - جیت پرمار - کا کا
کنہ رای اور رای سنگھ چھ سرداروں اور تھوڑی سی فوج کو ساتھ لیکر پھاگن سدی ۱۳ کو
دلی کی طرف روانہ ہوا اور دس روز میں راستہ طے کر کے دلی جا پہنچا - دشمن پر فتح کی خبر سنکر
راجکمار تمام لشکر اور شہر والوں کو ساتھ لے کر دلی سے ۱۰ کوس کے فاصلہ پر باپ کے
درشن کیلئے پا پیادہ آئے - پرتھی راج ان سے بڑی محبت سے ملا اور گھوڑے پر بیٹھنے کا حکم دیا
جیت بدی ۸ کو پرتھی راج شہر میں داخل ہوا - سب سے ملاقات کی - استراحت کے بعد
شہاب الدین کو اپنے سامنے بلوایا اور ملازموں کو ہدایت کی کہ اسے نہایت آرام سے رکھیں -

جب شاہ کی گرفتاری کی خبر غزنین میں پہنچی - اسکے وزیر تتار خاں نے ایک نہایت
ہوشیار کھتری کو سب کچھ سمجھا کر اور ایک خط دیکر دلی کو روانہ کیا - یہ کھتری جسکا نام لورک رای
تھا پانسو سواروں کیساتھ بارہ بارہ کوس کی منزلیں مارتا شہر دہلی کے دروازہ پر آ پہنچا -
دن بھر آرام کیا - دو گھڑی دن رہے سے شہر میں داخل ہوا اور ڈیوڑھی پر پہنچکر اطلاع کرائی
کہ غزنین سے تتار خان کا ایلچی حضور والا کے سلام کے لئے درگاہ پر حاضر ہے - یہ خبر پاکر
راجہ نے اسے اپنے سامنے بلوایا - لورک رائے نے حاضر ہو کر ادب کیساتھ سری حضور کو سلام
کیا اور حکم پاکر ایک طرف مؤدب بیٹھ گیا - کچھ دیر میں سری حضور کی منشا پاکر وہ زیرک
ایلچی پھر اٹھا اور تین بار جھک کر کورنش بجالایا اور تتار خاں کا خط راجہ کے پیشکار مدھو شاہ
کے سامنے ادب سے پیش کیا - مدھو شاہ نے شہاب الدین کے استخلاص کی عرضی جو تتار خاں
کی فرستادہ تھی پڑھ کر سنائی - راجہ اسے سنکر ہنس پڑا - زیرک مدھو شاہ راجہ کے ہنسنے سے اسکے
دلی ارادہ کو تاڑ گیا - اسنے اسی وقت لورک رای کو دربار سے رخصت کر دیا - دوسرے روز لورک
رای پھر دربار میں حاضر ہوا اور پرتھی راج کی طاقت و شوکت اور حلم و بردباری کی تعریف کرکے
شاہ کی رہائی کی بات چھیڑی - پرتھی راج نے اسکی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن
اس سے دریافت کیا کہ آخر شہاب الدین کا نام گوری (غوری) کیوں مشہور ہوا - لورک رای

نے عرض کی۔

حضور والا! غزنین میں ایک ظالم پادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسکا نام جلال الدین تھا وہ اسقدر عیاش تھا کہ اسکے محل میں پانسو دس حرمیں تھیں۔ جب اسے کسی حرم کے حاملہ ہونے کی خبر ملتی وہ اس کا سر اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالتا۔ اس خیال سے کہ مبادا فرزند نرینہ پیدا ہو اور بڑا ہوکر اسے قتل کرکے سلطنت کرنے لگے۔ اس قساوت قلب کے باوجود وہ ایک درویش نظام شاہ نام کی بہت خدمت کیا کرتا تھا۔ اسکی خدمت گذاری سے خوش ہوکر ایک دن درویش نے اسے بشارت دی کہ تمہارے ایک بلند اقبال فرزند پیدا ہوگا درویش کی یہ بشارت پادشاہ پر بڑی گراں گذری اور تشویش وسراسیمگی کی حالت میں قصر شاہی کیطرف لوٹا۔ یہاں پہنچکر سب سے پہلی خبر جو اسنے سنی یہ تھی کہ پادشاہ کی ایک بیگم حاملہ ہے۔ مگر قبل اسکے کہ شاہ اسکے قتل کا انتظام کرتا بیگم شاہی محل سے نکل کر فرار ہو گئی۔ اس واقعہ کے پانچ سال بعد شاہ جلال الدین کا انتقال ہوگیا۔ اسوقت مشیران سلطنت کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ وارث ملک کے بغیر ملک کا انتظام کیونکر ہوسکیگا۔ اس درمیان میں ایک شیخ نے آکر ان سے کہا کہ ایک بڑے کر و فر اور شان وشوکت والا بچہ شہر سے باہر والے قبرستان کی ایک گور میں رہتا ہے تم اسکو اپنا پادشاہ بنالو۔ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں وہ بچہ بتا دوں۔ سب درباری اسکے ساتھ ہولئے۔ قبرستان میں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک پانچ سال کا ذی شکوہ بچہ بیٹھا ہوا طفلانہ کھیل میں مصروف ہے سب لوگ اسکی زیرک صورت اور ہونہار قیافہ دیکھکر بہت خوش ہوئے اور عزت کیساتھ شاہی محل میں لے آئے۔ نجومیوں نے اسکا طالع دیکھ کر بیان دیا کہ وہ بڑا جلیل القدر پادشاہ ہوگا اور ہندوستان میں مسلمانی سلطنت کی بنیاد ڈالیگا اور جو شخص بار بار اسے قید واسیر کریگا۔ آخر میں یہ اسے بھی برباد کرکے رہیگا'

لوک راہی جب اسطرح شہاب الدین کی طفولیت کی کہانی سنا چکا۔ یہ تھی لرج بولا

شاہ کے پاس "سنگار ہار" نامی ایک خوبصورت ہاتھی ہے شاہ وہ ہمیں دیدے اس کے علاوہ تین ہزار گھوڑے ہمارا تہ میں داخل کرے تب ہم تمہارے بادشاہ کو رہا کرینگے۔ لوک رای نے عرض کی شہنشاہ! جیسی مرضی ہوگی ویسے ہی عمل میں لایا جائیگا مگر فدوی کی التجا تو یہ ہے کہ بادشاہ کو پہلے چھوڑ دیا جائے۔ ادھر لوک رای نے غزنیں خط لکھ کر وہ ہاتھی اور گھوڑے منگوا کر پرتھی راج کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اسوقت شاہ کو رہا کر دیا گیا۔ شہاب الدین قید سے چھوٹتے ہی غزنیں جا پہنچا۔ وہاں اسکے امیروں نے خوب جشن منائے اور اپنے پروردگار کی جناب میں شکرانہ ادا کیا"

سنگار ہار پرتھی راج کو نہایت عزیز تھا وہ کبھی اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ یہ ہاتھی سات ہاتھ اونچا تو ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ موٹا تھا۔ جسوقت پرتھی راج اس عظیم الجثہ ہاتھی پر سونے چاندی کا ساز سجا کر سوار ہوتا۔ وہ نظارہ بھی قابل سیر تھا۔ ایک روز پرتھی راج اس ہاتھی پر سوار ہو کر شکار کو گئے۔ کنہ جی ساتھ ہو لیے۔ دونوں بہادر گھنے جنگل میں شکار کی تلاش میں پھر رہے تھے کہ ایک بیڑبان خبر لایا کہ یہاں سے قریب ہی ایک بڑا زبردست سوٴر ہے۔ راجانے اسکے گھیرنے کا حکم دیا اور خود بھی اسی طرف بڑھا جب سوٴر نے دیکھا کہ چاروں طرف سے گھر گیا ہوں۔ ہنکارتا ہوا ایک طرف کو بڑھا اتنے میں رنجھ نے تیر سے اسے گرا لیا۔ اسی وقت ایک شیر کی خبر آئی۔ پرتھی راج نے کہا کہ میں تو اب شیر کو مارے بغیر یہاں سے نہیں ٹلونگا۔ یہ کہکر شیر کی جانب چلا۔ دیکھا کہ ایک ندی کے کنارے ایک خونخوار شیر ایک بیل کا گوشت کھا رہا ہے۔ راجانے ہانکے کا حکم دیا۔ مہاوت نے سنگار ہار کو اسی جانب چلایا۔ شور وغل کی آواز سنکر شیر نہایت پھرتی سے راجا کی طرف جھپٹا۔ راجانے تیر چلایا لیکن خطا گیا۔ خواصی میں کورنبھ رای تھا اسنے تلوار سے شیر کو دو ٹکڑے کر کے مار ڈالا۔ کورنبھ رای کی اس بہادری کی تمام فوج نیز راجانے بڑی تعریف کی۔ شکار سے فارغ ہو کر جب راجا جی دلی لوٹے کوی چند نے شیر کے شکار کی مبارکباد دی"

دوسرے دن راجہ نے اپنے پروہت گرو رام سے دفینہ نکالنے کی غرض سے کھٹو پہنچنے کیلئے مبارک ساعت پوچھی۔ گرو جی نے بیساکھ سدی ۲ ر بتائی۔ پرتھی راج جی اسی تاریخ روانہ ہوگئے اور راستے میں اچھے شگون والی مختلف اشیا کی زیارت کرتے ہوئے کھٹو کے جنگل میں جا وارد ہوئے۔ راول جی نے بڑھ کر استقبال کیا۔ پرتھی راج شہاب الدین کی رہائی اور اپنے شکار کی کیفیت راول جی کو سناتا رہا۔ پھر دانشمند کیماس سے خزانہ نکالنے کی ترکیب پوچھی۔ کیماس نے اسکی حقیقت بیان کی۔ تب راجا۔ راول جی اور چیدہ چیدہ سرداروں اور کسی قدر فوج کو لیکر اس موقعہ خاص پر پہنچا۔ کیماس نے اس کتبے کو پڑھا '

ریواتٹ سمیو
ستائیسویں داستان

جب چامنڈ رای دیوگیری کو فتح کرکے واپس لوٹا اسنے پرتھی راج سے ریواتٹ کے جنگل کی بڑی تعریف کی خاص کر کے وہاں کے بلند قد ہاتھیوں کی اور صلاح دی کہ وہاں شکار کو چلیں۔ چند نے بھی اس امر کی تائید کی اور کہا کہ واقعی شکار کا لطف تو وہیں رہیگا۔ پرتھی راج کو یوں تو جے چند سے کاوش تھی ہی جب اعلےٰ شکار کی آس بندھی تو فوراً آمادہ ہوگیا اور بڑی دھوم کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں جو جو راجا ملے ساتھ ہولئے۔ یہ سب تو شکار کو جا رہے ہیں۔ ادھر غزنیں میں معروف خاں اور تتار خاں نے دلی پر حملہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ خبر سنکر شہاب الدین بھی آمادہ ہوگیا۔ تتار خاں نے قرآن ہاتھ میں لیکر قسم کھائی کہ میں چند پنڈیر کو قتل کرکے دلی پر قبضہ کر لونگا۔ اس جدید صورت حالات کی اطلاع چند پنڈیر نے فوراً پرتھی راج کو بھیجدی۔ پرتھی راج ابھی راستے ہی میں تھا۔ لوٹا اور چھ کوس پر آ کر دم لیا۔ اب راجا نے سیدھا پنجاب کا رخ کر لیا تا کہ غنیم کا مقابلہ وہیں کیا جائے۔ پرتھی راج شہاب الدین کی آمد کی خبر سنکر بہت محظوظ ہوا اور بولا کہ

ایکے تو بڑا مرغا شکار ہوگا۔ بیجون رای نے کہا کہ میں نے بہت سے دشمنوں کو زک دی ہے اور شہاب الدین کو بھی پکڑا ہے۔ میں اس مرتبہ بھی اسکے ساتھ آنکھیں ملاؤنگا جیت راؤ نے کہا کہ شہاب الدین کی فوج سے لاہور کے قریب مقابلہ ہوگا۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ پہلے ہی سے تیار رہیں۔ آیندہ جیسے مہاراج کی مرضی۔ رگھوبنس رام نے کہا۔ ہم صرف جان دینا جانتے ہیں۔ شاہ کو پہلے بھی قید کر لیا تھا اب کے بھی گرفتار کرینگے۔ کوی چند نے کہا گنوارو! کیسی باتیں بناتے ہو۔ اگر تم سب مر گئے تو راجا اکیلا جی کر کیا کریگا۔ پرتھی راج نے غصہ کے لہجہ میں کہا یہ بکواس چھوڑو اور آنیوالی جنگ کی تیاری کرو نصف شب کے قریب جاسوس پرتھی راج کے پاس یہ خبر لایا کہ شاہ اٹھارہ ہزار ہاتھی اور اٹھارہ لاکھ فوج لیکر لاہور سے چودہ کوس ادھر آچکا ہے۔ یہ خبر سنکر ہندو فوج میں ایک شور مچ گیا۔ دربار کے وقت جاسوس خبر لائے کہ شاہی فوج نے دریا عبور کر لیا ہے اور چند پنڈیر اسکا راستہ روکنے کے لئے آگے بڑھا ہے اور ہمیں ادھر بھیجا ہے۔ اسطرف سلطان صف کشی کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ ہراول شہزادہ خان بیدا تمود کے سپرد کی۔ خان تنگول۔ جہانگیر خان۔ خان ہندو۔ تچھی خان پٹھان۔ خان عثمان۔ کیلی خاں۔ خان ھبٹی۔ خان خورسانو۔ حبش خان حجاب۔ عالم وغیرہ امرا فوج کیساتھ تھے۔ شاہ نے تیں مخبر ادھر مقرر کر دیے اور خود نے دریای چناب پار کر لیا۔ اس خبر سے پرتھی راج بہت بگڑا۔ ساتھ ہی اور خبر آئی کہ پنڈیر نے شاہ کو روک دیا ہے۔ جہاں چناب پایاب تھی پنڈیر وہیں پہنچا اور ناکہ بندی کر دی۔ بڑی جنگ ہوئی اور پنڈیر معرکہ میں زخمی ہوگیا اور شاہ نے دریا عبور کر لیا۔ اس خبر نے پرتھی راج کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اسنے قسم کھائی کہ میں سومیشور کا فرزند نہیں اگر شاہ کو گرفتار نہ کروں۔ فوراً کوچ کیا اور جب دونوں لشکر مقابل ہوے میواڑ کے راول سمر سنگھ جی میدان میں بڑھے اور جنگ کرنے لگے۔

دوپہر کے وقت چند پنڈیر نے ترچھا رخ دیکر دشمن کی فوج کو دبانا شروع کیا۔

اتنے میں پرتھی راج اور شہاب الدین آمنے سامنے ہوئے۔ شہاب الدین تو گھبرا گیا مگر تتار خاں نے تسلی دی۔ مادھو رای سولنکی غلجی خاں سے جنگ آزما ہوا آپس میں خوب تلوار چلی بدقسمتی سے اسکی تلوار ٹوٹ گئی۔ کٹار نکال کر لڑنے لگا۔ ادھر کسی نے موقعہ پاکر دغا بازی کرکے اسے مار ڈالا۔ سجون رائے کے بھائی پلہان کا خورسان خاں سے مقابلہ ہوا بالآخر پلہان مارا گیا۔ گوبند رای نے تتار خاں کے ہاتھی اور مہاوت کو مار گرایا۔ ادھر نرسنگھ رای کے سر میں کاری زخم آیا وہ گرا۔ چامنڈ رای نے آگے بڑھ کر اسکی حفاظت کی۔ اتنے میں رات پڑ گئی۔

دوسرے روز جنگ بڑی شدت کیساتھ شروع ہوئی۔ سلطان اسلحہ لگاکر ہندوؤں پر حملہ آور ہوا۔ لوہانے نے بڑی بہادری دکھائی۔ چونسٹھ خان مارے گئے اور تیرہ ہندو سردار کھیت رہے۔ رگھوبنس رای نے کھنگار گوری کو مارا اور خود بھی مارا گیا۔ دوسرے دن تتار خان شاہ کو قلب میں رکھ کر خود جنگ کے لئے بڑھا۔ ہندو سورما طیش میں آکر شاہ کی طرف بڑھے ادھر خورسان خاں نے دشمن کی صفوں میں قیامت کا تہلکہ مچا دیا۔ حسین خان گھوڑے سے گرا اوزبک خاں کھیت رہا۔ معروف خاں اور تتار خان لڑتے لڑتے تھک گئے۔ دوسرے دن خود سلطان نے تلوار سنبھالی آج ہندوؤں کا اسپر نرغہ تھا۔ اسنے کمان اٹھائی۔ ایک تیر سے رگھوبنس گوسائیں کو مارا۔ دوسرے تیر سے بھیم بھٹی کو اڑا دیا۔ تیسرا تیر ہاتھ میں لینے نہیں پایا تھا کہ پرتھی راج نے کمان ڈال کر اسکو گرفتار کرلیا۔ شاہ کی گرفتاری کے بعد پرتھی راج حسین خاں تاتار خان وغیرہ کو شکست دیکر دلّی کیطرف لوٹا اور شہاب الدین کو ایک مہینہ اور تین دن قید رکھ کر اور جرمانہ میں نو ہزار گھوڑے اور بہت سے موتی وغیرہ لے کر آزاد کر دیا۔

اننگ پال سے

اٹھائیسویں داستان

اننگ پال دلّی کا تخت پرتھی راج کو دے کر عبادت الٰہی کی غرض سے چلا گیا اب افواہ اڑنے لگی کہ پرتھی راج اپنے عزیز و اقارب کو دلی میں بڑھاتا ہے اور دلی والوں کی حق تلفی کرتا ہے۔ سومیشور نے اجمیر کو سنبھال رکھا ہے اور پرتھی راج دلی پہ قابض ہے۔ اس خبر نے مالوے کے راجا بھی پال کو برافروختہ کیا۔ اسنے اطراف کے راجاؤں کو خط لکھ کر جمع کیا۔ گکھڑ۔ گنڈ۔ بھدوڑ۔ اور سورپور کے راجا آئے اور یہ صلاح ٹھہری کہ پہلے اجمیر پر حملہ کیا جائے پھر دلی پر۔ القصہ اتحادی فوجوں نے اجمیر کیطرف پیشقدمی کی۔ سومیشور کو اطلاع ہوئی اسنے اپنے امیروں سے صلاح لی کہ پرتھی راج کو تو اننگ پال نے دلّی میں الجھا دیا ہے۔ ہمارا زبردست غنیم سے مقابلہ ہے ایسا نہ ہو کہ زک پہنچے اور جگ ہنسائی ہو۔ درباریوں نے مشورہ دیا کہ غنیم چونکہ طاقتور ہے اسلئے مقابلہ کے بجای شبخون ماری جائے۔ سومیشور نے کہا تم کہتے تو سچ ہو مگر شبخون مارنا تو دھرم کے خلاف ہے۔ درباری بولے کہ ہاں یہ درست ہے مگر جنگ میں ہر قسم کا فریب جائز ہے۔ غرض لڑائی کی تیاری ہونے لگی۔ پٹن کے راجا جادو راج نے آکر اجمیر کے قریب ڈیرا ڈالدیا۔ جس سے شہر میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ پچھلی رات کو سومیشور نے غنیم پر شبخون ماری اور غنیم کی فوج بھاگ اٹھی۔ جادو راج اسقدر زخمی ہوا کہ منہ سے بات تک نہ کر سکتا تھا۔ سومیشور اسے اپنے گھر اٹھا لایا۔ علاج کرایا۔ ایک مہینہ بیس دن میں اچھا ہوا۔ جب پرتھی راج کو ان واقعات کی خبر پہنچی۔ کہنے لگا۔ موقع آنے دو ان سب کو سمجھوں گا۔

ادھر دلّی کی رعایا اپنی فریاد لیکر اننگ پال کے پاس پہنچی کہ مہاراج ہمیں پرتھی راج کے ظلم سے بچائیے۔ اننگ پال نے تنگ آکر اپنا وزیر پرتھی راج کے پاس بھیجا اور

کہلوایا کہ ہمارا ملک ہمیں واپس دیدو یا ہم سے آکر ملو۔ اسپر پرتھی راج بہت لال پیلا ہوا۔ قاصد نے کہا کہ جسنے آپکو سلطنت عطا کی ہے آپ اسی پر غصہ کرتے ہیں۔ پرتھی راج نے کہا کہ مفت میں ہاتھ آیا ہوا ملک بزدل کھویا کرتے ہیں۔ میں واپس نہیں دینے کا۔ وزیر یہ جواب سنکر مغموم واپس آیا اور اننگ پال کو سارا ماجرا سنا دیا۔ اسپر اننگ پال نے لشکر کشی کی اور دلّی پر چڑھ آیا۔ پرتھی راج نے کیماس سے صلاح لی۔ اسنے مشورہ دیا کہ اب ملک کسی طرح واپس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اگر لڑنے کے لئے آئے ہیں تو بیشک مدافعت کیجیے۔ آخر جنگ شروع ہوئی اور کئی روز تک جاری رہی۔ آخر کار اننگ پال کو ہارنا پڑا۔ وہ واپس بدری ناتھ چلا گیا۔ اب اسنے اپنے مشیر کی صلاح سے مادھو بھاٹ کو سلطان شہاب الدین کے پاس غزنیں بھیجا اور مدد مانگی۔ سلطان تو ایسا موقعہ خدا سے چاہتا تھا۔ پرتھی راج کو مغلوب کرنے کی خواہش سے فوراً چل کھڑا ہوا۔ پرتھی راج کو نیتی راو کھتری نے یہ خبر بھیجدی۔ اسپر پرتھی راج نے اننگ پال کے پاس ایلچی بھیجکر پیغام دیا کہ آپ کو اول تو سلطنت دینی نہیں چاہیے تھی۔ اسی وقت سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے تھا۔ اب جب آپ نے دیدی ہے اور میں نے ہاتھ پھیلا کر لے لی ہے تو آپ واپس کیوں مانگتے ہیں۔ بہرحال یہ یاد رکھئے کہ جسطرح ستارہ ٹوٹ کر واپس نہیں جاسکتا اسی طرح آپکو اس زندگی میں تو سلطنت واپس مل نہیں سکتی۔ خدارا آپ بدری ناتھ جائیے اور عبادت الٰہی میں اپنی زندگی کے باقی ایام بسر کیجیے۔ آپ سلطان غوری کے بھروسہ پہ نہ رہیے۔ اسے تو ہمنے کئی مرتبہ باندھ باندھ کر چھوڑ دیا ہے۔ قاصد نے ہردوار جاکر یہ پیغام اننگ پال کو دیدیا۔ اسکے تو گویا مرچیں لگ گئیں۔ اچھل پڑا اور فوراً ایک قاصد غزنیں بھیجا اور لکھا کہ جلد تشریف لائیے۔ ہم اور آپ ملکر دلی فتح کرینگے۔ شہاب الدین فوج لیکر چلا۔ اسکے ساتھ تتار خان۔ خان خان۔ خورسان خان۔ معروف خان۔ کلیم خان۔ کمام۔ میر ناصر۔ الو خاں عالیل وغیرہ تھے۔ دریای سندھ پار کرکے اور

بیس ہزار فوج دیکر سلطان نے تتار خان کو اننگ پال کی طلب کیلئے ہرہ وار بھیجا۔ راجہ اننگ پال
تتار خاں کیساتھ بڑی عزت سے پیش آیا۔ ساتھ ہی اسنے بہت سے گھوڑے خرید لیئے اور فوج
کی بھرتی شروع کر دی۔ تین سو سردار جو اننگ پال کیساتھ بیراگی ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی ہتھیار
سنبھالے۔ تتار خاں نے اننگ پال کو لیکر کوچ کیا اور اسکو دو یوجن (آٹھ کوس) کے فاصلہ پر
ٹھہرا کر خود آگے بڑھا اور سلطان کو اسکی آمد کی اطلاع دی وہ فی الفور سوار ہوا اور اننگ پال کو
ہاتھوں ہاتھ لے گیا۔ دونوں آنیوالی جنگ کے متعلق بڑی محبت کیساتھ مشورہ کرنے لگے۔ آخر
یہ رای قرار پائی کہ اگر پرتھی راج خود حاضر ہو جائے تو اسکی جان بخشی کر دیجائے۔ سلطان نے
پرتھی راج کو پیغام بھیجا کہ تم بڑی غلطی کرتے ہو جو اننگ پال کو سلطنت واپس نہیں دیتے۔ اگر واپس
دینا نہیں چاہتے تو آکر ہم سے لڑو۔ اس پیغام کے پہنچتے ہی پرتھی راج نے نقارۂ جنگ بجایا ادھر
سلطان نے بھی طیاری کا حکم دیا اور جاسوسوں نے یہ خبریں اپنے اپنے لشکر میں پہنچادیں۔ پرتھی راج
میدان میں آ دھمکا۔ سلطان نے تتار خاں کو ہراول میں۔ معروف خاں کو میسرہ میں اور خورسان خاں
کو میمنہ میں جگہ دی اور اننگ پال کو قلب میں رکھا اور خود عقب میں رہا۔ پرتھی راج نے اپنی فوج
میں کہلا بھیجا کہ اننگ پال پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے۔ فوجیں بڑھیں اور بھڑیں کیماس نے
بڑی دلاوری دکھائی۔ عین دار و گیر میں چامنڈ رای نے شہاب الدین کو پکڑ لیا۔ پرتھی راج
کی فتح ہوگئی۔ پانسو ہندو اور سات ہزار مسلمان مارے گئے۔ پرتھی راج نے سلطان کو
تو قید میں رکھا مگر اننگ پال کا دربار میں بڑے احترام کیساتھ استقبال کیا اور خود اسکے
قدموں میں گر گیا۔ اب شاہ کو دربار میں بلایا گیا۔ اسکے آنے پر پرتھی راج نے اننگ پال سے
کہا کہ آپ اتنے بڑے دانشمند ہو کر اس شاہ کے فریب میں کیونکر آ گئے۔ گہلوٹ سردار نے
کہا کہ اسمیں مہاراج اننگ پال کا کوئی قصور نہیں۔ یہ فتنہ دیوان نے اٹھایا تھا۔ چامنڈ رای
نے کہا بری صحبت کا یہی نتیجہ ہے لوگ ایسی باتیں کہتے رہے اور اننگ پال سر جھکائے سنتا
رہا۔ پرتھی راج نے سلطان پر بیس ہاتھی۔ سو باز اور دو لاکھ روپے جرمانہ کیا۔ یہ جرمانہ سلطان

سے نے قبول کیا اور آزاد کر دیا گیا'

گھگھر کی لڑائی

انتیسویں داستان

پرتھی راج دہلی کا انتظام کیماس کے سپرد کر کے اور خود سات ہزار فوج ساتھ لیکر شکار کو چلدیا۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع غزنیں میں شہاب الدین کو پہنچا دی۔ سلطان نے عہد کر رکھا تھا کہ جبتک پرتھی راج پر فتح نہ پاؤنگا تسبیح ہاتھ میں نہیں لونگا۔ یہ موقعہ غنیمت جانکر مدد کیلئے خورسان۔ روم۔ حبش۔ بلخ وغیرہ میں خطوط لکھے اور جب فوجیں جمع ہوگئیں سلطان پانچ لاکھ فوج کیساتھ دس دس کوس کی منزلیں طے کرتا ہوا روانہ ہوا۔ مخبروں نے یہ اطلاع پرتھی راج کو پہنچا دی۔ وہ سنتے ہی تیر کیطرح سے روانہ ہوا اور دریای گھگھر پر آ پہنچا۔ شہاب الدین کی فوج میں لوہانی۔ حبشی۔ ازبک۔ ہمیر۔ کلیانی۔ رومی۔ سرہانی۔ عراقی۔ مغل اور دوسری ذاتوں کے لوگ تھے۔ ہراول میں تتار خاں قلب میں سلطان۔ دونوں بازوؤں پر خورسان خاں اور نصرتی خاں اور عقب میں رستم خان تھے۔ اس ترتیب سے غوری بادشاہ نے دریا عبور کیا اور فوجیں باہم مقابل ہوگئیں۔ جنگ کے پہلے ہی دن ایکہزار میروں (مسلمانوں) نے کیماس کو اپنے نرغہ میں لے لیا۔ تتار خاں زخمی ہوا۔ ادھر کیماس گھائل ہوا۔ جیت راو نے بڑھ کر اسے بچایا۔ چامنڈ راو اس زور شور سے لڑا کہ شاہی فوجوں میں تہلکہ مچ گیا۔ لڑائی کا رنگ بگڑتا دیکھ کر سلطان اپنا سر دھننے لگا۔ اتنے میں جیت راو اور خورسان خان کا مقابلہ ہوا۔ ادھر نصرتی خاں اپنے ایک لاکھ پایک لیکر آگے بڑھا اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ نصرتی خاں مارا گیا۔ اس موقعہ پر بعض اشعار بحر متقارب مثمن سالم میں ملتے ہیں جو بھجنگی کہلاتی ہے۔ شاعر نے سجع کی خاطر سے حشویات و مہملات تک کو داخل کر لیا ہے:۔

مچے کوہ کوہن بہے سار سارن چمکیں چمکیں کرارن سو دھارن

بھکّیں بھبکّیں بہے رتّہ دھارن سنکّیں سنکّیں بہے بان بھارن
ہبکّیں ہبکّیں بہیں سیل بھیلن ہلکّیں ہلکّیں مچی ٹھیل ٹھیلن
بہے ہتھ پرمار سردار سارن پرے مین گوری بہے رتّ دھارن

اتنے میں ایک لاکھ کالنجروں نے دھاوا بول دیا اور چپقلش میں کنہ کی آنکھ کی پٹی اتر گئی۔ کالنجروں کے حملہ سے سلطانی فوج کے پانو اکھڑ گئے اور کنہ چوہان نے اپنی کمان ڈال کر سلطان کو کھینچ لیا اور قید کر لیا۔ پجّن راو نے میروں (مسلمانوں) کو کاٹ چھانٹ کر ڈھیر کر دیا۔ کنہ سلطان کو اپنے گھر لے گیا پھر وہاں سے اجمیر لے گیا جہاں قلعہ میں اسے قید رکھا گیا بیشمار مال غنیمت پرتھی راج کے ہاتھ لگا۔ راجہ کو سب سرداروں نے ملکر مشورہ دیا کہ اس مرتبہ سلطان کو قتل کرکے قصہ پاک کر دیا جاے۔ کنہ نے کہا کہ اب تو اسے پنجاب واپس لیجا کر چھوڑ دیا جائے۔ پرتھی راج نے کنہ کی بات مان لی۔ کنہ شاہ کو اجمیر سے دلی لایا۔ شاہ نے کنہ کو ایک قیمتی جواہر دیا اور پرتھی راج کو اپنی تلوار نذر کی اور قرآن بیچ میں دیکر کہا کہ اب میں نے قسم کھائی ہے کہ آپ کے خلاف کبھی جنگ نہیں کرونگا۔ پرتھی راج نے لوہانا کے ساتھ کچھ فوج دیکر شاہ کو پنجاب بھیجدیا جہاں اسکو آزاد کر دیا گیا۔ جب شاہ ٹنک پار ہو گیا تتار خان آکر شاہ سے ملا۔ غزنی پہنچکر شاہ نے اپنے فدیہ کے سات ہاتھی اور پچاس گھوڑے لوہانا کے حوالے کر دیے۔ لوہانا غزنیں سے رخصت ہوکر دلی پہنچا۔ پرتھی راج نے ان ہاتھی گھوڑوں میں سے ایک ایک ہاتھی اور ایک ایک گھوڑا ہر سردار کو انعام میں دیا۔

پیپا یُدّہ

اکتیسویں داستان

سبھا میں پرتھی راج اور اسکے ساونت بیٹھے ہیں۔ کبھی انجین۔ کبھی دھار۔ اور کبھی دیواس پر چڑھائی کا منصوبہ باندھا جارہا ہے۔ آخر یہ ٹھہری کہ چند پر چڑھائی کیجائے،

بیساکھ سد ۹ حملے کی تاریخ قرار پائی۔ تاریخ مقررہ پر فوج روانہ ہوئی ادھر شہاب الدین نے ریتایاب آکر راستہ روک دیا اور ڈٹ کر جم گیا۔ راجہ کی اجازت کے بغیر بعض سردار یعنے چامنڈرای۔ چیت سی۔ لوہانا آجان باہو جنگ کے جوش میں پانچ کوس آگے بڑھ گئے اور خورسان خان پہ حملہ آور ہوئے۔ پرتھی راج اجین کی جاترا کے لئے بڑھا۔ شہاب الدین نے جے چند سے مدد لیکر اسکا راستہ روکا۔ بہادر راجپوتوں نے خوب داد شجاعت دی۔ ہاسب خان (آصف خاں؟) اور خورسان خان عین معرکہ میں مقتول ہوے۔ مسلمانی فوجوں کے پانو اکھڑ گئے۔ پیپ پڑھیار نے سلطان کو قید کر لیا اور شہاب الدین کا بھائی حجاب خاں مارا گیا'

جیت راو پدہ
چونتیسویں داستان

پرتھی راج اطمینان کیساتھ دلی میں راج کر رہا ہے۔ ڈھائی سال کے بعد کھٹو بن میں شکار کھیلنے کے لئے جاتا ہے اور نیتی راو یہ خبر شہاب الدین کو پہنچا دیتا ہے۔ پرتھی راج کھٹو بن پہنچا۔ شاہ کا قاصد بھی وہیں پہنچا اور پیام دیا کہ حسین کو شاہ کے حوالہ کر دو۔ پرتھی راج نے کہا اے ڈھیٹ بسیٹھ تو بڑی جلدی بھولا کہ تھوڑے دنوں پہلے کون ہارا اور کون جیتا تھا۔ کہاں دلی اور کہاں غزنیں۔ بھلا سوچ تو میں نے کے دفعہ تیرے آقا کو قید کیا۔ اب پھر وہ حسین کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ آخر جنگ کی نوبت آئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھیں۔ شہاب الدین دریای سندھ تک آگیا اور پرتھی راج اسکی طرف بڑھا شہاب الدین نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ابکے پرتھی راج کو ضرور گرفتار کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بھاگ جائے۔ عین وقت پر جمسوز خان اور توروز خاں نے فوجیں تیار کریں جب دونو لشکر مقابل ہوئے اور جنگ کے نقارے بجنے لگے۔ بہادر لوگ انکی آواز پر ناچنے لگے۔ لڑائی نیزے کیساتھ شروع ہوئی۔ سہ پہر کو مقابل سے نکل کر شہاب الدین نے پرتھی راج پر حملہ کر دیا۔ لیکن پرتھی راج نے اپنی دلاوری سے دشمن کی فوج کے چھکے چھڑا دئے۔ شام

کو لڑائی موقوف ہوئی دوسرے دن پھر رات رہے سے جنگ کی طیاریاں ہونے لگیں۔
آج لڑائی بڑی سخت رہی بدقسمتی سے شہاب الدین اپنے ہاتھی سے گر پڑا۔ چوہانوں کے
لشکر نے اسپر زور باندھا اور سانکھہ راج نے شاہ کو مقید کرلینے کی غرض سے حملہ کیا۔ مسلمانی
فوج نے بڑھ کر شاہ کی حفاظت کی۔ اتنے میں جیت راو پرمار کو موقعہ مل گیا۔ اسنے شاہ کو
قید کرلیا اور سیدھا پرتھی راج کے سامنے لے گیا۔ جنگ ختم ہوگئی۔ مسلمانوں نے بھاگ کر
جان بچائی اور ہندو فوج میں نقارۂ فتح بجنے لگا۔

ہنساوتی وواہ

چھتیسویں داستان

پرتھی راج شکار کے لئے کھٹو پور گیا۔ رن تھنب میں راجہ بھان راج کرتا تھا۔ اس
کے ہنساوتی نامی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ چندیری میں ششوپال بنسی پنچائن نامی راجہ
کا راج تھا۔ چندیری کے راجہ نے ہنساوتی کے حسن و جمال پر شیفتہ ہوکر رن تھنب کو
ایک ایلچی بھیجا اور بر مانگا۔ قاصد نے خط راجا کے حوالہ کیا اور جواب مانگا۔ رن تھنب کے
راجا بھانو رای نے اس پیغام پر خفا ہوکر جواب دیا کہ میں تمہارے راجا کے رعب میں نہیں
آتا۔ میں اس سے جنگ کرونگا۔ چندیری کے راجا نے ایک اور قاصد اسکی فہمایش کے لئے
روانہ کیا اور دوسرا قاصد شہاب الدین کی خدمت میں مدد طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ بھانو
رای نے قاصد کی بات نہ مانی۔ ادھر غزنیں سے راجہ پنچائن کی امداد کیلئے شہاب الدین
نے نوری حجاب اور کیلی خاں کو روانہ کردیا۔ چندیری کا راجا دونوں فوجیں ساتھ لے کر
رن تھنب کیطرف چلا۔ بھان نے پرتھی راج سے مدد طلب کی۔ خط پڑھ کر پرتھی راج
نے سمر سنگھ جی کے پاس کنہ کو روانہ کیا۔ اور کنہ نے سمر سنگھ جی سے ساری کیفیت من و
عن بیان کردی۔ راول جی نے فوج کی تیاری شروع کردی اور کنہ سے کہا کہ ہم
وقت پر آ ملینگے۔ یہاں سے رن تھنب صرف ٦٦ کوس ہے۔ کنہ نے عرض کی کہ پرتھی راج

مہاراج دلی سے اس ماہ کی تیرس کو چلے ہیں اور راجہ بھان پر تو ان دنوں آفت کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے۔ راول جی نے فرمایا کہ ہماری قوم کا یہ دستور نہیں۔ کہ کہی ہوئی بات سے ٹل جائیں کنہ نے چلتے وقت ان سے کہدیا کہ ۱۳ کو جنگ ہے۔ سوموار کی دسویں کو سمر سنگھ جی کی جاترا کی مہورت آئی۔ جاترا سے فراغت پاکر سمر سنگھ جی رزمگاہ کی طرف چلے۔ پرتھی راج مشرق میں اور راول جی مغرب میں تھے۔ لڑائی شروع ہوئی اور راول جی چندیری اور رستم خان کی فوجوں کے درمیان گھر گئے۔ پرتھی راج راول جی کی مدد کو آیا۔ اب راول جی اور چندیری کے راجہ کا مقابلہ ہوا۔ راجہ مارا گیا ادھر حسین خاں اور کنہ رای زخمی ہوئے۔ جنگ ختم ہوئی۔ اسکے بعد سنساوتی کا بیاہ پرتھی راج کے ساتھ رچایا گیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ دلی پر مسلمان فوج نے حملہ کر دیا۔ صرف ساٹھ ساونتوں نے اس فوج کا مقابلہ کیا۔ دوسرے روز خان سلطان نے حملہ کیا لیکن اسوقت تک پرتھی راج بھی جنگ کے لئے طیار ہو چکا تھا۔ اسکے شامل ہوتے ہی ہوا کا رخ بدل گیا۔ مسلمانوں نے جی چھوڑ دیا۔ فیروز خاں مارا گیا اور فاتحین کے ہاتھ آیا۔ لاکھ کا سامان آیا اور پرتھی راج اپنی نئی رانی کی محبت میں سرشار رہنے لگا۔

پرتھی راج راسے
سینتیسویں داستان

ایک روز شہاب الدین نے تتار خاں سے پوچھا کہ پرتھی راج کی کوئی تازہ خبر بھی آئی اسنے کہا اسکی حالت بدستور ہے۔ شاہ نے کہا اب تو سپر چڑھائی کرنی چاہیئے۔ حکم کی دیر تھی۔ دوسرے دن شاہ کے محل کے آگے فوجیں جمع ہو گئیں۔ شاہ نے کوچ کرکے دس کوس پر جاکر پڑاؤ کیا۔ اسوقت اسکے ساتھ یہ یہ سردار تھے۔ تتار خاں۔ خورسان (خان) رستم خاں۔ بازید۔ میر منصور۔ سیرن تجاب۔ نہمند۔ خان جہان نصرت۔ اعظم۔ عمر ترک (خان)۔ ملتان خاں۔ بھارتھ خاں۔ میر آتش وغیرہ۔ دیوان خانہ میں تمام

امرا جمع ہوئے۔ مشورہ ہونے لگا۔ میر خاں۔ تتار خاں اور خورساں خاں نے اپنی اپنی رائیں دیں۔ شاہ نے لورک رای کھتری کو کاغذ دیکر دھرماین کے پاس دلی بھیجا۔ وہ جاکر دھرمائن سے ملا۔ اس کایستھ نے کاغذ پڑھ کر بڑا افسوس کیا۔ سیدھا دربار میں گیا اور کیماس کو وہ خط دیدیا۔ تین بار سلام کیا اور کہا کہ اب جو کچھ کرنا ہو کرلو۔ شیر اتر کر آرہا ہے۔ جب پرتھی راج نے خط سنا اسنے مشورہ کے واسطے اپنے ساونتوں کو بلایا اور جنگ کی رای قرار پائی۔ راجہ نے پاو لاکھ فوج اکٹھی کی اور لڑائی کے لئے بڑھا اور حریف کے مقابل ہوتے ہی حملہ کردیا۔ دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں اور سپاہی جان توڑ کر لڑے۔ شام کو لڑائی بند ہوئی۔ دوسرے دن پھر تلاقی فریقین ہوئی۔ دونوں طرف کے بہادروں نے داد جوانمردی دی۔ ویرم دیو زخمی ہوا اور فیروز خاں مارا گیا۔ دن بھر جنگ جاری رہی۔ آخر پہاڑ رای کو ایک موقعہ مل گیا اسنے شاہ کے ہاتھی کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ ہاتھی لہرا کر گرا۔ شاہی فوج بیدل ہو کر بھاگ نکلی۔ شاہ اپنی فوج کو بھاگتا دیکھ کر بدحواس ہوگیا اور پہاڑ رای نے جا کر اسے پکڑ لیا اور لاکر پرتھی راج کے سامنے پیش کیا۔ راجہ نے حسب دستور قدیم جرمانہ وصول کر کے چھوڑ دیا'

کیماس جدّہ
تینتالیسویں داستان

ایک مرتبہ شہاب الدین تتار خاں سے پرتھی راج کا تذکرہ چھیڑتا ہے۔ تتار خاں اثنائے گفتگو میں کیماس کی شجاعت کا خاص طور پہ ذکر کرتا ہے۔ شاہ لشکر کشی کرتا ہے اور سندھ پار کر کے پارس پور میں خیمہ زن ہوتا ہے۔ دلی سے جاسوس آتا ہے۔ اور پرتھی راج شکار کھیلنے جاتا ہے۔ چیت بدی دوج سمت ۱۱۴۰ کو شاہ آگے بڑھتا ہے۔ اسکے ساتھ تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی تھے جب شاہ کے حملہ کی پرتھی راج کو خبر پہنچی

ہے۔ وہ اپنے ساونتوں اور کیماس سے مشورہ لیتا ہے۔ مسلمانی فوجوں کے سرداروں کے یہ نام ہیں :- تتار خان - تورسان خاں - رستم خان - خان دریا - منمار خاں - تاج خان - فتح خاں - پہاڑ خاں - آلو خاں - عالم خاں - گکھڑ خاں - کمال خاں - معروف خاں - حبیب خاں حبشی - شمس الدین خاں - غیاث خاں - چتر خاں وغیرہ، شہاب الدین کی فوج نے کھٹوبن کا رخ کیا - جب شاہ سار ونڈے آچکا - پرتھی راج نے چامنڈ رای کے مشورہ سے فراہمی افواج کا حکم دیا - شاہ نے لاڈنوں میں مقام کیا - اور پرتھی راج نے پنچ سر میں ڈیرہ ڈالا - کیماس کو خبر لگی - کنہ کو ہراول میں مقرر کیا - راجہ نے اپنی فوج کو پانچ حصوں میں منقسم کر دیا - شاہ نے بھی ایسا ہی کیا - دونوں فوجیں میدان جنگ میں ایک دوسرے سے دو کوس کے فاصلہ پر ٹھہریں - پرتھی راج کو یونون (مسلمانوں) نے تنہا پاکر گھیر لیا - چامنڈ رای نے اپنی غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا - اتنے میں لال خاں - معروف خاں - حسن خاں - اور آکوب (یعقوب) خاں نے چامنڈ رای کو گھیر لیا کیماس چامنڈ کی مدد کو آیا - اور چامنڈ نے چاروں یونی سرداروں کو ہلاک کر ڈالا - اب لال خان آگے بڑھا وہ بھی مارا گیا - دوپہر کے بعد دونوں فوجوں میں سخت معرکہ ہوا - اپنی فوج کو مغلوب ہوتا دیکھ کر شہاب الدین نے اپنا ہاتھی آگے بڑھایا - اس سے مسلمانی فوج کا حوصلہ بڑھ گیا - شہاب الدین کے تیر باراں نے کئی ہند و سورماؤں کو زخمی کیا - کیماس اور چامنڈ رای نے شاہ پر حملہ کیا - یونی سردار اسکی حفاظت کے لئے بڑھے - چتر سین مارا گیا - اب چامند رای اور کیماس نے دو طرف سے شاہ کو گھیر لیا اور اسکے ہاتھی کو مار گرایا - دونوں بھائی شاہ کو گرفتار کرکے پرتھی راج کے سامنے لے گئے - آخر پرتھی راج نے دلی پہنچکر اور ڈنڈ لیکر شاہ کو چھوڑ دیا - ڈنڈ میں بارہ ہاتھی اور ایک ہزار باز تھے - شہاب الدین جرمانہ ادا کرکے غجنی پور چلدیا، (باقی آئندہ)

محمود شیرانی

علیشیر کی ایک کتاب کا قلمی نسخہ

یعنے

مرغوب الفواد ترجمہ محبوب القلوب

حقیقت یہ ہے کہ میر علی شیر کی لائف اور تصانیف پر قلم اٹھانے سے پہلے ترکی زبان کی واقفیت اور مہارت اس درجہ ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہم کسی چیز کے متعلق دعوے سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس کے علاوہ موسیو بلین نے جس سیر حاصل طریق پر میر علی شیر کے متعلق لکھ دیا ہے۔ ہم اس پر بھی شاید کچھ اضافہ نہ کر سکیں۔ تاہم چونکہ اس موضوع پر خامہ فرسائی شروع کر دی ہے۔ اس لئے اسکو ناتمام بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ بعض پرانے بزرگوں نے علیشیر کی بعض کتابوں کے فارسی ترجمے کر دیے ہیں۔ جن سے ہم مستفید ہو رہے ہیں۔ مجالس النفایس کا ترجمہ جس کا نام لطایف نامہ فخری ہے۔ اسی رسالے میں بالاقساط شایع ہو رہا ہے،

اب یونیورسٹی لائبریری سے علیشیر کی ایک اور کتاب دستیاب ہوئی ہے جسے دو وجوہ سے تبرک سمجھنا چاہیے۔ اول اس لئے کہ علیشیر کی تصنیف ہے دوم بدین وجہ کہ اسکا مترجم دودمان گورگانیہ کے بدقسمت مگر حساس اخلاف میں سے تھا۔ اس پر ایک اور خصوصیت کا اضافہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب کے ذریعے مترجم شہزادے کے حالات و سوانح پر کافی سے زیادہ روشنی پڑتی ہے،

کتاب کا اصل نام "محبوب القلوب" اور ترجمہ کا نام "مرغوب الفواد" ہے مترجم مرزا محمد ظہیر الدین علی بخش اظفری گورگانی عرف "مرزا کلان"[1] ہیں۔ ان کے متعلق ہم صرف اسقدر جانتے ہیں۔ کہ ۱۲۱۵ھ میں بقید حیات تھے۔ اُردو کلام کا ایک دیوان چھوڑا ہے۔ اور ایک خود نوشت سوانحعمری بھی۔ جس کا نام "واقعات اظفری" ہے۔ جو ۱۲۱۱ھ میں بمقام مرشد آباد لکھی گئی۔ کلکتہ کے علاوہ مدراس میں بھی قیام رہا۔

مرغوب الفواد کے دیباچے میں اظفری نے اپنا شجرہ نسب یوں لکھا ہے:۔

"میرزا علی بخت المعروف بہ منجھلے صاحب" ولد سلطان محمد عیسٰے ابن خواجہ موسی المعروف بنواب موسوی خاں بہادر (کہ بنواب عفت آرا بیگم بنت بادشاہ محمد معز الدین المعروف بہ حضرت عرش آرامگاہ کد خدا بودند) الخ"

محمد معز الدین بادشاہ ولد شاہ عالم بہادر شاہ محمد معظم المعروف بہ حضرت خلد منزل ولد حضرت اورنگ زیب بادشاہ الخ

اظفری کو خواجہ بزرگ حضرت شاہ نقشبند سے خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ ان کا شجرہ نسب بتفصیل بیان کیا ہے،

شاہ عالم ثانی۔ کے زمانے میں غلام قادر رہیلہ کے ہاتھوں تخت دہلی کی جو توہین ہوئی۔ اسے بہت سے تیموری شہزادوں نے محسوس کیا۔ اظفری بھی انہی زندہ جذبات لوگوں میں سے تھا۔ چنانچہ مرغوب الفواد میں اس حادثہ ملی پر بڑے دردناک الفاظ میں اظہار خیال کرتا ہے۔ ہم یہاں اظفری کی انشا کے نمونہ کے طور پر اس کی اصل عبارت کو درج کرتے ہیں[2]:۔

---

[1] ان کے حالات کے لئے دیکھو خمخانہ جاوید "اظفری"۔ ریو۔ کتب خانہ برٹش میوزیم کی فہرست۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵۱۔ سپرنگر اودھ کیٹالاگ۔ ص ۲۴۵۔ ج ۱۔ ص ۲۶۵

[2] مرغوب الفواد (قلمی) ق ۸ ب تا ۹ ب۔

"والحق ہمچنین است آنچہ ناگفتنی و نانوشتنی برین خاندان عالیشان وارد گردیدہ ، چشمان دہلی دید آنچہ دید + بلائے بود اہل دہلی را متنبہ شدنی + و آفتے گذشت اہل بصیرت را متنفر گشتنی + کہ غلام قادر یوسف زئی افغان لوائے طغیان و خود رائی بر افراشتہ و حقوق این خاندان سموا امکان را نسیاً منسیاً انگاشتہ ' بنائے نابینائی و بے حیائی انداختہ و بنیاد مستقل قدیم ساختہ را تو ویران ساختہ و در مقام بی ادبی و بے پرواہی برآمدہ در ایذا و استہزا آن بادشاہ ذی عز و جاہ اعنی شاہ عالم ثانی پادشاہ کہ از نسبت نواسہ زادگی جد امجد این بندہ درگاہ اند و اضرار منسوبان و متوسلان این دودمان فیض بنیان درآمدہ دست کوتاہ خود را بکردار و افعال ناہنجار بہ مال و حال صغار و کبار دراز کردہ حتیٰ کہ چشمان آن بادشاہ را از چشم خانہ اش برکندہ و از تخت سلطنت بیفگند' چنانچہ این بندہ مطابق آن حال در وزن رباعی اخرب در زبان ریختہ بدیہہ گفتم و از دست خویش بر دست اقدس گذرانیدم . بیت

چون من ذہب کہ بیتے کا مژدہ اس سال ہوا نصیب شاہ عالم
تھا فکر میں تاریخ کے بولا ہاتف ہے اظفری تاریخ یہ عالم کا غم"

اس کے بعد مختصر الفاظ میں غلام قادر کے کیفر کردار تک [۲] پہنچنے کا واقعہ بیان کرتا ہے :-

عین اس زمانے میں اظفری قلعہ شاہ جہان آباد سے بھاگتا ہے - اگرچہ قدم قدم پہ جان خطرے میں ہوتی ہے - لیکن خداوند تعالےٰ اسے بالکل محفوظ و مصئون رکھتا ہے - ۳ ربیع الاول ۱۲۰۲ھ کو لباس تبدیل کر کے بعض جانباز ساتھیوں

سمیت جے پور اور جودھ پور کی طرف قدم رکھا ۔ ۹ ربیع الاول کو قلعہ انبیر میں پہنچتا ہے ۔ وہاں کے راجہ مہاراجہ پوری نیازمندی اور عقیدت سے پیش آتے ہیں اور تواضع اور خدمت گذاری کا پورا حق ادا کرتے ہیں ؎

اس کے بعد والیان دہلی نے مترجم کے بھائی میرزا جلال الدین المعروف بہ میرزا خورد کے ساتھ جو بدسلوکی کی اس کا مختصر سا تذکرہ ہے ؎

سب سے اہم اور قابل ذکر بات جو اس سلسلے میں اظفری کے متعلق معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اظفری عظیم الشان خاندان کی بدقسمتی اور زوال کو بہت محسوس کرتا ہے ۔ اس کی رائے میں مغل شاہزادوں اور تیموری بادشاہوں کی کس میپرسی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان میں "ترکی حسیات" کی افسوسناک کمی واقع ہو گئی تھی ۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک قوم جب تک اپنی ملی اور قومی روایات و حسیات کا پاس رکھتی ہے اور انہیں زندہ اور برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے ۔ اس وقت تک وہ فعال اور مؤثر رہتی ہے لیکن جب مرور زمانہ سے ان میں ان حسیات کے متعلق غفلت پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں انحطاط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں ؎

اظفری کے نزدیک غلام قادر رہیلہ کا واقعہ بھی اسی "ترکی حس" کی کمی کا نتیجہ تھا ۔ جب تک مغلوں میں ترکی روایات سے دلچسپی اور وابستگی باقی رہی اس وقت تک مغل ہندوستان کے مطاع بنے رہے ۔ لیکن محمد شاہ کے بعد وہ ربط قائم نہ رہا ۔ اظفری اس سلسلے میں ترکی زبان کا ذکر کرتا ہے اور اس کا حسیات پر جو اثر ہوا ۔ اس پر ان الفاظ میں رائے زنی کرتا ہے[۱] :۔

"و حال آنکہ زبانِ ترکی بعد از شنقار فرمودن حضرت محمد شاہ بادشاہ جہجاہ

---

[۱] مرغوب الفواد (قلمی)، ق ۷ ب ؎

الملقب بہ فردوس آرامگاہ چنان از شاہ جہان آباد و توابع آن معدوم و مفقود گردید، گوئی، عنقائی بود کہ از میان خلق رمیدہ خاطر گزیدہ کہ غیر از نام وی را کسی بچشم پیشانی ندیدہ چنانچہ زبان زد خاص و عام شد کہ بہ محمد شاہ ترکی تمام شد، اکنون بجز نام ترکی خاص و عام نمی دانند و از تلفظ آن چنان بی نصیب اند کہ گوئی از کلام الانعام، عجب تر آنکہ این زبان کہ خاص تلفظ خاندان گورگانیہ بود کہ جناب حضرت امیر تیمور گورگان روح اللہ روحہ و آباء و اجداد شان تا چنگیز خان و ہلاکو خان وغیرہم عموماً و بعضی از ایشان خصوصاً، جز زبان ترکی بوی فارسی را نہ شمیدہ اند، بل بطرف فارسی بچشم حقارت دیدہ و دال این حال آنست کہ از حضرت صاحبقران، تزک تیموری و از حضرت بادشاہ تاریخ وقعہ، و دیوان بابری و قس علی ہذا و ہمچنین از دیگران اینہا، عدہا دواوین و کتب ترکی یادگار ماندہ کہ حالا بین الناس متداولست و متعارف، درین ولا ہیچ احدی را از اولاد و نبایر آن حضرت بہرہ از لہجۂ ترکی نماندہ و حرفی از آن حروف نخواندہ، مگر این عاصی کہ از احفاد و اسباط آن خاندانم، نصیبی از زبان ترکی بردہ ام و حظی از لہجہ اش برداشتہ"

ہندوستان میں ترکی اور تورانی اثرات کے آخری زمانے میں اس قسم کے سیاسی خیالات، اظفری کو ہماری نظروں میں خاصہ ممتاز بناتے ہیں۔ اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ اگر انگریزوں کی طرح خود مغلوں کو اپنی زبان اور روایات سے لازوال وفاداری اور وابستگی رہتی۔ تو دولت تیموری کا آفتاب شاید اسقدر جلد نہ غروب ہوتا،

---

[1] اظفری ترکی زبان کے متعلق عام بے حسی سے متاثر ہو کر اظہار رائے میں کسی قدر تعصب کا اظہار کر رہا ہے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ بابر وغیرہ نے تزوکات ترکی میں لکھیں کیونکہ اس زبان میں وہ زیادہ آسانی اور اعتماد کیساتھ لکھ سکتے تھے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں۔ کہ انہیں فارسی سے نفرت تھی جو بے شمار کتابیں فارسی میں تیمور کے نام پر لکھی گئیں۔ یا ادبیات فارسی کے متعلق بابر کو جو تنقیدی نظر حاصل تھی۔ وہ اس بیان کی کافی تردید ہے،

اظفری نے ترکی زبان ایک ترکی دان بزرگ میر کرم علی عرف یوسف کی دان سے حاصل کی تھی۔ انہوں نے ہی اظفری کے دل میں ترکی زبان کے متعلق ایک بے پناہ جذبہ حمایت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ اظفری کہتا ہے :۔

" میر کرم علی ...... زبانی اوستاوان خود تنہیها بمن می فرمودند،
و در این زجر و پند را آویزۂ گوش ہوش بندہ می نمودند کہ ترکی
زبان چابک سلطنت ہندوستانست، از اینکہ ترکی از السنۂ
این خاندان سست گردیدہ، سلطنت ہند ضعف پسندیدہ ے
ملک ہند است سخت اسپ حرون[1] غیر چابک بود زحکم برون[2] "

ان اقتباسات سے اظفری کی حیات اور ترکی زبان سے دلچسپی اور اس کے سیاسی خیالات کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ میر علیشیر کی کتابوں سے اظفری کو جو دلچسپی ہے وہ بھی اسی لئے معلوم ہوتی ہے۔ میر نے ترکی و فارسی کے تقابل پر محاکمۃ اللغتین کے نام سے جو رسالہ لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی اظفری کے پیش نظر تھا۔ کیونکہ اس میں بھی غالباً ترکی کو فارسی پر ترجیح دی گئی ہے۔ نہ معلوم۔ اس تیموری قوم پرست شہزادے کو زمانے نے ترکی زبان کی خدمت کا یہ موقعہ عطا فرمایا۔ یا اس کی یہ آرزو اس کے ساتھ دفن ہوگئی۔ بہر حال اس کا جذبہ قابل داد ہے۔

شاہزادہ نے اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں " ملا محمد زمان تبریزی اروجی المتخلص بافشہ " سے بھی ترکی میں کچھ اسباق لئے۔ یہ بزرگ نجف اشرف اور کربلائی معلی کے حاجی تھے اور ترکی کے زبردست ماہر۔ اسی طرح میرزا کاظم سوداگر سے بھی کچھ استفادہ کیا۔

---

[1] برون (فی الاصل) [2] مرغوب الفواد (قلمی)، ق ۸ ب۔

محبوب القلوب کا ترجمہ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۰۸ھ کو لکھنؤ میں شروع کیا اور ایک ماہ اور چند دن اس پر صرف ہوئے۔ ترجمہ کا نام "مرغوب الفواد" رکھا گیا،

مرغوب الفواد تین اقسام پر مشتمل ہے:۔

قسم اول ۔ کیفیت افعال و احوال سایر الناس،

قسم دوم ۔ خاصیت حمیدہ افعال و ذمیمہ خصال،

قسم سوم ۔ صورت فواید متفرقہ و امثال،

کتاب کی غرض "تعمیر اخلاق" بیان کی گئی ہے۔ میر دیباچے میں لکھتے ہیں کہ مجھے ہر بزم اور مجلس سے جو تجربات حاصل ہوئے۔ یہ ان کا نچوڑ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ باقی لوگ ان تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ سوسائٹی کے مختلف طبقات کی صفات ظرافت کے رنگ میں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن حقیقت اور اصلیت سے لبریز۔ بعض اوقات گلستاں کی نکتہ آفرینی اور رنگینی کا دھوکہ ہوتا ہے۔ مثلاً شاعروں کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"مثل شاعران حال ماکیان تمثال کہ یک بیضہ نہد و صد بانگ دہد"

کاتبوں کی شان میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"آنکہ با نقطۂ چند حبیب را خبیث کند و محبت را محنت، بر ہیچ محنت زدۂ خبیث صد لعنت"

اماموں کا ذکر یوں فرماتے ہیں:۔

"امام بقرأت خود شیفتہ و بناز خود فریفتہ، از آدمیت خود در خیالش تصور و ازان نیت در ضمیرش تکبر، نماز خود را مقبول تخیل کنندہ و قبولیت نماز جماعت را ہم تکفل شوندہ، قرأۃ بلندش محض رعنائی و انانیت، و برآمدن پیشتر از جماعت رسوائی و

نفسانیت ... ... وغیرہ"

مطرب و مغنی کا چہرہ ان الفاظ میں اتارتے ہیں :-

"مطرب، طرب افزا و مغنی غم زدا، جانِ اہل درد بہسر تو فدا آنکہ نغم و ترانہ اش ملایم، فداش حیاتِ سامع دایم، قوّت دل از خوش نواز و قوّتِ روح از خوش آواز، از معنی خوش ریز، آتش اہل درد تیز واگر ملاحتش تیز با اہل حال رستاخیز ... الخ"

ہر قسم میں کئی باب اور فصلیں ہیں - جن میں اسی انداز پر مختلف طبقات انام کا رنگین الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے - اس میں ملّا دو پیازہ کے انشامے کا انتخاب بھی ہے - جس کا مرغوب الفواد یا محبوب القلوب سے چنداں تعلق نہیں - جابجا مشکل الفاظ کے معانی سرخی میں لکھے گئے ہیں'

تعجب ہے کہ باوجود تلاش مرغوب الفواد کے کسی اور نسخے کا پتہ نہ چل سکا - حالانکہ اس کے نایاب ہونے کی کوئی وجہ نہیں - موجودہ نسخے کے ۱۳۲ اوراق ہیں - ہر صفحے کی ۱۲ سطور ہیں جابجا سرخ رنگ میں معانی و شروح پائے جاتے ہیں -

کاتب - مرزا محمد ظفرالدین عرف مرزا حسین بخش - اور تاریخ کتابت ۱۲ار شعبان ۱۲۰۰ھ - مقام کتابت - لکھنؤ'

سید محمد عبداللہ

ضمیمہ
انتخابِ دیوانِ مظہر

از نسخہ محمد صوفی مازندرانی (نسخہ کتاب خانہ بادلی آکسفورڈ)

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۶۰)

آنکس که به یاران کفت تخم امل کاشت — شاخ شجرش دولت جاوید ثمر کرد
تا آب دهد باغ ظفر را سر رمحت — تا چشم عدو نایژه از خون جگر کرد
سعیی که فلک تا حد پیری نتوانست — بخت تو که برناست به ایام صغر کرد...
فقهاء سنان تو شناسای مفاصل — زانسانست که گوئی همه تشریح ز بر کرد
فرمان تو در سرعت ایجاد مطالب — حکمیست مصمم که قضا خواست قدر کرد...

بدخواه ترا آرزوی دولت برنا
حرصیست که فرتوت در ایام کبر کرد

صبح چون رایت سیمین سحر بر گیرند — طاس مه بر علم خسرو خاور گیرند...
مجلسی خوبتر از جنت فردوس کنند — بادهٔ صاف تر از چشمهٔ کوثر گیرند
مرغ مزمار و بط باده بر آواز خروس — نغمهٔ بلبل و آهنگ کبوتر گیرند
ساقیان چون مه و خورشید ز جام زر و سیم — با شرابی چو شفق دور مکرر گیرند
دلبرانی که چو بر[۱] پای زمین پای نهند — کشتگان بار دگر زندگی از سر گیرند
کف چو بر بادهٔ گلرنگ فشاند کافور — از لب بحر همه تودهٔ عنبر گیرند
جام فرعون نماید ید بیضای کلیم — نار[۲] نمرود ز دست بت آزر گیرند...
صفه و سقف فلک پر در و یاقوت کنند — ساحت و صحن زمین در زر و زیور گیرند
از دو ماهی و چو تو ماه یکی حلقه کنند (؟) — تا بدان چشمهٔ خورشید منور گیرند
چون دو دور دگر آن جام طرب نوش کنند — دست در گردن خوبان سمنبر گیرند
به یکی دست درون بادهٔ گلرنگ نهند — بدگر دست سر زلف معنبر گیرند

---

[۱] دیوان: محکم است [۲] دیوان: روی [۳] اصل: نام؟ اسکے بعد دیوان میں ہے:
زان کف باده که بر فرق ثریا فگند — وز نم جرعه که تا قعر ثری در گیرند

گه بذوق از لب آن شربت حیوان نوشند | گه به نقل از لب این پسته و شکر گیرند...
دل او کعبه داد است که از دست فلک | داد خواهان جهان حلقه آن در گیرند...
همه پیلان سپیدند که هنگام شکار | از سر کینه دم شیر دلاور گیرند
هر کمندی که ز فتراک کمین بگشایند | کمترین صید بدو گردن اختر گیرند
ای جهاندار و جهان جوی و جهان بخش شهی | که بنام تو جهان در زر و زیور گیرند
اختران صورت توقیع تو بر دیده نهند | خسروان نسخت فرمان تو در[۱] سر گیرند
هر مثالی که ز دیوان فلک بنویسند | بی نشان تو در آفاق مزور گیرند...
همه خیرات جهان را به یکی پله نهند | ذرهٔ جود تو در پلهٔ دیگر گیرند...
هر کجا دولت تو مجلس بزم آراید | شغل دربانی او کسری و قیصر گیرند
ماه را چون صنمی ساقی مجلس سازند | زهره را همچو زن مطربه چاکر گیرند

جرم نی را ز نوا روح مجسم خوانند
جام می را ز صفا عقل مصوّر گیرند

ولہ

شاه زمان که روی زمین چون نگار کرد | وز تیغ بیقرار جهان را قرار کرد...
از جود وجد مآثر میمون ذخیره ساخت | وز عدل و بذل نام نکو یادگار کرد...
هر بخششی که داد کفش بیشمار داد | هر کوششی که کرد دلش استوار کرد...
بخشش چنین دهند که این پادشاه داد | کوشش چنین کنند که این کامگار کرد...

ولہ

بانگ[۲] نای و دهل و کوس گران می آید | بوی مشک و نفس عنبر و بان می آید
مطربان صف زده هر سوی غزل میگویند | وز دف و نای فلک در[۳] دوران* می آید

---

۱ دیوان: بر ۲ دیوان میں یہ قصیدہ نہیں ہے ۳ اصل: در دوروان ؛

این همه عیش و طرب چیست چنین میدانم | که بدولت فلک از شاه جهان می آید
وانکه در وقت وغا گوئی پیکانش بشکل | آفتابیست که از برج کمان می آید
(۲۵۶ و) وانکه در مجلس او ساقی خورشید منیر | همچو جوزا بفلک بسته میان می آید
کارهای که مساعیش همی پردازد | نه در اندیشه نه در وهم و گمان می آید
دست پاشان همه در بند قفا دست چنانک | دیو در بند فتد چون رمضان می آید
شربت آبحیاتست کلام تو مگر | کز کف خضر بحلق عطشان می آید
بوی جان بخش گلابیست رضای تو مگر | کز نواحی عدن تا صفهان می آید
در بر همت تو سنگ و سفالست همه | دُر و لعلی که ز دریا و زکان می آید

از تو حاجت نبود تاختن و تیغ زدن
این قدر بس که بگویند فلان می آید

آنکه در کنج امان عافیه در بر دارد | و آب و نانی دو سه با جامه مهیه دارد
گو بزن نوبت شاهی و بر آور علمی | که اقالیم جم و ملکت سنجر دارد
نی غلط گفته شد آن ملک چه ماند با این | حاش لله که کسی هر دو برابر دارد
خلوت و سلوت باطن بجهان مملکتی ست | کانچنان ملک نه فغفور و نه قیصر دارد
دولت آسایش جانست نه آرایش تن | دُر و دیباچه کند آنکه دل ابتر دارد
آب در کوزهٔ گل بهتر ازان شربت زهر | که قدح از زر و قاروره ز گوهر دارد....

زینهار از دو[۳] دل* دهر فریبی نخوری
که شکر در دهن و دست بخنجر دارد

ای برده از بر تو جوانی جهان پیر | وی کرده در فراق جوانی بجان نفیر....
مویت چو شیر شد تو هنوز از هوا و حرص | طفلی که آید از لب و دندانت بوی شیر....

---

۱ اصل: دعا ۲ اصل: ! ۳ دیوان: دول

[1]در علم و فضل نیست چو من مفتی و حکیم | در نظم و نثر نیست چو من شاعر و دبیر
من همنشین شاهم و هم هم نژاد خان | من همدم امیرم و هم هم سر وزیر
در ذهن چون سنائی و در طبع چون ادیب[2] | در خط چو ابن مقله و در لفظ چون ظهیر
نشنیده گوش ملکت گیهان مرا مثال | نادیده چشم گنبد گردون مرا نظیر[3]
هم رنگ گشت تیره و هم روی شد دژم | هم وهم گشت قاصر و هم فهم شد قصیر
نی نطق در زبان نه قلم ماند در بیان | نی شعر در تفکر و نی فقر (فقره؟) در ضمیر
گوئی نبوده هیچ گهی در نکات نغز | نی نامه را سوادی و نی خامه را صریر[4]...
خدی چو باغ تازه و جعدی چو مشک تر | رائی چو مهر روشن و روی چو مه منیر[5]....
خورشید را نظیرم و ناهید را قرین | بهرام را حریفم و برجیس را سمیر
چندان نشاط و نوش که کردی بباغ و راغ | در صحن بوستان و در اطراف آبگیر
با صد هزار بهجت و شادی و خرمی | در بالش سرور زده تکیه بر سریر
دستت بجام باده و بازو بدست[6] یار | چشمت بروی ساقی و گوشت به بانگ زیر
برگرد تو بتان و پری چهرگان[7] نغز | از هند و سند و روم و ری و کیش و کاشمیر...
رفته ز سر نشاط شراب و نوای رود | تو مانده در خمار ترش روی چون خمیر
گه ناله های ساخته بر یاد آن سرور[8] | گه خون دیده ریخته بر یاد آن عصیر

---

[1] اس سے پہلے دیوان میں ہے : تو ای فصیح و فاضل و فرزانه و فقیه | دانی [که] در شباب حد[چسان] بوده عزیز

می گفتی اینکه زیر کبودی آسمان | در هیچ شهر و کشور و از هیچ شاه و میر

[2] دیوان: همام [3] اس کے بعد دیوان میں ہے :

تا چون سپهر بر سر تو برد تاختن | در ضعف کرد عاجز و بیچاره و حقیر

[4] دیوان: نغمه، شاید 'نکته' ہو [5] اسکے بعد امیر جلد و جوانمرد کو خطاب ہے :

نوای امیر جلد، جوانمرد و دوست روی الخ [6] دیوان: بدوش [7] دیوان: شکران [8] دیوان: سرود

گوئی مگر که خواب بد آن عیش یا خیال — یا لمعهٔ سراب که بینند در هجیر[1]

دانسته بوده که مگر این جمال و جاه — زین رونق جوانی و آن راحت کثیر

هرگز ز من بعمر نخواهد شدن جدا — تا ماه در منازل و ماهیست[2][*] در غدیر

وآگه نبوده که مر این دهر سفله راست — در یک نوله شکر و در یک نواله شیر[3]

گه سازدت بمهر سر آغوش چون پرند — گه داردت بقهر لگدکوب چون حصیر

گه از وفا چو حور عروسی ست تازه روی — گه از جفا چو دیو عبوسی ست قمطریر...

(۱۵۶ب) چون در حدیث دهر بدینجا سخن رسید — بشنو نصیحتی ز من هوشیار پیر

خود را بدست خویش مزن تیشه بر قدم — خود را بپای خویش میفگن بقعر بیر

از[4] نیک و بد دو راه روانست خلق را — راهی بسوی جنت و راهی سوی سعیر

اکنون تو خواه از ره طاعت بخلد رو — خواه از گنه در آتش سوزنده کن مسیر...

قرآن و موت واعظ خلقند از خدای

ای بخت آنکسی که بود موعظت پذیر[5]

بامدادان[6] که بیفگند هوا پردهٔ قار — شاهد صبح ببینید بسرخی رخسار

آسمان نامهٔ اعمال زمین کرد سپید — شب تو گوئی که گنه بود و سحر استغفار

تازه[7] شد چون دل مؤمن ز همه ظلمت و زنگ — روی مشرق که سیه بود چو جان کفار...

قاصدی نزد من آمد ز سوی شاه[8] دوان — چون نسیمی که رسد صبحدمان از گلزار

نامهٔ در کف او مهر بعنوان رهی — کاتب نامه امیری ز امیران کبار

---

[1] اصل : هجر۔ دیوان : سحر [2] دیوان : ما است [3] دیوان : شیر

[4] یہ سعدی علیہ الرحمۃ کا فیضان ہے۔ [5] اس کے بعد دو شعر اور ہیں اور پھر فیروز شاہ کی مدح ہے

[6] اس قصیدے کے بعض اشعار پچھلے نمبر میں آ چکے ہیں [7] اصل : باز

[8] دیوان : شہر۔

مهر آن نامہ چو بکشادم و خواندم مضمونش ۔۔۔ دیدم از غالیہ بر گل رقمی کردہ نگار ۔۔۔

ریختہ مشک سیہ بر سر کافور سپید ۔۔۔ راست چون خط دلاویز بتان گرد عذار

لفظ چون آبحیاتش ز سیاہی بمثل ۔۔۔ چون گہر در شبہ یا نور سحر در شب تار ۔۔۔

من چو این مژدہ[1] شنیدم ز فرح بر جستم ۔۔۔ کردہ بر نامہ و بر نام دل و دیدہ نثار

گفتم آوخ مگر از تیرہ شب محنت من ۔۔۔ صبح اقبال بر آورد نشان اسفار ۔۔۔

دولت و بخت در آمد بمبارک بادم ۔۔۔ کہ بر آمد ہمہ امید تو شکرانہ بیار ۔۔۔

دلبر من چو خبر یافت ز عزم سفرم ۔۔۔ در دوید از سر حسرت سوی من شیفتہ[2] وار

نرگسان سیہش لالہ صفت غرقہ بخون ۔۔۔ یاسمینہای سپیدش چو سمن زرد غبار

چون بود مردم محزون ز غم فرقت دوست ۔۔۔ آنچنان گشت تن نازک او زرد و نزار ۔۔۔

گفتم ای مہ نبود کار جہان بر یک حال ۔۔۔ دہر گردانست بعد فرع تو دل رنجہ مدار

گہ بود دولت دیدار و گہی محنت ہجر ۔۔۔ گہ بود لذت می خوردن[3] و گہ* رنج خمار

ای بسا چیز کہ دشوار نماید ز اول ۔۔۔ گہ ہمان چیز شود راحت نفس آخر کار[4] ۔۔۔

بہ یکان اسپ و یکان کوک گشتیم روان ۔۔۔ کودکان ہر دو پیادہ من[5] و او ہر دو سوار ۔۔۔

ہمہ شیران[6] سیہ جامہ و پیلان سپید ۔۔۔ پاکبازان مجرد ز دو عالم بیزار ۔۔۔

ہمہ[6] ابدال سکندر دل و مہدی سیرت ۔۔۔ ہمہ اوتاد مسیحا نفس و خضر شعار

ہمہ را جامہ سیاہ و ہمہ را نامہ سپید ۔۔۔ ہمہ را روی ز نور و ہمہ را سینہ زنار ۔۔۔

---

[1] مضمون مژدہ یہ تھا: رفیقت شعر تو در حضرت سلطان گذرانید و فرمان فرمود تا بحضرت رسی [2] اصل: شعبدہ باز [3] دیوان: مرکبی (نیز گبی) [4] اس کے بعد کے اشعار کا مضمون یہ ہے کہ اگر تمہیں معلوم ہوگا کہ میرا ارادہ کہاں کا ہے تو تم تردد نہ کروگے' حضرت بادشاہ میرا مقصود ہے' اسنے کہا یہ ہے تو میں بھی چلتا ہوں' [5] دہلی کی "خانقاہ خاص" کے لوگوں کا ذکر ہے [6] یہ ایک اور صفہ کے صوفی ہیں'

چون بر آورد شہنشاہ فلک رایت نور — شد طراز علمش طلعت شعری عبور[1]

صبح بر ظلمت شب تاخت بشمشیر چنانک — فوج اسلام کند لشکر ہندو مقہور....

شمع[2] افروختہ و ریختہ ہر جانب گل — مجلسی ساختہ و سوختہ ہر سوی بخور....

من کہ دارم نفس از حسرت ناکامی سرد — من کہ دارم جگر از آتش محنت محرور

خاطری داشتم از بہر مقر[3] سخت* خراب — کہ چگونہ کنم این کلبۂ احزان معمور

خشت نایاب و خشب[4] نادر و احجار[5] بعید — کار تعجیل و کفم بی زر و بازو بی زور

چون برم محنت سقای و جفای نجار — چون کشم زحمت رازان و بلای مزدور....

ہمدرین فکر بدم غرق کہ ناگاہانی — اندر آمد ز درآن فتنۂ ایام و شہور

جام می خوردہ و خوی کردہ و خواب آلودہ — سر زلفین[6] پریشان و بدامن[7]* مجرور....

دیدۂ سرو بر ماہ؟ چنان بودش روی — دیدۂ لالہ در و مشک؟ چنان داشت شعور....

دگلہ دوختہ از دیبہ زربفت و بران — آستر ساختہ تا قاقم بحواشی سمور

جعد زلفینش[8] معنبر ز مخامیر و ز مشک — جیب و داماںش معطر ز ریاحین و بخور

آمدہ در بر من تا نفسی بنشیند — بہ نشاط می و مزمار و نوای طنبور

(۱۲۵) چو مرا دید کہ از دست حوادث شدہ ام — دور ازان جمع پریشان دل و خاطر مکسور

رخ ز زردی چو خزان چشم چو باران بہار — دم ز سردی چو زمستان و ز گرمی چو تنور[9]....

گفتم ای دوست خبر یافتہ باشی کہ مرا — بود جمعیت حالی و منالی موفور.....

---

[1] اصل: عیور' دیوان: عسور [2] اقبل ہے: می فروشان بدر میکدہ جاروب زدہ الخ

[3] اصل: مقرلجہ' دیوان: مطر سخت [4] اصل: خشت' دیوان میں نہیں ہے'

[5] اصل: اعمار [6] دیوان: بر دامن [7] دیوان: زلفین [8] اصل: جو

[9] اس کے بعد ہے:

نالہ برداشت ز حیرت کہ چہ افتاد ترا — کہ بدینسان شدۂ خستہ دل و نامسرور

عشق من گنج و کتابی بدہ مخدومان را | میل بد مدح و ندیمی و ملاقات حضور
گر مراعات کنم علم و عمل راست خلل[1] | در رعایت نکنم ده و درم راست فتور
لاجرم خواستم از بهر نشستن جایی | که بود والی آنجای برافت مذکور...
سخت حیران شده ام هیچ ندانم چکنم | که نه ماندن متمشی[2] است نه رفتن مقدور..
آنکه[3] دارد حسبی تازه تر از سرو چمن | وانکه دارد نسبی پاک تر از ماء طهور...
من به اقبال تو امروز درین کشور هند | چه در ابداع قوافی چه در انشاء بحور
چون کمالم بسپاهان چو جمالم بهری | چون بدیع از همدان چون رضی از نیشاپور
آرزومند هنرهای من آواب ملوک | آفرین گوی سخنهای من افواه صدور
بخت میمونت بلندست که آورد مرا | در جناب تو جدا کرده ز چندان[4]...
تا بنظم سخن و سعی ثنا خوانی من | صیت تو تا ابد الدهر بماند مذکور
جهد آن کن که در ایام جلال تو مرا | جان بود فارغ از اندوه و دل ایمن ز شرور
نبود منت عامل که بلائیست عظیم | نبود زحمت سرهنگ که کلبی ست عقور..

گوش گردون شده از غلغله صیت تو کر
چشم دشمن شده از تابش اقبال تو کور

مجرد شو از دین و دنیا قلندر | که راه حقیقی است زین هر دو برتر
جهان چیست دانی به نزدیک دانا | طلسمات ابلیس پر شور و پر شر..

یکی شاهدی رخ نهفتست در دل
که بر روی او هر دو کونست چادر..

اگر بهار بدیعست و گر بهشت نگار | بهار من رخ تست و بهشت من دیدار

---

[1] اصل: کلیل [2] سرانجام یافتن کار [3] یہ: شعار عین الملک کی تعریف میں ہیں'
[4] یہ مصرعہ اصل اور دیوان دونوں میں ناقص ہے

مرا چو بوی تو یاد آید بهار نبود دوست / مرا چو روی تو بینم بهشت ناید کار....

خنک کسی که نهد بخت نیک در سر او / ز روی و موی تو ماه منیر و مشک تتار

گهی چو تنگ شکر بوسدت بشادی لب / گهی چو خرمن گل گیردت بناز کنار[1]* ..

شب از هوای تو خسپد بخاطر خرم / نگه بروی تو گردد بفرخی بیدار

منم که در لب آب حیات می میرم / به تشنگی که نکردیم قطرهٔ ایثار...

دمی مباش ز دیدار دوستان خالی / بدان قدر که توانی ز اندک و بسیار

نشاط مجلس نوروز را غنیمت دان / لقای طلعت اصحاب را غنیمت دار

بنزد اهل حقیقت حیات دانی چیست / همین قدر که رود با حبیب بی اغیار...

بنزد مردم دانا کسی است دیوانه / که در میان چنین موسمی بود هشیار

بیار بادهٔ گلگون که عکس حمرت او / کند برنگ شفق روی آسمان گلنار...

مرا چه باده خورم تلخ آنچنان خواهم / که نقل نی شکر و پسته باشد از لب یار

حریف صاحب دیرینه سال و ساقی نو / نواز کرده خوش الحان ندیم خوش اشعار

مثل زنند که در هر سری بود هوسی[2] / وگر کسی کند از سر جانم استخبار

ز هفت کشور عالم بهشت باغ بهشت / ز نه سپهر بده میم را غنیم بشمار

مقام و مفرش و مطعوم و مجمر و میوه / مصاحب و نی و معشوق و مطرب مزمار ..

ولہ

[3] بچرخ رفت زمزمه از بانگ نای و نوش / بعرش رفت غلغله ز آوازه گیر و دار

انجم شدند ازین فرح و خوش بدین سمر / شادان بدین بشارت و نازان بدین شعار

(۵۷ ب) روحانیان بجنت و کروبیان بعرش / سیارگان بچرخ و سران در همه دیار

---

[1] دیوان: "گیردت مهم کنار" اور اصلاح کے بعد ہے: "تنگ گیردت بکنار"

[2] اصل: ہوشے [3] یہ اشعار دیوان میں نہیں ملے

وله

سپیده دم چو بر آورد مهر قرصهٔ نور   سپهر تافته شد همچو آهنین[۱] تنور .....
دران مقام که غایب شود دل از هیبت   که بنگرد ملک الموت را بیقین[۲] حضور[۳]* .....
نوای کوس کند گوش اختران را کر   غبار اسپ کند چشم آسمان را کور
خیال تیغ بدرخشد چو ماهی اندر آب   مثال نیزه بپیچد چو مار در تنور[۴]

وله

بامدادان[۵] که منادی سحر در دیجور   ریخت بر مشک سیه گرد سپید از کافور
باد در دامن گل عنبر سارا میریخت   شاخ بودست مگر شانه و شب گیسوی حور
آسمان دانهٔ انجم چو فرو ریخت بخاک   غلغلی در چمن افتاد ز آواز طیور
بدر میکده بر رسم نهانی دکندا مغان   در دمیدند خروسان سحرگه ناقور
من هم از راه رعونت به پی دفع ملال   کردم از خانه دمی جانب گلزار مرور
بر سر سبزهٔ سیراب و لب آب روان   که نبودست درانجا ز مزاحم شر و شور
بنشستم بتماشا و نظر میکردم   نقشهایی که در اوراق چمن بد مسطور
کناگاه آمد در باغ درون دلبر من   همچو ماهی که در آمد بشبان دیجور
جام بهاش شکر بخش بو جلاب عسل   تیر مژگانش جگردوز چو نیش زنبور
به یکی دست درون لخلخهٔ عنبر تر   بدگر دست صراحی ز شراب انگور
گفتم ای ماه درینجای تو می بایستی   که دهی مجلس ما را شرف از نور حضور
الغرض هر دو نشستیم و همی نوشیدیم   آب یاقوت وش از ساغر صافی بلور

---

۱ اصل: آستین صدور، دیوان مثل متن ۲ اصل: بیقین. حضور
۳ دیوان: بن مور ۴ یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے ۵ منادی ؟

ولہ

صبحگاهان[1] که کند باز سحر سینه دو رنگ مرغ رومی بفلک برکشد آواز کلنگ

می چون خون کبوتر بگه بانگ خروس از بط سیم فگن در قدحی طوطی رنگ

جام می کش بی لعل که در دانهٔ او گه شود همچو ثریا و گهی هفت اورنگ

از کف ننگ قبائی که ز رشک کلهش بر امیران کمهدار قبا آید تنگ

گلرخی غنچه دهانی که بیارد که بوس دهن تنگ شکرخاش شکر ننگ بہ تنگ

رطل سنگین چو خوری ز آتش می باک مدار گرچه بارد ز فلک ژاله و برق آتش رنگ

آنکه چون نفحهٔ مشکینش در آید بدماغ غم گریزد ز دل و جان بهزاران فرسنگ

ساقی از جان طلبد قیمت یک قطرهٔ او خلق در دادن جان هیچ نیارند درنگ

مجلس از خلد نشان گوید و ساقی از حور می حکایت کند از روم و صراحی ز فرنگ

دود عود ابر شود قطرهٔ بارانش گلاب رعد او صوت دف و برق صفت باده بچنگ

نای و نی هر دو شده همچو زنان وشوی بصلح عقل و می هر دو چو پیری و جوانی در جنگ

قد ساقی چو صنوبر رخ شاهد چو سمن جام زرین چو ترنج و می رنگین نارنگ

لاله و سنبل او زلف (و) رخ ساده حریف قمر[ی] و بلبل او بانگ نی و نغمهٔ چنگ

از یکی سوی دهد ساقی می ساغر تلخ وز دگر سوی دهد نقل و شکر شاهد شنگ

دلبران بر صفت ماه بر آیند بچرخ مطربان بر نمط زهره بر آرند آهنگ

چنگیان شعر مرا در صفت مجلس شاه بر فلک برده بآواز تنانا [ترانه؟] و ترنگ

مهر و مه دیده بمالد ز تضرع بر خاک گر نهد قهر تو بر گوشهٔ ابرو آژنگ

تا صباحت همه وقفست بر اطراف خطا تا ملاحت همه ختمست بر اقلیم تلنگ[2]

تازه بادت گل عیش از نفس مشک آئین نوش بادت می لعل از صنم سبزا سنگ[3]*

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے [2] اصل: بلنگ [3] اصل: سیبرا رنگ

وله

(۸۰ ۹۲۵ ۱۰) از[1] کام جوی نیک نیاید توانی نیل — واندر دهان پشه نگنجد نوال پیل

خفاش را چه لاف بزرگی بر آفتاب — گنجشک را چه جای تفاخر بجبرئیل

خرپی[2] که با بزرگ ستیزد ز ابلهی — باشد برین مثال نماید ازین قبیل

وانرا که خود خدای تعالیٰ عزیز کرد — هرگز بگفت بد نشود قدر او ذلیل

بر رفعت سپهر چه نسبت بود گواه — بر روشنی روز چه حاجت بود دلیل

مستغنی است چهرهٔ خورشید از حلی — محتاج نیست دیدهٔ آهو بکحل میل

گر در مذاق طائفهٔ نظم من (دنه؟) بود — از همدمان مزید و زپیشینیان قلیل

عیب از زبان سوخته و چشم رنجست[3] — نی طعنه بر نبات و نه طنزیست بر طلیل؟

کاین کانه و رنگ نداند ز کهربا — وآن زیره را الطعم نداند ز زنجبیل[4]

از دوزخی مپرس بجز تلخی حمیم — وز عرشیان شنو صفت جام سلسبیل

امروز در زمانه ندانم کسی که او — با من ز روی فضل و فصاحت بود عدیل

الّا کسی که روی عروسان نظم را

از بیم چشم بر سر گلشن (کذا) نهاده نیل

اکنون[5] که آفتاب شد از حوت در حمل — وآمد هوای موسم نوروز بی بدل

گلهاست رنگ رنگ و گیاهست گونه گون — برهاست لون لون و شجرها حلل حلل

از بوی مشک و نفحهٔ عود و دم عبیر — عالم چو بوستان بهشتست فی المثل

قمری چو صوفیانست مه و سال در ثنا — بلبل چو عاشقان است شب و روز در غزل

ایّام عیش و عشرت و شادی و خرمیست — و اوقات راحت و طرب و بهجت و جدل

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے [2] اصل: جزوی [3] اصل: رنختیست [4] اصل: زحمل

[5] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے ❊

با سمد می چهار که بحریست هر یکی — در رمز و در بدیهه و در شعر و در مثل
آسوده خاطر از غم و اندوه روزگار — نی با کسیش جنگ و نه با هیچکس جدل
زین سو نهاده رقعهٔ شطرنج و تخته نرد — زان سو کتاب حکمت و احکام مستدل
شیرین لبی که در دهن شکرین او — آغشته با گلاب شرابیست از عسل
ای خسروی که خنگ فلک را کف (کذا) هلال — از بارگاه خاص تو داغیست بر کفل
گونی که هست از کف تیغ چو گنبد نات — لرزان چو برگ سیر (کذا) نه افلاک چون بصل
در باغ و راغ عیش بران تا هزار سال — از بخشش ببین (کذا) عز اسمه و جل
عیشی و عشرتی که ز خوبی و خرمی — هر دم بود او اخر او بهتر از اول

وله

جهانِ جود و سپهر آسمان جاه و جلال — سحاب بر و سخا آفتاب بذل و نوال
بهشت رافت و دریای جود و کان کرم — روان مملکت و جان دولت و اقبال
چراغ چشم جهان آفتاب طلعت اوست — که باد سایهٔ او در جهان هزاران سال
سواد چتر و بیاض رخش بهمو نی — چو طرهٔ شب قدر ست و غرهٔ شوال
بقرّ دولت او هر دست مقدم عید — ز شمع مجلس او هر زمان طلوع هلال
هزار اختر سعد است در اوان نزول — هزار لشکر تیاست در زمان نزال
وغاش در همه سال و غزاش در همه روز — عطاش در همه وقت و سخاش در همه حال
وغا بغیر خدیعه غزا بغیر غلل — عطا بغیر وسیله سخا بغیر سوال
سکندر و جم و سلمست و سنجر (کذا) و سهراب — سفندیار و سیاوش و سام و رستم زال
چو مهر و مه شب و روز است فضل او دایم — چو عقل و جان همه سالست فیض او متعال
بشرق و غرب یقین کرد دوست و دشمن او — که دست دانش و دین است و دشمن زر و مال

۱؎ یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے،

بفرّ دولت او روزگار عالمیان | چنان نوشته است که شبهای عاشقان وصال
قمر که هست منوّر باحسن الالوان | فلک که هست مصوّر بافضل الاشکال

(۵۸ق) (۵۸ب) یکی نمونهٔ ایوان اوست در صورت | یکی جریدهٔ دیوان اوست در تمثال
جناب مجلس میمون او که در خوبی | جهان ندید و نه بیند ورا نظیر و همال
فلک به نسبت درگاه او بدان ماند | که در نوائی روی سپید نقطهٔ خال
بهشت عالم جانست و جان عالم دل | که هم جمال جهانست و هم جهان جمال
سعادت ازلی در هوای او مدغم | سلامت ابدی در فضای اوست محال (کذا)
بسان نغمهٔ مرغان بوستان در وی | نوای مطرب و آواز شاعر و نصال[1]

همه دلاور و خنجر زن و خدنگ انداز
همه سپه شکن و دوست اروی و دشمن مال

وله

چو[2] خورشید تابنده بر کوه بابل (کذا) | فرو رفت در قعر دریای هایل
برافگند دریای مینای اخضر | همه شاخ مرجان به پیرونه ساحل
بسیط زمین بر مثال صنوبر | بر اوج سما زد سراپردهٔ ظل
برآویخت انجم بر ایوان مشکین | قنادیل زرّین بسیمین سلاسل
من اندر یکی تنگ و تاریک جای | که بودست همچون دل دوست مدخل
وطن کرده بودم چو اصحاب عزلت | ز آشوب فارغ ز اندوه راحل
دوات و قلم بود و کاغذ به پیشم | چو رحلی به پهلو و شمعی مقابل
سخن رانده در اعتقاد حکیمان | چو جاماسپ و لهراسپ و دیگر اوایل
که ایشان بمحشر که بودست راسخ | وزان در تناسخ که گشتست قایل
روان را قدیمی که کردست ثابت | مثل را مجرّد که بودست قایل

---

[1] نزال ؟ [2] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے۔

بروں دادہ داری جہانی کہ در وی نمودار گردد عجایب ہیاکل
درین جنس ابحاث بودم فتادہ ز اندیشہ در فکر شغل و شمایل
شنیدم کہ میگفت آہستہ شخصی سلامی علی اہل ہذا المنازل
کشادم در از شوق و دیدم کشادہ نگارین من بی حجابی و حایل[1]
سمن ساق ترکی کہ ہندوی چشمش سیہ سرمہ دارد کہ از سحر ماثل
دلاشوب شہری و شور جہانی بہ بالا و رفتار و شکل و شمایل
غنیمت شمر روزگار جوانی چو دانی کہ ایام ظلّیست زایل
دو دستست دنیا دران ہر دو جانی یکی شہد خالص دگر زہر قاتل
ہوای بہاریست و ایام عشرت زمان نشاطست و گاہ محافل
ہمہ دشت و صحرا بنفشہ است و سوری ہمہ کوہ و ہامون گل است و سنابل
بنفشہ است زالوان گلہا و سبزہ قلمہای تقدیر بر تختۂ گل
تصاویر درگاہ فغفور و قیصر تماثیل ایوان کسریٰ و ہرقل
ز رنگ ریاحین و بوی بساتین ز آواز مرغان و بانگ عنادل
زمین چون سپہرست و اختر شگوفہ چمن چون بہشتست و کوثر جداول
بہر سبزہ زاری بتی کردہ مسکن بہر چشمہ ساری مہی[2] کردہ منزل
نشستہ بہر سایۂ آفتابی مہی در کنار و مئی در انامل
شرابی کہ جز جام جان بخش او را نہ بینی دوای دل مرد عاقل
بقوت چو نعناع و نکہت چو ریحان بہ تندی چو فقاع و تیزی چو فلفل

---

[1] اصل: ہایل [2] اصل: مہر

چگوئی مرا در چنین روزگاری که مردم همه شاد مانند و خوشدل
روا[1] دادم این درد فرقت؟ که باشد دل و جان بر آتش چو سنگین مراحل
بصد زاری و عذر دادم جوابش که ای مونس جان مشتاق بیدل
گر از من خطا رفت تقصیر کردم تو از عفو[2] دامان عفوی فرو هل
(۱۲۵۹) بحل کن مرا این شکایت چو دانی که مردم[3] بهانه است و الله فاعل
بر آنم کزین پیش عذر تو خواهم اگر زنده مانم ز دوران آجل
به پیشت بخوردو ز شعری نویسم که غیرت برد جان اعشی و اخطل
توسل کنم زان بدرگاه صفدر بمدحی که باشد بهین تر وسایل
چو ز انعام او یابم اسباب عشرت نهم مسند جاه بر رغم جاهل
بیارایم از باده و رود بزمی براطراف صحرا و گرد مناهل
بنای و نی و نوش باشم همیشه بیاد ملک باده محبوب واصل
صمیم البرایا عمیم العطایا حلیم السجایا کریم الشمایل
سپهر بزرگی و ینبوع[4] حکمت جهان معانی و کان فضایل
درش قبله جای ملوک معظم کفش بوسه جای صدور اماثل
بفقر و عدالت چو نعمان منذر بفضل و فصاحت چو سحبان وایل
علی را موازی عمر را مساوی نبی را مشابه وصی را مشاکل
ز شرق جهان تا بغرب جهانش مکارم محیطست و الطاف شامل
ستانش تو گوئی که بر جان دشمن بلائیست از آسمان گشته نازل
علی الله اجرک بدین جد غالب
ولله درک بدین بخت مقبل

(۱۲۵۹)

---

[1] روا داری [2] کذا، لطف؟ [3] اصل: هر دم [4] اصل: بی نوع

[وله]

اگر بنزد خرد عاقلیم و هشیاریم — نظر بصورت احوال خویش بگماریم
که بر چه سیرت و سانیم و در چه می باشیم — چه میکنیم و کجائیم و در چه هنجاریم
درین دو چیز چه اولیتر است ما را تا — همان کنیم دو روزی که فرصتی داریم
دریغ باشد اگر بهر لذت فانی — نعیم دولت باقی ز دست بگذاریم
ندامت آرد اگر با وجود حکمت و شرع — زمام نفس بدست هلاک بسپاریم
چو رنج و راحت ایام را ثباتی نیست — سزد که راحت و محنت برابر انگاریم
چو بخت و دولت و اقبال را ثباتی نیست — سزد که ملکت عالم بهیچ بشماریم
جهان چو مزرعهٔ آخرت همی گویند — همان نکو که درو تخم نیکوئی کاریم
درین دو روزه حیاتی که همچو گل سبز است — چنان زییم که کس را بکس نیازاریم
گذشت آنکه ز دیوانگی همی گفتیم — که بندهٔ پرِ شاهد غلام خماریم
اسیر جعد جوانان نازک اندامیم — فدای قامت خوبان ماه رخساریم
سپند چهرهٔ ساقی و فتنهٔ ساغر — درم خریدهٔ می مبتلای مزماریم
حدیث توبه و تقوی ز ما نباید جست — که رند و عاشق و قلاش و مست و میخواریم
سوار مرکب علمیم و . . . دار (؟) سخن — که بر سران بلاغت سپاه سالاریم
ز مدح و ذم بکرامین کاتبین مانیم — که نیک و بد همه در طی نامه بنگاریم
ز شرق و غرب جهان تا بماه و ماهی او — چو آفتاب علم در شعار اشعاریم
زهر هنر که کسی در جهان نشان دارد — دران هنر ز همه فاضلیم و مختاریم
بعجز خویش و بتقصیر خویش معترفیم — بجرم خویش و باسراف خود باقراریم
ز زخم تیر حوادث ز نوک نیزهٔ دهر — جگر دریده و تن خسته و دل افگاریم
تو بادشاه باحسان خود سزاواری — اگرچه ما بمکافات خود سزاواریم

لہ یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے ،

ز دست ما دل ما باز خر که مدتهاست　　اسیر حرص و گرفتار نقش پنداریم
ز جام رحمت خود قطرهٔ کرم فرما　　بکام خاطر کمسور ما که بیماریم
ثنای منعت او بر زبان ما وردست　　اگرچه مست خرابیم اگرچه هشیاریم
وفا و عدل باقبال او همی نازند　　که ما ز داور دین پرور نکو کاریم
(۱۵۹ب) که در نیابت رای رفیع روشن او　　بسیط روی زمین را بلطف معماریم
سپهر کشتا ملکا از جناب عالی تو　　بظاهر ارچه که دوریم زیر دیواریم
از آفتاب حوادث پناه ده ما را　　که زیر سایهٔ تو آمده بزنهاریم

بمان بدولت و اقبال صد هزاران سال
که از قبول تو بر اوج چرخ دواریم

ای[1] باد صبحدم نفسی مشکناب ده　　وز بوی جانفزات نسیم گلاب ده
شد مدتی که در شب هجران فتاده ایم　　ز انوار صبحدم خبر آفتاب ده
هر تن نهال دولت شه هر زمان بسے　　در بوستان خسرو مالک رقاب ده
دوران پیر برگ خزان ریخت چون بهار　　ز ابر سخاش رونق عهد شباب ده
مانند تیغ مهر که خون ریزد از سپهر　　از خون خصم روی زمین را خضاب ده
شهباز نوک نیزه و شاهین تیر را　　هنگام طعمه از دل دشمن کباب ده
مستان شوق و تشنه دلان امید را　　از جام خویش شربت شیر و شراب ده
درویش را که تن چو رصاصیست در گداز　　بر رغم جان سنگدلان سیم ناب ده
مسکین مظهر است چو در مدح آستانت　　او را ز لطف مرهم جان خراب ده
بستست دل درین که کشائی تو کار او　　هم کار بسته را که توهم فتح باب ده
دادیش نان چو قرصهٔ خورشید گرم گرم　　اکنون روان چو ابر درین کار آب ده

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے۔

دایم بمان بدولت و ایام عمر را
دامن گره بدامن یوم الحساب ده

هزار شکر خدا را که چون ستاره و ماه　　بدیده سرمه کشیدم ز خاک درگه شاه
چنان شدست باقبال او جهان معمور　　که جز دیار عدو نیست جای لشکر گاه
بخضر ماند و عیسی که دست احسانش　　چو ابر زنده کند خاک مرده را بگیاه
زمانه چاکر درگاه تست بی تکلیف　　ستاره بندهٔ فرمان تست بی اکراه
تنت درست و دولت شاد و خاطرت خرم　　خجسته بخت تو بیدار و دولتت آگاه
بحرمت علم معجزات پیغمبر
بحق اشهد ان لا اله الا الله

ولہ

مبارکست و همایون بفیض فضل آله　　عزیمت ملک الشرق سوی حضرت شاه
کدام دولت ازین بهتر است در دنیا　　بهر کجا که ببینند در قلوب و شفاه
هوس بغیر لقای تو نیست در اوهام　　ق سخن بغیر ثنای تو نیست در افواه
ز سعی رمح دراز و عنان کوته تست　　که پای امن دراز است و دست ظلم کوتاه
ز رای روشن تو نیک و بد شود معلوم　　چنانکه زر عیار اندرون و نقره بگاه
همی گذرد روز آن خردمندی　　که نام نیک تو گیرد بهامداد و پگاه
باوج چرخ رسد گوشهٔ کلاه سری
که بر ستانهٔ سامی تست گرد آساه

ولہ

دوش آفتاب زرد که چون خمر خوارهٔ　　کرد از لعاب لعل بدریا غرارهٔ

لہ دیوان میں نہیں ہے　　ٹہ یعنی کٹھالی (۳) اصل: ساقی

نقاش صنع صفحۂ تقویم چرخ را — بر لاجورد کرد ز سرخی گذارۂ
انجم چو دلبران بهشت از دریچها — کردند سر برون ز برای نظارۂ
بر آتش شفق ز طرب زنگیان شام — می کوفتند پای چوبت در حجارۂ (؟)
چندان چراغ و مشعله و شمع سوختند — در هر رواق و طاق و بامی و بارۂ
کز روشنی آن بچۂ کور در شکم — میدید شرق و غرب جهان بی بصارۂ
مهتاب گوییی ید بیضای موسویست — یا آتش خلیل نبی بی حرارۂ
گلریز[1] چونانه دیدۂ عشاق و چشم شمع — میریخت دُرّ و لعل ز سیمین فوارۂ

(۱۲۴۰) ایریست گوییی ز دهانش ستاره بار
روشن تر از سهیل یمن هر ستارۂ

وله

هرچند[2] بر کریم تقاضا زیادتی است — اما بود ز روی خرد یاد دادنی
تا مرد راه را نبود هیچ خصلتی — بهتر ز پارسائی و پاکیزه دامنی
تا عیش و جیش قافیۂ یکدگر بود
جیش تو باد جیش ظفر عیش تو هنی

ای[3] بر ورق گل ز شکر ساخته میمی — وز مشک بر آورده بکافور دو جیمی
دانی که نداریم درین روز خرابی — جز درد تو یاریم و جز اندوه ندیمی
گر میوۂ بستان کرم لایق ما نیست — باری بمن خسته روان دار نسیمی
سیاح جهانیم و سواران مجرد — داعی عزیزان بمقامی و حریمی
از رخت نداریم نه جنسی نه متاعی — وز نقد نداریم نه زری و نه سیمی
هرجا که در آییم نه طمعی و نه حرصی — وآنجا که برائیم نه ترسی و نه بیمی

---

[1] آتشبازیوں کے نام ہیں [2] [3] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے۔

از ملک جهان آنچه مرا هست تمامی   مائیم و کتابی و عصائی و گلیمی
سوگند توان خورد که در دل طلبی نیست   الا طلب علم که فضلست و جسیمی
هر چند که آن شهر فزودست و لیکن   خالی نبود هم ز فقیهی و حکیمی
تا جز ملک العرش خداوند تعالی   ثابت نتوان کرد درین دهر قدیمی

در دهر بزی ثابت و باقی و سلامت
کامروز در آفاق چو تو نیست کریمی

وله[1]

آن سروری که از گهر پاک روشنی   در هر فنی سر آمده چون مرد یک فنی
در خلق و خلق رشک بهشتی و نو بهار   در فضل و بذل غیرت دریا و معدنی
از آسمان به رتبه و جاه و برتری   و اندر زمین نهاده قدم در فروتنی
چون سعد اکبری که بتاثیر تو شود   آباد کشوری که نظر در وی افگنی
مانی بابر تشند که هر جا که بگذری   ریحان و لاله کاری و لولو پراگنی

از دودمان فضلی و از خاندان لطف
زان در همه خصال حمیده مزینی

وله

میریزد صبح سمن بوی دم از دلداری   میکند رنگ ریاحین چمن عطاری
درچنین صبح دلاویز و دم جان پرور   که گه عیش و نشاطست و گه می خواری
هیچ دانی چه حلالست ترا ؟ می خوردن   هیچ دانی چه حرامست ترا ؟ هشیاری
می بشب تا بسحر نوش که مستان دانند   لذت و شوق سحر خیزی و شب بیداری
کار دنیا همه رنجست و حیاتش همه غم   کردهٔ تجربه این حال چه مشکل داری
حیلهٔ نیست به از مستی و از مدهوشی   گر نخواهی که برون آیی ازین دشواری

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے ٭

رای مجلس کن و بر نام همایون ملک جام فرخ طلب از دست بت فرخاری
آنکه بر گرد مه از سلسلهٔ مشکین بوی روی گلگونش کشیدست خط زنگاری
آنکه در حقهٔ یاقوت دُر افشان دارد آب جان پرور و داروی همه بیماری
وآنکه از نوک مژه ناوکِ خونخوارهٔ او تیرِ صفدار زمانست مگر پنداری
ملک الشرق علاءُ دول و دین که براو وقف کردست خدا سیرت نیکوکاری
بحر دین را دری و کان کرم را گهری باغ جاه ترا گلی و شاخ شرف را باری
مدت عیش تو در عیش خوشی چندان باد که شمردن نتوان سال وی از بسیاری

ولہ

خوشست خوردن می با جوان روح افزای به بانگ بربط و آواز چنگ و نالهٔ نای
میان سبزهٔ سیراب زیر سایهٔ سرو ببوی سنبل و سوری بلحن رود و ستا*[1]
(۲۶۰ب) ز دست دلبر نازک میان که قامت او ز فرق سر همه نازست تا بناخن پای
رخی چو طلعت ماه منیر جان پرور لبی چو چشمهٔ آب حیات روح افزای
روان شده شکن جعد او ز طرف کلاه گذشته جعد دلاویز او ز چین قبای
گرفته در کف یمینش ساغرِ زرین که همچو آینهٔ روشنست روی نمای
وگر بحجره درون مُهر شیشهٔ گیری ز بوی مشک معطر شود برونِ سرای
بنور جام چنین بادهٔ توان خوردن دوای روشنی دیدهای خون پالای
علی الخصوص بوقتی کز ابر چون کافور گلاب سرد چکد بر زمین صندل سای
نسیم باد بهر سوی گشته عنبر بیز کنار جوی بهر جای گشته گوهر زای
کشیده بر چمن باغ بلبلان آواز چو بر بساط ملک شاعران مدح سرای
سر ملوک ملک سعد بن سلیمان آنکه سپه کش است و جوان دولت و جهان آرای

---

[1] اصل: ستها' یہ لفظ اصل میں سہ تا ہے۔

خجسته طلعت و فیروز بخت و فرخ فال مبارک اختر و فرخنده روی و میمون رای
ستوده سیرت و نیکو نهاد و صافی ذهن مهند همت و بدخواه بند و قلعه کشای
ز حرص آنکه ببوسد زمین مجلس او شدست قامت چرخ برین چو چنگ دوتای
سپه کشا ملکا صفدرا ز جمع ملوک ترا بجاه و جلالت چو برکشید خدای
بشکر دولت باقی و نعمت جاوید بجست و جوی ضعیفان تفقدی فرمای
ذخیرهٔ نام نکو کن که جز نکو نامی نباید و همه آوازها چو بانگ درای....
سپهر تا که بماند تو چون سپهر بمان ستاره تا که برآید تو چون ستاره برای[1]
بصفدری و سری صد هزار سال بزی
بخرمی و خوشی صد هزار قرن بپای

ناله بردار ای مصاحب ثانی تا بگریم در وداع جوانی
که بیکبار می شوند مسافر قوت و راحت و نشاط و امانی[2]
و آنچنان میرود که باز نیاید ذوق خوبان و اتصال غوانی
چشم محجوب می شود بغشاوه گوش معیوب میشود بگرانی
تازگی میرود ز روی و طراوت از تن و راستی ز قد[3] و* روانی....
نه نشان ماند از حرارت طبعی نه نشاطی ز قوت شهوانی
نطق قاصر شد از بیان حقایق فکر عاجز ز اختراع معانی....
هیچ ازان عیشها نماند و خوشیها جز همین[4] حسرت و حدیث زبانی
ای که نالی ز درد و محنت پیری کاشکی همبرین قرار بمانی...

---

[1] یہاں سے یہ قصیدہ دیوان میں ہے اور اس سے بعد کے بعض قصیدے بھی ہیں '
[2] اصل: ترا ' دیوان: بری [3] اصل: جوانی [4] اصل: وز قدیم ' تصحیح از روی دیوان [5] اصل: غیر ' تصحیح از روی دیوان '

آنکه[1] از آفتاب رای رفیعش ... سنگ خارا شود عقیق یمانی
آنکه گردد ز بیم نعمت بلندش ... خاک تیره[2] سلاسل[3] زر کانی....
عمدهٔ ملک[4] و زبدهٔ ملکوتی ... اوحد عصر و نادر دورانی
نیست در ملک حشمتی که نداری
نیست در عقل حکمتی که ندانی[5]...

ولہ

ای حضرت علیا که به از دار قراری ... صد باغ بهشتی و دو صد بزم بهاری
یارب چه زمینی که همه زینت و زیبی ... یارب چه سپهری که همه نقش و نگاری
هم قبلهٔ اقبال امیران معظم ... هم کعبهٔ حاجات ملوکان کباری
بیت شرف و منزل اقبال و سعادت ... کان کرم و منبع عزی و فخاری
بحری و مخزن دولت و اقبال بهشتی ... ابری و مخزن لولو و یاقوت نثاری
صد سدرهٔ و طوبیست بهر جای مرتب ... صد کوثر و تسنیم بهر ناحیه جاری
در عرصهٔ داخول[6] تو صد فوج کشیده ... پیلان فلک اوج بز زینه عماری
بر درگه میمون تو در نوبت ترستاق ... میران جهان بر عدد رنگ[7] بهاری
در مجلس بزم تو بهر سوی هزاران ... کوه زر کانی و گهرهای بحاری

---

[1] در مدح عین الملک [2] اصل: تری [3] اصل و دیوان: سلسله، تصحیح قیاسی

[4] اصل: مملکت، دیوان: ملکت [5] بعد کے اشعار میں ہے۔

بخدای که آسمان و زمین را ... صنع او محکم آفریدہ مبانی
که اگر نیستم ضعیف بحدی ... که نبد ممکن انتقال مکانی الخ

[6] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے [7] لغت اہل خوارزم میں اسلحہ بردار کو کہتے ہیں

[8] اصل: ریک،

برخاک جناب تو بتشریف زمین بوس | شاهان جهان سوده سر خویش بخواری[1]
از فکر شکوه تو در اطراف ممالک | یکجای خورد آب همی شیر و شکاری
ای جان و دل از زیور اخلاص تو عاطل | ای طبع و تن از کسوت انعام تو عاری
ای دولت آن قوم که چون تخت همایون | بر درگه سیمونت مقیمند و قراری
مائیم که دوریم ازان جنت فردوس | چون مرغ جدا مانده[2] ز گلزار بزاری
آشفته تر از سنبل گیسوی پریشان | بیمار تر از نرگس چشمان خماری
یارب بود آن دولت و اقبال که روزیم | عون تو دهد قوت و اقبال تو یاری
چندانکه[3] کشم سرمهٔ انوار سعادت | از گرد جناب تو درین دیده تاری
در پیش سریر شه آفاق ستاده | اشعار سرائی کنم و قصه گذاری
آن داور دین دار که با رونق عدلش | هرگز ز گلستان نرمد باد بهاری
فتح و ظفر و نصرت و تائید و سعادت | هر پنج ندیمند بهر جا که رخ آری
خصمت خداوند کسی را که تو خصمی | یارست جهاندار کسی را که تو یاری
هر روز چو نوروز یکی بزم گزینی | هر لحظه چو فردوس دگر جشن برآری
من بنده که در مدح و مقامات سعیدی | بردم ز همه سخن دست ز سعدی و نزاری

واثق بقبولم که چو این قصه بخوانی
در من نظری از سر الطاف گماری

ز[4] دود محنت این تو سپهر زنگاری | کدام دل که نه خون گشت از جگر خواری
کجا بجام طرب مجلسی بنا کردند | که از سپهر نه بارید سنگ قهاری
کدام جامه بریدند در عروسی سرخ | که روزگار بماتم نکرد زنگاری

---

[1] اصل: بخوار [2] اصل: بد [3] اصل: جتا نکه
[4] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے ۔

چو[1] رفت عهد جوانی و وقت برنائی — رسید نوبت پیری و ناتوانائی
نحیف شد بر و قد و ضعیف ساعد و ساق — بلند شد شنوائی و کند بینائی
ز طبع رفت ظرافت ز روح رفت خوشی — ز رنگ رفت حرارت ز چهره زیبائی
نماند قوت عشرت نماند قدرت عیش[2] — نماند ذوق نشاط از بتان یغمائی
ز کام رفت حلاوت ز سینه رفت خوشی — ز پای رفت روانی ز دست گیرائی
فسرده خاطر و فرسوده تن شدم که نماند — نه طاقت حرکت نی مجال گویائی
اگرچه دیده پر از حسرت (است) ودل پر چیں — طریق نیست مگر از جهان بسیرائی
ولی چو الف عزیزان و مهر فرزندان — که در سرست و بسر آفتیست میدانی
رها نکرد که در راه ترک یا تجرید — بر آورم سر دیوانگی و شیدائی
میان آب یکی خانه بستا کردم — به پشته[3] نه بلندی چو چرخ مینائی
درو نشسته چو عنقا بگوشهٔ عزلت — ز خوف مردم نا اهل و قوم غوغائی
شب دراز درین فکر تا سحر بودم — نشسته در غم و اندوه چو مرد سودائی
که کیست آن سره مردی که گوهر سخنم — خرد بجوهر کانی و درّ دریائی
وی از سخاش کند بر سرم زر افشانی — من از ثناش کنم[4] در جهان شکرخائی
نبات فکر ترا عالمی گرفته بجان — تو دل شکسته چرایم بفکر ابنائی
کجاست در همه عالم کسی که نشناسد — بجز جناب همایونش قدر دانائی
درین ریاض معانی خرام یک نفسی — اگر حریص دُرّ[5] و عاشق تماشائی
زبان چو غنچه دمی در ثنای او بکشای — که تا چو گل همه دامن بگوهر اندائی
بگاه دانش و تدبیر صد فلاطونی — بگاه رافت و ترتیب صد ارسطائی

---

[1] یہ قصیدہ بھی دیوان میں نہیں ہے [2] اصل: یاس، تصحیح قیاسی ہے [3] اصل: کنند
[4] گل ؟

هزار خُلد متمم بوقت احسانی — هزار جیش مصمم بروز هیجائی

زگوش مار مرارت (کذا) به نیزه برگیری — ز چشم مور سیاهی به تیر بربائی

صفات تو به بیان و بنان نمی گنجد

که برتر اند القاب و حصر اسمائی

وقت سحر که زهره چو دوشیزه دختری — بنمود رخ ز گوشهٔ گل بسته چادری

آغاز شد ز ظلمت شب روشنی روز — زان سان که نور مومنی از جان کافری

دیدم نشان صبح ز گردون تیره رنگ — چون بر حصار سنگ سیه برج مرمری

یا بر قیاس آنکه گشاید کسی بگاه — سیمین دریچه ز سر تیره منظری

گفتم مگر که بانگ نماز موذنان — بگشاد از برای دعا در آسمان دری

یا در میان جنت فردوس جانفزای — افگند جبرئیل شعاعی ز شهپری

یا خود سواد ملکت هندوستان تمام — بگرفت از مواکب اسلام معشری

در میدمید باد صبا در مشام جان — از بوستان خلد نسیم معنبری

و آواز بلبلان و نواهای قمریان — سبزه بباغ و راغ و دلاویز مزمری[1]

هر سو نشسته صاحب عیشی و مجلسی — با مطرب شگرف و دلارام دلبری

چون من بدیدم آنکه در این وقت خرم است — شوری بهر دلی و سروری بهر سری

رفتم بگوشهٔ و برسم[2] صبوحیان — آراسته (کذا) مجلسی چو بهشتی منوری

هر سو فشانده وردی و هر جای میوهٔ — هر جا نهاده شمعی و هر سوی مجمری

یاری دو سه حریف که در فضل هر یکی — مشهور عالمی بُد و معروف کشوری

در جامها بگونه چو گلنار بادهٔ — در پیش ما چو سرو گل اندام نوبری

ساقی مائی که نیارد نظیر او — از خامهٔ[3] نقشبندی و از تیشه آزری

---

[1] اصل: مرمری؛ مزہری بھی ممکن ہے [2] اصل: بترسم [3] اصل: خانہ

القصه بوده ایم بر آهنگ نای و نوش — که در حکایت مثلی گاه ناوری[1]

کامد درون حجرهٔ من مست ناگهان — زیبا رخی بدیع جمالی سمن بری

سنگین دلی سها دهنی سرو قامتی — سیمین تنی ستاره جبینی ستمگری

بر حلقهٔ نهاده دو گیسوی عنبرینش — بر ماه روشن از شب دیجور چنبری

موی چنان نگر که ز شمشاد طره اش — افگنده بر فراز قدی چون صنوبری

. . . .

شیرین لبی که قطرهٔ آب دهان او — دریا کند گلاب چو شهدی و شکری

در رهگذر و نسیم وی اندر میان دشت — روید گل و بنفشه ز هر کوه و هر دری

بر ساق و ساعد از زر و مرجانش حلّهٔ — در گوش و گردن از در و یاقوت زیوری

بر دوخته ز دیبه زربفت کرتهٔ — و انداخته ز مقنع باریک معجری

آمد بدین صفت بر من با هزار ناز — زانسان که در سرای گدای توانگری

در دست کرده از گل خوشبوی دستهٔ — برکف نهاده از می گلرنگ ساغری

گفت آمدم که مژدهٔ شادی دهم ترا — از مقدم ملاذ ملوک افضل الوری

من چون شنیدم از نفسی جانفزای او — بشگفت جانم از سر شادی چو عبهری

برخاستم ز جای[2]* بمانندهٔ حباب — زین بر نهاده بر سر می رنگ اشقری

آن کوه باد پای که اندر هوای تگ — بودست نرم و گرم چو آبی و آذری

می تاختم شتاب ز شوق رکاب بوس — چون در هوای قبهٔ علیا کبوتری

در دل ز رحمت ملک العرش بهجتی — برکف ز مدحت ملک الشرق دفتری

چونانکه[3] نور طلعت عالم فروز او — دیدم چو اختری که بر آمد ز خاوری

حلمش که بار او نکشد آسمان هشت — چون کوه قاف روی زمین راست لنگری

---

[1] اصل: یاور [2] اصل: زجاش [3] اصل: جنانکه،

(۱۲۶۲ھ) واندجهان که نیست بالجماع عاقلان[1]　　چون تو سخن شناسی و چون من سخنوری (۱۲۶۲)

این نیز جهد کن که در ایّام دولتت
نبود مرا ز لطف تو حاجت بدیگری

شبانگاه[1] کز قصر[2] نیلوفری　　شد اندر شبستان شهِ خاوری
هجوم شیاطین سلطان زنگ　　ستد ملک روم از سپاه پری
بر آمد کواکب ز چرخ بلند　　چو اصنام بتخانهٔ آزری
درفشان[3] چو دُرها که در زیر آن　　یکی فرش فیروزه گون گستری
من اندر سر سطح بام بلند　　که بود اندر و غرفهٔ ششدری
حکیمانه[4] خلوتگهی داشتم　　چو فردوس ز اندوه دنیا بری
بپیشم یکی نخل از شمع موم　　که آتش درو میفزودی تری
دواتی هم از شیشهٔ شغل[5] شام　　لبالب پُر از غالیه چنبری[6]
بکف بر یکی کالک گوهر فشان　　چو ماه نو از زردی و لاغری
کتابی ز هر فن بنزد یک من　　نهاده چو گنجینهٔ گوهری
ز طب و ز تاریخها واقدی　　ز اخلاق و تهذیب آن ناصری
ز عرفان عوارف ز وجدان فصوص　　ز وعظ و نصایح کتابی ششری[7]
که ناگه در آمد ز ایوان من　　بت من بصد شوخی و دلبری
بر آورده جعد از رعونت بدوش　　عرق کرده روی از می عسکری[8]
دو رخسار او چون مه و آفتاب　　دو چشمانش چون زهره و مشتری
جبینی فروزان چو ایمان پاک　　سیه رنگ زلفینش چون کافری

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے [2] اصل: قصہ [3] اصل: درفشان [4] اصل: حکیمان [5] مثل؟ [6] اصل: چمبری۔ چنبر چیزیدورمیان تہی (بہار) [7] بظاہر بمعنی عمدہ و خوب [8] کذا، شکری؟ دیکھو بہارِ عجم بذیل می شکر و می نیشکری۔

نگینهای دندان چو یاقوت سرخ　　دهان تنگ چون دور انگشتری
دوای دل عاشقان ساخته　　گلاب لعاب لب شکری
بشکلی درون آمد از گرد راه　　که برده از من همه صابری
چو برخاستم تا بعادت کشم　　در آغوش[1] آن قامت عرعری
رمید از من و جست در گوشهٔ　　چو رنگ[2] از پلنگی که آن بردری(؟)
نگوئی چه دیدی ز من ناسزا　　که امروز بر عادت دیگری
برآشفته و برزد بر ابرو گره　　گشاده زبان در ملامت گری
که ای یار بدعهد برگشته روز　　ندانم که تا در چکار اندری
گرفتم که در دانش و فضل و رای　　ز ابنای آفاق سر دفتری
بدین گونه عزلت که خو کردهٔ　　نه پندارم از علم خود برخوری
ترا خویش و فرزند و خیل و تبار　　فزون از هزارند اگر بشمری
بگردد[3] میسر اگر گوشهٔ　　نشینی به تنها بدین برتری[3]
ترا خدمتی بهتر از شعر نیست　　که از فرط خوبی و خوش منظری
چو گوگرد سرخست و یاقوت زرد　　سواد سخنهات در نادری
هم امروز بنشین[4] و شعری نویس　　چو نوشین لب لعبت کشمری
چو فردا ز صحن سپهر سیاه　　در افشان شود چشمهٔ خاوری
برآرد زن زیرک هوشمند　　بشبگیر آواز خنیا گری
نشینند مستان باده[5] صبوح　　چو خورشید گردون شود معبری (کذا)
تو زین را برافکن ببانگ خروس　　به پشت کمیتی چو کبک دری

---

[1] اصل: دران کوش　[2] پہاڑی بکرا، گاو دشتی وغیرہ　[3] اصل: نگردد اور بدتری
[4] اصل: پیشین،　[5] بیاد؟

فلک سرعتی ماہ پیشانیی — کہ ہمچون ستارست در رہبری
زیبا مثالی و مہدی خصال — بدانش فروزی و دین پروری
(۲۹۲ ب) جہانی در آہن بود روز جنگ — تو تنہا چو در جوشن (و) مغفری
نہ ہر کو سخن گفت شاعر بود — نہ ہر شاعری آفرین را حری
ز سنجر معزّی[1] ز خاقان رشیدی(؟) — ز محمودِ صاحبقران عنصری
چنانم کہ در مدح و وصف و غزل — چو سعدی و فردوسی و انوری
مرا میرسد گر زنم بر سپہر — بسنج و دہل نوبت سنجری
تو دانی نثار[2] او سخنہای من — کہ گوہر نداند مگر جوہری
الا تا در ایّام فصل بہار — ببندند عقد ز نا شوہری
سخن را کند شاخ گل دایگی — طرب را کند جام می مادری

ترا باد اقبال و باغ حیات
کہ چون نو بہارست در اخضری

بفال[3] فتح و فیروزی بفیض و فضل یزدانی — بسوی ملک مشرق شد روان ارباب[4]* سلطانی
بہ ترتیبی کہ در باید در آداب جہانداری — بتائیدی کہ در زیبد بدارات جہانبانی
ہوا از گرد رہواران ہمہ پر مشک تاتاری — سما ز اعلام سقداران پر از یاقوت رمانی
وز آوازنی زرّین (ز) بانگ کوس سیمینش — بہم جوشید لشکرہا چو بحر از باد آبانی
خدنگ افگن ہمہ رازی و خنجر زن ہمہ تازی — سنا (ن) داران ہمہ رومی کمانداران خراسانی
چو[5] ہولی بد کہ پنداری زمین شد آہنی دریا — درو افواج جباران ہمہ امواج طوفانی
عماریہای برق انداز بر پیلان (کوہ) آسا — چو بر دیوان ہایل ہیکل تخت سلیمانی
چنانست انس و جان و طیر و وحش از عدل او ایمن — کہ در اطراف صحراہا و در اکناف ویرانی

---

[1] اصل: ز سحر معزی [2] اصل: نثار [3] دیوان میں نہیں ہے [4] روانہ باب؟ روان ارباب؟ [5] اصل: چو

کلنگان در عروسیها چو برنی میکنند اکنون ۔ ہمی خوانند شاهین را بصد منت بمهمانی
تو آن شاهی که از گرد سپاه و تابش خنجر ۔ بجنبد عالمی از جا عنان جائی که جنبانی
زمین میخواهد از هیبت که از آفاق بگریزد ۔ ولی گشتست اطرافش ز کوه قاف زندانی
بدولت همچو جمشیدی بطلعت همچو خورشیدی ۔ برافت همچو ناهیدی برفعت همچو کیوانی
اگر خصم بد اندیش تو فرعونی کند دعوی ۔ شود تیغت ید بیضا کند رمح تو ثعبانی
بیچاره روز شب سازی و شب را روز گردانی ۔ فراز آید فتوح اندر علم حالی که افرانی (کذا)

مطهر بندهٔ کمتر که میراث پدر دارد
درین درگه دعاگوئی درین دولت ثناخوانی

وله

ای هر طرف ز عدل تو باغی و گلشنی ۔ وی هر جهت ز بذل تو بحری و معدنی
گیتی ز عدل[2] تو چو بهار * ملونی است ۔ عالم ز بذل تو چو بهشتی مزینی
در شوق خدمتی تو بهر جا که چاکرست ۔ در طوق منت تو بهر جا که گردنی
هر کمترینت درگه ایشار حاتمی ۔ هر بنده ایت در صف هیجا تهمتنی
آسوده شد ز مهر تو هر جا که دوستی ۔ فرسوده شد ز قهر تو هر جا که دشمنی
خصمت اگر نهد کله آهن بجای خود ۔ یا چرخ پر ستاره بپوشد چو جوشنی
تیغت کند بهر رگ جانیش رخنهٔ ۔ تیرت کند بهر بن موئیش روزنی
از قاف تا بقاف زمین من گرفته ام ۔ در علم و فضل و دانش و حکمت بهر فنی
این با جفای کیست که باری زمین من ۔ گیرد فرو همی به دلیل مبرهنی (کذا)

مپسند این بلا که در ایام چون توئی
حیفی رود مکابره در کار چون منی

---

[1] یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے [2] اصل : بدل تو چو جهاز ؛

وله

جمالست و مالست و جاه و جوانی | بلا وقت عیشست اگر بهستوانی
که داری ز دوران گیتی میسّر | فراغ دل و دولت کامرانی
عزیز است ایام عمر گرامی | [illegible]
غنیمت شمر روزگار سعادت | که نبود جهان بر کسی جاودانی
(۱۲۶۳) کمر بند و شمشیر بگشا و بس کن | ز لشکر کشیها و کشورستانی
که بسیار کردی ز خون ریز خنجر | چو خورشید تابنده آتش فشانی
جهان را بر آشفتی از نهب و غارت | [illegible] تازی و تیغ یمانی
بر افگندی از بیخ بنیاد هندو | بتاراج ترکان چو باد خزانی
کنون وقت عیشست و هنگام عشرت | [illegible]
بیارای بزمی چو باغ بهشتی | [illegible]
بفرمای تا صحن مجلس سراسر | [illegible] شعر [illegible]
بریزند در زیر هر نخل فرشی | ز رنگ گل و لاله بوستانی
بدارند صف صف در اطراف مجلس | بزرین سبوها می ارغوانی
پس انگاه بنشین بفال همایون | بعشرت فراغی و راحت رسانی
طلب کن بجام جهان بین خسرو | ز شیرین لبان چشمهٔ زندگانی
بصورت فریدون فرخنده فالی | بدانش فلاطون روشن روانی
وجود شریف تو اهل زمین را | ز فضل خدا رحمت آسمانی
ترا بست نزد تو دریای بحری | سفالست [illegible] دریای کانی
منم آنکه دارم ز انشای مدحت | [illegible]

ـلـه دیوان میں نہیں ہے ـلـه اصل : بر آشفتی

بدین نظم و شعر و[1] بترکیب صافی   که چون آب حیوانست اندر روانی
هم الفاظ خاقانیم در بلندی   هم آواز سعدی بشیرین زبانی
ترا[2] مدح گویم که پُر مایه مردم [گردم؟]
بزر زر کند [کشد ؟] کار بازارگانی

[وله][3]

آواز نای و نغمهٔ شادی بر آورید   طبل بشارت و علم فتح بر کنید ...
جان و روان فدای قبای وقدش نهید   خورشید و مه سپند کلاه و کمر کنید
آن صفدری که تیر ظفر در کمان اوست   گردون پیر بندهٔ بخت جوان اوست...
هرچه آن اوست از ره جود آن عالم است   وز روی بندگی همه عالم ازان اوست...

وله[4]

سحرگاه ست وز مشرق همه انوار می بارد   ز شبنم در سر گلها دُر شهوار می بارد ...
چو به یاد ملک کاتب قلم در دست میگیرد   شکر از کلک میریزد ، دُر از گفتار می بارد

چه در دست آن نمیدانم کزان دلدار می بینم   چه تلخیهاست کز آن لعل شکر بار می بینم
بدیدم اندک و بسیار از و مهری ولی رویش   وهد گر اندکی دیدن همی بسیار می بینم
مرا از خان و مان آواره خواهی دید [یک رزی]   که آن زلف پریشان سخت تا همواره می بینم

نه مست آنکه او سر از در میخانه بر دارد   که مست آنکس بود کانجا که می نوشند سر دارد
ندارد آن خراباتی خبر از عالم مستی   که در مستی چنان باشد که از عالم خبر دارد

---

[1] اصل : تو ترکیب   [2] شعر مشکوک ہے   [3] یہ اشعار ایک ترکیب بند سے ماخوذ ہیں جو ملک علاء الدین اور اس کے بیٹے شمس الدین کی مدح میں ہیں   [4] یہ ترکیب بند عین الملک کی مدح میں ہے   [5] از روی دیوان   [6] دیوان : نا هنجار ،

نشاط مجلس مستان مسلّم بر کسی باشد — که دل اول ز ننگ و نام و مال و جاه بردارد
گل از زیر زمین زر در دهن کرده است و میگوید — که خاکش در دهان باد اگر زیر خاک زر دارد
بجان دوست زر خاکست در چشم جوانمردم — ولیکن خاک در چشمی کش از جان دوستر دارد

بیا ای جانفزا ساقی چو کوثر جام می در ده — صدای عیش تا تازی تا روم و ری در ده
بیارا مجلسی چون جم برسم خسروان وانگه — شراب خسروانی را بیاد ملک کی در ده...
حریفان را ز دلداری دمی مگذار بی نزهت — نوائی دم بدم بر کش صبای پی به پی در ده...

ایا صاحب قران میری که فتح و فر قرین داری — جلال و جاه یار و بخت و دولت همنشین داری...
جهان را جان بشادی شد چو نو جان جهان گشتی[1] — زمین در خوشی دارد که تو روی زمین داری
ز زر بخشی و در ریزی بکان و بحر می مانی — که زر در آستان و کف و گوهر در آستین داری
ز عالم آفرین ای جان عالم آفرین بادت — که این جود جهان پرور سزای آفرین داری
ترا زیبد که گنج زر ز کام اژدها گیری — که تیغ آتشین بر دست و بازو آهنین داری
به نیزه چشم سوزن در شب تاریک بربائی — بجولان آب را در حلقهٔ انگشترین داری
ز دریا بگذری چون باد و در کهسار چون برقی — بران شدیز دریائی که اندر زیر زین داری.

[وله]

صبح شد سر ز خواب بر گیرید — دور جام شراب بر گیرید
مجلس از خلد خوبتر سازید — ساقی از حور خوبتر گیرید
واز کف ساقیان سیمین ساق — لعل نوشین بجام زر گیرید
مطربان در سماع بنشانید — شاهدان را برقص بر گیرید...

---

[1] یہ اشعار ایک ترکیب بند سے لئے گئے ہیں جو عین الملک کی مدح میں ہے۔

ای عزیزان غنیمتست لقا[1]   ذوق دیدار یکدگر گیرید
دوستان در عزیمت سفرند   یکزمان لذّت نظر گیرید
غم دنیا درازی دارد   هرچه گیرید مختصر گیرید[2]

ساقیا بخل برکران انداز   جام خرم بکام جان انداز...
باده بر یاد دوستان در ده   خاک در چشم دشمنان انداز
نقل و ریحان و ورد حاضر کن   نرد و شطرنج در میان انداز
وز دم مطربان شیرین گوی   شور در هفت آسمان انداز
گر نخواهی که مرده زنده شود   قطرهٔ باده در دهان انداز...

سبزهٔ دلگشای می خواهم   گلشنی جانفزای می خواهم
ساقی دلنواز می طلبم   ساغر غم زدای می خواهم
مجلسی خاص و مطرب خوشگوی   بابتی دلربای می خواهم
گاهی از هجر دوستان کردن   گریهٔ های های می خواهم
در جهان هر کجا بتی بینم   سر نهادن به پای می خواهم
دل بمن ده که بهر جان دادن   زیر پای تو جای می خواهم

عشق جز خستگی و خواری نیست   کار او جز فغان و زاری نیست
عاشق از غم گزیر نتواند   که ضرورتست اختیاری نیست
دلستانان چو تیغ برگیرند   چاره جز صبر و جان سپاری نیست

---

[1] اصل: بقا   [2] اسکے بعد ہے: بادہ بر یاد صفدر عالم   ملک الشرق نامور گیرید
صفدر روزگار عین الملک   سرور نامدار عین الملک

ای کہ یادی نیاری از یاران | یاد کن کین طریق یاری نیست
در حق دوستان فراموشی | شرط یاری و دوستداری نیست ...
مست و بیہوش زی کہ از اندوہ | جز بدین نوع رستگاری نیست ...

طلب وصل یار باید کرد | واز دو عالم کنار باید کرد
اینکہ آسایشی ہمی طلبی | زحمتی اختیار باید کرد
گنج خواہی ز رنج ناچار است | صید خواہی شکار باید کرد ...
ہر چہ یابی ز اندک و بسیار | ہم بدان اقتصار[1] باید کرد
کارہا چون بوقت موقوفست | وقت را انتظار باید کرد
ہیچ ازین گفتگوی نگشاید | اصل کارست کار باید کرد
(۱۲۶۴) چون ازینجاست رفتنی[2] باری | نیکیی یادگار باید کرد ...

آنکہ جودش سحاب را ماند | وانکہ رایش شہاب را ماند
آنکہ دیدار عالم افروزش | طلعت آفتاب را ماند ..
آنکہ در ارتفاع دولت او | دعوت مستجاب را ماند
عقدہای کمند دلبندش | شبہۂ لاجواب را ماند
تن بالان خصم بد روزش | تار چنگ و رباب را ماند ...

[وله]

ساقیا[3] جام جان فزا بردار | شادی افزای و غمزدا بردار ..

---

[1] دیوان و اصل: اختصار [2] اصل: رفتن، دیوان. رفتنی
[3] یہ بھی پہلے ترکیب بند کی طرح عین الملک کی مدح میں ہے،

غم بلای شدست بر دل ما　　بادہ دہ یکدم این بلا بردار
ای مغنی تو نیز از سر شوق　　دست بر دست زن نوا بردار
شاہدانی کہ لایق رقصند　　ہر یکی را جدا جدا بردار
بادہ را دامنی حمایل کن　　شمع را دامن قبا بردار
وز تہ پایمال رقاصان　　شمع برگیر و بوریا بردار
ای ندیم این حریف بدمستست　　سرکشی میکند بیا بردار
ہر کہ از دست تو پیالۂ می　　بر ندارد بگو کہ پا بردار...

صبر بی روی یار نتوان کرد　　وز غم او قرار نتوان کرد
جانم از آرزو بلب آمد　　بیش ازین انتظار نتوان کرد
دوری از روی دوستان مرگست　　مرگ را اختیار نتوان کرد
خوبرویان چو روی بنمایند　　جز دل و جان نثار نتوان کرد
جان و دل نیز ہدیۂ سہلیست　　ہم بدین اقتصار نتوان کرد.....
جز بشہباز بخت در دنیا　　مرغ دولت شکار نتوان کرد

تا از رخ پردہ وا نخواہی کرد　　درد ما را دوا نخواہی کرد
سخنی گفتہ بودۂ دو شم　　میکنی راست یا نخواہی کرد
قبلہ عالمی چو گشتی چون　　حاجتی را روا نخواہی کرد...
ای مظہر نخواہی آسودن　　ترک کونین تا نخواہی کرد

۱؎ دیوان میں یہ شعر شعر اول (ساقیا الخ) کے بعد آیا ہے　۲؎ اصل و دیوان : اختصار

عاشقانیم و زر نمیخواهیم   بی دلانیم و سر نمی خواهیم
ما سپاه و علم نمی[1] طلبیم   ما کلاه و کمر نمی خواهیم....
گر دو عالم بیاوری گویم   که بڑو ای پسر* نمی خواهیم
ما همه جام تلخ می نوشیم   همچو طفلان شکر نمی خواهیم
خانهٔ جز بکوی بدنامی   اندرین ره گذر نمی خواهیم

وله[2]

صبحگاهست سر از خواب گران بردارید   باده خواهید ز دل درد نهان بردارید....
ای عزیزان ادب مجلس مای[3] ادبیست   خوش نشینید و تکلف ز میان بردارید....

وله[4]

... عید زد طبل طرب مژده بخمار دهید   نو بهارست ندا بر سر بازار دهید
ابر برداشت علم خیمه بگلزار دهید[5]   رعد بر کوفت دل بادهٔ بسیار دهید
روی در روی صنم پشت بدیوار دهید[6]   هوش بر جام می و گوش بمزمار دهید
شیخ این وقت[7] منم پیش من اقرار دهید   تا بیابید نجات از غم و اندوه عذاب
(۱۲) صبحدم[8] غالیه سایست و صبا عنبر بیز   ابر کافور فشان خاک چمن مشک آمیز
ساقیا وقت صبوحست چه خسپی برخیز   در بلورین[9] قدحی بادهٔ یاقوت بریز
تا بنوشیم بآواز نی درد انگیز   گاه بر بانگ حسینی و گه آهنگ حجیز

زان می ناب که چون نوشد ازان جامی پنج   ترک ده ساله شود پیر دو صد ساله برنج

---

[1] اصل: همی [2] دیوان: کای برادر ببر [3] یه ترکیب بند ' ملک الشرق نظام الملک کی تعریف میں ہے [4] دیوان: می [5] در مدح ملک الشرق عین الملک [6] اصل: سهید [7] دیوان: کار [8] بندوں کی ترتیب دیوان میں مختلف ہے [9] یہ مصرعے اصل میں بے ترتیب ہیں دیوان سے ترتیب درست کی گئی

ور سرشکی بہ بساط افتد ازان گوہر سنج　　یکدگر جنگ کند پیل و پیادہ شطرنج
گر بنا ہید رسد پرتو او کوبد صنج　　ور بقار ونش رسد بوی بر اندازد گنج
دافع محنت و درمان غم و داروی رنج　　نیست جز شربت نوشین شفق رنگ شراب

چون جوان شد ز ریاحین چمن عالم پیر　　ای جوان جام کہن از کف جانان برگیر
لب و دندانش چو گوہر بہ و باز و چو حریر　　قد و بالاش چو سرو و دم مشکین چو عبیر
طرّہ چون شام سیہ غرہ خورشید منیر　　خال چون عنبر تر زلف چو مشکین زنجیر
ابروانش چو کمان گشتہ و مژکانش[1] چون تیر　　از پی کشتن عشاق و قتال احباب

ای کہ در محنت دنیای دنی حیرانی　　چند ازین محنت بیہودہ بسر[2] گردانی
جور گردون و جفاہای جہان فانی　　نیست بر رای تو پوشیدہ تو ہم میدانی....
یک دو روزی کہ درین دار فنا مہمانی　　شادزی بر رخ اصحاب اگر میدانی....

ایکہ داری چو سمن سیم و چو صد برگ زری　　گو بخور تا نخورد سیم و زرت را دگری
مرغ فریاد بر آرد بفلک ہر سحری　　کز رفیقان سفر کردہ نیامد خبری
تو کہ داری دلکی فارغ و یکشب[3] قدری　　گر توانی بخور از شاخ جوانیت بری
در جہان نیست بہ از جود و سخاوت ہنری　　کہ در اینجای ثنائیست و در آنجای ثواب

دل بمی میکشدم ترک ریا خواہم کرد　　آشکارا بدر میکدہ جا خواہم کرد

---

[1] اصل : مژکان　[2] + دیوان : وسرگردانی　بعد کے تین مصرعے اصل میں بے ترتیب ہیں دیوان سے ترتیب درست کی گئی　[3] دیوان : کمنت ،

دوست گر جور کند باز وفا خواہم کرد — ور بگوید بد و دشنام دعا خواہم کرد
مدعی پند مگو ورنہ بلا خواہم کرد — ترک من دہ کہ نہ من عشق رہا خواہم کرد
تا زیم خدمت ترکان خطا خواہم کرد — خواہ از من تو خطا گیر ازین خواہ صواب

زان[1] بت شوخ کہ آزار دل زار منست — چہ جفا ہاست کہ بر جان گرفتار منست
دست مال قدمش گوشۂ دستار منست — عاشقی کار دل و دیدۂ خونبار منست
. . . . — کہ درین شیوہ بسر بردم ہمہ اوقات شباب

تا تو رفتی ز برم از بر من تاب نرفت — وز غم ہجر تو از دیدۂ من خواب نرفت
ہرگزم دل بگل و سبزۂ سیراب نرفت — تشنہ مردم ز غم و در گلوم آب نرفت
وز جفای تو کہ جز بر سر اصحاب نرفت — خونم از دیدہ چنان رفت کہ سیلاب نرفت
ایکہ ہرگز غم تو از دل احباب نرفت — وقت آنست کہ دستیم دہی در غرقاب

ایکہ در حسن و جمالت بجہان ثانی نیست — ہیچت از کشتن احباب پشیمانی نیست
زان سر زلف کہ جز بے سر و سامانی نیست — نیست جمعی کہ دران جمع پریشانی نیست
ایکہ پیداست جفاہای تو پنہانی نیست — خوردن خون مسلمان ز مسلمانی نیست
کشتنم سہل بدان حد کہ تو میدانی نیست — خاص در عہد ملک مالک محمود[3] رکاب...

آنکہ او قوت صد شیر بیک[4] مو* دارد — خلق خوش با صفت نافۂ آہو دارد

---

[1] اصل: عیش، دیوان مثل متن [2] یہ بند دیوان میں نہیں ہے [3] اصل: محمود
[4] اصل: بلنک خو،

رسم راه ول و دانش ہمہ نیکو دارد عدل و بزم و کرم و حلم و حیا خو دارد
من چگویم کہ چه[1] اوصاف بہر مو دارد ہر فضیلت کہ کسی[2] دارد* ہم او دارد . . .

صفدرا ملک و رعیت در و بار تو ئی وہر دریا و دُر و لولو شہوار تو ئی
اختر انند مہان[3] ماه پر انوار تو ئی صفدرا جملہ سپاہند و سپہ دار تو ئی
بخت یارست کسی را کہ ورا یار تو ئی نافع خلق تو ئی دافع آزار تو ئی
مرہم خستہ تو ئی صحت[4] بیمار تو ئی وانکہ را یار نباشی بود از اہل عقاب

[ولہ[5]]

شادم کہ بزم[6] بس طرب انگیز کردہ اند جشنی چو طاق کسری و پرویز کردہ اند
ایوان ز آبگینہ شام و بساط روم[7] رشک دمشق و غیرت تبریز کردہ اند
طوبی و سدره از سمن و نخل کشتہ اند تسنیم و کوثر از می خونریز کردہ اند
خنیاگران خسروی شاه و [ز؟] شاه رو آہنگ گاه پست و گہی تیز کردہ اند
خوبان برای بستن دلہای عاشقان زنجیرہای جعد دلاویز کردہ اند
وانگہ کشاده جیب و کمر بستہ در سماع سرہا گران و پای سبک خیز کردہ اند
گو زاہدان خشک کہ تر دامنی کنند این قوم گرچہ دعوی پرہیز کردہ اند
ہان ای ندیم تہنیتی خوان کہ اہل فضل در مدحت ملک غزل آمیز کردہ اند

[ولہ[8]]

اہلا و مرحبا بتو ای باد نو بہار لقد درک ای نفس نافہ تتار

---

[1] دیوان : صد [2] اصل : کسان دارند [3] اصل : شہان ، دیوان مثل متن ، [4] اصل : صحبت ، دیوان : مرہم [5] دیوان میں نہیں ہے [6] اصل : ببزم [7] اصل : رزم [8] دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترکیب بند ملک الشرق جمشید کی مدح میں ہے ،

بشر نفوسنا بسلامی ز سوی دوست — روّح قلوبنا بہ نسیمی ز زلف یار
ساقی بیار بادہ کہ نزدیک عارفان — میخوارہ بہ ز اہل تعبّد ہزار بار . . .
گر در شکست لشکر اندوہ قلب ما — وز بن بکند گلبن آسایش و قرار
ما ہم بجمع خویش یکی کیشش لشکریم — اینک سبو پیادہ و اینک قدح سوار . . .
چندان خوریم بادہ کہ از خاک جرعہ ریز — بر آگون سپہر بریم آتش بخار . . .

آغاز صبح و وقت صبوحست ای غلام — اینک ستارۂ سحری بر کنار بام
برخیز و چون بہشت بیارای مجلسی — از سندس و حریر و گل و میوہ و مدام . . .
نور روان بتنگ فگن در دماغ موم — شرر[1] دل قرابہ فگن در دہان جام[2]

ما مست و رند و عاشق و بدنام دلبریم[3] — قلاش و لاابالی و آوارہ و ابتریم
لولی و کوچہ گرد و دغاباز و ناحفاظ — بدمست و بت پرست و تہی دست و بی زریم
نی سالکان درس نہ اصحاب خانقاہ — نی خادمان حلقۂ پیر قلندریم
دردی کشان مجلس[4] رندان بادہ نوش — نان[5] ریزہ چین سفرہ او باش کشوریم
بی سیم و زر بخدمت دلدار بندہ ایم — بی نان و جامہ بر در خمار چاکریم
وین طرفہ تر کہ با ہمہ رندی و مفلسی — در ہمت از مدارج افلاک برتریم
سود ست گرچہ تارک ما از سبو کشی — از کبر سر بتاج کیان در نیاوریم[6]

---

[1] کذا در اصل و دیوان [2] دیوان : کس ؟ گشتن ؟ [3] اصل : بر دیوان : سر
[4] اس کے بعد دیوان میں ہے : یعنی فروز شمع کہ روشن کنیم چشم ۔ یعنی بیار می کہ معطر شود مشام
اس کے بعد دو شعر اور ہیں اور پھر ہے : جامی شبہ نمون و مدامی عقیق گون یا می سپید رنگ و عنامی سیاہ فام
[5] دیوان : لی سریم [6] اصل : ما ، دیوان مثل متن ،

دنیا و آخرت بیکی داو باختیم — وینک بلعب درصدو داو دیگریم
با نفس خود بجنگ وجهادیم روز و شب — گوئی مگر که یار سپهدار لشکریم .....

ای دلبری که زلف تو دلوست ورخ پری — در زیب و زینت ازمه و خورشید بهتری[1] ....
سروست و ماه دربر و یاروی آنکه تو — روز و شبش ملازم بستان و بستری
(۱۱) ما در هوای یک نظری جان همیدهیم — مقبل کسی که روز و شبش در برابری ...
گر بایدت که زنده کنی کشتگان خویش — بر خاک ریز جرعهٔ جامی که میخوری ....

راداکف تو غیرت بحر و سحاب باد — چرخ برینت سدّهٔ سامی جناب باد
بر جبین وار نور جهانتاب طلعتت — شمع ممالک شه مالک رقاب باد ....
هر دل که دوستی تو در وی مقیم نیست — بنیاد آن بسیل حوادث خراب باد ....
هر جا که دولتی تو بیاراست مجلسی — ساقیت خضر و چشمهٔ حیوان شراب باد
خنیاگر و ندیم و پرستار و چاکرت — ناهید و مشتری و مه و آفتاب باد
جشن تو بی نهایت و عیش تو بیعدد — گنج تو بیشمار و بقای حساب باد ...

[وله[2]]

زمستانست باد سرد از کهسار می آید — بگردان آتشین جامی که آتش کار می آید
فرو کن پردهٔ خرگاه چنگ آهسته تر میزن — که هرچه آهسته تر گیری[3] نواها زار می آید
سبو بر سر گرفتن کار رندانست و قلاشان — مرا فرمای این خدمت ترا گر عار می آید
نشاط می غنیمت دان که جمع شادمانیها — اگرچه اندک بود بعد از غم بسیار می آید
ندانم محتسب از من چه میخواهد که هر باری — بقصد من دوان در خانهٔ خمار می آید
همی خواهم که یکروزی کنم توبت ولی شرمم — ازان ریش سفید و ریشه[4] دستار می آید

---

[1] دیوان: برتری   [2] در مدح عین الملک ،
[3] دیوان: می گیری ،   [4] اصل: ریشه و، دیوان: گوشهٔ ،

توای ماه پری پیکر که شکل دلربا داری   چنان جا کردهٔ در دل که اندر دیده جا داری
اگر چشم از غمت خون شد هنوزت هم بر آن راهم[1]   که خاک از دیده بر دارم بهر جائی که پا داری ...
چنین بستان جان پرور که روی تست ای دلبر   دریغا گر ده بوی نسیمی از وفا داری
دل و جان خستی از محنت تن و جان سوختی از غم   هنوز ای جان نمیدانم که اندر سر چها داری
منم چون می جگر پر خون توئی چون شیشه نازک دل   بیا تا با یکی گردیم اگر در دل صفا داری
من ای زاهد خود از دیوانگی رسوای بازارم   ترا گر روز بازاریست چندم در عنا داری
مرا بگذار در آتش که با بت الفتی دارم   ترا خوش باد در جنت که جان پارسا داری
مطهر آنکه در پای سگانش خاک ره گردد   بلند اختر مهری باید تو آن دولت کجا داری
ملک را گو که خوبانم چنین کردند بی سامان   نه پندارم که بر مسکین چنین حیفی روا داری ...

سرم فرسوده در فکرت بسودائی که من دارم   دلم خون گشت و بر نامد تمنائی که من دارم
کنون بر جای آب از چشم خواهم ریخت خاکستر   که خونها سوخت از اندوه در اعضائی که من دارم ...
حدیث زهد و سجاده ازین پس نشنوند از من   که شد رومال میخواران مصلائی که من دارم ...
... تو گر پرسی ز من[2] زاهد کزین مدحت چه میخواهی   مرا مسکین خود دانی همین مقدار میخواهم
مرا گر دست کوتاه است و مال اندک چه غم دارم   ترا عمر دراز و دولت بسیار می خواهم
مرا از مال حظی نیست من اعمال می جویم   مرا با خلد کاری نیست من دیدار می خواهم ...

ولہ[3]

صبح چون بنمود رخ شادی ز سر باید گرفت   مجلسی نو دیگر و بزم دگر باید گرفت
ساغری از حوض کوثر صاف تر باید کشید   دلبری از حور عین پاکیزه تر باید گرفت
از لب شیرین شاهد نقل تر باید چشید   وز کف سیمین ساقی جام زر باید گرفت

---

[1] دیوان: ہان [2] دیوان: مرادا (مرادمن ؟) [3] یہ ترکیب بند بھی عین الملک کی مدح میں ہے،

عرصهٔ بزم صبوحست[۱] صبحدم تا چاشتگاه | گر ز یادت نیست باری اینقدر باید گرفت
بلبلی کز صبح مستان را بشارت می دهد | هم برین شادی دهانش در شکر باید گرفت....
قطرهٔ کز جام می بر خاک مجلس میچکد | نی بدست و آستین کز دیده بر باید گرفت
(۱) جرم مستانرا بهشیاری بدر باید شمرد | عیب یارانرا ز دلداری هنر باید گرفت....
اندهٔ دنیا چو پایانی ندارد از قیاس | کارها کوتاه و غمها مختصر باید گرفت
گرکسی بی خار خواهی و شراب بی خمار | باده بر نام[۲] امیر نامور باید گرفت....

حسنها در دور رویش طبل شادی میزند | فتنها بر گرد مویش فوجداری میکند
ما بر سم صلح می آئیم و او زابروی و چشم | قصد تیر اندازی و خنجر گزاری میکند
گر بدان ساعد همی خواهد که ریزد خون ما | دشمنی نبود که الحق دوستداری میکند....
تا نه پنداری که میرد پاک جان می پرورد | هرکه با دیدار خوبان جان سپاری میکند....

دل که سرگم رفت سر بیرون بجائی[۳] هم نکرد | جان که در خون غوطه زد یارا[۴]؟ [آ]شنائی[۵] هم نکرد....
گرچه با هم صحبتان در سینه اخلاصی نداشت | ناحفاظی بین که در تنها هر ریائی هم نکرد
چشم و لبندش بخونریزی ندانم یار کیست | کانچه او کرد از دغا کشور کشائی هم نکرد
آنچه من دیدم ز محنت گبر و ترسائی ندید | و آنچه او کرد از ستمها پادشائی هم نکرد
کشتن بیچاره عاشق را چه موجب دیده اند | خدمتی گرنامد از مسکین خطائی هم نکرد

باز وقت آمد که ترک عقل و دانائی کنیم | وز هوای شاهدان مستی و شیدائی کنیم....
آب دست ساقیانرا شربت کوثر نهیم | خاکپای شاهدانرا کحل بینائی کنیم
عقل روشن دل چو در راه بتان کردیم خاک | سر بسر[۶] * گر بعد ازین دعوای دانائی کنیم
در چنین عمری که یکدم هم بر و امید نیست | حیف باشد گر غلو در کار دنیائی کنیم....

---

۱ دیوان: صبوح از ۲ دیوان بیاد ۳ دیوان: بجائی ۴ اصل: ما شنای، دیوان: باراشنائی ۵ اصل: مجلس ۶ کذا در اصل، بیاض در دیوان، کی سزد،

چون ملک رخ کرد دشمن بی خطا خواهد گریخت　　لشکرش نا داده جنگ از جنگ جا خواهد گریخت

مرد را تا دست خواهد بود خواهد راند اسپ　　اسپ را تا کار خواهد کرد پا خواهد گریخت

چون ملک اطراف عالم ضبط کرد ست آنچنانکه　　مرغ را امید نبود کز هوا خواهد گریخت

خصم گر خواهد که بنشیند کجا خواهد نشست　　ور همی خواهد که بگریزد کجا خواهد گریخت

یاری آن نبود که بگریزد ز پیشش آشکار　　آن نداند گر بسحر و کیمیا خواهد گریخت ...

ای خداوندی که گردون بندهٔ فرمان تست　　هر که هست از انس و جان شرمندهٔ احسان تست

ولهٔ[1]

وقت صبحست صبوح می و مزمار کنید　　بزم سازید و حریفان همه بیدار کنید ...

نقلها هر جهت و مجمر هر سوی نهید　　نُقل هر جانب و گل هر طرف انبار کنید ...

تا بدان جام سپید و می سرخ و گل زرد　　انده روی سیه از دل آوار کنید

جان که از باغ بهشت آمد مرغیست آزاد　　می نخواهم که باندوه گرفتار کنید

زر دهید اندک و بسیار بت ساقی را　　گرمی اندک بدهد منت بسیار کنید ...

عیش اینست اگر جاه و جلالت خواهید　　خدمت شاه جوان بخت جهاندار کنید

... غم و اندوه جهان در دل خود جای مده　　که نه چیزیست که حدی و کرانی دارد ...

هر که دل دارد و روی غم جانانی نیست　　در حقیقت نتوان گفت که جانی دارد ...

وله

صبح در آسمان گشود اینک　　دولت و بخت رو نمود اینک

شب بروزی[2] که بود آبستن　　آمد آن روز در وجود اینک ...

ابر در بوستان چو خوان مسیح　　آمده ز آسمان فرود اینک ...

باز خمار با هزار خوشی　　در میخانه در گشود اینک ...

---

[1] در مدح فیروزشه　　[2] دیوان: ز روزی

ساقیا جام ارغوانی ده — وز میِ عمر جاودانی ده...

پس بجام دو زان سه ساله مدام — پیر صد ساله را جوانی ده

تا رود ناتوانی از تن ما — باده چندان که می توانی ده

جام می را بجان ما کن نرخ — من نگویم که رایگانی ده

چشم ما را ز خاک میخانه[1] — سرمۀ خاص اصفهانی ده...

گل چه حد بیوفاست می بینی — مرغ چون مبتلاست می بینی

در دل صبح و سینۀ ساغر — این چه صدق و صفاست می بینی

خاک زر می شود ز جرعۀ می — می مگر کیمیاست می بینی...

بر سر او چهاست می نگری — در دل من چهاست می بینی

زلف یار و درازی شب من — از کجا تا کجاست می بینی[2]...

جور چرخ و جفای او گوئی — همه بر جان ماست می بینی...

کارم از دست رفت سامان چیست — دردم از حد گذشت درمان چیست...

محتشم کُشت کس نمی پرسد — که بگو جرم این مسلمان چیست...

عمر دادم بباد چه توان کرد — گر کس آبی نداد چه توان کرد

عالمی در خوشیست ار گردون — تخم من غم نهاد چه توان کرد

با همه راست میرود اختر — با منش کژ فتاد چه توان کرد[3]...

مردمی ای برادر اندر دهر — چون ز مادر نزاد چه توان کرد[4]...

---

[1] دیوان: خمخانہ [2] اسی بند میں ہے: سرو هم نیست راست چون بالاش — باز گو آنچه راست می بینی

[3] اسکے بعد دیوان میں ہے: دوستان را بدوستان قدیم — گر نماند اعتقاد چه توان کرد
مایادیم اگر ز ما وقتی — می نیارید چه توان کرد

[4] اسکے بعد دو شعر یہ ہیں: مرد بسیار چیز می خواهد — گر نیابد مراد چه توان کرد
گر ز حرمان نمی رسم بر شاه — عمر شه دیر باد چه توان کرد

ایزد آن نور چشم عالم را   ز آفت چشمها نگهدارد....

ولہ[2]

ای سرو قد دمی سوی بستان گذار کن   گلگشت باغ و تهنیت نو بهار کن
در سبزهای نازک و در سایهای نغز   جائی برای خوردن می اختیار کن...
ای عمر هزار دیده فدا یک نقاب را   بنشین دمی و یکدل ما صد هزار کن
وز جام لب که آب حیاتست تشنه را   جائی به بخش و نام نکو یادگار کن....
ما دل ز راه و رسم جهان بر گرفته ایم   ما رسم ترک و راه قلندر گرفته ایم
آئین و نام و ننگ بیکسو نهاده ایم   اوصاف و مدح و قدح برابر گرفته ایم....
هر جرعهٔ که ریخته خوبان بروی خاک   ما از زمین بچشم و دهان بر گرفته ایم
حشمت ز ما مجوی که رفتست موی سر   از بس سبوی باده که بر سر گرفته ایم...

ولہ[3]

صبح شد پرده ها بر اندازید   بزم را نقش دیگر اندازید
صحن آرامگاه مستان را   از گل و لاله بستر اندازید
و آب یاقوت رنگ رخشان را   در بلورینه ساغر اندازید
دامن ساقیان فرو چینید   برقع شاهدان بر اندازید...
بوی گل مشکناب را ماند   می گلگون گلاب را ماند
دیده بیدار دار در عشرت   که جهان جمله خواب را ماند...
صولت قوال در جهانگیری   صیت مالک رقاب را ماند...
(۱۲۹۷) دل ز مهر زمانه بر دارید   رخت ازین کارخانه بر دارید...

---

[1] اس سے پہلے دیوان میں ہے: نور چشم جهانست طلعت او   لاجرم رایت سپید دارد
[2] در مدح فیروز شه

مرغ جان در ہوای پروازست — دل ازین آشیانہ بردارید
کشت دنیا درون دام بلاست — من نخواہم کہ دانہ بردارید
جرعۂ دُرد دردِ در نوشید — نام و ننگ از میانہ بردارید
بیکی جام جانفزا از دل — اندہ جاودانہ بردارید....
دل مردان خزانۂ گہر است — گنجہا زین خزانہ بردارید
وز مقالات من بمجلس شاہ — این غزل با ترانہ بردارید...

ای مہ از مہر دوستگانی دہ — وز لبم جام ارغوانی دہ...
ساغر آشکار بر کف نہ — نقلم از بوسۂ نہانی دہ
جان من تازہ کن بہ آغوشی — پیر فرسودہ را جوانی دہ....
وز زمین بوس خود گدائی را — بخت و تائید آسمانی دہ
کشتۂ تیغ[1] را ز وعدۂ وصل — مژدۂ ملک جاودانی دہ
[[2]بیدلی را بپرسش نفسی] — دولت و جاہ[3] و *کامرانی دہ
[[2]کام دل گر ببخشی از دہنم] — زان لبم وعدۂ زبانی دہ....

[[4]ولہ]

... وقت صحبت ای عزیزان غم بیدلی کنید — جان غمگین را بجام بادہ غمخواری کنید
عشرت آزادیست از غمہا در آزادی شوید — غم گرفتاریست ترک این گرفتاری کنید
زر دہید از کیسہ و کاہی ز صہبا درکشید — جان دہید از دست و جانان[5] خریداری کنید
حشمت اندر مجلس مستان نمی آید نکو — ہان سبک روحی و چالاکی و عیاری کنید.
ساقیا می دہ کہ می ذوق دگر دارد ہمی — بیخبر باشد زمی آن کو خبر دار دہمی...

---

[1] دیوان : خویش [2] از روی دیوان [3] اصل : بخت [4] یہ اور اس کے بعد کے پانچ ٹکڑے ایک ہی ترکیب بند سے ہیں جو فیروز شاہ کی مدح میں ہے '

خرم آن مستی کہ می در دست و یاری کنا   مطربی در پیش و باغی در نظر دارد ہمی
مرغ اندر باب زن کردست نانی در تنور   میوہ اندر نقلدان از خشک و تر دارد ہمی....
بامدادان چون برآرد بانگ نی پور از گلو   طایری کو تاج یاقوتی بسر دارد ہمی
می طلب کن از کلہ داری کہ بر زرین[1]* قبا   جعد او مشکین کمندی تا کمر دارد ہمی

ہر سحر کین بوی خلد از بادمی آید مرا   دل ز یاد دوست در فریاد می آید مرا
گریہ دانی چیست ہر گہ بنگرم با ہم دو دوست   در شبی بودم بریش آن یاد می آید مرا....

ای جہان را دولتت از داد و دین آراستہ   لطف تو چون آسمان روی زمین آراستہ...
وار دنیا را کہ زندان مسلمان گفتہ اند   کردی از اسلام چون خلد برین آراستہ...

خسروا اقبال تو در داوری پیوستہ باد   فرّ تو در دولت و دین پروری پیوستہ باد...
زیر مہر خاتم و زیر خط فرمان تو   ابر و باد و مردم و دیو پری پیوستہ باد...
بندۂ کمتر مظہر را بمدح آستانت   فیض خاقانی و ذہن انوری پیوستہ باد...

ولہ

ساقیا[2] شبگیر شد شمع شبستانی بیار   بزم روحانی بنا کن جام ریحانی بیار....
از[3] نبیذ نیم جوش و پختہ و خام آنچہ ہست   حکم حاجت نیست بر تو آنچہ میدانی بیار....
ور نخواہی کز بت ہندوستانی برخوری   پر درم کن کیسہ و مرد خراسانی بیار
مجلس شاہد پرستانست و مستان این مقام   زاہدا ترا معذرت کن کفش و بارانی بیار
ای مظہر گر ہوس داری کہ گوییی مدحتی   مدح خاقان زمان بر طرز خاقانی بیار....

(۲۹۷ ب) صبح مست آمد نگر کانوار انداز دبرون   ہر کہ می نوشد یقین اسرار انداز دبرون...
صبح را ماند صراحی کز دم مشکین خویش   آب و آتش از دہان یکبار انداز دبرون...

---

[1] اصل : از زرین   [2] یہ ترکیب بند بھی دیوان میں ہے   [3] دیوان : آن

[ولہ[1]]

وقت صبحست ترک خواب دہید	جمع اصحاب را شراب دہید
در بلور[2] بنہ ساغری چو سحر	بادۂ ہمچو آفتاب دہید...
از نم جرعہ خاک مجلس را	چون رخ من بخون خضاب دہید
بر در خانقہ نہید خمی	شربت می بجای آب دہید
ور ملامت کند کسی گو کن	من نخواہم شما جواب دہید
ور زیادت کنند محتسبان	قصہ بر مالک رقاب دہید[3].
روز عیدست جشن بار کنید	نخل بندید وگل نثار کنید
مطربان را برید سوی یمین	طرف[4] شاہدان* یسار کنید
مجمر و ساغر و صراحی[5] را	ہمہ در پیش در قطار کنید
یکدم از خم ہزار می نوشید	یکدل از خرمی ہزار کنید
ور نخواہند خوشدلی ہمہ عمر	اندہ عشق اختیار کنید
ای کہ عاشق نہ اید حیرانم	کہ شما در جہان چکار کنید
در برانید کز ہوای بہشت	مرغ اقبال را شکار کنید
بر سر دستہا چو باز سپید	ساغر بادہ را سوار کنید...

در غم عالمی گران تو نیست	ہر دمی را ہزار نالہ بیار
آنکہ گوید جہان ازان منست،	گو برون کن خط و قبالہ بیار
نقد را باش، عمر فردا را	کہ ضمان می شوی کفالہ بیار

---

[1] یہ ترکیب بند دیوان میں ہے [2] اصل: بلورین [3] اسکے بعد دیوان میں ہے:
شمع ملکت ملک حسام الدین کافتاب زمانست وقطب الدین [4] اصل: شاہدان راطرف [5] صراحی ما

تا کنی باغ عیش را تازہ گلرخی عنبرین کلالہ بیار
وز ندیمان آستان ملک شاعر شکرین مقالہ بیار...

ولہ[1]

دلرباست آن صنم کہ من دارم لا دواست آن سقم کہ من دارم
ہر کسی را غمی و دردی ہست نہ چنین درد و غم کہ من دارم.....
عافیت در نہاد آدم نیست از کسی نشنوم کہ من دارم
بہمہ ملک و کون نفروشم الفتی با عدم کہ من دارم....

ولہ

بزمیست ہر سوی و نشاطی بہر سری باغی بہر رہی و بہشتی بہر دری
ہر جا نہادہ نخلی و ہر جای مجمری ہر جانبی صراحی و ہر سوی ساغری
و آوردہ اندر جمع بہر کیش و کشوری از دف زن و ربابی و رقاص لشکری
ہر یک چنانکہ در شب تاریک اختری مہ روی و مشکموی و شکرخند و شمع تاب

ہر لعبتی لطیف چو نو رستہ نارون گل روی و سرو قد و سمن ساق و سیمتن
شکرلبی کہ شہد شود در لبش لبن و آرد نبات را ز ہوس آب در دہن
چشمان و ابروان و بر و بازوان و تن چون نرگس و بنفشہ و نسرین و نسترن
رفتارشان قیامت و گفتارشان فتن دیدارشان بہشت و جدائی شان عذاب....

اکنونک از شکوہ شہنشاہ روز جنگ باز ظفر شکار[2] عدو کرد چون کلنگ
ماییم و صحن گلشن و صہبای لالہ رنگ و آواز نای و نغمۂ رود و نوای چنگ

[1] دیوان میں یہ اشعار کسی ناکمل ترکیب بند سے نقل ہوئے ہیں [2] دیوان : رکار

(۱۲۶۸) با ساقیان دلبر و باشاهدان شنگ — در سایه‌های تیره و در جایهای تنگ
ایمن ز درد و انده و فارغ ز نام و ننگ — که در نشاط و نوش و گهی در خمار و خواب

شادم که وقت شادی و هنگام خرمیست — و ایام عیش و وقت نشاطست و بی‌غمیست
امروز هر کجا که در آفاق آدمیست — گر گبر و مغ و گر همه سنی[1] و فاطمیست
با عشرتش قرینی و با عیش همدمیست — شادیش در فزونی و اندوه در کمیست
کوری دیو را که دل او جهنمیست — با چشم روشنیم با قبال کامیاب...

نوروز جز نمونهٔ دار القرار نیست — بستان جز از بهشت برین یادگار نیست
کاس می معین قدح مشکبار نیست — می نوش کن که بهتر ازین روزگار نیست
اکنون که بی شراب دلی را قرار نیست — شادی بجان آنکه دمی هوشیار نیست
می را کسی که از دل و جان دوست وار نیست — ما را نه دوستیست به آنکس نه اقتراب

اکنون که باغ زرگر و بستانش زرفروش — سوری و سبزه گشته حلی پاش[2]* و حله پوش
خرم دل کسی که نشیند بنای و نوش — دستی فگنده با صنمی دلستان بدوش
در کف گرفته ساغر صهبای نیم جوش — بر فی نهاده دیده و بر فی نهاده گوش
چندان خورد شراب که بیرون رود ز هوش — وا زند همچنانش ز مجلس بخانه[3] خواب...

مائیم و مجلس و می معشوق و رودها — و آواز دف و نای و[4] یلالی (؟) سرودها

---

[1] اصل: سنی، شاید شیعی ہو۔ [2] اصل: پا پوس، دیوان: حلی ماش،
[3] دیوان: بجای [4] در دیوان واو را ندارد، شاید یلالی = یللی ہو

از چنگها قیام و ز بربط قعود ها — وز ساقیان رکوع و ز مستان سجود ها
شسته ز لوح دل همه گفت و شنود ها — الا حدیث شاهد و اندیشهٔ شراب

ساقی بیا و سبزه سیراب لاله کن — در ساغر دو رنگ شراب سه[1] ساله کن
شاهد بخوان و گر ندهد دست ناله کن — زلفش بگیر و جانب مستان حواله کن
در خرمی نشین و می اندر پیاله کن — و اندوه غم بسینهٔ دشمن حواله کن
[[2] می گر حرام شد بحریفان حلاله کن] — وانگه در آر در ته کابینش بی عتاب[3]....

ما مست و رند و عاشق و قلاش و بی سریم — تا کوچه گرد و لولی و اوباش و ابتریم
دردی کشان مجلس و دربان میکدیم — دیوانهٔ سماع و سرودیم و ساغریم
آشفتهٔ بتان دلاویز و دلبریم — بدنام هر دیاری و رسوای هر دریم
اینست حال و حادثه بگذر که بگذریم — مارا چه جای پند و چه پروای احتساب

پر کن قدح که باد صبا بوی لادن است — می ده دما دمم که نه جای ستادن است
مردانگی بدشمن اندر فتادن است — مردی بدست دست سخاوت گشادن است
سیم از برای خوردن و وز بهر دادن است — سنگست و خشت آنکه برای نهادن است
نام نکو نه[4] بار دگر بس که زادن است — بی داد و بی دهش نتوان کرد اکتساب

ای دلبری که نو بر باغ روان تویی — نوروز روزگار و ربیع زمان تویی
عشاق را قرار دل و نور جان تویی — از جان چه بهتر است در آفاق آن تویی

---

[1] دیوان: دو [2] از روی دیوان، [3] اصل: بعتاب [4] اصل و دیوان: ز

کوثر توئی بهشت توئی بوستان توئی　　دلبر توئی و دوست توئی دلستان توئی
دانم که میر مجلس شاه[1] جهان توئی　　کز جام لعل تست جهان مست و جان خراب . . . .

ای آنکه بر سمن نشبه (شبه؟) مشک سوده　　در ماه عارضت خط مشکین نموده
(۱۰۹۰ب) فریاد من اگرچه بشبها شنوده　　روزی به پرسش من مسکین نبوده
در حسن اگرچو صبح علم برکشوده　　باری چو آفتاب یکی بر سرم بتاب . . . .

آن شه که چون مسیر[2] هیجا کند همی　　دریا چو دشت و دشت چو دریا کند همی
هنگام کین چو دست به بالا کند همی　　تیرش ز کوه قاف گزارا کند همی . . .
رستم کنون کجا که تماشا کند همی　　خنگی سوار جلد بشمشیر چون شهاب[3] . . . .

اڈیٹر

---

[1] اصل: و شاه جهان　[2] اصل: ستیزه ، دیوان: مسیر　[3] اصل: سحاب ،

تنقید و تبصرہ

۱۔ خزائن الفتوح از امیر خسرو دہلوی

بسلسلۂ مطبوعات انجمن تاریخ جامعہ اسلامیہ علیگڈہ مرتبۂ سید معین الحق صاحب ایم۔ اے معلم تاریخ جامعہ اسلامیہ علیگڈہ۔ ۱۹۲۷ء

مسلم یونیورسٹی علیگڈہ کے شعبۂ تاریخ نے ایک انجمن بنام "سلطانیہ تاریخی انجمن" بنائی تھی جسکا مقصد غیر مطبوعہ ملکی تاریخی کتابوں کی طباعت تھی۔ چندہ پندرہ روپیہ سالانہ تھا۔ جسکے عوض میں ممبروں کو ہر سال انجمن کی ایک مطبوعہ کتاب مفت دیجاتی طباعت کے لئے سب سے پہلی کتاب جو انتخاب کی گئی حضرت امیر خسرو کی تالیف یا خزائن الفتوح تھی۔ کتاب پر سال طبع ۱۹۲۷ء ہے لیکن لاہور کے ممبروں کو یہ تالیف کئی سال بعد ملی۔ اسکے حجم کو دیکھتے ہوے کہا جاسکتا ہے کہ چندہ دہندگان کو یہ سودا مہنگا پڑا۔

تالیف ہذا میاں سر محمد شفیع کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ بار ایٹ لا لاہور۔ خان محمد سعادت علی صاحب رئیس لاہور اور نواب سمیع اللہ بیگ صاحب چیف جسٹس حیدرآباد دکن کے نام کی طرف منسوب ہے جنکی فیاضی نے انجمن کو یہ مخطوطہ شایع کرنے کے قابل بنایا۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تین دیباچے بزبان انگریزی بہ تفصیل ذیل دیے گئے ہیں:۔

سب سے پہلے جناب صدر یعنی پروفیسر عبد الحلیم جنرل اڈیٹر کا پیش کلمہ ہے کہ بہت کم ملک ایسے ہونگے جو تاریخی دستاویزوں کے لحاظ سے ہندوستان کیطرح دولتمند ہوں مگر جنگوں۔ نا موافق آب و ہوا اور ہماری بے توجہی نے زمانۂ وسطیٰ کی تاریخی تصنیفات کے ایک بڑے حصہ سے ہمیں محروم کر دیا ہے اور جو باقی رہا ہے اسکا اکثر حصہ مخطوطات

کی شکل میں ہندوستان اور یورپ کے کتبخانوں میں موجود ہے۔ ہندوستانیوں نے بعض مستثنیات کیساتھ انکو بربادی سے محفوظ رکھنے کیواسطے کوئی اقدام نہیں کیا ہے اس سلسلہ میں عملاً جو مبارک تحریک ہوئی وہ مغربی فضلا کی شرمندۂ احسان ہے اس میدان میں بنگال کی شاہانہ (کذا) انجمن ایشیائی بڑی حامی کار ثابت ہوئی ۔ اور تاریخ ہند کے ہر جوہر پرور کے شکریہ کے مستحق ہے۔ سلسلۂ ہذا ایک جدید کوشش ہے جسکے ذریعہ سے اس ملک کے ادبی حلقوں میں اسلامی عہد کے ہندوستان کی بعض تاریخی مصنفات کو پیش کیا جائیگا اور ایسے مصنفین کو ترجیح دیجائیگی جو اپنے روایت کردہ واقعات کے معاصر ہیں اور کوشش کرکے مختلف نسخوں سے مقابلہ کے بعد ہر تصنیف کا ایک قابل اعتماد متن پیش کیا جائیگا وغیرہ وغیرہ '

لیکن نسخہ ہذا تو مختلف نسخوں پر مبنی نہیں ہے اور نہ اسکا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اسکے بعد جناب مرتب کا افتتاحیہ ہے کہ خزائن الفتوح سے اگرچہ زمانۂ وسطیٰ کے مورخ واقف تھے لیکن اسکے مطالب سے کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اسکے نسخے بہت کمیاب ہیں اور اسکے بعض اقتباس صرف ایلیٹ کی تاریخ کے ذریعہ سے معلوم ہیں۔ خزائن الفتوح کا متن برٹش میوزیم کے نسخے آر ۱۶۳۸ اور سید حسن برنی ۔ بلند شہر کے نسخہ پر مبنی ہے۔ دونو نسخوں میں اسقدر کم اختلاف ہے کہ اسکو علٰحدہ ذیلی حواشی میں دکھانا ضروری نہیں تھا ۔ میوزیم کا نسخہ اگرچہ قدیم نہیں لیکن صحیح اور مایقرا ہے ۔ اسکے بعد حضرت مرتب کا ارشاد ہے کہ میرے نزدیک مزید حاشیہ آرائی یا تنقید غیر ضروری ہے۔ دیباچہ جو آگے آتا ہے حضرت امیر خسرو کی طرز نگارش اور تالیفات سے ہماری کافی شناسائی کردیتا ہے۔ نیز یہ نظریہ قائم کرتا ہے کہ خزائن الفتوح کسی سابقہ تالیف کا تکملہ ہے اور پروفیسر حبیب پہلے شخص ہیں جو اس واقعہ کے معلن ہیں (یہ ایک ایسا بیان ہے جو شرمندۂ اثبات نہیں)۔ موصوف کا ترجمہ معہ ذیلی حواشی کے زیر طبع ہے ۔ امیر خسرو کے ادبی نکات تلمیحات اور صنائع کلام کی تشریح ایک طویل

اور تھکا دینے والا کام ہے درین چہ شک! علاوہ بریں فارسی خوانوں کے لئے اسکی ضرورت
بھی کیا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مبتدیوں کو کوئی اسے پڑھائیگا بھی نہیں، بہت اچھا ہوا جو
جناب مرتب نے اپنے آپ کو اور اپنے قارئین کو اس تمام زحمت سے بچالیا - بس اسی پر
جناب اڈیٹر کا دیباچہ ختم ہو جاتا ہے اور اسکے بعد وہی رسمی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جس میں
جناب صدر پروفیسر عبدالحلیم اور پروفیسر محمد حبیب کا بنا بر بیش قیمت امداد شکریہ ادا کیا گیا ہے
پھر اپنے دوستوں حضرت عبدالرشید ایم - اے، ایل - ایل بی، ایم سلطان حمید ایم - اے
ایل - ایل - بی، اور قاضی عطاء اللہ صاحب ایم - اے کی خدمت میں برائے پروف خوانی
اظہار تشکر کیا گیا ہے - مگر جناب اڈیٹر بقول نظیری ع طفیلی جمع شد چندان کہ جای میہماں گم شد
ان رسمی شکریوں کے ہجوم میں اصلی مستحق جناب کاتب کو خدا جانے کیوں فراموش کر گئے
اسلئے کہ یہی بزرگ ہیں جو سب سے زیادہ امیر خسرو کی اس تالیف کی احیا کے ذمہ وار ہیں
اور خزائن الفتوح کا متن خواہ صحیح خواہ غلط سراسر انہی کا ساختہ و پرداختہ ہے جس میں باقی
بزرگان کا ہاتھ ان میں حضرت اڈیٹر بھی شامل ہیں برای بیت ہے

پروفیسر حبیب کا مقدمہ صفحہ ۷ سے صفحہ ۱۵ تک ہے - لیکن اس میں امیر خسرو
کے افکار و آرا سے بحث کرنے کے مقابلہ میں موصوف نے اپنے خیالات و جذبات عالیہ کی زیادہ
نمایش کی ہے - پہلے فقرہ میں خسرو کی اعجاز خسروی کا ذکر ہے - دوسرے فقرہ میں انکی نثر کو
ایک خراب قسم کی نظم کہا گیا ہے - تیسرا فقرہ اسی پر معطوف ہے - چوتھے اور پانچویں فقروں میں
اس طرز خاص کی مثالیں دی گئی ہیں چھٹے میں کتاب کی تقسیم اور کبیرالدین علاءالدین کے درباری
مورخ کا ذکر جو برنی کی تاریخ سے ماخوذ ہے - ساتویں فقرہ میں یہ بیان کہ خسرو نے موجودہ تصنیف
کبیرالدین کی تاریخ کے تتبع میں لکھی ہے جس طرح خمسہ نظامی کے جواب میں اپنا خمسہ لکھا ہے آٹھویں
میں یہ ذکر کہ اس تصنیف کو علاءالدین کی سرکاری تاریخ کی حیثیت سے دیکھنا چاہیئے - پچھلے دو
فقروں کے بیانات کے لئے ہمیں کوئی معقول وجہ معلوم نہیں،

نویں فقرہ میں کہا گیا ہے کہ خسرو نے اس میں جلال الدین کے قتل اور ع...
ان شکستوں کا ذکر نہیں کیا جو مغلوں نے اسے دیں۔ دسویں فقرہ میں کہا ہے کہ ...
مفتوح ایک نقاد کے واسطے ایک پائدار قیمت کی چیز ہے۔ اگرچہ اس میں مبالغہ ہے لیکن
جھوٹ کہیں نہیں ہے۔ جو امور اس تاریخ سے متروک ہیں۔ دیگر ذرائع سے معلوم کئے جا
سکتے ہیں؛ اور اسطرح علاءالدین کے عہد کی کامل تاریخ ہم حاصل کر سکتے ہیں "

پروفیسر حبیب کا بیان ہے کہ دکن کی مہموں سے تعلق رکھنے والا حصہ تاریخ ہند
میں دائمی قدر کا مستحق ہے۔ جس میں اونٹ کی پیٹھ سے زیادہ ناہموار راستے پر طویل کوچ
غارت شدہ مندروں، حلقۂ اطاعت میں لائے گئے راجوں اور صدیوں کی اندوختہ دولت
کا ایک ہی دار میں دہلی کے خونخوار سلطان کی خدمت میں ترسیل کا ذکر واذکار ہم پڑھتے ہیں
یہ مہم کیا تھی؟ موت، ہوس اور تاخت و تاراج کا ایک دیوانہ رقص تھا۔ پروفیسر حبیب
ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور اپنے جذبات میں توازن قائم رکھ سکتے تو مسلمانی تاریخ
کی روح کے ادراک سے اسقدر قاصر نہ رہتے "

موصوف اسکے بعد علاءالدین کی اس دکنی مہم کو غیر مذہبی ثابت کرنے کی کوشش
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاف صاف یہ مہم گھوڑوں، ہاتھیوں، جواہرات اور
سیم و زر کے حاصل کرنے کے لئے کی گئی تھی نہ کسی مذہبی رسالت و تبلیغ کے واسطے۔
مسلمان وہاں اپنے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی غرض سے نہیں گئے تھے وہ عمدہ
سپاہی تھے۔ ایسے بے سود مقاصد بھلا کب انکی جنگی تجاویز میں برہمی پیدا کر سکتے تھے۔ ہاں
بیشک خدا کے نام کی سنجیدگی کیساتھ تمجید کی گئی۔ ان حملہ آوروں نے جہاں جہاں
بسگئے مسجدیں بھی بنائیں اور بانگ اذان اکثر صحراؤں اور برباد شدہ شہروں سے بلند
کی لیکن یہ سب کچھ رسماً ہوا اور یہ دکنی مہم ہر قسم کی متشددانہ و غیر متشددانہ مذہبی
تبلیغ و اشاعت سے بالکل معصوم تھی "

پروفیسر ممدوح کی اس عجیب و غریب تبصرہ فرمائی کی منطق کو ہم مطلق نہیں سمجھے
علاء الدین کی جنگوں کو کسی نے بھی مذہبی جہاد کے نام سے تعبیر نہیں کیا۔ خود امیر ان
جنگوں کو "عالمگیری" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں ؎

باز گشتن از بیان رسم گیتی داشتن سوی عالمگیری و طرز علم افراشتن (خزائن الفتوح[۳۴])

آگے چلکر پروفیسر کہتے ہیں کہ خزائن الفتوح کا ایک سطحی قاری شاید اس میلان
کو ترجیح دے کہ یہ کتاب مذہبی تشدد و تعصب کے اثرات میں لکھی گئی ہے لیکن یہ ایک
شدید غلطی ہوگی۔ امیر خسرو کا مذہبی مطمح نظر غیر معمولی طور پر رواداراتہ تھا جیسا کہ ان
کے دیوان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ خزائن الفتوح کے نہایت شدید مقولات
میں بھی ایک پردہ دارانہ تعریض ہے'

اسکے بعد فاضل دیباچہ نگار کتاب سے ترجمہ کی صورت میں ایک اقتباس دیکر
سوال کرتے ہیں۔ کیا یہ ایک فخریہ تعصب کی قرنا ہے یا ایک غم انگیز فکریت کا دلگداز
نغمہ؟ کیا امیر خسرو ان بت شکنوں کی مدحت گری میں زمزمہ سنج ہیں یا انکے صحیح مذہبی
حسیات کے فقدان پر کف افسوس ملتے ہیں؟ جواب میں ارشاد ہوا ہے کہ ایک درباری
مورخ جو سرکاری طور پر تاریخ نگاری پر مامور ہے اپنی اصلی رائے کے اظہار کا کوئی
حق نہیں رکھتا اور امیر خسرو اپنی تاریخ سلطان کی خواہش کے مطابق لکھ رہے
ہیں۔ لیکن جیسا کہ صاحب روضۃ الصفا میر خواند نے لکھا ہے کہ درباری مورخ کو
اشارات و کنایات یا بیجا مدح نگاری یا دوسرے طریقوں سے جیسا موقع ملے اپنی
صحیح رائے کے اظہار سے جو اس کے جاہل ممدوح پر منکشف نہ ہو اور جسے دانا و عقلا
سمجھ سکیں باز نہیں رہنا چاہیئے۔ امیر خسرو بھی ملک نائب کافور سلطانی کو کبھی پسند
نہیں کرتے تھے چنانچہ دیول رانی میں وہ اسپر سب وشتم کرتے ہیں۔ لہذا خسرو کی
دینی اور شعری روشن ضمیری مہم دکن کی بربریت کے خلاف بیزاری کا اظہار ہی کر سکتی

ہے اور اسی بنا پر انکا خاکہ فی الحقیقت اسقدر بھیانک ہے۔ شاعر نے ایک قدیم تمدن کی بربادی پر خونیں اشک بہائے ہوں یا نہ بہائے ہوں لیکن اسکے طرز کلام سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہ خدا کی بندگی نہیں تھی بلکہ دنیاوی طمع کا مقصد جسنے حملہ آوروں کو اس مہم پر آمادہ کیا۔ خزائن الفتوح سے تو پروفیسر کی اس رائے کی تائید نہیں ہوتی۔

علاءالدین کی مہموں کے خلاف پروفیسر حبیب کا یہ معصومانہ غصہ اور متشددانہ رویہ نہایت استعجاب انگیز ہے۔ آخر دنیا میں ایسی باتیں بھی ہوا ہی کرتی ہیں۔ ہر فاتح و جابر پادشاہ نے ایسا کیا ہے اور کیا آج نہیں ہو رہا؟ لیکن ان خالص فوجی مہموں میں حبیب صاحب نے مذہبی سوال کیوں داخل کیا اور پھر اسکے لئے معذرت خواہی بھی کر رہے ہیں کہ ان جنگوں کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسیطرح یہ کہ امیر خسرو کے صاف و صریح بیان کے باوجود انکی طرف سے عذرداری کر رہے ہیں کہ علاءالدین کے خوف سے انھوں نے حقیقت پر پردہ ڈالا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ غیر مدلل موقعہ پروفیسر کے اپنے جذبات کا پیدا کردہ ہے۔ امیر خسرو اس گندم نمائی اور جو فروشی سے بالکل معصوم ہیں۔ خزائن الفتوح امیر نے علاءالدین کے حکم سے نہیں لکھی تھی۔ بلکہ اپنی خوشی سے۔ اسکے متعلق انکا بیان بالکل صریح اور واضح ہے وہ دیباچہ میں کہتے ہیں'

"تا ازان گونہ کہ در بحور نظم فراوان غوص نمودہ بودم و انبار ہای لآلی گرد آوردہ۔ خواستم کہ برای سدہ والا نثری نیز بیارایم (ص۱۲ خزائن)

جب امیر خسرو اپنی خواہش سے یہ نثر کے موتی علاءالدین کے قدموں پر نثار کر رہے ہیں تو پروفیسر کا یہ قول کہ یہ کتاب امیر نے علاءالدین کے حکم سے لکھی ہے نہ صرف پایۂ اعتبار سے ساقط ہے بلکہ گمراہ کن ہے۔ علیٰ ہذا امیر ہر قسم کی پردہ دارانہ تعریف اور منافقانہ سوانگ بھرنے سے بری ہیں'

حبیب صاحب تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ تعجب ہے انہیں علاءالدین کے تمام کارناموں

میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی اسکا اقتصادی پروگرام جو دنیا کے لئے موجب رشک و حیرت ہے
انہیں شروع ہی سے یاد نہیں آیا۔ اس سے بھی زیادہ اسکا وہ درخشاں کارنامہ جسنے آٹھویں
صدی ہجری میں سرزمین ہند میں مغلوں کے آئے دن کے حملوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ پروفیسر
صاحب کی ذہنیت بھول کر بھی اسطرف منتقل نہیں ہوئی۔ لیکن اسکی فتوحات کے ایک
اونئے شاخسانہ یعنی مہم دکن پر وہ سرخ آنسو بہانے کے لئے تیار ہوگئے۔ حالانکہ سیاسی اعتبار
سے وہ بالکل ہنگامی اور بے نتیجہ تھی۔ لیکن پروفیسر اس دھوکہ میں کہ ایک بڑا قدیم تمدن نیست
ونابود کر دیا گیا۔ رنگین آنسو بہا رہے ہیں حالانکہ کوئی تمدن ایسی ہنگامی تاخت وتاز سے
برباد نہیں ہوا کرتا۔ لیکن وہ ہڈیاں دیکھتے ہیں اور رو تے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کیا لڑائیوں
میں لڈو بٹا کرتے ہیں '

ہمیں حیرت ہے کہ فاضل پروفیسر کو علاء الدین کے نمونہ کا تاریخ میں کوئی شخص
نظر نہیں آیا۔ حالانکہ دکن کے خلاف مہم میں نہ وہ اول ہے اور نہ آخر ہے۔ سب سے پیشتر
مہاراجہ اشوک نے دکنی فتوحات کا راستہ کھولا۔ علاء الدین تو اشوک کے بعد آتا ہے جس
طرح کہ اکبر علاء الدین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ یہ سلاطین اپنے اپنے زمانہ میں بڑے فاتح
ہوئے ہیں اور انکی کثرت فتوحات نے بالآخر انکو ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت کے
تخیل تک رہنمائی کی ہے۔ اسی لئے یہ تینوں سلاطین دکن کی فتح کے لئے جد وجہد کرتے
رہے ہیں۔ لیکن علاء الدین کے لئے مثالیہ اشوک نہیں ہے بلکہ سکندر اعظم اور اسی
لئے اسنے اپنے نام اور سکہ میں سکندر الثانی کا خطاب اختیار کیا ہے۔ اب جس اصول نے
سکندر کو یونان سے نکل کر ہندوستان میں پورس سے جنگ کی ترغیب دی۔ اسی اصول
کے ماتحت علاء الدین بھی دکن فتح کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور ہم پروفیسر صاحب سے دریافت
کرتے ہیں۔ کیا آج ملک گیری کا دروازہ بند ہو چکا ہے ؟

خزائن الفتوح کے متعلق بہت سی باتیں کام کی کہی جاسکتی تھیں مگر معلوم ہوتا ہے

کہ دیباچہ نگار نے یہ مقدمہ عجلت کی حالت میں کتاب پر زیادہ وقت صرف کئے بغیر لکھا ہے
اسی لئے اس میں ایسی بحثیں جو کتاب سے درحقیقت کوئی تعلق نہیں رکھتیں مثلاً روضۃ
الصفا کے مصنف کی نسبت کا نقل کیا جانا جو یقیناً بے موقعہ اور بے محل ہے۔ اسیطرح
یہ دعوے کہ امیر خسرو ملک کافور سلطانی سے نفرت کرتے تھے اور اسی لئے وہ دیول رانی
میں اسکو سب وشتم سے یاد کرتے ہیں۔ فاضل پروفیسر اپنی جلد بازی میں یہ بھول گئے۔ کہ
دیول رانی میں ملک کافور شہزادہ خضر خاں کے کور کیے جانیکا ذمہ دار ہے۔ اس لئے ہر
راستی پسند شخص اس سے نفرت کریگا اور امیر خسرو تو بدرجۂ اولیٰ کیونکہ اس جوانمرگ
شہزادہ کیساتھ ان کے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ لیکن خزائن الفتوح کی تصنیف کے وقت
حالات بالکل مختلف تھے۔ بحیثیت فاتح دکن وہ انکے سر احترام کا مستحق تھا چنانچہ خزائن
الفتوح میں ہر مقام پر وہ اسپر تحسین وآفرین کرتے ہیں۔ ہمیں یہ امر یاد رکھنا چاہئے
کہ خزائن الفتوح دیول رانی سے چھ سال قبل تصنیف ہوتی ہے'

ہم پروفیسر کے اس خیال سے بھی اتفاق نہیں کرتے کہ خسرو خزائن الفتوح
میں ایک درباری مورخ کا فرض ادا کر رہے ہیں اور اس لئے رمز و کنایہ سے مصنف
روضۃ الصفا کے عقیدہ کے مطابق صحیح واقعات کی طرف ہماری رہبری کر رہے ہیں'

اب ہم دیباچوں سے اعراض کر کے اصل کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جناب
اڈیٹر کے اس بیان کے باوجود کہ نسخۂ ہذا کا متن دو مخطوطوں پر قائم ہے جن میں کوئی
اختلاف نہیں تھا اور اسی لئے اس اختلاف کو ذیلی حواشی میں دکھانے کی ضرورت پیش
نہیں آئی۔ کہا جاسکتا ہے کہ نسخۂ ہذا اسقدر غلط ہے کہ اسکی کوئی صفحہ غلطیوں سے خالی
نہیں۔ قدم قدم پر عبارت کا ربط درہم و برہم نظر آتا ہے اور چھوٹی اور بڑی غلطیاں
اس کثرت سے ملتی ہیں کہ قاری دق ہوجاتا ہے۔ میں بعض مثالیں ذیل میں عرض
کرتا ہوں:-

ص۲ سطر ۸ و ۹ :۔ "سحرۂ خون آشام یعنی' کہ گفتاران آدمی خوار' کہ در گوشت و پوست اولاد و اطفال مردمان دندان بے خرد تیز می کردند' وسیل خون فرود می بردند و گوارشان می آمد"

ان دو سطروں میں ہمیں یہ غلطیاں نظر آتی ہیں :۔ 'یعنی' کے بعد علامت وقفہ غلط۔ کاف بیانیہ غلط۔ گفتار آن کی جگہ گفتاران چاہیئے۔ بے خرد کی جگہ بی خردی اور فرود کے بجای فرو اور گوار کی جگہ گوارا لانا چاہیئے'

ص۲ سطر ۱۰ و ۱۱ :۔ "و از ناگوارای آب سم ایشان را فرود در خاک شان تا حلق فرود می بردند' و مرمردمان را بر کاسہ سر ایشان سنگ انداز میکردند"

اس عبارت میں ناگوارای کے بجای ناگوائی اور فرود کی جگہ فرو چاہئے۔ فرو کے بعد فعل نمی برد چاہیئے اور دوسرے فرود کی جگہ بھی فرو چاہیئے۔ مردمان سے قبل مر اور مردمان کے بعد را بالکل غلط ہیں۔ کاسہ پر ہمزہ ضروری ہے'

ص۲ سطر ۱۲ :۔ "وسزا بہای خون کہ بخوردہ بودند از سر ایشان فرود می آید"

یہاں سزا بہائی کی جگہ سزا بہای اور می آید کی جگہ می آمد چاہیئے۔

بلا شائبۂ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ان پانچ سطروں میں جو ایک ہی فقرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ پندرہ غلطیاں موجود ہیں۔ اب کس طرح یقین کیا جائے کہ اس کتاب کے پروف پڑھے گئے ہیں'

ص۲۱ سطر ۴ :۔ "باز از آنجا کہ کمال دینداری این معین شریعت جمگلی اصحاب اباحت را احضار فرمود" یہاں شریعت کے بعد علامت خبر 'است' ضروری ہے'

ص۲۱ سطر ۵ و ۶ :۔ "تا ہر یک را پیش جستند' و بزمے تفتیش کردند از کیفیت آن آلودہ گان بے حیا چنان روشن گشت" اس فقرہ میں بزمے کی جگہ بہ نرمی چاہیئے آلودہ گان کو آلودگان لکھنا چاہیئے'

ص ۲۱ سطر ۸ و ۹ :- "و میان خواہر و برادر نبیرہ چیتری زادہ برسر ہمہ از سین سیاست ارہ راند، بحدی کہ مردان را اگر در خود بینی از سر ہیبت نیت می گشت"
اب یہ عبارت نبیرہ چیتری ۔ خود بینی اور نیت کی بنا پر بالکل مہمل ہوگئی ہے۔ ہم اسکی صحت سے عاجز ہیں'

ص ۲۲ سطر ۳ و ۴ :- "نرخ حبوب کہ منفعت عام شہرے و روستائی است' در ایامے ارزاں داشت کہ از کف ابر ممثل قطرہ نمی چکید" حبوب کے بعد 'را' چاہیے۔
اور ممثل کی جگہ 'ممسک' چاہیے'

ص ۲۳ سطر ۲ :- "باز دار العدل کشادہ تر از پیشانی راست کاران بنا فرمودہ"
دار العدل کی جگہ دار العدلی آنا چاہیئے'

ص ۲۴ سطر ۹ :- "تا ہر کس در شور و شیون ہرچہ بہتر و بایستہ تر بانصاف می ستاند"
شور کے بدلے سُور لانا چاہیئے۔

ص ۲۵ سطر ۴ و ۵ :- "در اقامت خیرات بنایادے نہاد کہ سپہر دروے شیدا گردد"
بنایادے کے عوض 'بنیادی' چاہیے'

ص ۲۶ سطر ۱۳ و ۱۴ :- "بیک اشارت والا جملگی گردونہاء سیارہ کہ دوکان گاو فلک در زیر داشتند بکار آمدند' و مشتری بخریدن سنگ و آہن بازار گرم کردہ برامدن نور شرف نمود" اس موقعہ پر دوکان کی جگہ دوگان اور شرف کے بعد 'خود' آنا چاہیئے
اور گردونہاء کی جگہ گردونہای صحیح ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر آہن کی جگہ آہک ہو'

ص ۲۷ سطر ۶ :- "از بس کہ در تحصیل سنگ عشقی تمام داشتند' عاشق وار دامن کوہ را چاک چاک کردند" عاشق کی جگہ فرہاد چاہیئے'

ص ۲۷ سطر ۷-۱۰ :- "وبعضی در قلع بنیادہای کفر از پولاد تیز تر بودند' آہن ہای تیز کردہ روی جہاد بہ صنم خانہا رایان آوردند' و بازوہای را آہنین ہا در شکستن سنگ

نیروی ہرچہ قوی تر داوند ہر جا کہ بتخانہ در تعبدیت کر تعظیم بستہ بود، زبان متین یہ بحث محکم اساس کفر را از دل او برمیکنند" اس عبارت میں یہ تصحیح ضروری معلوم ہوتی ہے :- آہن ہای سے پہلے ' با ' چاہیے - بازوہای کے بعد را غیر ضروری ہے۔ تعبدیت کی جگہ تعبد بت - متین کی جگہ متین اور میکنند کی جگہ میکند چاہیے'

صفحہ ۲ سطر ۳-۴ : سنگ تراشان ہند' کہ در صنعت خارا ' فرہاد را بے سنگ کردانند' تیشہ برداشتہ روے خارا را بلطافتے ابلیس میکردند' اگر وہم بروے بگذرد' بلغراد " اس فقرہ میں ابلیس کی جگہ اطلس' ' اگر' سے پہلے کاف بیانیہ اور بلغراد کی جگہ بلغزد' چاہیے '

ہم نے نمونہ کی غرض سے صرف چند موٹی موٹی غلطیاں دکھائی ہیں - یہ نہ سمجھا جائے کہ ان صفحات میں بس اسی قدر غلطیاں ہیں۔ اگر باریک اغلاط کو بھی شامل کر لیا جائے تو انکی تعداد بہت بڑھ جائیگی۔ خصوصاً اسوجہ سے کہ فارسی کو اردو رسم الخط کے مطابق لکھا گیا ہے -ذیل میں صرف تین صفحات کی اغلاط نمونۃً حوالۂ قلم کیجاتی ہیں:-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۱	۱	پچوں	پچون	۶۱	۴	فرود ماند	فرو ماند
"	"	از پس	از بس	"	۵	بنمود'	بنمود
"	۲	بنیا ترا	بینا را	"	"	مردم	مراد
"	"	آں	آن	"	۶	پسندیدہ	یسندیدہ
"	"	"	"	"	"	ندبیر	تدبیر
"	۳	"	"	"	"	براین	برین
"	۴	زبیر	زبر	"	۸	بینائی	بینائیے
"	"	آں	آن	"	۹	عین الملکیت	عین الملک

صفحه	سطر	غلط	صحیح	صفحه	سطر	غلط	صحیح
۶۱	۹	گروانید	گروانیده	۶۲	۷	موئے بموئے	موی بموی
"	۱۱	بحذاقت	بحذاقت	"	"	موئے	موے
"	۱۲	چوں	چون	"	"	الملک	الملک
"	"	دراں	دران	"	۸	چوں	چون
"	۱۳	خش کشی	خس کشی	"	"	پیراموں	پیرامون
"	"	خساں	خسان	"	"	بر	بر
"	۱۴	چوں	چون	"	"	پست	پشت
"	۱۵	آں	آن	"	"	روئے	روے
"	"	چوں	چون	"	۹	براں	بران
"	"	مفسداں	مفسدان	"	۱۰	زم	حزم
"	۱۷	دیده	دیدهٔ	"	"	کارے	کارے
"	"	دروں	درون	"	"	بااں	بدان
"	"	برائے	براے	"	"	وآں	وآن
"	"	دیده	دیدهٔ	"	۱۱	ریانکاراں	زیانکاران
۶۲	۱	چنانچه	چنانکه ؟	"	"	باقی	باقی
"	"	آں	آن	"	"	صاف	صاف کرد
"	"	دروں	درون	"	۱۲	رائے	راے
"	۱	ور	در	"	۱۳	دراں	دران
"	۲	آں	آن	"	۱۴	حالے	حالی
"	"	ما	مانظر	"	۱۵	دیده	دیده را

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۲	۱۶	چوں	چون	۶۳	۵	رہش	روشن
"	"	موئے	موے	"	"	کوکبہ	کوکبۂ
	۱۷	برساں	برسان	"	"	ہبرد	برد
"	"	صدمہ	صدمۂ	"	۶	شہانی	شہابی
"	"	سپشم	چشم	"	۷	ویدہ دور	ویدہ دوز
"	"	زندہ	زندہ	"	"	قطرت	قطرات
۶۳	۱	خوں	خون	"	"	یاراں	یاران
"	"	غلطید	غلطانید	"	"	بقدر	بعدو
"	"	مقلہ رائے	مقلۂ رای	"	۸	آں	آن
"	۲	رائے	راے	"	۹	رائے	راے
"	"	التفا	اکتفا	"	"	زوہ	زدۂ
"	۴	رائے	راے	"	۱۰	چشمہ سار	چشمہ ساری
"	"	پیتولہ	پیغولۂ	"	۱۵	دریں	درین
"	"	ارد	آرد	"	"	روئے	روے
"	"	و دریں	درین	"	۱۶	منظرآں	منتظران؟
"	"	کیں	کمین	"	"	مقبلاں	مقبلان
"	۴	ناگاہ	کہ ناگاہ	"	۱۷	حاے	جائے
"	۵	بہ چراغ	چراغ	"	"	گراں	گیران

کتاب ہذا انہی قسم کی اغلاط سے بھری پڑی ہے۔ ہمنے اپنی عمر میں اس سے زیادہ مغلوط کتاب نہیں دیکھی۔ ہمیں رنج ہوتا ہے۔ سلطانیہ انجمن کے منصبداروں کی اس

غفلت پر جنہوں نے خسرو کی اس تالیف کو ایک نہایت غلط نویس کاتب کے حوالہ کرکے کروٹ تک نہیں لی - وہ اس تالیف کے سیر و پر لعن وطعن کرنے ایکدوسرے کا شکریہ ادا کرنے ۔ فرضی نظریوں اور دیگر رسمی اور نمایشی امور میں مشغول رہے لیکن خدا کے ان نیک بندوں نے خزائن الفتوح کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں جھانکا کہ کاتب کے ہاتھوں اس بدنصیب تالیف کا کیا حشر ہو رہا ہے اور اسکا متن کہاں تک فگار کیا گیا ہے '

ابھی کل کی بات ہے اسی علیگڈھ سے امیر خسرو کی مثنویاں قابل ہاتھوں سے ترتیب پاکر شایع ہوئی ہیں اور دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں ۔ لیکن اس سلسلہ کے مرتبین سب کے سب پرانے بزرگ تھے ۔ علیگڈہ میں اب نئی نسل کا دور دورہ ہے اور شاید یہ سب سے پہلا کام ہے جو ان مجددین نے جن میں زیادہ تر شعبۂ تاریخ کے اساتذہ شامل ہیں انجام دیا ہے ۔ مگر جنرل اڈیٹر و اڈیٹر ۔ دیباچہ نگار و پروف خواں ۔ پریزیڈنٹ و نائب پریزیڈنٹ و سکرٹری تک نے اپنے فرائض کی بجاآوری سے گریز کیا ہے ۔ وہ ایک چھوٹی سی تالیف کو صحت کیساتھ چھاپنے سے قاصر رہے ہیں ۔ ہمیں اپنے صحیح علمی فقدان کا ماتم کرنا چاہئے '

کاتب عجیب عجیب مضحک اغلاط کا عادی ہے ۔ مثلاً 'سپہ کش' (سپہ سالار) کو اسنے کتاب بھر میں 'سہکش' لکھا ہے چنانچہ ص۶ س۱۰، ص۱۷ سطر ۵، ص۱۱۰ س۱۴، ص۱۲۰ س۸ و س۱۵، ص۱۵۱ س۱۳، ص۱۶۹ س۸، ص۱۸۲ س۱۶،

پاشیب (زینہ پایہ) کو بعد الف پآشیب لکھا ہے :۔ ص۱۵۴ س۱۱، ص۵۵ س۷ و س۱۴، ص۵۷ س۱۵، ص۶۶ س۶، ' اسی طرح بیلک (تیر) کو بای فارسی کیساتھ پیلک رقم کیا ہے ملاحظہ ہوں :۔ ص۱۴۰ س۹، ص۶۰ س۱۶، ص۷۶ س۱۵، ص۶۶ س۱۰ اور ص۱۹۳ س۱۳،

یہی سلوک میتین (سابل) کے ساتھ کیا گیا ہے جسے ہر مقام پر متین کی شکل

میں لکھا ہے چنانچہ ص۲۷ س۹، ص۳۳ س۵۔ ص۱۰۲ س۹، ص۱۰۵ س۸، ص۱۷۰ س۱۴، ص۱۷۲ س۱۱، ۔ علیٰ ہذا حنا (مہندی)، کو حنیٰ لکھا ہے :۔ ص۵۱ س۲، ص۱۵۱ س۲،

ایسی صریح اور آشکارا غلطیوں کے بار بار دُہرائے جانے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ پروف نہیں پڑھے گئے کیونکہ اگر پروف خوانی کی جاتی تو یقین ہے کہ ایسی فاحش اغلاط کہیں نہ کہیں تو پروف خواں کی نگاہ سے گذرتیں اور درست کی جاتیں ۔

آخر میں ہم پروفیسر حبیب کے ایک جدید نظریہ کے متعلق چند الفاظ کہنا چاہتے ہیں ۔ انہوں نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ خزائن الفتوح کبیرالدین کے فتح نامہ کا تکملہ ہے ۔ یہ بیان کسی صحیح بنیاد پر قائم نہیں ۔ اسلئے کہ کبیرالدین نے کوئی کتاب موسوم بہ فتح نامہ جیسا کہ پروفیسر سمجھے ہیں نہیں لکھی ۔ برنی تاریخ فیروزی میں نہیں بلکہ تاریخ فیروزشاہی میں ص۳۶۱ "فتح نامہا" لکھتا ہے جس سے مقصد کوئی خاص تالیف نہیں ہے بلکہ وہ خطوط جو علاءالدین اپنی ہر نئی فتح کے اعلان کے وقت اپنی قلمرو میں شایع کراتا رہا ۔ اور جنکو کبیرالدین لکھتا رہا ۔ لہذا خزائن الفتوح کو کبیرالدین کی کسی مفروضہ تالیف فتحنامہ کا تکملہ خیال کرنا بالکل ناواجب اور بے بنیاد ہے ۔

رہی تاریخ علائی پروفیسر اسکے متعلق کچھ نہیں کہتے اس لئے ہم بھی اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتے ۔

ش

۲ عقد ثریا

یہ تذکرہ فارسی گویان ہند کا مولفۂ شیخ غلام ہمدانی مصحفی ہے ۔ ۸۴ صفحات پر ختم ہوتا ہے ۔ اس کے ساتھ مولوی عبدالحق صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن کا مقدمہ ۱۴ صفحات کا ہے ۔ یہ تذکرہ بھی زبان فارسی میں لکھا گیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں تصنیفات کم از کم فارسی میں ہوا کرتے تھے ۔

لکھنو میں چھپا ہے۔ طباعت کتابت کاغذ اسکا بھی اچھا ہے اور سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو میں اسکا نمبر ۸۸ ہے۔ ۲۲ × ۱۸ تقطیع ہے'
مجلد کی قیمت عہ اور غیر مجلد کی ۱۲ ر ہے۔ یہ بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ملتا ہے'
اس تذکرہ میں مصحفی کے ہمعصر فارسی گو شعرا کا ذکر ہے۔ ریاض الفصحأ سے اس میں شعرا کے حالات کسی قدر زیادہ ہیں مگر انتخاب کلام بطور نمونہ اکثروں کا بالکل نہیں۔ اور جنکا ہے وہ بھی ایک دو یا تین شعر سے زیادہ نہیں۔ جنکا نمونۂ کلام ہے وہ معدودے چند ہیں۔ البتہ مقدمہ مفید ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ اس انجمن کے وسیلہ سے وہ کتابیں دیکھنے میں آجاتی ہیں جن کا عمومیت سے میسّر آنا دشوار یا محال تھا'

(ب)

(۳) سالنامہ بزم اردو (جامعہ عثمانیہ) کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طلبہ نے بزم اُردو کے نام سے ایک ادبی مجلس قائم کی ہے جسکا مقصد طلبہ میں تقریری اور تحریری ذوق پیدا کرنا ہے۔ بزم' بین الکلیاتی فی البدیہہ تحریری اور تقریری مقابلے منعقد کرتی ہے۔ تنقیدی مقالات لکھواتی اور انکو کتابی صورت میں شائع کرتی ہے چنانچہ تین سال کے عرصے میں جو کتابیں بزم کے لائحہ عمل کے ماتحت لکھی گئیں انکی فہرست مدت قیام کو دیکھتے ہوئے' مبارکباد کی مستحق ہے اسی علمی و ادبی پروگرام کے ماتحت بزم نے ایک سالنامہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ جسکا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے جواپنے مرتب میر سعادت علی رضوی بی۔اے صدر، بزم اردو اور دوسرے ارکان بزم کے ادبی شغف کا بہت اچھا ثبوت ہے۔ تمام مضامین طلبہ کے قلم کا نتیجہ ہیں اور زیادہ تر تنقیدی مباحث سے لبریز ہیں ٭ یہ خیال کرتے ہوئے کہ مذاق تنقید کی پختگی اور عقیدہ و رائے کی متانت مدتوں بعد پیدا ہوتی ہے۔ اگر بزم اُردو کے ارکین فی الحال اپنے مقالات کو بزم کے رسالے میں شائع کرنے پر اکتفا کریں اور کتابی صورت میں نہ طبع کریں تو مناسب ہوگا ٭ مضامین میں بعض جگہ حیدرآبادی اُردو کی مثالیں

بھی نظر آتی ہیں جن سے طلبہ کو محترز رہنا چاہیئے مثلاً صفحہ ۵۷ پر " یہ سفر انکی ادبی سرگرمیوں میں کوئی وقفہ نہیں پیدا کیا " اسکی بجائے " اس سفر نے الخ " ہونا چاہیئے - سالنامے پر قیمت درج نہیں، معتمد بزم اُردو، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) سے طلب کیا جائے ؎

(۴) تحفۂ سامی

مشاہیر کے فارسی تذکروں میں تحفۂ سامی ایک بلند پایہ تصنیف ہے۔ اسکا مصنف سام میرزا وودان صفوی کے سب سے پہلے تاجدار شاہ اسمعیل کا بیٹا اور شاہ طہماسپ صفوی کا بھائی ہے۔ تحفۂ سامی جسکو اُسنے ۹۵۷ھ میں لکھا ایک عام تذکرہ ہے جس کے سات حصّے ہیں۔ ہر ایک حصّے میں مشاہیر معاصر کے الگ الگ طبقوں کے حالات ہیں۔ حصّۂ اوّل میں شاہ اسمعیل اور معاصر امرا، حصّۂ دوم میں سادات، علماء اور مشایخ، حصّۂ سوم میں وزرا، علی ہذا القیاس حصّۂ پنجم میں معاصر فارسی شعراء کا ذکر ہے۔ جس میں نویں صدی کے اخیر اور دسویں صدی کے شروع کے شعراء شامل ہیں۔ یہ حصّۂ پنجم جسکو مصنّف نے "صحیفۂ پنجم" کہا ہے بہ تصحیح و تحشیۂ مولوی اقبال حسین صاحب ایم۔ اے۔ بی ایل اور بہ مخارج دارالفنون پٹنہ اسی سال زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے[۱]۔

کتاب کی اہمیت واضح ہے کہ اوّل تو مصنّف ایک شاہی گھرانے کا آدمی جسکو ہر قسم کی اطلاع بآسانی فراہم ہوسکی ہوگی اور پھر تذکرہ بھی معاصر شعراء کا کہ جن کے متعلق اسکی کہی ہوئی ہر بات مستند۔

صحیفۂ پنجم کے دو حصّے ہیں جنکو مطلع اوّل اور مطلع دوم، کا نام دیا گیا ہے۔

---

[۱] تعداد صفحات ۱۹۳، تقطیع ۲۶ × ۲۰، مقدّمہ مصحح بزبان انگریزی سات صفحے، اور بزبان فارسی تین صفحے،

مطلع اوّل میں وہ شاعر مذکور ہیں جو زیادہ مشہور اور سربرآوردہ ہیں اور انکی تعداد ۸۶ ہے - ان میں مولانا جامی، ہلالی، ہاتفی، فغانی، اہلی شیرازی، شہیدی قمی وغیرہم کا نام قابل ذکر ہے۔ 'مطلع دوم' میں ۲۶۷ شاعروں کا ذکر ہے۔ جو کمتر پایہ رکھتے ہیں اور زیادہ نام آور نہیں ہیں'

حصّہ اول کے شعراء کے حالات بالنسبۃ زیادہ مفصّل بیان کئے ہیں اور ان کے کلام کے نمونے بھی زیادہ دئے ہیں - لیکن دوسرے درجے کے شعراء کو ایک ایک دو دو سطروں میں ٹالا ہے اور نمونہ کلام کے طور پر بھی ایک آدھ شعر سے زیادہ نہیں دیا۔ اس حصّے میں ہم وہی عیب پاتے ہیں جو عام فارسی تذکروں میں موجود ہے یعنی غایت درجے کا اختصار اور شاعر کے ذاتی حالات کالعدم۔اس اختصار کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جہاں حصّہ اوّل کے ۸۶ شاعروں کا ذکر ۱۱۲ صفحوں میں ہے وہاں حصّہ دوم کے ۲۶۷ شاعروں کا صرف ۸۱ صفحوں میں'

اہل ادب کو یونیورسٹی پٹنہ کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایک گرانقدر فارسی تصنیف کو شائع کرکے ہماری ادبی معلومات میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ مولوی اقبال حسین صاحب نے تصحیح و تحشیہ کا کام قابلیت اور ایمانداری کیساتھ انجام دیا ہے -کتاب کا متن دو قدیم قلمی نسخوں پر مبنی ہے جو بانکی پور کے مشہور کتبخانے میں ہیں - اور دونو مصنف کے حین حیات میں لکھے گئے ہیں - ایک کی تاریخ کتابت ۹۶۸ھ ہے اور دوسرے کی ۹۷۱ھ[1]، انگریزی حواشی میں جو پا ورق میں لکھے گئے ہیں اکثر شعرا کے متعلق مزید اطلاعات دی گئی ہیں۔ جو کتب خانہ بانکی پور کے بعض بیش بہا قلمی مآخذ میں سے لی گئی ہیں - اور

---

[1] مصنف کا سن وفات ۹۸۴ھ ہے ٭

بالعموم مفید ہیں۔ طباعت ٹائپ کے حروف میں ہوئی ہے اور عمدہ ہے۔
متن کی صحت خاصی ہے بجز اس کے کہ بعض جغرافیائی ناموں میں تصحیف
ہوئی ہے ۔ (د۔ ک)

۵۔ حقیقت جاپان

مؤلفہ شیخ محمد بدرالاسلام فضلی صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔
حجم ۲۲۷ صفحے، تقطیع معمولی، کاغذ عمدہ اور لکھائی
چھپائی مناسب، قیمت مجلد ہے و غیر مجلد ہے (سکۂ انگریزی)
ملنے کا پتہ :۔ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن۔

یہ کتاب ایک مختصر تمہید اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے تمہید میں جاپان کے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور صنعتی ارتقا اور جاپانیوں کے جذبۂ حریت اور مساوات کو قابل رشک بتاتے ہوئے جاپان اور جاپانیوں کے متعلق اُردو زبان میں فقدان ادب پر اظہار افسوس کیا ہے۔ حصۂ اوّل مؤلف کے قیام جاپان کے جو دو سال سے زیادہ تھا مشاہدات اور تجربات کا آئینہ دار ہے مؤلف نے قابل دید مقامات دیکھ کر انکے کوائف قلمبند کئے ہیں۔ ٹوکیو کے سٹور اسکی آرٹ گیلری اور کوہ فوجی کی سیر کے حالات دلچسپ ہیں۔ کتاب کے حصّہ دوم میں جاپان کے جغرافیہ، تاریخ، فنون، زبان، ادبیات، سیاسی و معاشرتی نظم و نسق، مقبوضات و نوآبادیات، تعلیم اور صنعت و حرفت سے بحث کی گئی ہے۔ اس حصّہ میں دو تتمّے بھی شامل ہیں جو پاسپورٹ، بیمہ وغیرہ کے متعلق ہیں۔

چونکہ حقیقت جاپان کا زیادہ حصّہ مؤلف کے ذاتی مشاہدات کا حامل ہے

اس لئے اس میں جاپان کی سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، صنعتی اور تعلیمی زندگی کے متعلق قابل قدر اور دلچسپ معلومات موجود ہیں ۔

اس کتاب میں جاپان جدید کے متعلق اسقدر مواد محفوظ ہے کہ اس سے جاپانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق تسلی بخش اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ پس یہ کتاب اس ملک کے اردو خوان طبقہ کے لئے جاپان کے حالات اور اس کے باشندوں کے رسم و رواج خصوصیات، عادات وغیرہ معلوم کرنے کے لئے مفید ہے ۔

(ی)

۲۔ رسالۃ البیّنات

جناب مولوی محمد سلیم صاحب امراؤتی (برار) نے قرآن حکیم کے حقائق و معارف پر ایک رسالہ شائع کیا ہے ۔ جسکا نام "البیّنات" ہے ۔ تقطیع خورد، کاغذ چکنا سفید، طباعت اعلیٰ، جلد نفیس، اور دیدہ زیب ہے ۔ صفحات ۲۳۰ ہیں ۔ کتاب مذکور دفتر "البیّنات" امراؤتی (برار) سے مل سکتی ہے ۔ قیمت مذکور نہیں ،

مؤلف کتاب نے رسالہ کی ابتدا میں تقریباً ستائیس صفحہ کا دیباچہ لکھا ہے جس میں آپ نے روشن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ امتہ مسلمتہ کے لئے جو چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے، وحدت لسانی کی بھی ضرورت ہے ۔ بے شمار مختلف اقوام اسلامی، مثلاً امریکن، ایشیائی، یورپین، سرحدی، ایرانی، ترکی، تاجیک افغان وغیرہ کے لئے ایک ایسی مشترک زبان کی ضرورت ہے جو وحدت ملیہ کا سنگ بنیاد ہو ۔ ظاہر ہے کہ وہ زبان عربی اور فقط عربی ہے ،

جناب مؤلف نے بجا فرمایا ہے ۔ اسلئے کہ اسلامی تعلیمات کا ماہر و حاذق جانتا ہے کہ امت مسلمہ کے لئے دو مرکزوں سے چارہ نہیں ۔

(۱) مرکز محسوس و مشاہد ' اور وہ بیت اللہ الحرام ہے - فقال تعالیٰ " و اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا " ے

قوم را ربط و نظام از مرکزے ۔ روزگارش را دوام از مرکزے
راز دار و رازِ ما بیت الحرام ۔ سوز ما ہم ساز ما بیت الحرام
تو ز پیوند حرمے زندہ ۔ تا طوافے او کنی پایندہ

(۲) مرکز علمی اور آئین یعنی قرآن حکیم ے

ہستیٔ مسلم ز آئین است و بس ۔ باطن دین نبی این است و بس
تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست ۔ زیر گردوں سر تمکین تو چیست
آن کتاب زندہ قرآن حکیم ۔ حکمت او لایزال است و قدیم

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا ہر دو مرکز خاص عربی ہیں - مرکز مشاہد عین خطۂ عرب میں واقع ہے - مرکز علمی یعنی آئین کی زبان عربی ہے - بنا بریں عربی زبان کی تحصیل و تکمیل ہر مسلم مبلغ کا اہم ترین فرض ہے - وحدت لسانی یعنی مسلمانوں کی مشترکہ زبان کی ضرورت کے لئے اس سے روشن تر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے '

مؤلف البینات " نے عربی زبان کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے مذکورہ بالا دلیل کی طرف اشارے کئے ہیں - چنانچہ مرکز مشاہد کے متعلق لکھا ہے " اسلام کے ارکان خمسہ میں سے حج بھی ایک رکن ہے - جس سے مقصد اعظم دنیا کے مسلمانوں کا سال میں ایک مرتبہ ایک مرکز پہ مجتمع ہو کر وحدت مولفۃ مساواۃ اور عالمگیر قومیت کے مظاہرہ کے علاوہ ' نظام عمل ' اور انضباط کار سے متعلق مشاورت بھی ہے - اسکی تکمیل نہیں ہو سکتی - جب تک وحدت لسانی کی روح افراد میں نہ ہو " -

ہمارے مشایخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بجا فرمایا ہے کہ حج بیت اللہ درحقیقت آل اسلامک کانفرنس ہے جو ہر سال وادی غیر ذی زرع میں تاریخ معین پر منعقد ہوتی ہے۔ اور تمام ممالک اسلامیہ کے اعلیٰ دل ودماغ کے افراد کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ کم از کم عمر میں ایک بار بحیثیت نمایندۂ قوم اس کانفرنس میں شامل ہوں۔ظاہر ہے کہ اس کانفرنس کی سرکاری زبان عربی ہی ہو سکتی ہے '

مؤلف موصوف نے مرکز علمی یعنی اسلامی آئین کے متعلق لکھا ہے "حدیث پاک " طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ " میں " العلم" سے مراد قرآن پاک کا علم ہے۔سنۃ اللہ کا علم ہے۔ قانون فطرت کا بقدر ضرورت علم ہے۔ عالمگیر تمدن وقومیت کی بقا و تحفظ کا علم ہے ۔ اور یہ اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک عربی زبان نہ سیکھی جائے۔ اس کا سیکھنا کتاب اللہ یعنی العلم سے باخبر ہونے کے لئے ہر فرد مسلم پر فرض اولیں ہے۔ اسی کے ذریعہ وہ کتاب الہٰی کی مقدس تشریحات ' توضیحات ومطالب عالیہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی کے وسیلہ سے عالمگیر وحدت کی بنا قائم ہو سکتی ہے۔ دیکھو صفحہ ۹ تا ۱۰ '

(ب) وحدت لسانی کی ضرورت سے فارغ ہو کر مولف موصوف نے اس موضوع پر بحث کی ہے کہ تمام تر ترقیوں کا مدار فقط قرآن شریف کے اصول ہیں۔ ترقی کی منزلیں طے کرنے والی قوموں کے لئے اس کے اصول پر عمل ناگزیر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قرآن مجید ہی پڑھ کر وہ ہدایت یافتہ ہوں۔ وہ اس زمانہ میں کسی زبان میں تعلیم حاصل کریں۔ قرآن کی روشنی انہیں ملیگی اور خبر بھی نہ ہوگی کہ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ قرآن کی برکت سے ذہنی ارتقا کا شباب ہے جو علماء صالحین سلف کے ذریعہ اطراف عالم میں مدت ہوئی پھیل چکی ہے۔ ص۳۲ "شخصی حیات ' اجتماعی بقا کے لئے جد وجہد '

جو سعی و عمل، قرآن حکیم کے اصول و ضوابط کے تحت نہ ہوگی۔ وہ غیر مثمر، غیر منتج ہوگی۔ یاس انگیز، حسرت خیز ہوگی۔ قوائے عملیہ و قلبیہ کو مفلوج کردے گی۔ جسکا نتیجہ لازماً فلاکت و ادبار کی مہیب اور ہلاکت آفریں صورت میں نمودار ہوگا" صفحہ ۲۰،

(ج) بعد ازاں مولف ممدوح نے صلا سے مسلمانان عالم کی قرآنی تعلیم سے غفلت، اور مشہور مدارس اسلامیہ کی قرآن حکیم سے لا پروائی کو موثر الفاظ میں ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا ہے۔ "ہم بے شمار فرقوں میں منقسم سہی۔ مگر یہ مشترکہ خصوصیت کہ ہم میں کا ہر فرقہ اس کتاب کے منزل من اللہ اور صحیح ہونے کا یقین رکھتا ہے سب میں پائی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے ہم میں ابھی وحدت ملیہ کا مبارک منظر دنیا کو دکھا دینے کی فطری استعداد و صلاحیت موجود ہے" صلا

(د) ان تمہیدات کے بعد لکھا ہے" مدت سے خیال تھا۔ کہ فلسفہ الٰہی اور فلسفہ انسانی کے اس پُر آشوب ہنگامہ میں قرآنی تعلیمات کا ایک مختصر سا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص (خواہ کسی مذہب کا ہو) جسکی عقل فطری طور پر صحیح ہو۔ اور جس کی آنکھوں میں تعصب کا پانی نہ اترا ہو قرآن حکیم کی محکم تعلیم کا مطالعہ کر کے فیصلہ کر سکے کہ انسانیت کی تکمیل کے لئے کیا اس سے بہتر تعلیم ہوسکتی ہے؟ کیا دنیا میں اجتماعی امن اور شخصی خوشحالی قرآنی قانون کے بغیر ممکن بھی ہے؟ میں نے بہت تلاش کی مگر اس قسم کی کوئی جامع اور مختصر کتاب نہ ملی، ارادہ کیا کہ خود جمع کر کے کیوں نہ شائع کروں" صلا

حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر اس کتاب کو شائع کر رہا ہوں:-

(۱) دنیا کے سامنے "تعلیمات قرآنیہ" کا مختصر نمونہ ہو،

(۲) ہر مسلمان اُردو خواں کے پاس بطور دستور العمل ہمیشہ رہے،

(۳) مدارس کے طلبہ جب کچھ اُردو کی کتابیں پڑھنے لگیں اور قرآن کریم کے دو چار پارے ناظرہ پڑھ چکیں تو انکو بطور درس یہ کتاب پڑھائی جائے '

(۴) مدارس دینیات کے نصاب میں شامل کر دی جائے ص۲۵

(۵) یہاں تک کتاب کا مقدمہ تھا - اس کے بعد ص۳۱ سے مقاصد شروع ہوتے ہیں۔ مقاصد کے حسب ذیل حصے ہیں :

(۱) مذہبیات (۲) جسمانیات (۳) معاشرت (۴) معاشیات (۵) اخلاقیات (۶) اجتماعیات '

پھر حصہ اول میں کئی عنوان ہیں مثلاً قرآن ' اللہ ' قرآنی دعائیں ' امثال قرآنی ' اسلام ' مسلم ' غیر مسلم اقوام ' طریق عبادت ' ہر قوم میں پیغمبر آئے ' وغیرہ وغیرہ ' بعد ازاں ہر عنوان کے تحت میں کئی کئی آیات قرآنی مع ترجمہ مذکور ہیں '

ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ کتاب مذکور نو آموز بچوں کی تربیت اور درستی کے لئے از حد مفید ثابت ہوگی -

(۱) البتہ اتنا ہم ضرور عرض کرینگے کہ کتاب میں ترتیب مضمون ہر چند طبعی نہیں کہ یاد کرنے میں سہولت ہو تاہم طریق طبعی سے کچھ زیادہ بعید بھی نہیں۔ مگر سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ایک ایک عنوان کے نیچے جن متعدد آیات کو لایا گیا ہے - ان میں قطعاً کوئی ترتیب مد نظر نہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے ' عنوان "اللہ" ص۳۴ کے نیچے (۵۷) آیات جمع کی گئی ہیں - جن میں ترتیب و نسق کا نام بھی نہیں۔ مثلاً دیکھو آیت " اللہ یفعل ما یشاء ص۴۲ (ال عمران ع ۲) اور آیت " ان اللہ یحکم ما یرید " (ص۴۳) اور آیت " ان اللہ یفعل ما یرید" (ص۵۶) ایک موضوع کی آیتیں ہیں پھر مختلف مقامات پر مذکور ہیں '

(ب) پھر ارشاد " قال کذلک اللہ یفعل ما یشاء " (آل عمران ع ۴) کو " اللہ یفعل ما یشاء " بنا دینا - نظم کریم کی بے طرح قطع و برید ہے اور نہایت خطرناک قدم ہے - ممکن ہے کل کوئی " لا تقربوا الصلوٰۃ " کو قرآنی آیت لکھ کر ترجمہ کرنے بیٹھ جائے -

الغرض عنوان " اللہ " کے تحت جتنی آیات مذکور ہیں - ان میں مضمون کے رو سے کوئی ترتیب نہیں - لفظ جلالہ کو ہم حاشا جنس عالی نہیں کہتے - لیکن تمثیلاً و تنظیراً کہا جا سکتا ہے کہ ایک جنس عالی ' یا جنس الاجناس میں چند اشیاء کی شرکت سے اُن اشیا میں باہمی ' طبعی ارتباط نہیں پایا جا سکتا '

تمام صفات الٰہیہ کا حصر قطعاً محال ہے اور مذکورہ فی القرآن کا استقصا متعسر ہے - بنابریں یا تو صفات الٰہیہ میں سے صفات سبعہ کو موضوع بحث بنا کر انکے متعلق آیات جمع کر دی جاتیں جیسے علماء کلام ابتداء کتب کلامیہ میں کیا کرتے ہیں اور یا آیۃ الکرسی کو پیش نظر رکھ کر [باتباع شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ] مناسب نصوص فراہم کئے جاتے '

یہی حال دوسرے تمامتر عنوانات کا ہے '

(۲) صـ۵۲ پر آیت (۲۷) کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد " ثم استوی علی العرش " کا ترجمہ شاید اسلئے چھوڑ دیا گیا کہ کہیں ناظرین متشابہات کی دلدل میں نہ پھنس جائیں - پھر اس آیت کو نہ لانا ہی زیادہ مناسب تھا جیسے دوسرے متشابہات (نظریات) سے اعراض کیا گیا ہے - کیونکہ تعلیم میں قاعدہ ہی یہ ہے کہ پہلے محکمات (بدیہیات) کی تعلیم ہو - بعدہٗ متشابہات (نظریات) پڑھائے جائیں '

(۳) مگر با این احتیاط صـ۱۲۶ پر جبر و تقدیر کا عنوان ہے کہ اس کے نیچے حسب دستور بلا ترتیب ۸ آیتیں نقل کر دیں حالانکہ جبر و قدر کا مسئلہ " الرحمٰن علی العرش استویٰ "

سے کم مشکل اور نظری نہیں۔ پھر جبر و قدر کا نظریہ' مباحث قرآن میں بحثاً سب سے پیشتر (غالباً) امام فخر الدین رازی نے داخل کیا۔ قرآن حکیم کو ان متحدثہ اصطلاحات سے دور رکھنا ہی زیادہ مناسب ہے '

(۴) پھر با ایں ہمہ احتیاط صفحہ ۱۹۶ پر آیت (۵) "الزانی لا ینکح الا زانیۃ الآیۃ" جیسے اتفاقی فقہی مسئلہ کو پیش کر دیا ہے۔ پھر جدت یہ کی ہے کہ نکاح کے معنی سفاح کے لئے ہیں۔ معاذ اللہ' لقد قف لذلک شعری' حرمت زنا کے لئے اور نصوص کیا کم ہیں کہ اس آیت کو خواہ مخواہ تحریف کا تختہ مشق بنایا جائے '

(ب) کریمہ کا مطلب صاف ہے کہ زانی اور زانیہ سے مسلمانوں کو ازیں وجہ متارکہ کرنا چاہیئے ۔ وہ اس قابل بھی نہیں کہ اسلامی سوسائٹی میں ان کے لئے کوئی جگہ ہو (دیکھو فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ جلد ۲)

(۵) اس کے علاوہ ایک اور واہیہ کبرے اور معصیت عظمیٰ ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۲۳ عنوان انصاف کے نیچے آیت ۳ سورۂ نساء رکوع ۲۰ کے حوالے سے بالفاظ ذیل دی ہے" لا تتبعوا الھوی ان تعدلوا " حالانکہ در اصل کریمہ یوں ہے" فلا یتبعوا الھوی ان تعدلوا " کلمۂ 'فا' کا حذف کتاب مقدس کی تحریف لفظی کی طرف خطرناک اقدام ہے '

(ب) پھر ترجمہ اور دل دوز ہے۔ کیونکہ ترجمہ کرتے وقت ' ان ' مصدریہ کو ' ان ' شرطیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ پھر ترجمہ یہ جما دیا ہے " جب عدل و انصاف کرو تو اس میں نفسانیت کی پیروی نہ کرو" ۔ یہ قطعاً" تحریف معنوی ہے اعاذنا اللہ منہما '

حکیم الہند شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فتح الرحمن میں آیت مذکور کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں " پس پیروی خواہش نفس) نہ کنید اعراض کنان از عدل ہ '

(۲) غالباً انگریزی رسم الخط کی اتباع میں "البینات" کو۔ ال ۔ بیّنات لکھا ہے ۔ یہ جدّت معلوم نہیں کیوں کی گئی اور رسم الخط میں خلاف کی ضرورت کیوں پیش آئی ۔ الف لام یا تو متصل چاہیے تھا ۔ یا اصلاً ترک کرکے 'بیّنات' لکھا جاتا'

پھر صفحہ ۳۲۹ پر ایک عنوان ہے ۔ 'ال ۔ استرحام' معلوم نہیں یہاں 'ال' کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ صفحہ ۳ پر 'ال قرآن' کے بجائے قرآن اور صفحہ ۹۵ پر 'ال اسلام' کے بجائے اسلام اور صفحہ ۲۴۳ پر ۔ ال ۔ استقلال کے بجائے استقلال اور صفحہ ۲۲۳ پر 'ال ۔ انتقام' کے بجائے انتقام لکھا ہے '

یہاں تک ہم نے صرف ترتیب کتاب اور اسکی بعض نہایت نمایاں خامیوں کو آشکارا کیا ۔ اس کے علاوہ ترجمہ اور اشارات میں اور خامیاں بھی نظر آتی ہیں ۔ مگر تطویل کے خیال سے اتنا ہی کافی سمجھا گیا ۔ حق تو یہ ہے کہ اشارات کو سرے سے حذف کر دینا چاہیئے ۔ صرف نظم کریم کا تحت اللفظ ترجمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ترجمہ سے نقل کر دیا جائے اور جو آیات اتنی نظری ہیں کہ اشارہ کی محتاج ہیں ۔ مبتدی کو ان کے بجائے بدیہیات کی ضرورت ہے

لقد جاءت رسل ربنا بالحق 'ن'

۷ ۔ تذکرہ ہندی

(تالیف غلام ہمدانی مصحفی)

(مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے (علیگ) آنریری سکرٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن)

یہ تذکرہ انجمن کے سلسلۂ مطبوعات کے نمبر ۴۵ کی حیثیت سے شایع ہوا ہے ۔ شروع میں فاضل مرتب کا مقدمہ ہے ۔ جس میں آپ نے مصحفی کے حالات و سیرت کے متعلق بحث کی ہے اور کام کی باتیں لکھی ہیں ۔

ایک اُردو شاعر کی حیثیت سے مصحفی اردو شعروادب کی تاریخ میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ میر انشاء اللہ خاں انشا سے انکی شاعرانہ چشمک اور ہنگامہ خیز معرکوں سے ہر اُردو خواں شخص باخبر ہے۔ اس سلسلے کی بعض ہزلیات کا اب بھی دلچسپی سے مطالعہ کیا جاتا ہے،

انکی پُرگوئی کی یہ حالت تھی کہ آٹھ دیوان، متعدد قصائد اور مثنویاں اب تک یادگار ہیں۔ تذکرہ نویسی کے میدان میں بھی ہمعصر تذکرہ نویسوں سے آگے ہیں یعنی ایک نہ دو اکٹھے تین تذکروں کے مولف ہیں۔ سب سے پہلا تذکرہ فارسی گو شعرا کا ہے جس کا نام عقد ثریا ہے۔ دوسرا تذکرہ اردو شاعروں کا ہے تیسرے تذکرے کا نام ریاض الفصحا ہے۔ جس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جن شعرا کے نام پہلے تذکرے میں لکھنے سے رہ گئے تھے۔ انکا ذکر اس میں کیا گیا ہے،

بقول مقدمہ نگار" ان تینوں میں تذکرہ ہندی اصل ہے۔ باقی دو کو اسکا تکملہ سمجھنا چاہیئے، یہ تذکرہ جیسا کہ خود مصحفی نے لکھا ہے میر مستحسن خلیق خلف میر حسن کی فرمائش سے لکھا گیا ہے۔ اور اس میں عہد فردوس آرامگاہ (محمد شاہ بادشاہ) سے شاہ عالم بادشاہ کے زمانے تک کے شعرا کا حال درج ہے۔ بعض مقدم شعرا کے حالات ضمناً لکھ دیئے گئے ہیں۔ لیکن زیادہ تر معاصرین ہی کا ذکر ہے،

بحیثیت ایک تذکرے کے "تذکرۂ ہندی" کو میر تقی میر کے "نکات الشعرا" اور میر حسن کے تذکرے کے بعد جگہ دی جا سکتی ہے۔ معلومات کے لحاظ سے اسے کوئی برتری حاصل نہیں ہے سوائے اسکے کہ طوالت عمر و سبقتِ عہد کی بدولت اس میں بعض ایسے شعرا کے نام ضرور نظر آتے ہیں۔ جو میر تقی اور میر حسن کے بعد کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں" مصحفی کی حاتم سے لے کر نصیر دہلوی تک سے ذاتی ملاقات تھی۔ بعض ان میں سے بزرگ تھے جیسے حاتم

خواجہ میر درد، میر تقی میر، سودا، فغاں وغیرہ بعض ہم عمر اور ہمعصر تھے مثلاً قائم، جرأت، سوز، بقا، انشا، حسن، حسرت وغیرہ۔ بعض نومشق تھے اور نام پیدا کر رہے تھے جیسے آتش، ناسخ، نصیر، رنگین، ممنون، تپش، خلیق، افسوس وغیرہ۔ شاگرد بھی مصحفی کے اس کثرت سے تھے کہ پرانے اساتذہ میں شاید ہی کسی کے ہوں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

"شاگرد تازہ از پس شاگرد می رسد یعنی رجوع خلق بسویت ہمان کہ بود"

اردو شعرا کے بعض دوسرے تذکروں علی الخصوص نکات الشعرا کے مقابلے میں ایک بہت بڑی کمی اس تذکرے میں بلحاظ اصول فن یہ ہے کہ بقول مولوی عبدالحق "وہ اپنے تذکروں میں شعرا کے کلام کے متعلق رائے لکھتے ہیں لیکن اسمیں تنقیدی حیثیت بہت کم ہوتی ہے" شاید اسکا سبب یہ ہو کہ (مقدمہ نگار ہی کی زبان میں) "ہمعصروں کے کلام کے متعلق صحیح رائے کا ظاہر کرنا آسان نہیں" اور ظاہر ہے کہ تذکرے میں زیادہ تر معاصرین ہی کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے اسکا نام "تذکرۃ المعاصرین" زیادہ موزون ہوتا۔

اس تذکرے میں ایک بات جو جاذب توجہ نظر آتی ہے یہ ہے کہ مصحفی نے ریختہ کی بجائے اور کہیں کہیں اس کے ساتھ 'اردو' کا لفظ زبان کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ 'جہانتک تحقیق ہوا ہے۔ اردو شعرا میں مصحفی پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ لفظ اختیار کیا ہے۔ بہر حال لفظ ریختہ کا استعمال ترک ہونے اور 'اردو' کے اسکی جگہ لینے کی تاریخ کے سلسلے میں یہ تذکرہ ماہرین زبان و تحقیق الفاظ کے لئے ایک قابل توجہ کڑی بن سکتا ہے

مولوی عبدالحق صاحب شکریے کے مستحق ہیں جنکی مساعی جمیلہ کی طفیل اردو ادب کے وہ آبدار موتی نظروں کے سامنے آرہے ہیں جو برسوں سے گمنامی و

تاریکی کے گرد و غبار میں ملفوف و مستور تھے '

ملنے کا پتہ :- انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

(د)

۸- ریاض الفصحاء

فی الحال "انجمن ترقی اردو" اورنگ آباد دکن سے ایک تذکرہ ریاض الفصحا کے نام سے لکھنو میں چھپ کر شائع ہوا ہے - جس میں ہندی (اُردو) گو شعرا کے مختصر حالات اور اشعار درج ہیں - کاغذ - طباعت - کتابت سب دیدہ فریب ہیں - شیخ غلام ہمدانی امروہوی المتخلص بہ مصحفی کی تصنیف ہے '

اس میں اُن شعرا کا ذکر ہے جو مصحفی کے زمانہ کے یا انکے شاگرد ہیں سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو میں اسکا نمبر ۷۷ ہے - چودہ صفحہ کا مقدمہ مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب معتمد اعزازی انجمن مذکور ہے -

انجمن ایک مدت سے اگلے جواہر پارے جستجو سے مہیا کر رہی ہے اور پبلک کے سامنے انکو پیش کرکے مستفید ہونے کا موقعہ اسکو دے رہی ہے '

تذکرہ فارسی زبان میں ہے - کلام شعرا اُردو میں ہے کسی کسی کے اشعار فارسی بھی درج ہیں - تذکرہ کی نسبت اتنا کہنا کافی ہے کہ اگلے لوگوں کی روش پر لکھا گیا ہے - جس سے شاعر کا سن پیدائش یا وفات بھی معلوم نہیں ہوتا - تو پھر سیرت و سوانحمری شاعر و انتقاد کلام کا بھلا کیا ذکر - اصل کتاب سے ہمیشہ مقدمہ معتمد بہتر ہوا کرتا ہے جو بہت سی معلومات مفیدہ پر مبنی ہوتا ہے - اصل نسخہ سے جو پڑھا نہ گیا یا کاتب نے چھوڑ دیا تھا وہ اس میں بھی نہیں ہے - کوئی لفظ مشتبہ رہا ہے تو اسکے سامنے علامت استفہام (؟) درج ہے - با ایں ہمہ سعی معتمد مشکور ہے -

اس تذکرہ میں تقریباً سوا تین سو شعرا کا ذکر ہے اور ۲۷۰ صفحات پر ختم ہوتا ہے۔ قیمت مجلد عہ/ اور غیر مجلد دو روپیہ ہے۔ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ملتا ہے ۔

(ب)

مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت، تجارت

مولوی محمد جمیل الرحمٰن صاحب ایم۔ اے (پروفیسر تاریخ اسلامی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) نے عنوان مندرجہ بالا کے ساتھ ایک کتاب شائع کی ہے جو مشہور جرمن مستشرق فان کریمر کی تصنیف موسومہ بہ "تاریخ تہذیب مشرقی بعہد خلفاء" کے ایک باب کا اردو ترجمہ ہے۔ کتاب کا موضوع نہایت دلچسپ ہے، مصنف نے دکھلایا ہے کہ عہد خلافت میں مسلمانوں نے کون کونسی صنعتوں میں ترقی کی؟ ان صنعتوں کے مرکز کہاں کہاں تھے، تجارت کو انہوں نے کہاں تک فروغ دیا اور انکا کاروبار کہاں تک پھیلا ہوا تھا؟

فان کریمر کی کتاب اگرچہ کسی قدر پرانی ہو چکی ہے اور اس باب میں اب بہت کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے تاہم چونکہ مستشرقین یورپ میں اسکا پایہ بہت بلند تسلیم کیا جاتا ہے اور تمدن اسلام کی تاریخ میں اسکے رتبہ کا مبتصر یورپ میں شاید کوئی نہیں ہے۔ لہذا اسکے معلومات اور مشاہدات تاریخ اسلام کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے شک سودمند ہیں ۔

فان کریمر کی تصنیف دو جلدوں میں ہے۔ موجودہ اردو ترجمہ جلد دوم کے ایک باب کا ہے۔ پروفیسر جمیل الرحمٰن ایک کہنہ مشق مترجم ہیں۔ انکا ترجمہ سلیس اور صاف ہے البتہ صحت کے اعتبار سے اس میں کچھ قیل و قال کی گنجایش ہے۔ کہیں کہیں عربی اسماء کے لکھنے میں ہجوں کی غلطیاں نظر آتی ہیں مثلاً صفحہ ۸۴ پر ابن مقلی لکھا گیا ہے ۔ بجائے

ابن مقالہ) اور ص۵۹ پر البنفسج (بجائے البنفسیج) وھن الاکھوان (بجائے وھن الاقحوان)،
اسی طرح ص۳۲ پر دبیقی کو وبیقی کی صورت میں اور ص۳۴ پر خیش کو خشیس کی صورت میں
مسخ کر دیا گیا ہے، ص۵۵ و ص۵۹ پر یورپی لفظ کی تقلید میں "بادزہر" لکھا گیا ہے حالانکہ
لفظاً باوزہر ہے۔ ص ۱۳۱ س ۔ میں دوراقینا لکھنا چاہئے (نہ دور اسینا) ص ۲۲۳ س ۲
پر کرا غندہ کو کسی مغالطہ کی بنا پر پرچا کہا گیا ہے مگر بظاہر یہ لفظ قرآگند ہے جو پرچا نہیں
بلکہ خفتان ہے، ص ۶۵ پر پے پی رس یا پڑوی کو درخت کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک پودا ہے،
کتاب کی طباعت خاصی ہے۔ ضخامت ۱۴۷ صفحے، قیمت ۸ھ ملنے کا پتہ: کتابستان، الہ آباد

۱۰۔ دستور پہلوی۔ زبان پہلوی کی ایک جامع صرف و نحو ہے جسکو فارسی میں منشی
دین محمد صاحب بی۔اے امرتسری نے تالیف کیا ہے اور ٹائپ کے حروف میں صحت و عمدگی
کے ساتھ بمبئی میں طبع کرایا ہے،

پہلوی دنیا کی نہایت مشکل زبانوں میں شمار ہوتی ہے اور جب ہم اس بات کا
خیال کریں کہ وہ ایک مردہ زبان ہے اور اسکے سکھانے والے نایاب ہیں تو اسکے اشکال میں
اور بھی زیادہ شدت رونما ہوتی ہے۔ منشی دین محمد صاحب سالہا سال سے دراز سے اسکی تحصیل میں
مصروف رہے ہیں۔ اس اثنا میں انہیں متعدد بار بمبئی جاکر رہنا پڑا ہے تاکہ وہاں کے
پارسی علماء سے جو کہ اس قدیم اور مقدس زبان کے خزینہ دار ہیں استفادہ کریں۔ غرضیکہ
برسوں کی محنت اور کاوش کے بعد منشی صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے جو فارسی زبان میں
اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہے،

پہلوی زبان میں صرف و نحو کی کتابیں گجراتی، انگریزی اور دوسری یورپین۔ زبانوں
میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض خاصی مقبول ہیں۔ لیکن دستور پہلوی کے مؤلف
نے جو نئی بات پیدا کی ہے وہ یہ ہے کہ پہلوی قواعد کا فارسی قواعد کے ساتھ مقابلہ کیا ہے
اور دونوں گراموں کو پہلو بہ پہلو ترتیب دیا ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف فارسی کے

طالبعلموں کی ایک اشد ضرورت کو انہوں نے پورا کیا ہے بلکہ گرامر کو اور وہ بھی پہلوی جیسی مشکل زبان کی گرامر کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ الفاظ اور قواعد فارسی کے اسناد انہوں نے مشہور اساتذہ کے کلام میں سے تلاش کرکے دئے ہیں جنکی وجہ سے صرف ونحو کی خشکی ایک بڑی حد تک حلاوت و لطافت میں تبدیل ہو گئی ہے۔

کتاب کے شروع میں ۳۲ صفحے کا فارسی مقدمہ ہے جس میں ایران کی قدیم زبانوں کی مختصر تاریخ اور نوعیت بیان کی گئی ہے۔ منشی صاحب کو فارسی زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ انکا انداز تحریر ایران کے موجودہ ادبا کا سا ہے اور کوئی شخص تمیز نہیں کر سکتا کہ یہ ہندوستان کی فارسی ہے۔

ہمیں نہایت خوشی ہے کہ دستور پہلوی کی اشاعت سے فارسی میں ایک قابل قدر علمی اضافہ ہوا ہے جس کی سخت ضرورت تھی۔

کتاب کی طباعت نہایت عمدہ ہوئی ہے۔ فارسی اور پہلوی دونو ٹائپ کے خوبصورت حروف میں چھپی ہیں۔ ضخامت ۲۷۵ صفحے قیمت آٹھ روپے ملنے کا پتہ :- منشی دین محمد صاحب بی۔ اے 'الریاض' ہال بازار۔ امرتسر

ز۔ ق۔

(۱۱) **بہارستان** گورنمنٹ اردو نارمل سکول امراؤتی (سی پی) کا وہ ماہی رسالہ ہے جو مولوی خیر الدین بی۔ ایس سی، ایل ٹی سپرنٹنڈنٹ اور محمد سلیم صاحب منشی فاضل معلم ادبیات کی نگرانی اور غلام رسول شاہ، عبدالوہاب مرتضی پوری اور محمد احسان اللہ خان مضطر کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ دور جدید کا پہلا نمبر بابت جنوری ہمارے پیش نظر ہے۔ زیادہ تر مضامین تعلیمی اور طلبہ کے تلم کا نتیجہ ہیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کام کی باتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ سکول ہذا کے طلبہ کا یہ ذوق قابل داد ہے قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۱۰ار

۱۲- استدراکات

اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۲ء میں میرا جو مضمون تغلق نامۂ امیر خسرو کے متعلق شائع ہوا ہے اس میں ادارہ کی طرف سے کئی جگہ میرے قیاس سے اختلاف کیا گیا ہے اور متن کی زیادہ صحیح صورت تجویز کی گئی ہے - ان اشارات کے لئے میں صاحبان ادارہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں - اور چند اشعار کے متعلق خود اپنی رائے میں مندرجہ ذیل ترمیم پیش کرتا ہوں :

صفحہ میگزین ۱۲۴ - صفحہ مثنوی ۶۹ نمبر شعر ۱۳۰۷ :- چو چاکر بہرنان لب اپے فشردی الخ میری تصحیح "بہرنان را" کے غیر فصیح ہونے پر مبنی تھی - لیکن چونکہ حسب اشارۂ ادارت بہرنان را نحوی حیثیت سے درست ہے - اسلئے مصرع میں ترمیم کی ضرورت باقی نہیں رہتی - "پے فشردن" بمعنی جدّ و جہد کردن صحیح ہوگا '

صفحہ میگزین ۱۳۲ - صفحہ ۱۲۸ - نمبر شعر ۲۶۶۱ : دگر بر جاش تیہو و کبک بود میرا قیاس بجائے "برجاش" "پرخاش" ہے لیکن "برجاش" بھی ایک طرح درست ہو سکتا ہے یعنی دوسرا نشانہ یا ہدف تیہو اور کبک بنے '

صفحہ میگزین ۱۴۳ - صفحہ مثنوی ۱۲۷ نمبر شعر ۲۳۳۷ : دوسرا مصرع : "جوش غوری شہاب اسفندیاری" میرا قیاس "چو شہ غوری الخ" تھا لیکن برنی نے غیاث الدین تغلق کے امراء میں ایک امیر کا نام یوں دیا ہے : "شہاب الدین چاوشس غوری" اور ظاہر ہے کہ یہی وہ امیر ہے جسکا خسرو ذکر کر رہے ہیں - اسلئے صحیح مصرع یوں ہوگا :

"چوش (= چاوش) غوری شہاب اسفندیاری "

صفحہ میگزین ۱۴۶ - صفحہ مثنوی ۱۱۷ - شعر ۲۲۴۱ :- دوسرا مصرع

کہ چون اندبت در آمد شاہ غازی" اندرپستھ کو فارسی مورخین اکثر اندپت ' اندبہت

وغیرہ لکھتے ہیں اور یہاں یہی مقام مراد ہے۔ شبہ صرف اندبت در آمد کی ترکیب سے ہوتا ہے۔ اگر اندبت سے پہلے ایک در محذوف مان لیا جائے تو شبہ باقی نہیں رہتا۔

لکھنو　　(محمد وحید مرزا)

۱۴۔فروری ۱۹۳۵ء

---

(۱۳)

روداد ادارۂ معارف اسلامیہ

اجلاس اول منعقدہ لاہور

اگر کسی کو شک ہو کہ ادارۂ معارف اسلامیہ نے اپنے وجود کی ضرورت ثابت کی ہے یا نہیں تو یہ شک روداد مذکرہ عنوان کی مختصر اور چھپائی سے جلد پر محض ایک نظر ڈالنے سے ہی رفع ہو سکتا ہے۔ اس جلد میں متعدد مقالات ہیں جنکا تعلق اسلامی علوم و فنون کی تحقیق و تفتیش سے ہے۔ ان میں سے ایک مقالہ پروفیسر الیف۔ ایم۔ قریشی کا ہے جسکا عنوان ہے "قدیم مسلمانوں میں علم المناظر کا مطالعہ اور ابن الہیثم پر ایک خصوصی نظر" ڈاکٹر عنایت اللہ کے مضمون کا موضوع ہے "عربوں کی معاشرتی اور سیاسی تنظیم اور اس کا تعلق انکی سرزمین سے" ڈاکٹر وحید مرزا نے ثابت کیا ہے کہ امیر خسرو ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے گو یہ واضح نہیں کہ آیا امیر کی اس قسم کے کلام کی تدوین واقعی انکی حین حیات میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ ساری احادیث عہد رسالت کے بعد ہی تحریر میں نہیں آئی تھیں بلکہ ان میں سے بعض آنحضرت کی زندگی میں بھی لکھی گئی تھیں۔ قاضی محمد اسلم کے مقالہ کا موضوع ہے "مذہبی واردات بانئ اسلام کی ایک حدیث کی روشنی میں" اور اس میں ایک ایسے مضمون سے بحث کی گئی ہے جسکی دلچسپی ہمہ گیر ہے۔ شمس العلماء ہدایت حسین کا مقالہ بابی فرقہ کی شہید شاعرہ 'قرۃ العین' پر ہے۔ اسکے بعد دو نہایت فاضلانہ مضامین ہیں جن میں سے ایک سید محمد عبد اللہ کا "التنبیہات علی بن حمزۃ ابو القاسم البصری" پر

اور دوسرا اورینٹل کالج کے فاضل وائس پرنسپل پروفیسر محمد شفیع کا "آل میکال" پر ہے - ان کے علاوہ اردو میں متعدد مقالات ہیں جن میں مولوی سید سلیمان ندوی کا مضمون " لاہور کا ایک مہندس خاندان جسنے تاج اور لال قلعہ بنایا " امتیازی حیثیت رکھتا ہے - اسکے علاوہ ڈاکٹر حسین ہمدانی کا ایک مضمون "اخوان الصفا" عربی میں ہے '

ان محاسن کے باوجود اگر تنقید کی اجازت دی جائے تو میں ان بیشمار طباعت کی غلطیوں کیطرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو غلط نامہ میں شامل کردہ اغلاط کے علاوہ موجود ہیں - ڈاکٹر ہمدانی کا مضمون سرے سے فہرست مضامین میں شامل ہی نہیں کیا گیا مناسب ہوتا کہ یہ روداد جس کا تعلق ۱۹۳۳ء کے اجلاس سے ہے - اس دو سال کی تاخیر و التوا کی بجائے اجلاس کے فوراً بعد ہی شایع کر دی جاتی '

یہ کتاب جو عالی بارگاہ حضور نظام حیدرآباد کے شاہانہ جود و سخا کے بغیر تاحال معرض وجود میں نہ آئی ہوتی بجا طور پر انکے اسم گرامی پر معنون کی گئی ہے - مجھے امید ہے کہ حضور نظام مزید عطیات سے ادارہ کے کام کو آسان تر فرمائینگے تاکہ اسلامی علوم کی تحقیق و تلاش کو مستعدی اور باقاعدگی سے جاری رکھا جائے - اس مقصد کے لئے ایک دو ایسے وظائف کا مقرر کرنا جنکے باعث ہونہار گریجویٹوں کو ان بیشمار مضامین کی تحقیق پر متعین کیا جائے جن سے اسلامی ادبیات مملو ہیں سود مند ہوگا -

(ترجمہ) (علامہ) عبداللہ یوسف علی

ملنے کا پتہ :-

شیخ مبارک علی تاجر کتب - اندرون لوہاری دروازہ - لاہور

قیمت مجلد چھ روپے ' غیر مجلد پانچ روپیہ چار آنے

صبح الاعشیٰ

سے محمد بن تغلق شاہ کے عہد حکومت کے بعض حالات

صبح الاعشیٰ کے چند اوراق کا ترجمہ ذیل ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب نے اورینٹل کالج میگزین کے لئے اس زمانہ میں کیا تھا جب وہ میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ تھے افسوس ہے کہ اسوقت یہ ترجمہ کاغذوں میں مکر نظر سے اوجھل ہوگیا۔ اتفاق سے اگلے دن کسی اور کاغذ کی تلاش ہوئی تو مل گیا اور اب جناب مترجم کی نظر ثانی کے بعد شایع کیا جاتا ہے القلقشندی نے کتاب کا یہ حصہ اکثر و بیشتر مسالک الابصار فی ممالک الامصار لشہاب الدین ابی العباس احمد بن فضل اللہ العمری الدمشقی (متوفی ۷۴۹) سے لیا ہے۔ کتاب اور مصنف کا حال ایلیٹ کی مشہور تاریخ کی ج ۳ ص ۵۷۳ اور معجم المطبوعات عمود ۲۰۴ پر دیکھنا چاہئے۔ ایلیٹ کی کتاب میں مسالک کے اس حصہ کا انگریزی ترجمہ بھی دیا ہے۔ ابن فضل اللہ نے اکثر حالات ایسے لوگوں کی زبانی نقل کئے جنہیں وہ خود ملا ہے، مثلاً شیخ مبارک انباتی اور قاضی سراج الدین الہندی وغیرہما، مسالک الابصار کو دار الکتب مصریہ کی طرف سے طبع کیا جا رہا ہے۔ ایک جلد چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔ (اڈیٹر)

دیباچہ مترجم

ہندوستان کی تاریخ کے اسلامی عہد کے متعلق ہماری خوش قسمتی سے تاریخی تصانیف کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے جن میں سے اکثر کے فارسی متن اور بعض کے ترجمے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے اہتمام سے شایع ہو چکے ہیں۔ محمد بن تغلق کا عہد اس لحاظ سے اور بھی ممتاز

ہے کہ اس کے متعلق عربی زبان میں ایک نہایت قیمتی معاصرانہ سند موجود ہے۔ اس سے ہماری مراد مشہور سیاح ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے ہے۔ ابن بطوطہ محمد بن تغلق کے دربار میں کئی سال تک رہا تھا اور اسنے اپنے سفرنامہ میں ہندوستان کے متعلق ہر قسم کے چشم دید حالات لکھے ہیں۔ جس سے اس زمانہ کی سیاست اور معاشرت پر بہت قابل قدر روشنی پڑتی ہے۔ عربی زبان میں اس کے علاوہ اس عہد کے متعلق ایک اور ماخذ بھی قابل لحاظ ہے مصر کے ایک وسیع النظر مؤلف شیخ ابو العباس احمد القلقشندی متوفی ۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء نے اپنی ضخیم تالیف صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء میں کاتبوں کے فائدہ کے لئے علاوہ دیگر معلومات کے تقریباً تمام ممالک عالم کے متعلق مختلف مصادر سے تاریخی اور جغرافی حالات جمع کئے ہیں ج ۵ ص ۶۷ پر اسنے اقلیم الہند کی ذیل میں محمد بن تغلق کے عہد کے متعلق بھی بعض دلچسپ کوائف درج کی ہیں جو ص ۸۹ سے شروع ہوتی ہیں۔ انکا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

محمد بن تغلق شاہ مصر کے بادشاہ الملک الناصر محمد بن قلاؤن کا ہمعصر تھا۔ ہندوستان میں اسکی سلطنت قوی تھی۔ اور اسکی فوجیں کثیر۔ اسنے فتوحات شروع کیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان کا اکثر حصہ فتح کر لیا۔

مسالک الابصار میں شیخ مبارک انباتی سے منقول ہے کہ پہلا ملک جو اسنے فتح کیا تلنگانہ کی سلطنت تھی۔ یہ ایک بڑی وسیع سلطنت تھی جس میں بہت سے گاؤں تھے جنکی تعداد نو لاکھ نوسو تھی۔ پھر اسنے جاج نگر فتح کیا۔ اس میں ستر بڑے شہر تھے جو تمام ساحل بحر پر واقع تھے۔ وہاں کے محاصل جواہرات، مختلف اقسام کے پارچات، خوشبودار اشیاء اور مسالہ جات پر مشتمل تھے۔ پھر اسنے لکھنوتی کا علاقہ فتح کیا جو کہ نو تاجداروں کی راجدھانی تھی۔ پھر اسنے دیوگیر کا ملک فتح کیا۔ جس میں ۸۴ بڑے بڑے قلعے تھے۔ شیخ برہان الدین ابوبکر بن خلال البتری سے منقول ہے کہ اس میں بارہ لاکھ گاؤں تھے پھر اسنے دورسمندر کا ملک فتح کیا۔ جہاں بلال دیو اور پانچ دیگر ہندو راجے حکمران تھے۔ پھر اُسنے معبر (مالابار) کا ملک

فتح کیا۔ یہ ایک بڑی بھاری اقلیم تھی۔ جس میں نوے بندر سمندر پر واقع تھے۔ یہاں کے محاصل سے خوشبودار اشیاء، ململ، انواع واقسام کے کپڑے اور دنیا بھر کی نادر اور عمدہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

سلطان محمد بن تغلق نے ان فتوحات میں اتنا مال حاصل کیا جس کی سننے والا مشکل سے تصدیق کریگا۔ شیخ برہان الدین ابو بکر بن الخلال مذکور سے حکایت ہے۔ کہ سلطان نے دیوگیر کی سرحد پر ایک راجہ کا محاصرہ کیا۔ راجہ نے درخواست کی کہ اگر مجھ پر حملہ نہ کیا جائے۔ تو میں جتنے جانور سلطان پسند کرے تمام مال و اسباب سے لاد کر مہیا کر دونگا۔ سلطان نے دریافت کیا کہ اسکے پاس کتنا مال ہے۔ اسنے جواب دیا کہ مجھ سے پہلے سات راجے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ستر ہزار بڑے بڑے حوض مال سے بھرے تھے۔ سلطان نے راجہ کی بات مان لی اور ان حوضوں پر اپنے نام کی مہریں لگا دیں اور مال وہیں رہنے دیا اور راجہ کو اسکا راج دیدیا۔ مگر اسے حکم دیا کہ وہ دربار سلطانی میں حاضر رہے اور اسکی طرف سے اسکے ملک پر ایک نائب مقرر کر دیا۔

علی بن منصور عقیلی نے جو بحرین کے عربوں سے تھا، حکایت کی کہ انہیں اس مضمون کی متواتر خبریں موصول ہوئیں کہ سلطان نے ایک شہر فتح کیا جس میں ایک جھیل تھی۔ اس جھیل میں ایک بڑا بتخانہ تھا جسکی وہ بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ جو نذر نیاز آتی اس میں پھینک دی جاتی۔ پس سلطان نے وہاں کا پانی نکالکر جتنا سونا وہاں تھا لے لیا۔ یہ سونا مقدار میں دوسو ہاتھیوں اور ہزاروں بیلوں کا بار تھا۔ اسکے علاوہ اور مال ومنال تھا جو کہ عقل سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ اسطرح سلطان کے پاس اتنا مال و دولت جمع ہو گیا جو حد شمار سے باہر تھا۔ اس کے لشکریوں کے پاس بھی حد بیان سے باہر مال و اسباب جمع ہو گیا تھا۔ شیخ تاج الدین بن ابی المجاہد سمرقندی نے بیان کیا کہ سلطان خوانین میں سے ایک خان پر اس کی

شہ زور کی وجہ سے غضبناک ہو گیا اور اسکو گرفتار کرکے اسکا مال و دولت ضبط کر لیا۔ اسکے پاس سے جو سونا نکلا اسکی مقدار دس لاکھ ۲۷ ہزار مثقال یعنی (۴۳۰۷۰) قنطار تھی۔

اسکے ساتھ ہی سلطان لوگوں کو بڑے بڑے عطیے اور انعام و اکرام بھی دیتا تھا۔ ابن الحکیم الطیاری نے روایت کی کہ ایک شخص نے سلطان کو کچھ کتابیں پیش کیں۔ سلطان کے سامنے جواہرات پڑے تھے۔ ان میں سے ایک مٹھی بھر کر اسے دیدی۔ اُن جواہرات کی قیمت بیس ہزار مثقال سونا تھی۔ اسی طرح شریف سمرقندی نے حکایت کی کہ ایک شخص نے بائیس دانے ناشپاتی کے بطور تحفہ پیش کئے جنہیں وہ بخارا سے لایا تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اُسے تین ہزار مثقال سونا دیا جائے۔

شیخ ابوبکر بن ابی الحسن ملتانی نے بیان کیا کہ سلطان کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اسکی یہ عادت ہے کہ لوگوں کو انعام و اکرام دیتے وقت تین ہزار مثقال سے کم کی رقم منہ سے نہیں نکالتا۔ اسکی داد و دہش کی انتہا پر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

قاضی القضاۃ سراج الدین ہندی سے حکایت ہے کہ سلطان باوجود اپنے انعام و اکرام کی کثرت، داد و دہش کی وسعت اور فوجی اخراجات کی فراوانی کے اپنی آمدنی کا نصف بھی خرچ نہیں کرتا تھا۔

سلطان کے عساکر اور ارکان دولت از روے مسالک الابصار بسلسلہ ذکر دولت سلطان محمد بن تغلق شاہ مذکور بروایت شیخ مبارک انباتی وغیرہ

سلطان محمد بن تغلق کی فوج نو لاکھ سوار پر مشتمل ہے۔ کچھ حصہ فوج کا دار السلطنت

میں رہتا ہے اور کچھ باقی صوبجات میں - تمام فوجی لوگ سلطنت کے رجسٹر میں مندرج ہیں۔ سلطان کا لشکر ترکوں، اہل ختا، ایرانیوں، ہندیوں اور دیگر قوموں سے مرکب ہے تمام لشکری عمدہ گھوڑوں پر سوار، اعلےٰ ہتھیاروں سے مسلح اور ظاہری شان و شوکت سے آراستہ ہیں ۔ لشکر کے اعلیٰ عہدہ دار خوانین ہیں ان کے بعد ملوک، پھر امراء، پھر سپہ سالار پھر عام لشکری،

کہتے ہیں کہ سلطان کی خدمت میں اسی یا اس سے کچھ زیادہ خوانین ہیں۔ مذکورہ بالا عہدہ داروں میں سے ہر ایک کے تحت میں اپنے مرتبہ کے مطابق لشکری ہوتے ہیں ۔ خان کے ماتحت دس ہزار سوار ہوتے ہیں ۔ ملک کے ایک ہزار اور امیر کے ایک سو سپہ سالار کے اس سے کم ۔ سپہ سالاروں میں سے کوئی سلطان کے پاس جانے کا مجاز نہیں ۔ اُن ہی میں سے والی اور انکی مثل دیگر عہدہ دار منتخب ہوتے ہیں ۔ سلطان کے پاس دس ہزار ترک غلام ہیں، دس ہزار خواجہ سرا، ایک ہزار خزاندار، ایک ہزار پاپوش بردار اور دو لاکھ غلام جو ہتھیار پہنے اس کی رکاب میں چلتے ہیں اور اسکے ہمراہ پیدل لڑتے ہیں ۔ تمام لشکری سلطان کے ساتھ مخصوص ہیں اور اسی کے خزانے سے تنخواہ پاتے ہیں حتیٰ کہ وہ سپاہی بھی جو خوانین ملوک اور امراء کے ماتحت ہیں ۔ جن عہدہ داروں کی ماتحتی میں لشکری ہوتے ہیں ۔ انکی طرف سے انہیں مصر و شام کے دستور کے برخلاف کوئی جاگیر نہیں ملتی،

فوجی عہدہ داروں میں سے سلطان کا ایک بڑا نائب ہوتا ہے جسکو ان کی زبان میں امریت کہتے ہیں ۔ اس سے اتر کر چار نائب ہوتے ہیں ۔ جن میں سے ہر ایک کو شق کہتے ہیں ۔ سلطان کے کئی حاجب ہیں اور انکی مثل دیگر عہدہ دار،

ارباب قلم میں سے سلطان کا ایک وزیر اعظم ہے اور چار کاتب سر (سکرٹری)، جن میں سے ہر ایک کو انکی زبان میں دبیر کہتے ہیں ۔ ہر دبیر کے پاس تقریباً تین سو

—

محرّر ہوتے ہیں'

سلطان کا ایک عظیم الشان شخصیت والا قاضی قضاۃ ہے اور ایک محتسب ایک شیخ شیوخ اور بارہ سو طبیب'

انکے علاوہ سلطان کے پاس ایک ہزار باز دار ہیں جو شکاری پرندوں کو اٹھائے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور تین ہزار نرسنگیے شکار کو ہانکنے کے لئے اور پانچسو ندیم اور بائیس سو مغنّی علاوہ اُن ایک ہزار ممالیک کے جو گانے بجانے کی تعلیم کے لئے خاص ہیں۔ نیز سلطان کے دربار میں ایک ہزار شاعر عربی فارسی اور ہندی زبانوں کے ہیں جو ذوق لطیف رکھتے ہیں۔ یہ سبھی جب تک انکا ظاہری اور باطنی چال چلن درست رہے' سلطان کے خزانے سے تنخواہ پاتے ہیں'

اہل مملکت ہند کا لباس

فوجی لوگوں کے متعلق شیخ مبارک انباتی سے منقول ہے کہ سلطان' خوانین' ملوک اور باقی تمام فوجی لوگوں کا لباس تتریہ[۱] تاتاری طرز کی قبا' دکلہ' اسلامی قبا' تنگ کروالے خوارزمی جامہ اور چھوٹی پگڑیوں سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ پگڑیاں پانچ چھ ہاتھ سے زیادہ لمبی نہیں ہوتیں۔ انکے کپڑے سوتی (بیاض) اور جوخ کے ہوتے ہیں'

مصنف نے شریف ناصر الدین محمد حسینی آدمی سے روایت کی ہے کہ ان کے لباس کا غالب حصّہ زردوز تتریہ[۲] ہوتا ہے۔ بعض امیر اسکی آستینوں پر اور بعض دونوں شانوں کے درمیان مغلوں کی طرح زردوزی کا کام بنواتے ہیں۔

---

[۱] کتاب میں نتریہ چھپا ہے۔ مگر وہ درست معلوم نہیں ہوتا' تتریہ قبائیں ریشم کی بنتی تھیں اور کناروں پر زرکار ہوتی تھیں [۲] معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے'

انکی ٹوپیاں شکل میں چوکور ہوتی ہیں۔ جو جواہرات مثل یاقوت اور الماس سے مرصع ہوتی ہیں۔ بالوں کو مینڈیوں میں گوندتے ہیں جیسا کہ دولت ترکیہ کے اوائل عہد میں مصر و شام میں رواج تھا۔ مگر فرق یہ ہے کہ وہ بالوں کے وڈھیان ریشمی کپڑے کے مو باف لگاتے ہیں۔ کمر میں سونے چاندی کی پیٹیاں باندھتے ہیں اور لمبے بوٹ اور مہمیز پہنتے ہیں اور سوائے سفر کے کمر میں تلوار نہیں باندھتے '

وزیروں اور کاتبوں کا لباس فوجی لوگوں کی مثل ہوتا ہے مگر وہ کمر بند نہیں پہنتے ان میں سے بعض صوفیوں کیطرح آگے کی طرف ایک چھوٹا سا شملہ لٹکا چھوڑتے ہیں '

قاضی اور عالم لوگ لمبے چوڑے فراخ جبے پہنتے ہیں جو جندات (؟) اور دُرّاعوں سے شکل میں ملتے ہیں '

قاضی القضاۃ سراج الدین ہندی کا بیان ہے کہ انکے ہاں کوئی شخص کتان کے کپڑے جو روس اور اسکندریہ سے آتے ہیں' نہیں پہن سکتا سوائے ان لوگوں کے جنکو خود سلطان پہنائے۔ انکا لباس صرف روئی کا ہوتا ہے جو بغدادی روئی سے اچھی ہوتی ہے۔ کوئی شخص سونے سے آراستہ یا زر پوش زین پر سواری نہیں کرسکتا سوائے اسکے جسے سلطان بطور انعام عطا کرے '

شاہی عہدہ داروں کی تنخواہیں

فوج کے متعلق شیخ مبارک انباتی سے منقول ہے کہ خوانین' ملوک' امراء اور سپہ سالاروں کے لئے سلطان کیطرف سے جاگیر کے طور پر علاقے مقرر ہیں'

نائب کبیر (جسکو امریت کہتے ہیں) کی جاگیر میں عراق جتنا بڑا ملک ہے۔ ہر خان کے لئے دو لاکھ ٹنکے مقرر ہیں' ایک لاکھ سو ہزار ٹنکہ کا ہوتا ہے اور ہر ٹنکہ آٹھ درہم کا۔ ہر امیر کے لئے تیس ہزار سے چالیس ہزار ٹنکہ اور سپہ سالار کے لئے تقریباً بیس ہزار

ٹنکہ مقرر ہے۔ ہر سپاہی کو ایکہزار سے دس ہزار ٹنکہ تک ملتا ہے۔ سلطان کے غلاموں میں سے ہر ایک کو ایکہزار سے پانچ ہزار ٹنکہ مع راشن اور وردی کے ملتا ہے۔ تمام اہل لشکر کے گھوڑوں کا چارہ وغیرہ بادشاہ کے ذمہ ہے۔ بادشاہ کے خادموں میں سے ہر خادم کو دس ٹنکے چاندی کے ماہوار ملتے ہیں اور دو من گیہوں اور چاول اور تین اشتار[1] گوشت کے روزانہ اور سال بھر میں چار جوڑے کپڑوں کے ٭

ارباب قلم میں سے وزیر کو ایک بڑی اقلیم مثل عراق کے بطور جاگیر ملتی ہے۔ چار دبیروں میں سے ہر ایک کے لئے بڑی آمدنی والے بندروں میں سے ایک بندر مقرر ہے۔ بڑے کاتبوں کے لئے گاؤں اور جاگیریں مقرر ہیں۔ چنانچہ بعض کے پچاس پچاس گاؤں ہوتے ہیں۔ چھوٹے کاتبوں میں سے ہر ایک کو دس ہزار ٹنکہ ملتا ہے۔ قاضی القضاۃ (جس کو صدر جہاں کہتے ہیں) کی جاگیر میں دس گاؤں ہیں جن کی آمدنی ساٹھ ہزار ٹنکہ ہے۔ شیخ الشیوخ کی جاگیر بھی اسی قدر ہے۔ محتسب کے لئے ایک گاؤں مقرر ہے جس کی آمدنی آٹھ ہزار ٹنکہ ہے ٭

ان کے علاوہ باقی عہدہ داروں میں سے بعض ندیموں کے لئے دو گاؤں اور بعض کے لئے ایک گاؤں مقرر ہے۔ ہر ایک کو بیس، تیس یا چالیس ہزار ٹنکہ اپنے مرتبہ کے مطابق ملتا ہے۔ علاوہ وردی، خلعتوں اور دیگر ضروریات کے ٭

مملکت ہند کے دیگر حالات و کوائف

بادشاہ کے حضور میں رعایا کی حاضری دو طرح کی ہے۔ ایک تو روزانہ حاضری کیونکہ ہر روز محل شاہی میں دسترخوان بچھتا ہے۔ جس پر خوانین، ملوک، امراء سپہ سالار و اور فوجی افسروں میں سے بیس ہزار آدمی کھانا کھاتے ہیں۔ سلطان کے لئے خاص دسترخوان

---

[1] استار ایک یونانی لفظ ہے۔ یہ ایک پیمانہ کا نام ہے جو وزن میں ساڑھے چار مثقال کے برابر ہوتا ہے ٭

نکھتا ہے ' جس پر دو سو فقیہ صبح و شام سلطان کے ساتھ شریک طعام ہوتے ہیں اور اسکے حضور میں گفتگو کرتے ہیں '

شیخ ابوبکر بن خلال نے بیان کیا کہ اسنے سلطان کے باورچی سے پوچھا کہ شاہی مطبخ کے لئے کتنے جانور روزانہ ذبح ہوتے ہیں۔ اسنے جواب دیا کہ پچیس سو گائے بیل دو ہزار بھیڑیں علاوہ فربہ گھوڑوں اور مختلف قسم کے پرندوں کے '

دوسری حاضری ہفتہ وار ہوتی ہے ۔ شیخ محمد خجندی سے حکایت ہے کہ سہ شنبہ کو ایک بڑے وسیع میدان میں دربار عام منعقد ہوتا ہے ۔ سلطان کے لئے ایک بڑا شاہی شامیانہ نصب کیا جاتا ہے جس کے صدر میں سلطان ایک بلند مذہب تخت پر بیٹھتا ہے اور ارکان دولت اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوتے ہیں ۔ سلاحدار اس کے پیچھے اور عہدہ دار اسکے سامنے اپنی اپنی جگہ پر استادہ ہوتے ہیں ۔ سوائے خوانین ' صدر جہاں یعنی قاضی القضاۃ اور دبیر کے کوئی شخص نہیں بیٹھتا ۔ حاجب اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور ایک عام ندا دی جاتی ہے کہ جس کسی کو کوئی شکایت یا حاجت ہو وہ حاضر ہووے ۔ پس جس شخص کو کوئی شکایت یا حاجت ہوتی ہے وہ سلطان کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور بغیر کسی روک ٹوک کے اپنا حال بیان کرتا ہے اور سلطان اسکے متعلق حکم صادر کرتا ہے '

سلطان کا یہ ایک قاعدہ مقررہ ہے کہ کوئی شخص ہتھیار لگائے حتیٰ کہ ایک چھوٹی سی چھری ساتھ لئے بھی بادشاہ کے حضور میں داخل نہیں ہو سکتا ۔ سلطان سات دروازوں کے اندر بیٹھتا ہے ۔ آنے جانے والے لوگ پہلے دروازے پر ٹھہرتے ہیں ان میں سے بعض کو چھٹے دروازہ تک جانے کی اجازت دی جاتی ہے ۔ پہلے دروازے پر ایک شخص قرنای لئے کھڑا ہوتا ہے ۔ جب خوانین ' ملوک یا امراء میں سے کوئی آتا ہے تو دربان قرنای بجاتا ہے تاکہ سلطان کو اطلاع ہو جائے کہ کوئی بڑا آدمی آیا

ہے اور وہ ہوشیار رہے۔ دربان قرنائی بجاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص ساتویں دروازے کے نزدیک پہنچ جاتا ہے۔ داخل ہونے والا ہر شخص اس دروازے کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ جب وہ پورے ہو جاتے ہیں تو جو لوگ بیٹھنے کے مجاز ہوتے ہیں وہ بیٹھ جاتے ہیں اور باقی لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ قاضی، وزیر اور دبیر ایسی جگہ بیٹھتے ہیں جہاں اُن پر سلطان کی نظر نہ پڑے پھر دسترخوان بچھایا جاتا ہے۔ پھر حاجب مستغیث لوگوں کے عریضے پیش کرتے ہیں۔ ہر قوم کے لئے ایک حاجب مقرر ہے۔ جو ان کے عریضے لیتا ہے۔ پھر سب حاجب تمام عریضے ایک بڑے حاجب کے پاس لے جاتے ہیں جو تمام حاجبوں پر مقدم ہے اور وہی ان کو سلطان کے سامنے پیش کرتا ہے اور انکے متعلق سلطان کے احکام سنتا ہے۔ جب سلطان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو یہ حاجب دبیر کے پاس آ بیٹھتا ہے اور متعلقہ کاغذات اسکو دے دیتا ہے۔ پس دبیر احکام سلطانی کو صادر کرتا ہے پھر سلطان اس مجلس سے اٹھ کر مجلس خاص میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں علما اس کے پاس آتے ہیں۔ سلطان انکے ساتھ بیٹھتا ہے، باتیں کرتا ہے اور انکے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ پھر یہ لوگ واپس لوٹ آتے ہیں اور سلطان اپنے محلات میں چلا جاتا ہے۔

سلطان کی سواری کا بیان

جب سلطان اپنے محلات ہی میں سواری کرتا ہے تو اس کے سر پر چتر ہوتا ہے اور سلاحدار ہتھیار سنبھالے اسکے ورے ہوتے ہیں اور تقریباً بارہ ہزار مملوک اس کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ چتر بردار کے سوا کوئی ان میں سے سوار نہیں ہوتا۔ اور اگر محلات سے باہر سلطان سواری کرے تو سلاحدار اور جامہ دار بھی جنکے پاس لباس سلطانی ہوتا ہے سوار ہوتے ہیں،

سلطان کے سر پر سیاہ جھنڈے ہوتے ہیں جنکے درمیان ایک سنہری اژدہا بنا ہوتا ہے۔ سلطان کے سوا کوئی امیر سیاہ جھنڈے نہیں رکھتا۔ اسکے میسرہ میں سرخ جھنڈے ہوتے ہیں۔ جن میں دو سنہری اژدہا بنے ہوتے ہیں۔ سلطان کے طبل و دمامہ کی جو سکندر کی مثل سفر و حضر میں بجائے جاتے ہیں، تفصیل یہ ہے :-
دو سو نقارے، چالیس بڑے ڈھول، بیس قرنای اور دس جھانجھ۔

شیخ مبارک انباتی کا قول ہے کہ جنگ کے ماسوا اوقات میں سلطان کے سر پر ایک چتر ہوتا ہے۔ مگر جب سلطان لڑائی میں ہوتا ہے تو اس کے سر پر سات چتر اٹھائے جاتے ہیں۔ ان میں سے دو مرصع ہیں جنکی قیمت لگائی نہیں جاسکتی۔ اسکا یہ بھی قول ہے کہ جو جاہ و جلال اور شان و شوکت سلطان کو حاصل ہے اور جیسے شاہنشاہی قوانین اسکے ہیں۔ اسکی مثل کسی دوسرے بادشاہ کو سوائے سکندر ذوالقرنین یا ملک شاہ بن الپ ارسلان کے حاصل نہیں تھے،

سلطان شکار کے لئے ہلکا لباس پہنے تقریباً ایک لاکھ سوار اور دو سو ہاتھی ساتھ لئے نکلتا ہے۔ اس کے ساتھ چار قصر آٹھ سو اونٹوں پر لدے ہوتے ہیں۔ ہر قصر دو سو اونٹوں پر بار ہوتا ہے۔ جو سب کے سب ریشم کے مذہب پردوں میں ڈھکے ہوتے ہیں، خیمہ و خرگاہ کے علاوہ ہر قصر کی دو منزلیں ہوتی ہیں۔ جب سلطان ایک جگہ سے دوسری جگہ محض سیر و تفریح یا اسی قسم کے دیگر مشغلہ کے لئے جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ تقریباً تیس ہزار سوار ہوتے ہیں اور ایک ہزار گھوڑے جو کیل کانٹے سے درست اور سنہری پردوں سے ملبوس ہوتے ہیں اور جن میں سے بعض کی زینیں اور لگامیں سونے، جواہرات اور یاقوت سے مرصع ہوتی ہیں،

اور جب سلطان جنگ میں مصروف ہوتا ہے تو سواری کے وقت اس کے سر پر سات چتر ہوتے ہیں قاضی القضاۃ سراج الدین ہندی کا بیان ہے کہ میدان جنگ

میں فوج کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ سلطان قلب میں ٹھہرتا ہے۔ اس کے ارد گرد ائمہ اور علماء ہوتے ہیں اور آگے اور پیچھے تیرانداز۔ اور اس کا میمنہ اور میسرہ دائیں بائیں بازوؤں پر پھیلا ہوتا ہے۔ اس کے آگے ہاتھی لوہے کی جھولیں پہنے ہوتے ہیں۔ ہاتھیوں کے اوپر ڈھکے ہوئے برج ہوتے ہیں۔ جنکے اندر سپاہی ہوتے ہیں۔ ان برجوں میں تیر اور نفط کے گولے پھینکنے کے لئے سوراخ ہوتے ہیں۔ ہاتھیوں کے آگے پیادہ غلام چلتے ہیں جو ہلکا لباس پہنے۔ ہتھیار اور ڈھالیں لگائے ہاتھیوں کی رسیوں کو کھینچتے ہیں۔ گھوڑسوار میمنہ اور میسرہ میں ہوتے ہیں تاکہ کوئی شخص بھاگنے کا راستہ نہ پائے ''

سلطان کے علاوہ دیگر اہل لشکر کے متعلق یہ عام قاعدہ ہے کہ خوانین ' ملوک اور امراء میں سے کوئی سفر و حضر میں بغیر جھنڈوں کے سواری نہیں کرتا۔ خان زیادہ سے زیادہ سات جھنڈے اور امیر کم از کم تین جھنڈے رکھتا ہے۔ حضر میں خان کے پاس زیادہ سے زیادہ دس کوتل گھوڑے اور امیر کے پاس دو۔ مگر سفر میں ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق گھوڑوں کی تعداد اپنے ساتھ لیتا ہے ''

سلطان کے ذرائع خبر رسانی

قاضی القضاۃ سراج الدین ہندی کا بیان ہے کہ سلطان کے ذرائع خبر رسانی مختلف ہیں (پایہ تخت کی) رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے ایک جماعت لوگوں کی مقرر ہے۔ جو رعیت کیساتھ ملتے جلتے ہیں اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی بات معلوم کرتا ہے تو اپنے افسر بالا کو پہنچاتا ہے اور یہ افسر اپنے افسر اعلےٰ کو یہاں تک کہ وہ خبر سلطان تک پہنچ جاتی ہے

باقی رہے دور دراز صوبجات، وہاں کے حالات بھی جس سرعت کیساتھ سلطان تک پہنچتے ہیں۔ اسکی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اہم صوبجات اور محل شاہی کے درمیان منزلیں ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب واقع ہیں اور مصر و شام کے ڈاک کے مرکزوں کے مشابہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ منزلیں ایک دوسرے سے قریب تر واقع ہیں۔ چنانچہ دو منزلوں کے درمیان چار تیر پرتاب کا فاصلہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی کم۔ ہر منزل میں دس پھرتیلے اور مضبوط ہرکارے موجود رہتے ہیں۔ ہرکارہ خطوط کو ساتھ والی منزل تک لے جاتا ہے اور جتنا تیز اس سے ہوسکتا ہے دوڑتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خط دوسرے ہرکارے کو پہنچا دیتا ہے۔ یہ ہرکارہ بھی اسی تیزی کے ساتھ اگلی منزل تک دوڑتا ہے۔ پس اس طریقہ سے مراسلات دور دراز مقامات سے نہایت قلیل عرصہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان منزلوں میں سے ہر ایک میں ایک مسجد، ایک بازار (منڈی) اور ایک حوض پانی کا ہوتا ہے۔ دِلی اور قبۃ الاسلام (یعنی دیوگیر یا دولت آباد) کے درمیان جو کہ سلطنت کے دو مرکز ہیں، خاص مقامات پر طبل ہوتے ہیں۔ جب سلطان ایک شہر میں ہو اور دوسرے شہر کا دروازہ کھولا جائے یا بند کیا جائے تو طبل بجتا ہے۔ جب اس کے متصل مقام والا آدمی اسکی آواز کو سنتا ہے تو وہ بھی طبل بجاتا ہے۔ اس طرح سے دوسرے شہر کے دروازے کے کھلنے یا بند ہونے کی اطلاع مل جاتی ہے *

(شیخ) عنایت اللہ

خط و خطاطان

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۳۵ء)

اقتباس از تذکرہ محمد طاہر نصیر آبادی

اس تذکرہ کا سال تصنیف ۱۰۸۳ھ ہے۔ گو مصنف نے آٹھ نو تراجم ۱۰۹۲ھ میں اضافہ کئے، اس میں معاصر شعرا کے حالات جمع کئے گئے ہیں۔ کتاب پانچ بابوں میں منقسم ہے۔ ہر باب کو صف کہا گیا ہے۔ تیسری صف کے دوسرے فرقہ میں کچھ خوشنویسوں کا ذکر ہے یہ حصہ برٹش میوزیم کے نسخہ سے لیکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ نسخہ اچھا نہیں ہے (دیکھو فہرست ریو ص ۳۶۸) اسپرنگر نے اودھ کیٹلاگ صفحہ ۹۹ بعد پر اس تذکرہ کے بعض تراجم کا خلاصہ دیا ہے۔ اس سے ناموں کی تصحیح میں کچھ مدد ملی۔ مگر متعدد اشعار اصل نسخہ میں مسخ ہو گئے ہیں۔ انکو مجبوراً بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ اڈیٹر

(ص ۱۵۵ ا) [باب سوم] فرقہ دوم در ذکر خوشنویسان

(۱) ملا عبد الباقی[1]

اصلش از تبریز است مربوط بودہ در فنون اما در بغداد توطن داشت و در مولوی خانہ با محروم ددہ مصطفی مربوط بودہ و در فنون فضایل مثل حکمت و غربت [عربیت؟] مانند نداشت اما از اظہارش زبان کوتاہ داشتہ خط ثلث او خط نسخ بر خطوط استادان

---

[1] ملا کا حال رسالہ اگست ۱۹۳۴ء میں صفحہ ۵۲ پر مراۃ العالم سے لے کر درج کیا جا چکا ہے۔

کشیده، شاه عباس ماضی جهت کتابهٔ مسجد جامعه محمد حسین طبی (طبسی ؟) را فرستاد که او را بیاورد اما او [ابا ؟] نموده (۱۵۵ ب) بعد از فتح بغداد او را باصفهان آورده کتابهٔ گنبد بزرگ و صفهٔ رو بقبله و طاق در مسجد بخط اوست فقیر مشق از و گرفته ام و ستم آنقدر نا قابلست که [با وصف ؟] برکت تعلیم (او) خط مرا صورت ندارد [ب۱]

هر که او روی به بهبود * نداشت دیدن روی نبی سود نداشت

بسیار خلیق و مهربان بود یکسال بعد از فوت شاه عباس فوت شد، باقی تخلص است شعرش اینست

باقی نو عبث زحمت [مرمت ؟] خویش مکش پیوسته تعب ز صحبت خویش مکش
تغییر قضا چو نیست در دست کسی بیهوده ز جهل منت خویش مکش

محنت کش روزگار خویشم چکنم درمانده اضطرار خویشم چکنم
دوراست ز خیر اختیارم اما مجبور باختیار خویشم چکنم

اضطرابم نگذارد که نشینم جائی انتظارت نگذارد که ز جا برخیزم

۲ - مولانا علی رضا[۲]

آنهم تبریزیست اگر [چه] فضیلت او بمولانا عبدالباقی نمی رسیده اما بسیار به

---

[۱] اصل : هر کرا روی به بیهوده [۲] مولانا علی رضا عباسی تبریزی کا حال مرآة العالم سے لیکر اگست ۱۹۳۴ء کے رسالہ میں صفحہ ۵۳ پر دیا جا چکا ہے۔ رایل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل بابت اپریل ۱۹۳۵ء میں کسی مقالہ نگار نے ایک بحث کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ علی رضا عباسی تبریزی خوشنویس اور آقا رضا مصور اور محمد رضا عباسی مصور تین علحدہ علحدہ شخص تھے۔ اس سلسلے میں چند حوالوں کی طرف جو عالم آرای عباسی میں ملے ہیں توجہ دلانا مقصود

پاکیزه وضع آدمی بود هفت قلم را خوش می نوشت کتابه در مسجد مشهور بمسجد شیخ لطف الله[۱] و کم صفه در مسجد جامع عباسی[۲] خط اوست و بطاقهای روای [روی ؟] بازار خفافان و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵) ہے۔ اس کتاب میں دو جگہ مولانا علی رضا عباسی کا ذکر نظر آیا ہے ایک تو ۱۰۰۱ھ (سال نہم جلوس شاہ عباس) کے واقعات میں جہاں لکھا ہے کہ مولانا عجزی تبریزی نے مولانا علی رضای خوشنویس کے توسط سے چند روز مجلس ہمایون میں راہ پائی' (عالم آرای ۲ : ۳۵۳) پھر ج ۲ ص ۵۱۹ پر ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے : راقم حروف بے واسطہ از وحید الزمانی مولانا علی رضای خوشنویس کہ از خواص مقربان حضرت اعلیٰ بود استماع نمودم الخ' (یہ ذکر روز عید اضحی ۱۰۱۵ھ کے ایک واقعہ کے سلسلہ میں آیا ہے) حاصل یہ کہ دونو مقاموں پر مولانا علی رضا کو خوشنویس لکھا ہے اور دونو سے اسکا تقرب دربار شاہ عباس میں معلوم ہوتا ہے۔ آقا رضا اس سے بالکل مختلف شخص ہے' عالم آرای جلد اول صفحہ ۱۲۸ پر ہے : ۔

مولانا علی اصغر کاشی استاد بیقرینہ و مصور پاکیزہ ساخت در پرداخت و رنگ آمیزی منفرد و در کوه پردازی و درخت سازی از اقران در پیش بود و نیز در خدمت سلطان ابراهیم میرزا می بود' در زمان اسمعیل میرزا از اصحاب کتاب خانہ شد' پسرش آقا رضا در فن تصویر و یکہ صورت و چہرہ کشائی ترقی عظیم کرده اعجوبہ زمان گشت و در این عصر و زمان مسلم الثبوت است' از جهات نفس بآن نزاکت قلم ہمیشہ زور آزمائی و ورزش گیری کرده از ان شیوه محظوظ بودی و از صحبت ارباب استعداد کناره جستہ با آن طبقہ الفت داشتی و در این عہد فی الجملہ از آن ہرزه درائی باز آمده' اما متوجہ کار کمتر می شود' او نیز بطریق صادق بیگ بد مزاج تنک حوصلہ سر داختلاط است الحق استغنائی در طبیعتش ہست' در خدمت حضرت اعلیٰ شاہی ظل الہی مورد عواطف گردیده و رعایتہای کلی یافت اما از اطوار ناہنجار صاحب اعتبار نشد و ہمیشہ مفلس و پریشان حال است' و این بیت مناسب حال او افتاده بیت

طالب من ہمہ شاہان جہانند و مرا　　در صفاہان جگر از بہر معیشت خون شد

(حاشیہ صفحہ ۱۵۶) [۱] شیخ لطف اللہ میسی کا حال عالم آرای (۱ : ۱۱۶) پر دیکھو [۲] مسجد شاہ اصفہان کا نمونہ اصل کی ایک تہائی کے برابر ایرانی صنعت کاری کی نمائش میں بنایا گیا تھا جو چند سال ہوئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھو)

ملاجان واقع بدر مسجد شیخ لطف اللہ دو رباعی بخط نسخ و تعلیق نوشتہ خوب نوشتہ این طرفہ کہ خوشنویسی عہد با علی رضا موافق [آمد ؟] این رباعی از و مسموع شد

تا خانہ نشین شدی تو ای دُرِ خوشاب پیوستہ مراست از غمت دیدہ پُر آب
من خانہ دل خراب کردم ز غمت تو خانہ نشین شدی و من خانہ خراب

(۳) میر عماد[1]

از ولایت قزوین ست خط نسخ و تعلیق را بمرتبہ رسانیدہ کہ حمل بر اعجاز میتوان کرد؛ بعضی را اعتقاد آنست کہ خط میر از خط ملا میر علی صاحب حسن تر است، اکثر اوقات باصفہان بودہ شہرت کاذبی بہ تسنن کردہ از غلوی کہ شاہ عباس ماضی در محبت امیر المومنین داشت با او عداوت بہم رسانیدہ مقصود مسکر را گفت کہ ہیچکس نیست کہ این سنی را بکشد مقصود بہمین گفتہ در ہمانشب کہ در حینی کہ بحمام [بود] او را بکشت، این رباعی از و مسموع شد

جانی از من و بوسہ از تو لبستان و بدہ زین داد و ستد مشو پشیمان و بدہ[*]
سیزین میت نیست استای تلخ (؟) گر دلب شکرین بگردان و بدہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶) برلنگٹن ہاؤس میں ہوئی تھی۔ محبی محمد عبد اللہ صاحب چغتائی نے درِ مسجد کا ایک فوٹو دکھایا جو اس نمونہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ دروازے پر علی رضا کا یہ کتبہ بھی موجود ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ اس کے آخر میں ہے : کتبہ علی رضا العباسی ۱۰۲۵ھ ' عالم آرای ۲ : ۵۸۷ میں ۱۰۲۵ھ میں تعمیر مسجد کے آغاز کا ذکر موجود ہے '

(حاشیہ صفحہ ۱۵۷) [1] عالم آرای عباسی ج ۲ ص ۶۳۱ ۱۰۲۴ھ کے وقائع میں لکھا ہے کہ میر عماد قزوین کے حسنی سادات سے تھا جو سیفی سادات کہلاتے ہیں" او بین الجمہور بتسنن مشہور بود از اہل قزوین استاد مقصود مسگر از غلو تشیع یا رفع مظنۂ تسنن کہ عامہ مردم آن ولایت بران متہمند مرتکب قتل او گردید ' [*] اصل : لو بہ از بستان دیدہ ..

(۴) مُیر مغز

اصلش از کاشانست خط نسخ و تعلیق را بسیار نازک می نوشت در زمان شاه عباس ماضی بهند رفت در انجا فوت شد شعرش اینست

آن گل ز داغ دست خود انکار کردہ است هرگز کسی بدست خود این کار کردہ است

(۵) ترابا[۲]

اصلش از اصفهانست[۱] در تزکیه نفس کمال سعی نموده در تعلیم خط نسخ تعلیق شاگرد ملا فیضی[۲] بود اما صد چون فائض[۳] از و فیض می بردند وست مبارکی داشت که هر کس از و تعلیم گرفت خوشنویس شد و خود نقل میکرد که مدتی بمقتضای سن هرزه گری مینموده روزی در قهوه خانه نشسته بودم که مردم (کذا) میر عماد بالفاق رشید [که] همشیره زادا[و] ست از در قهوه گذشت و بخاطر بنده(بنده؟) رسیده اگر میر صفای باطنی دارد بقهوه می آید با اینکه چند قدم رفته بود برگشته بقهوه خانه (۱۵۶ ب) آمده قهوه خورده برخواسته گفت که در خانه ما هم این ها می باشند فقیر متنبه شده روز دیگر بمنزل ایشان رفته در بالا خانه که بر سر دیوار در[۴] بود مکان ساخته دوازده سال حرکت نکردم چنانچه گلیمی که زیر من بود جای پای من سوراخ شد غرضکه خط حرانهای (گرانبهای؟) او بهیچ[۵] کم * از مشاهیر نیست تتبع اشعار متقدمین نموده شعر را خوب می فهمد شعرش اینست

---

۱ رک به عالم آرای عباسی ج ۱ ص ۱۲۵ اور یہی رسالہ بابت اگست ۱۹۳۴ء ص ۵۹ (اقتباس از مرآة العالم)

۲ دیکھو یہی رسالہ بابت اگست ۱۹۳۴ء (اقتباس از مرآة العالم ص ۵۹)

۳ میرتقی محل مذکور پر فایقی ہے۔ شاید دونوں جگہ فایقی درست ہو

۴ اصل: درر. بود ۵ اصل: بہیکم

ولم بیجد نکہت حضوری ندارد کہ شب خانہ بی شمع نوری ندارد
مشو در ہم از[1] خاطرم ناشکیبی* حضوری[2] ندارد قصوری ندارد

(۶) میر سید[3] علی ولد میر مرحوم میرزا مقیم تبریزی

جد مشار الیہ میر [شاہ میر] است کہ از سادات نجیب [نجف؟] است و در عباس آباد اصفہان ساکن بود میرزا مقیم چون روی بوسنخ و تعلیق را خوش می نوشت میر سید علی در ظاہر و باطن آراستگی آن ہمہ خوش می نویسد باتفاق والد ماجد بہند رفتہ والدش در آنجا فوت شد خود در خدمت بادشاہ والا جاہ ہندی باشد چنین مسموع شد کہ کتابت وزارت و نہایت اعتبار دارد اشعر اینست

زبانی غیر خاموشی ندارم بخاطر جز فراموشی ندارم

چہ جلوہ بود کہ در صحن باغ پیدا شد کہ شاخ گل نفس بلبلان شنیدا شد

بر جراحت نمک سودہ نمی خواہم من اینقدر خاطر آسودہ نمی خواہم من

عشق معشوق بود پیش جگر سوختگان چشم آہو شدہ ہر داغ کہ بر تن دارد

(اڈیٹر)

---

[1] از خاطر مرد مسکین ؟ از خاطرم زانکہ مسکین ؟ [2] اصل : قصوری [3] رک بہ تذکرۂ خوشنویسان ص۵۶ [4] از روی سپر نگر [5] اصل: کتاب

سیاحت نامہ ابراہیم بیگ

حاجی زین العابدین آقا تاجر مراغہ مصنّف سیاحت نامہ اصلاً ساؤجبلاق کے خوانین اکراد میں سے تھے۔ اور اباً عن جدٍّ ایک مدت سے مراغہ میں تجارت کیا کرتے تھے۔ اہل مراغہ میں انکا خاندان متمول شمار کیا جاتا تھا۔ آٹھ برس کی عمر میں ایک مدرسہ میں داخل کئے گئے۔ اور سولہ برس کی عمر میں اپنے باپ کے کاروبار تجارت میں ہاتھ بٹانے لگے۔ ظاہر ہے کہ اس آٹھ سال کی مدت میں کتنی تعلیم ہوئی ہوگی بیس برس کی عمر میں تجارت کے لئے اردبیل بھیجدئے گئے۔ وہاں امیرانہ ٹھاٹ کے ساتھ زندگی بسر کرنا شروع کی۔ رفتہ رفتہ تجارت ماند پڑتی گئی اور تنگی معاش لاحق حال ہوئی۔ باپ کے مرنے اور تجارت کے بگڑنے پر مجبوراً اپنے بھائی کے ساتھ قفقاز پہنچے اور شہر کتابس میں قیام کیا اور یہاں پھر تجارت شروع کی۔ بدقسمتی سے دوبارہ تجارت میں گھاٹا ہوا۔ لہذا وہاں سے کریمیا پہنچے۔ کبھی کبھی اسلامبول (قسطنطنیہ) سے مال لاکر پھیری میں بیچا کرتے تھے۔ جب اس طرح کچھ رقم ہاتھ لگی تو یالتا میں جاکر ایک دوکان کھولی اور سچائی میں انکا نام مشہور ہوا۔ یہانتک ترقی کی کہ شاہی خاندان کے لوگ اور ارکین سلطنت انکی طرف بہت توجہ کرتے تھے۔

یالتامیں روس کی رعیت بنے اور عزت وشان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے چند سال کے بعد قسطنطنیہ آکر شادی کی اور بیوی کو ساتھ لے کر یالتا پلٹ آئے۔ پندرہ برس تک یہیں تجارت کرتے رہے۔ پھر یالتا کو خیرباد کہہ کے قسطنطنیہ چلے

گئے۔ اور وہاں سے حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ حج سے پلٹنے کے بعد ۱۹۰۴ء میں بڑی کوشش سے روس کی رعیت ہونے کو ترک کرکے پھر ایرانی رعایا ہونا قبول کیا،

حاجی زین العابدین نے اگرچہ کوئی اعلےٰ تعلیم نہیں پائی تھی اور فارسی بھی کوئی اعلیٰ مرتبہ کی نہیں لکھتے تھے۔ مگر تحریرسے عدم معلومات کے آدمی نہیں پائے جاتے ہیں۔ خیالات کا بلند ہونا تو اس کتاب سے خوب واضح ہوتا ہے۔ سیاسی معلومات خوب رکھتے ہیں۔ جیسے اس کتاب کے لکھنے پر انکو آمادہ کیا۔ اہل کمال کی صحبت اور ان سے ربط و کتابت کو بہت عزیز رکھتے تھے،

۱۸۸۷ء میں ایک فرضی نام سے جلد اول سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کے مسودات موید الاسلام جلال الدین الحسینی مدیر اخبار حبل المتین کلکتہ کی خدمت میں بھیجے تاکہ اصلاح عبارت و معنی کرکے واپس کردیں۔ ۱۸۸۸ء میں یہ سیاحت نامہ قسطنطنیہ کے مطبع اختر میں چھپا۔ چونکہ یہ سیاحت نامہ بحیثیت شیرینی بیان و راستی گفتار مرغوب طبع اہل ایران واقع ہوا تھا۔ اسلئے باوجود ممانعت اشاعت سلطنت ایران طبع اول کے تمام نسخے تھوڑی سی مدت میں بک گئے،

پھر ۱۸۹۰ء میں مطبع حبل المتین کلکتہ میں یہ جلد اول چھپی۔ طبع اول اور دوم میں سیاسی مصلحت کی بنا پر سنہ اور مقام طبع کا اعلان نہیں کیا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں مطبع مظفری بمبئی میں خیالی تصویروں کیساتھ لکھنو میں چھپا۔ چوتھی مرتبہ جلد اول پھر ٹائپ میں بورڈ آف اگزامنرز کلکتہ کی طرف سے چھپکر شائع ہوئی ہے۔ یہ بھی مطبع حبل المتین میں چھپی ہے،

جلد دوم سیاحت نامہ ۱۹۰۶ء میں اور جلد سوم ۱۹۰۹ء میں حضرت موید الاسلام مرحوم کی تصحیح ضروری کیساتھ مطبع حبل المتین کلکتہ میں چھپ کر شائع ہوئیں اور حال میں جلد سوم قسطنطنیہ میں بھی چھپی ہے۔ جو خطوط دفتر اخبار حبل المتین میں موصول

ہوئے ہیں۔ ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماے یورپ جلد اول کا ترجمہ انگریزی اور فرانسیسی میں کر رہے ہیں۔ تاثیر مقال و نفاست خیال کی وجہ سے یہ کتاب اس درجہ مرغوب طبائع واقع ہوئی کہ ایران کی محترم خواتین اسکو پڑھ پڑھ کے وجد کرتی ہیں،

اس کتاب کی تالیف سے اصلی غرض مولف کی یہ ہے کہ سلطنت کی استبدادیت اور اسکے عیوب اور طرز ناپسندیدہ حکومت اسکو دکھا کر اصلاح کی تمنا کیجائے اور قوم ایرانی میں بیداری پیدا کر کے طلب حقوق میں اسے ابھارا جائے۔ اس کتاب سے نتیجہ مطلوب ایران میں حسب دلخواہ پیدا ہوا۔

یہ کتاب اگرچہ افسانہ ہے۔ اور ایک فرضی شخص ابراہیم بیگ کو پہلوان داستان (ہیرو) قرار دیا گیا ہے۔ مگر اسکے بیانات صحت و حقیقت پر مبنی ہیں اور پولٹیکل باتیں جن کا ذکر اس کتاب میں ضمناً آیا ہے۔ اس زمانہ کی سیاسی ضرورتوں کے موافق ہیں۔ کاشکے حاجی زین العابدین مولف سیاحت نامہ اور فرضی ابراہیم بیگ اس زمانہ میں ہوتے۔ تو دیکھ دیکھ کے خوش ہوتے کہ رضا شاہ پہلوی شہنشاہ ایران نے اسکے حسب منشاء ایران کی کیسی کایا پلٹ کر دی ہے،

اس کتاب کے مولف حاجی زین العابدین نے ۱۹۱۰ء میں قسطنطنیہ میں بہتّر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اس حساب سے انکا سن پیدائش ۱۸۳۸ء قرار پاتا ہے۔ چونکہ وہ علمی آدمی نہ تھے۔ اس لئے صرف یہی کتاب سیاحت نامہ جسکو سیاست نامہ کہنا زیادہ موزوں و مناسب ہوگا اپنی یادگار چھوڑی ہے،

مصنف کے حالات جلد سوم میں درج ہیں۔ یہ جلد نہ میرے پاس ہے اور نہ یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہے۔ اسلئے آقا محمد کاظم صاحب شیرازی معلم زبان فارسی بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ (حال مقیم دہلی) نے ۱۹۱۰ء میں جلد اول کے شروع میں جتنا لکھا اسی پر مجھے بھی اکتفا کرنا پڑا۔ فقط،

شاہ ان بلگرامی لاہور

۱۰ر فروری ۱۹۳۵ء

نوٹ اب تیسری جلد بھی دیکھنے میں آئی۔ یہانتک پہنچتے پہنچتے سارا زور قلم ختم ہوگیا۔اس جلد میں یہ بیان ہے کہ یوسف نے خواب میں دیکھاہے کہ ابراہیم اور محبوبہ بہشت میں اعلےٰ خوبیوں پر فائز ہیں۔اور یوسف نے ان سے خواب میں ملاقات کی ہے۔اور نصف کتاب میں شعراء ایران کی مختصر اور غیر مفید لائف مع انتخاب کلام ہے اور بس'

۵ر جون ۱۹۳۵ء

رومانٹک پرسنا (افراد افسانہ)

۱- ابراہیم بیگ	ہیرو (پہلوان داستان)
۲- یوسف عمو	اوستاد ابراہیم بیگ
۳- محبوبہ خانم	چرکس - ابراہیم کی منگیتر
۴- حاجیہ خانم	والدۂ ابراہیم بیگ
۵- سکینہ خانم	ہمشیرہ خواہر حقیقی ابراہیم بیگ
۶- مسعود	خدمتگار
۷- قنبر	باورچی

ابراہیم بیگ

ابراہیم بیگ اگرچہ ایک فرضی نام ہے مگر یورپ کی تقلید میں اسکو حقیقی اور وقوعی ثابت کرنے کے لئے اسکی لائف جلد اول میں یوں بیان کی گئی ہے:-

ابراہیم بیگ آذر بائیجان کے ایک بڑے سوداگر کا بیٹا ہے۔ابراہیم کا باپ اب سے پچاس برس پہلے بارادۂ تجارت مصر میں آیا اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ دیانت اور امانت کی وجہ سے جو اصلی اسباب ترقی تجارت ہیں تھوڑی سی مدت میں بہت مالدار

ہو گیا۔ نفسا باطنی اور خیر خواہی قومی کی وجہ سے توجہ عمومی اسکی طرف تھی۔ اگرچہ یہ مرد دیندار درست کار مدتوں سے مصر میں رہتا تھا۔ لیکن اپنے عادات و اطوار قومی کو اس نے ذرا بھی نہ بدلا تھا۔ چال ڈھال۔ رفتار و گفتار۔ پوشاک و خوراک نشست و برخاست میں جیسا اپنے آبا و اجداد کو دیکھا تھا اسی ڈھنگ پر چلتا تھا۔ تعصب قومی میں اتنا سخت تھا کہ باوجودیکہ مصر میں برسوں سے رہتا تھا۔ مگر ایک لفظ عربی کا کبھی نہ بولتا تھا۔ بلکہ عربی سیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ہر وقت باتیں ایران کی کیا کرتا تھا اور نغمۂ وطن گایا کرتا تھا۔ خود تو مصر میں تھا۔ مگر دھیان ایران میں لگا رہتا تھا۔ مرزا یوسف جو اسکے بیٹے ابراہیم بیگ کا استاد تھا کتاب ناسخ التواریخ مصنفہ مرزا حمد اللہ مستوفی سے کیخسرو۔ جمشید۔ بہمن۔ شاہپور ذوالاکتاف اور نوشیرواں کے حالات اور داستانیں پڑھ پڑھ کے سناتا تھا۔ اور یہ سن سن کے پھولتا اور خوش ہوتا تھا '

ہر سال ماہ مبارک رمضان میں چار عرب قاری سے قرآن شریف پڑھوا کے اسکا ثواب روح پاک حضرت شاہ عباس صفوی شہنشاہ ایران ہمعصر اکبر شہنشاہ ہندوستان کو بخشا کرتا تھا۔ جنکے آثار خیر ابتک ایران میں پائے جاتے ہیں اور خود بھی ہر نماز کے بعد فاتحہ خیر سے انکو یاد کیا کرتا تھا۔ تاریخ نادری کے پڑھنے کا ایسا شائق تھا کہ بار بار اسکے پڑھنے سے ساری کتاب اسکو از بر ہو گئی تھی۔

اسکے مرنے پر اسکا ایک خلف الصدق ابراہیم بیگ نام رہا جس سے میں (مولف) مصر میں[1] ملا ہوں۔ اور وہی اس کتاب کا ہیرو ہے۔ اسکے کتبخانہ میں میں نے کئی جلدیں تاریخ نادری کی مختلف مقامات کی چھپی ہوئی دیکھیں۔ میں نے ابراہیم بیگ سے پوچھا کہ یہ متعدد جلدیں ایک کی کتاب کی کس غرض سے ہیں۔ اسنے جواب دیا کہ میرے باپ کی یادگار ہیں۔ انکو اس کتاب سے بہت رغبت تھی۔ اور یہ

---

[1] جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے یہ جملہ استعمال کیا گیا ہے '

بات لوگوں کو معلوم ہو گئی تھی ۔جس کسی کو اس کتاب کا قلمی یا مطبوعہ نسخہ کہیں سے ہاتھ لگ جاتا تھا وہ میرے باپ کے ہاتھ اچھی قیمت پر بیچ جاتا تھا - ان کے علاوہ اس کتاب کے چند نسخے اور بھی تھے جنکو میرے باپ نے وقف کر دیا تھا اور وہ اب یہاں نہیں ہیں '

ابراہیم کے والد کا قومی تعصب اس حد کا تھا کہ اگر کوئی عمداً یا سہواً ایران کی مذمت اسکے سامنے بیان کرتا تو اسکو بیدین - بے حمیت اور بے غیرت سمجھ کر عمر بھر اس سے بات نہ کرتا - مصر میں اور بھی مالدار ایرانی تاجر ہیں جنہوں نے کارپردازان ایرانی کے حرکات سے تنگ آ کر روس - انگریز یا فرانس کی رعیت ہونا قبول کر لیا ہے اسکو بھی از روے خیر خواہی نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم بھی ایران کی رعیت ہونے سے نکل جاؤ تاکہ تمہارا مال تمہارے شرعی وارثوں کو ملے - اور ایران کا سفیر ہضم نہ کر جائے باوجودیکہ چند بار اسپر الٹے سیدھے الزامات لگا کے اسکو قید بھی کر دیا تھا اور جرمانہ بھی کیا تھا - پھر بھی تحمل اور بردباری سے کام لیکر یہ ترک تابعیت ایران پر راضی نہ ہوتا تھا '

اگرچہ اسنے ایک بڑا مضبوط وصیت نامہ شرعی لکھ دیا تھا پھر بھی ایکہزار پاؤنڈ لئے بغیر حاجی مرزا نجف علی خاں سفیر ایران مقیم مصر نے اسکا ترکہ ابراہیم بیگ کو نہ دیا اگر وصیت نامہ میں ذرا بھی گنجائش ہوتی تو ابراہیم بیگ کو ایک حبہ بھی نہ ملتا '

المختصر جب ابراہیم بیگ بیس سال کا تھا تو اسکے باپ نے انتقال کیا - دم واپیں ابراہیم بیگ کو بلا کر یوں وصیت کی - اے فرزند میں نے اپنا حق پدری ادا کیا - علاوہ زبان مادری و قومی دوسری زبانیں بھی جو آجکل ایک انسان کے لئے ضروری ہیں تم کو سکھائیں - تمہاری قابلیت - عفت - دیانت اور خوش اخلاقی میں ذرا بھی شک نہیں - اب میں قریب مرگ ہوں چند وصیتیں تم کو کرتا ہوں انکو گوش دل

سے سنو اور ان پر کاربند ہو۔ یہ تمہاری آیندہ زندگی میں کام آئینگی'

اوّل بعد خدا تمہاری ماں کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ میرے بعد تم کو معلوم ہوگا کہ میں نے اور اسنے تمہاری تربیت میں کیا کیا زحمتیں اٹھائی ہیں

دوّم چچا مرزا یوسف جو تمہارے معلم اور مربی ہیں ان سے لطف کیساتھ پیش آنا کیونکہ ماں باپ سے زیادہ استاد کا احترام لازم ہے (اسلئے کہ والدین ترکیب جسمانی کی علت ہوتے ہیں اور استاد اصلاح نفس کا سبب ہوتا ہے)۔ خصوصاً یوسف ایسے شخص کا کہ امین۔ دیانتدار۔ نیکوکار اور صداقت شعار آدمی ہیں اور ابتداءِ عمر سے ہمارے ساتھ رہے ہیں انکو گھر والوں کی طرح سمجھنا

سوّم عادات و اخلاق حمیدۂ قومی کو کبھی نہ چھوڑنا۔ بعض حرامزادے بیعزت ایرانیوں کو برا بھلا کہتے ہیں وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ بالفرض اگر سچ بھی ہو تب بھی تم انکے ہمزبان نہ ہونا'

چہارم اپنے راز کو سب سے پوشیدہ رکھنا مگر دوست پاک فطرت سے جسکا وجود کمتر پایا جاتا ہے'

پنجم خوشامدیوں سے بچتے رہنا۔ جو تمہارے سامنے تمہاری تعریف کرتا ہے وہ تمہیں غرور اور خود بینی سکھاتا ہے۔ جو بدترین صفات مذمومۂ انسانیہ ہیں'

ششم تم کہیں نہ جاؤ۔ لوگ خود ہی تمہارے پاس آئینگے'

ہفتم نماز اور دیگر فرائض مذہبی کبھی نہ ترک کرنا'

ہشتم اتنی سخاوت نہ کرنا کہ مشہور ہو جاؤ۔ نہ اتنا بخل کہ لوگ جان جائیں' (خیر الامور اوسطہا) کیونکہ سخاوت میں اگر مشہور ہوے تو سائل بکثرت تمہارے پاس آئینگے۔ سب کی تمنا پورا کرنا محال ہے اور جب تم نہ دوگے تو تمہارے

دشمن ہونگے - یہ نصیحت فقراء و مساکین کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ خوشامدی قرض خواہوں کی نسبت ہے'

نہم جو کوئی کچھ کہے اگر تمہیں اسکا یقین نہ ہو تو اس سے معارضہ و مباحثہ نہ کرو'

دہم میں تم سے نہایت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے بعد چھ سات سال تک تجارت نہ کرنا کیونکہ دولت کثیر میں تمہارے لئے چھوڑے جاتا ہوں اس مدت میں جہاں تمہارا دل چاہے سیاحت کے لئے جانا - اس سفر کے لئے ایک ہزار لیرہ میں نے علیحدہ رکھ دیا ہے - جس کو دوسرے وارثوں سے کوئی تعلق نہیں'

یازدہم جب سفر میں جانا اور یوسف زندہ ہوں تو انکو سفر میں اپنے ساتھ لینا - جس ملک میں جانا وہاں کے لوگوں کے اخلاق - درآمد و برآمد مال - ملک کی سالانہ آمدنی کی تحقیق کرنا اور جس شہر میں پہنچنا وہاں کے روزانہ کے مشاہدات اور تاریخ ورود و صدور نوٹ بک میں لکھ لینا'

دوازدہم میرے دوستوں کا مجھ سے زیادہ احترام کرنا - باقی وصایاے شرعیہ میں نے وصیت نامہ میں لکھ دیے ہیں - اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں'

باپ کی وفات کے بعد ابراہیم بیگ حسن اخلاق - راستگوئی - پاکدامنی میں مشہور دوست و دشمن ہو گیا - تعصب قومی میں جسے اپنے باپ سے وراثتہً پایا تھا باپ سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا تھا - چنانچہ اسکے ظریف ہم وطن جب اسکو مشتعل کرنا چاہتے تھے تو اسکے سامنے عدم انتظام ایران - فوجی سپاہیوں کا ننگے پاؤں ہونا - رشوت لے کر ٹھیکوں کا دینا - رعایا پر الٹے سیدھے الزامات لگا کے انکو قید کرنا - ان پہ جرمانہ کرنا - مسجدوں کا گیارہ مہینے تک ویران رہنا اور ان میں پھلوں کا رکھنا -

علما کا بدمعاشوں سے میل جول رکھنا۔ اسی طرح کی اور جھوٹی یا سچی باتیں اسکے سامنے بیان کرتے تھے۔ بیچارہ ان باتوں کو سنکر بگڑ جاتا تھا۔ کسی کو بیدین کسی کو بے حمیت بناتا تھا۔ بعض اوقات گالم گلوج اور مار پیٹ کی بھی نوبت آجاتی تھی '

اسکے برخلاف جب کبھی اسکو خوش کرنا چاہتے تھے تو قہوہ خانہ میں اسکے منتظر بیٹھتے تھے۔ جیسے ہی اسکو دور سے آتے دیکھتے ایران کی تعریف کی باتیں شروع کر دیتے۔ جب ابراہیم اس صحبت کو حسب دلخواہ پاتا تو ہمہ تن گوش ہوکر اظہار مسرت خاطر کے لئے ڈبیا سگرٹ کی جیب سے نکالکر میز پر رکھ دیتا اور حاضرین سے اسکے پینے کی خواہش کرتا '

موجودین میں سے کوئی کہتا کہ شاہ ایران نے ہر شہر میں ہائی اسکولوں اور کالجوں کے کھولنے کا حکم دیدیا ہے اور حکام ولایات کے پاس احکام پہنچے ہیں کہ رعایا سے عدل و داد کیساتھ سلوک کریں ظل السلطان کے پاس ہر وقت ایک لاکھ فوج سوار اور پیدلوں کی سامان جدیدۂ حرب کے ساتھ موجود رہتی ہے۔ ایسی باتوں کو سنکر مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا۔ قہوہ چی کو برابر آواز دئے جاتا کہ ان حضرات کیلئے چاء لاؤ اور حقہ لاؤ۔ اور ختم صحبت پر تمام مصارف خود ادا کرتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات سب کو کھانا کھلاتا اور بگھی پر سیر کراتا اور سب کے دام خود ادا کرتا +

(باقی آیندہ)

سید اولاد حسین شاداں

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۲ - عدد ۱	بابت ماہ نومبر ۱۹۳۵ء	عدد مسلسل ۴۲

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این منتظر نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دیجائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے ۔ جو سنسکرت ۔ عربی ۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؁

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے ؁

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، اردو اور پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی ملسکتا ہے ؁

وقت اشاعت۔ یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر ۔ فروری ۔ مئی ۔ اگست[1] میں شایع ہوگا ؁

قیمت اشتراک۔ سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عہ۱۲ر اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا ؁

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خریداری رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے ۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؁

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؁

قلم تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم ۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے ۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ؁

پرتھی راج راسا از چند بردائی

(رسالہ کے لئے دیکھیے رسالہ بابت اگست ۱۹۳۶ء)

ہانسی پور پر تھم جُسدہ

اکاونویں داستان

دلی کے راج کی سرحد میں قنوج کی فوجوں نے زیادتی کرنی شروع کر دی پرتھی راج نے ہانسی پور کی حفاظت کے لئے ایک سردار وہاں کو روانہ کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر راجہ شکار کو چلدیا۔ اودھر بلوچ پہاڑی نے شہاب الدین کو لکھا کہ اگر شاہ حکم دے اور میری مدد کرے تو میں ہانسی چھین لوں۔ پرتھی راج پورے ایک سال جمیر میں رہا۔ جب بلوچ کا خط شاہ کو ملا بہت خوش ہوا۔ اسنے اپنی بیگموں کو حج کی غرض سے بھیجا اور بلوچ پہاڑی انکی حفاظت کے لئے مقرر ہوا۔ بلوچ نے راستہ دینے کے لئے چون رای سے کہا۔ رگھوبنس رام نے راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ بیگم حج کے ارادہ سے بڑے مال، متاع اور ساز و سامان کیساتھ چلی تھیں۔ چامنڈ رای نے بیگم کو لوٹنے کا ارادہ کیا۔ بلوچ پہاڑی ساونتوں کے پاس خود گیا مگر انہوں نے اسکی ایک نہ سنی اور رات کے وقت حملہ کر کے بیگم کو لوٹ لیا۔ بیگم کے تمام ہمراہی بھاگ گئے اور بیگم نے ساونتوں سے بڑی التجائیں کیں۔ چامنڈ رای بیگموں کو لوٹ کر ہانسی پور چلا گیا اور بیگمیں اپنی فریاد لیکر شہاب الدین کے پاس گئیں۔ شہاب الدین اپنی ماں کی فریاد سنکر نہایت مغموم اور برہم ہوا۔ اُسنے اپنے درباریوں سے سب حال کہا اور والدہ کی ساری رام کہانی سنکر اُسنے دلی پر چڑھائی کا حکم دیا اور تتار خاں نے شاہی حکم سے مدد کیلئے خط بھیجے۔ شہاب الدین نے وزیر سے چوہان پر فتح پانے کی تدبیر پوچھی۔ تتار نے کہا آسی پور (ہانسی) پر حملہ ہونا چاہیئے۔ یہ رائے سب نے پسند کی۔ دربار میں بلوچ پہاڑی کو بلایا گیا۔ شاہی جاسوس سندھ پار کر آئے۔ انکے بعد شاہی فوج چلی۔ تتار خاں اور خورسان خاں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ تتار خاں دس کوس آگے تھا۔ آخر شاہی فوجیں آسی پور کے قریب پہنچکر خیمہ زن ہوئیں۔ شاہی فوج میں یہ اقوام تھیں۔ قندہاری۔ حبشی۔ رومی۔ خلجی

ایمی ۔ خریش (قریش) ۔ بخاری ۔ سید ۔ سیلانی ۔ شیخ ۔ کھٹی ۔ میدانی ۔ چوگتا (چغتا) ۔ پیرزادہ ۔ لوہانی ۔ ترکام ۔ بلوچ وغیرہ ۔ شاہی فوج نے ہانسی کو چاروں طرف سے محصور کرلیا اور زور کرکے قلعہ کے دروازہ کو توڑ دیا مگر چامنڈرای اور دیگر ساونت دلیرانہ مدافعت کرتے رہے ۔ شام پڑے لڑائی بند کردی گئی ۔ صبح پھر جنگ شروع ہوئی اور ترک اور ہندو ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے ۔ جنگ کا بیان بحر متقارب میں آتا ہے جسکا آخری شعر ہے

کٹھن سرت امبھر سرن لوک بٹی پھری فوج تاتار کی کھائی گئی

جلیل خاں نے ہندوؤں پر دھاوا کیا ۔ لڑائی بڑے زور شور کیساتھ جاری رہی ۔ آتشیں اسلحہ کا استعمال عمل میں آیا ۔ آخر شاہی فوج کو ہزیمت ہوئی اور مسلمان بھاگ نکلے

دوتیہ ہانسی جدہ

باونویں داستان

جب سلطان نے سنا کہ تتار کی فوج کو شکست ہوگئی نہایت برہم ہوا اسنے بذات خود ہانسی پر دوبارہ حملہ کا عزم کیا اور فرمان بھیجکر روم ۔ ہریو (ہرات) بھنیر بھکر ۔ سمرقند ۔ کسقند ۔ بلخ ۔ بلوچ ۔ مکران ۔ قندل واس ۔ ازبک ۔ خوجکار ۔ عراق ۔ خندھار سے فوجیں طلب کیں اور ہانسی کیطرف کوچ کیا ۔ یہاں پہنچکر شہاب الدین نے ساونتوں کو کہلا بھیجا کہ قلعہ خالی کردیں ۔ ساونتوں نے آپس میں مشورہ کیا ۔ بعض کی رای تھی کہ قلعہ چھوڑ دیا جائے مگر باقی مخالف تھے تتار خاں کے ساتوں بھائی تلواریں سونت کر قلعہ پر حملہ آور ہوے ۔ قلعہ والوں کی ایک ہزار سپاہ قتل ہوگئی ۔ لیکن ساونت پھر بھی قلعہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوے ۔ اس موقعہ پر پرتھی راج نے ایک خواب دیکھا جس میں اسکو ہانسی پور کی ابتر حالت کا نقشہ نظر آیا ۔ اس نے گھبراکر کیماس سے مشورہ کیا اسنے کہا کر راول سمر سنگھ جی کو بلائیے ۔ انہیں بلایا گیا اور وہ ہانسی کیطرف روانہ ہوے ۔ اتنے میں ساونت قلعہ چھوڑ کر پرتھی راج کے پاس چلے آئے ۔ راجہ نے انکو تسلی دی اور خود انکی حمایت میں ہانسی پور کیطرف روانہ ہوا ۔ راول جی چوہان سے

پہلے ہانسی پور پہنچ چکے تھے۔ راول جی کے آتے ہی یونی (مسلمانی) لشکر نے انکے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ راول جی مردانہ وار لڑتے رہے۔ اب مسلمانوں کی طرف سے تتار خان نے حملہ کیا اور گھمسان کا معرکہ پڑا۔ عین اسوقت پرتھی راج پہنچ گیا۔ راجا کے آتے ہی شاہی فوج کا دل ٹوٹا۔ آخر تتار خاں مایوس ہوکر فرار ہوا اور راول جی اور پرتھی راج مہم سر کرکے واپس چلے آئے'

پچوّن مہوبا نام پرستاو

ترپینویں داستان

ایکدن چند کی بیوی نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ مہوبا کی رزم کس طرح ہوئی تھی؟ اسنے جواب میں کہا کہ خورسان خان نے ایک مرتبہ مہوبا پر حملہ کیا۔ اسکے ساتھ ایک لاکھ سوار اور بے تعداد پیادے تھے اور امرا میں سے یہ لوگ اسکے شامل تھے۔ نصرت خان۔ خورسان خان۔ قریش خاں اور اس فوج نے مہوبا کا رخ کیا۔ نڈھور نے قاصد پرتھی راج کے پاس بھیجا اور غنیم کی آمد کی کیفیت عرض کر دی۔ پرتھی راج نے دربار میں پوچھا کہ مہوبا کی مدافعت کے لئے کس سردار کو بھیجا جائے۔ سب نے یہ رائے دی کہ پجّون رای کو بھیجنا چاہیئے اور سب نے اسکی ثنا خوانی کی۔ پرتھی راج نے اس رای سے اتفاق کیا اور پجّون کو جاگیر اور سروپا دیکر اس مہم پر روانہ کیا۔ یہ دلاور جاتے ہی شہاب الدین کی فوج سے گتھ گیا اور نہایت جوانمردی سے لڑا۔ آخرکار خورسان خاں۔ فیروز خاں اور خوب خاں کو بھاگ کر ہی جان بچانی پڑی اور پجّون جی فتح کے شادیانے بجاتے واپس لوٹے اور شاہ ہزیمت کھاکر واپس غزنیں لوٹ گیا۔ دلّی پہنچنے پر پجّون جی کی خوب آؤ بھگت ہوئی'

پجّون پاتساہ جدّہ

چونویں داستان

مہوبا کی فتح کے بعد پجّون جی کنہ چوہان۔ سلکھ۔ بڈگوجر اور نڈھور کو مہوبا میں رکھ

کر خود ناگور آ گئے - پادشاہ شکست کھا کر غزنیں لوٹ گیا اور پچھون جی کو مغلوب کرنے کی فکر میں پڑ گیا۔ ادھر دھرمائن کایستھ نے پادشاہ کو خط لکھا جس میں یہاں کے تازہ حالات درج تھے۔ شہاب الدین نے وزیر کو پچھون رای کے پاس قاصد بھیجنے کا حکم دیا - ساتھ ہی تین لاکھ فوج کے تیار ہو جانے کا فرمان بھیجدیا - یونی قاصد ناگور پہنچا - خط میں لکھا تھا کہ میں فوج لیکر آتا ہوں تم جنگ کے لئے طیار رہو - پچھون جی شاہ کا فرمان پڑھکر خوب ہنسے اور دو ٹوک دلیرانہ جواب بھیجدیا - قاصد نے جواب غزنیں پہنچادیا اور ناگور میں قلعہ بندی ہونے لگی - ادھر مسلمانی فوجوں نے آکر ناگور کو گھیر لیا - اس سے راجپوتی فوج میں بددلی پھیل گئی - مگر پچھون جی نے ڈھارس دی - پچھون جی نے رات کے وقت مسلمانوں پر شبخون مارا - پہرہ دار بیدار تھے - انہوں نے شور مچا دیا اور مسلمانی فوج ہوشیار ہوگئی اور جنگ ہونے لگی - پچھون کے فرزندوں نے خوب داد شجاعت دی - اور پچھون رای نے سلطان کو قید کر لیا اور اسے لیکر قلعہ میں چلا گیا - اسپر یونی فوج کے پانو اکھڑ گئے - پرتھی راج نے پندرہ ہزار بار جرمانہ میں وصول کرکے شاہ کو آزاد کر دیا اور کہا سنو سلطان! تم بڑے بہادر کہلاتے ہو - بار بار جرمانہ ادا کرکے اپنی جان بچاتے ہو مگر باز نہیں آتے "

درگا کیدار سمیو
اٹھاونویں داستان

پرتھی راج کیماس کی وفات پر بیحد غمگین ہے - ساونتوں نے راجہ کے دل بہلانے کے لئے یہ صورت نکالی کہ اسے شکار لیجایا جاے - اسپر راجہ بھی رضامند ہوگیا اور سامان کرکے چلدیا - شہاب الدین نے اپنا جاسوس دلی بھیجا - دھرمائن کایستھ نے مفصل کیفیت لکھدی جاسوس نے یہ خط غزنیں پادشاہ کے پاس بھجوادیا - درگا بھاٹ نے جو شہاب الدین کا بھاٹ ہے - علم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنیکی دیوی سے مراد مانگی - دیوی نے جوابدیا کہ تو اوروں پر فائق ہو سکتا ہے - مگر چند پر غلبہ نہیں پا سکتا - اسپر درگا نے خواہش

کی کہ خیر میں پرتھی راج سے ملنا چاہتا ہوں ۔ دیوی نے اسکی یہ آرزو قبول کرلی ۔ دوسرے دن علی الصباح درگا بھاٹ شاہ کے دربار میں گیا اور بادشاہ سے رخصت مانگی ۔

کہی یا غیبانی بہانی سو علی　　دیو ساہ سیکھن چلے بھٹّ دلّی

تتارخاں نے بھاٹ سے کہا کہ دشمن کے گھر مانگنے جانا مناسب نہیں ۔ اس موقعہ پہ بادشاہ نے کوی چند کی تعریف کی اور کہا کہ دیکھو وہ تو کبھی غزنین نہیں آیا ۔ بھاٹ اسپر لاجواب ہوگیا ۔ مگر شاہ نے اسکو رخصت دیدی ۔ بھاٹ دربار سے آکر دلی کے سفر کی طیاری میں مشغول ہوگیا اور غزنین سے چلکر ڈھائی مہینے کے بعد پانی پت پہنچ گیا جہاں پرتھی راج شکار کے لئے مقیم تھا ۔ راج کنور رینسی نے تلوار سے شیر مارا تھا اور پانی پت کے میدان میں ڈیرے کھڑے تھے وہیں گوٹ منائی جانے لگی ۔ ٹھیک اسوقت درگا کیدار پہنچتا ہے اور پرتھی راج کو سلام کرکے اسکی مدح سرائی کرتا ہے ۔ راجا اسکو عزت کی جگہ بٹھاتا ہے ۔ اب دونوں شاعروں میں سحر و طلسم میں مقابلہ شروع ہوتا ہے ۔ درگا اپنے عمل سے مٹی کے برتن سے آگ کا شعلہ نکالتا ہے ۔ کوی چند اسکے جواب میں گھوڑے سے اسیر باد کہلواتا ہے ۔ جواب میں درگا پتھر کی چٹان کو اپنے سحر سے متحرک کرتا ہے اور اسمیں انگوٹھی بٹھا دیتا ہے ۔ کوی چند اپنے علم سے چٹان کو پانی بنا کر بہا دیتا ہے ۔ اور انگوٹھی نکال لیتا ہے ۔ درگا اور راو رانو کھے عجائبات دکھاتا ہے اور چند ان سب کے توڑ کرتا ہے ۔ آخر الامر فیصلہ یہ ہوا کہ کوی چند ان امور میں اپنے حریف پر غالب ہے درگا بھی اس فیصلہ کو قبول کرتا ہے اور راجہ کی خدمت میں آداب بجا لاتا ہے ۔ راجا اور اسکے ساونت درگا کی تعریف کرتے ہیں ۔

پرتھی راج درگا کیدار کو پانچ دن اپنے ہاں مہمان رکھتا ہے اور بہت انعام واکرام دیکر رخصت کرتا ہے ۔ غزنین کے جاسوس دھرمائن کا خط شہاب الدین کو لاکر دیتے ہیں ۔ شہاب الدین اس خط کی بناپر پرتھی راج پہ چڑھائی کرتا ہے اور تتارخان

فوج کو شاہی حکم سُناتا ہے۔ شاہ کو لشکر کا معائنہ کرایا جاتا ہے اور شہاب الدین
کُوچ کرتا ہے ع چڈ چلیو ساہ عالم اسنبھ ـــــ سوَ تنگ پور میں پڑاو ہوتا
ہے۔ یہاں درگا کیدار اور دیگر جاسوس شاہ سے آکر ملتے ہیں ؎

دی دواہ (دعا) تن ترچ وَس | اکایم ساہ سہاب

شاہ نے شاعر سے پرتھی راج کا حال پوچھا۔ اسنے مفصل کیفیت کہہ سنائی سلطان
نے مصاحبوں سے مشورہ کرکے مع فوج آگے کا رخ کیا۔ درگا کیدار کے باپ نے
درگا کو لعنت ملامت کی کہ تو پرتھی راج کی خبریں لاکر شاہ کو دیتا ہے۔ اس بدنامی
کے ازالہ کے لئے درگا کا بھائی پرتھی راج کو مسلمانی لشکر کی آمد کی اطلاع دینے کے
لئے روانہ ہوا۔ گویدا س نے پانی پت پہنچکر رنج میں اسکو اطلاع دے دی۔ راجہ نے
اسی وقت اپنے ساونتوں کو بلا کر شاہ کی آمد سے سب کو مطلع کر دیا اور کنسر اسی
وقت جنگ کے لئے طیار ہوگیا۔ اس اثنا میں شہاب الدین بھی آ پہنچا اور ؎

خان مصطفیٰ دلیل | پٹھہ رکھّے گریوانن (گریبان)

تتار خاں آدھی فوج لے کر آگے بڑھا اور شاہ باقی لشکر کیساتھ عقب میں رہا۔
دونو لشکر مقابل ہوے اور گھمسان کا معرکہ ہونے لگا۔ لوہانا اور پہاڑ رای نے
ملکر شاہ پر حملہ کیا۔ اور شاہی فوج نے انہیں روکا۔ انکی امداد کے واسطے
ساونت آ پہنچے۔ آخر مسلمانی فوج بیدل ہو کر بھاگی اور ساونتوں نے شاہ
کو گھیر لیا۔ لوہانا نے شاہ کے ہاتھی کو مار گرایا اور شاہ پکڑا گیا۔ اس کا تمام
سامان لوٹ لیا گیا۔ لوہانا کی بڑی تعریف ہوئی۔ پرتھی راج دلّی گیا۔ اور
شہاب الدین کو تیس دن قید رکھ کر اور جرمانہ لے کر چھوڑ دیا ⁂

دھیر پنڈیر پرستاو
چونسٹھویں داستان

پرتھی راج قنوج سے لوٹ چکا ہے۔ چندسین پنڈیر کے مارے جانے کے بعد اسکا فرزند دھیر پنڈیر سترہ سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین تسلیم کر لیا جاتا ہے دھیر جالپا یا جالندھری دیوی کی خاص طور پر پرستش کرتا رہا۔ دیوی نے اسے اپنا جمال دکھایا اور کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اسنے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا سانگ (نیزہ چوچھتیس سیر کا تھا) اٹ دھاتی جیت کھمب میں سوراخ کر دے اور راجا کی نگاہ میں میری سرخروئی ہو۔ دیوی نے کہا جا تیری آرزو قبول ہوئی تو اس کھمب کو ضرور بیدہ دیگا اور راجہ تجھ سے بہت خوش ہوگا۔ ہاتھی گھوڑے اور خلعت انعام میں دیگا اور ہم تو تجھ سے اسقدر خوش ہیں کہ آیندہ بھی جب کبھی کوئی مشکل تجھے پیش آئے گی۔ ہم تیری حفاظت کرینگے مگر تو ہماری سمرن ضرور کرتا رہنا۔ دوسرے دن دسہرے کی پوجا کے وقت دھیر پنڈیر موقعہ پر پہنچا۔ جہاں پرتھی راج اپنے سرداروں کے فرزندوں کی طاقت کا امتحان کر رہا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی تلوار یا سانگ کو اس کھمب پر آزماتا تھا مگر کوئی اسکو کاٹ نہیں سکتا تھا۔ دھیر نے جاکر ادب سے اپنا سانگ پرتھی راج کی خدمت میں پیش کیا اور سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ راجہ نے مسکرا کر اسکو کھمب بیدھنے کی اجازت دی۔ اسپر دھیر نے اپنا گھوڑا اڑایا اور پورے زور سے سانگ کا ایک ہاتھ اس کھمب پر چھوڑا کہ سانگ کھمب کے پار ہوگیا۔ تماشائیوں نے نعرۂ تحسین و آفرین بلند کیا۔ راجہ نے اسی وقت پانچہزار گانوکی جاگیر کا پٹہ لکھ دیا۔ سروپا عنایت کیا۔ بیرق والا جھنڈا اور ہاتھی کا نشان دیا۔ دھیر نے انعام و خلعت سے مالامال ہوکر راجہ سے عرض کی کہ اسقدر مہربانی کے

بعد مجھے کوئی خدمت بھی دی جائے تاکہ میں اسکی بجا آوری میں اپنی کوشش صرف کروں - پرتھی راج نے کہا ہم چھتریوں کا کام ہی مرنا اور مارنا ہے مگر میری آرزو ہے کہ ایک مرتبہ اور شہاب الدین کو زندہ گرفتار کیا جائے - اسپر دھیر نے عرض کی کہ میں ارشاد عالی کی بجا آوری میں جان سے بھی دریغ نہیں کرونگا اور شہاب الدین کو زندہ گرفتار کرکے آپ کے قدموں میں لا ڈالونگا - دھیر پر راجہ کے انعام و اکرام کی بارش اور انتہائی مہربانی نے جیت راو اور چامنڈ راو کو جو پرتھی راج کے درباری امرا تھے آتش حسد میں جلا ڈالا - جیت راو نے چامنڈ راو کی طرف آنکھ ماری - چامنڈ راو سمجھ گیا - اسنے دھیر سے کہا بیٹا دھیر! تمہیں لاف مارنی مناسب نہ تھی - جس بادشاہ کو ہاتھیوں کی سات سات صفیں گھیرے رہتی ہوں اسکو زندہ گرفتار کرنا کوئی مذاق نہیں ہے - تم اپنی استعداد کے مطابق بات کرو اور چلو بھر پانی میں اچھلنے نہ لگو اور یہ ہاتھی اور شیر کو ترازو میں تولنے کا دعویٰ ترک کرو - دھیر نے کہا میں چند پنڈیر کا فرزند ہوں - جو بات منہ سے نکلی ہے اسے پوری کرکے دکھاؤنگا - ہوا چلتے دیر لگتی ہے مگر افواہ پھیلتے دیر نہیں لگا کرتی - شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ آج دھیر پنڈیر نے بادشاہ کے زندہ گرفتار کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے - رات بسے کی بات سو کوس کی خبر لیتی ہے - شدہ شدہ یہ بات شہاب الدین کے کانوں تک بھی پہنچ گئی -

ادھر دلی میں بلبھدر رای - جام رای جادو - پرسنگ رای کھیچی - دیو راو بگری - لوہانا آجان واہ اور رام رای گوجر وغیرہ سرداروں نے ایک خفیہ جلسہ کیا اور اپنی اپنی خدمات کا ذکر کرکے کہنے لگے کہ ہم لوگوں کو لڑتے مرتے اور جان جوکھوں میں ڈالتے عمریں گذر گئیں - اسکا یہ صلہ ملا کہ کل کے چھوکرے نے کھمب کو بیدہ دیا اور راجہ نے اسے ہمارے سر پر لا بٹھایا - کسی نے کہا کہنے دو - ہم کوئی اسکی حکم برداری کرتے ہیں - آخر یہ صلاح ٹھہری کہ دھیر کو گرفتار کرا دیا جائے - چامنڈ رای نے امرداس کایستھ

سے ایک خط شہاب الدین کے نام لکھوایا کہ یہاں چند ہنڈیر کے بیٹے دھیر نے تمہیں زندہ گرفتار کرنے کی سوگند کھائی ہے وہ اپنی قسم نباہ سکیگا یا نہیں اسکو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ لیکن یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات خوب نہیں۔ شہر شہر میں چرچا تو ہوگیا دھیر بھادوں کی آٹھ کو جالندھری دیوی کی پوجا کے لئے کانگڑہ جائیگا۔ آپ سے جو کچھ بن سکے کیجیے +

الغرض بھادوں آیا اور دھیر دیوی کے درشن کرنے چلا۔ چامنڈ راو کا خط پڑھ کر شہاب الدین دل ہی دل میں ہنسا اور اپنے درباریوں سے بولا کہ ایسا کون سورما ہے جو دھیر کو میرے پاس پکڑ لائے۔ یہ سنکر آرائش خاں آگے بڑھا اور اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ساٹھ ہزار گکھڑوں کو ساتھ لے کر کانگڑے کی طرف چل پڑا۔ دھیر ساتویں کو کانگڑے پہنچا اور آٹھویں کو دیوی کے درشنوں کی غرض سے آدھی رات کے وقت مندر میں بیٹھا ہوا تھا کہ گکھڑ آدھمکے اور مندر کو گھیر لیا۔ پوجا پاٹ سے فارغ ہوکر جب دھیر مندر سے نکلا گکھڑوں کے نرغہ میں آگیا۔ وہ اسے لیکر چلتے بنے اور دریای سندھ پر آکر دم لیا۔ کشتیوں کے ذریعہ سے دریا سے پار ہوئے۔ آگے ہاتھیوں کی ڈاک بیٹھی تھی۔ اس سلسلہ میں کانگڑہ کے راجا ہاہولی راو ہاڑا ہمیر نے بھی گکھڑوں کی امداد کی تھی۔ دھیر ساٹھ ہزار گکھڑوں میں گھرا اور نشان کا ہاتھی بنا غزنیں پہنچ گیا۔ شہر کے لوگ جوق جوق اسے دیکھنے آئے۔ آخر شہاب الدین کے دربار میں پہنچا دیا گیا۔ شاہ نے اسے خطاب کرکے کہا

شاہ ۔ چند ہنڈیر کے فرزند! دیکھ تو زندہ میرے سامنے اسیر لایا گیا ہے۔ بتا تیری وہ قسم کہاں گئی۔ اسکے بعد بادشاہ میں اور قیدی میں دیر تک سوال و جواب ہوتے رہے۔ جن میں شاہ کا رویہ دوستانہ اور قیدی کا رویہ آزادانہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک دن اپنا دعویٰ ثابت کر دکھاؤنگا اور آپکو جیتا جاگتا آپکی

فوج میں سے پکڑ کر پرتھی راج کے قدموں پر لیجا کر ڈالوں گا۔ پادشاہ نرم لہجے میں اسے سمجھاتا ہے اور جھٹلاتا ہے۔ لیکن دھیر نہایت آزادانہ اور تلخ تلخ جواب دیتا ہے۔ آخر بڑی تکرار کے بعد تتارخاں کو جو وزیر ہے طیش آتا ہے وہ سیل ہاتھ میں لیکر چاہتا ہے کہ قیدی پر وار کرے۔ لیکن پادشاہ اسے روکتا ہے۔ اسپر تتارخاں بھی قیدی کو سمجھاتا ہے کہ یہ شاہی دربار ہے ادب سے بات کرو واہی تباہی نہ بکو۔ قیدی بیباکانہ لہجہ میں کہتا ہے کہ میں اس شان وشوکت اور جاہ وحشم سے مرعوب نہیں ہوں اور صاف صاف کہتا ہوں کہ میں تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے پادشاہ کو زندہ گرفتار کرکے پرتھی راج کے قدموں میں جا ڈالوں گا۔ یہ سنکر تتارخاں لال پیلا ہوا۔ تیر کمان میں جوڑلیا اور چاہتا تھا کہ چھوڑے لیکن پادشاہ نے اس کے ہاتھ سے کمان چھین لی اور کہا کہ قیدی کی جان لینا نامردی ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اسکو اب آزاد کردیا جائے۔ ہم دشمن پر فوج کشی کرتے ہیں دیکھیں وہاں یہ کیا بہادری دکھاتا ہے۔ یہ کہکر اُسنے سروپا منگا کر اسکو دیا۔ اپنی سواری کا خاص گھوڑا عنایت کیا اور رخصت کردیا اور کہا کہ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ ہوشیار ہوجاؤ۔ میں آتا ہوں۔ ادھر دھیر رخصت ہوا اُدھر شاہ نے تتارخاں کو دلی پر چڑھائی کے لئے فراہمی فوج کا حکم دیا۔ دوسرے دن سے فوجیں آنا شروع ہوگئیں اور شاہی دروازہ پر اسقدر ہجوم لگ گیا کہ رائی پھینکنا بھی مشکل ہوگیا۔ ان میں رومی۔ بلخی دبلخی، گکھڑ۔ ترک۔ بلول وغیرہ مختلف ذاتوں کے مسلمان شامل تھے۔ جب فوج جمع ہوچکی۔ پادشاہ ہاتھی پر سوار ہوئے۔ یہ ہاتھی سرخ رنگ سے رنگا گیا تھا۔ شاہ نے بھی سرخ رنگ کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ چلتے وقت بُرے شگون نظر آئے۔ تتارخاں نے کہا کہ آج کا کوچ ملتوی کردیا جائے تو اچھا ہے یہ سنکر شہاب الدین نے کہا۔ سنو تتارخاں! ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہے

مگر جو جوانمرد اسلام کے لئے شہید ہوئے۔ کیا تم انہیں مردہ سمجھتے ہو۔ ساری زمین خدا کی ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔ بس ایک نماز پڑھ لو اور پھر بسم اللہ کرو۔ دیکھو دنیا کے پردے پر کیا کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں قاضی نماز نہ پڑھتے ہوں۔ ملّا بانگ نہ دیتے ہوں۔ گائے کی قربانی نہ کی جاتی ہو۔ اور مسلمان کی قبر موجود نہ ہو۔ پیدائش اور موت تو قوانین الٰہی ہیں۔ انکے خلاف کوئی شخص بھی مداخلت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ایسی موت بہتر ہے جس میں بقائے نام ہو۔

"تتار خاں نے جواب دیا کہ" ارشاد عالی فی الحقیقت قابل غور ہے۔ دیکھیے جسوقت فقیر روشن علی نے دلی میں جاکر وہی جھوٹا کر دیا اور اس قصور پر وہاں کے راجہ نے اسکی انگلی کٹوا دی۔ تب اسنے مکہ شریف میں جاکر فریاد کی۔ درگاہِ رسالت میں اسکی فریاد قبول ہوئی اور نادان راجہ کی سزا دہی کا حکم دیا۔ خواجہ میراں شاہ سوداگروں کے لباس میں روانہ ہوئے۔ میراں صاحب کے پاس بہت سے قیمتی گھوڑے تھے۔ انکی آمد کی خبر پاکر دلی کے راجہ نے سارے گھوڑوں میں انتخاب ایک گھوڑا خرید لیا اور حضرت میراں شاہ نے جو قیمت مانگی وہی قیمت دی۔ اس لئے حضرت میراں شاہ کا اسوقت تو کچھ بس نہ چل سکا۔ وہاں سے چلکر انھوں نے اجمیر کے دیوتا اجیپال کے مقام پر نماز پڑھی اور اذان دی جس سے وہاں کے سب ہندو دیوتا بھاگ گئے۔ اسوقت اس کافر سردار نے طیش میں آکر فوج کشی کر دی۔ اُدھر تو ہندو سپاہی لڑتے تھے۔ اِدھر صرف آپ کے چالیس یار مقابلہ کرتے تھے۔ جنگ کے اختتام پر اور تو سب بچ گئے مگر حضرت صاحب نے شہادت پائی۔ اسکا آپ کے ساتھیوں کو بیحد غم ہوا۔ مگر اسی شب ان کے ایک ساتھی نے خواب دیکھا کہ ایک پیر مرد اس سے کہتا ہے کہ تم لوگ بالکل رنج مت کرو۔ میراں صاحب اجمیر کے ولی ملنے جاکر پوجے جائینگے اور چند ایام میں وہ وقت آنیوالا ہے کہ ہندو

خوار ہونگے اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ کوئی تعجب نہیں اگر اے خداوند نعمت یہ
وہی وقت آگیا ہو اور دین کے پھیلانے کی عزت آپ ہی کے نام نامی پر ہو۔ اس
لئے فوج کشی کرکے کافروں کا قتل کرنا مناسب ہے"

دھیر مع الخیر دہلی پہنچ گیا۔ پرتھی راج نے متحیر ہوکر دھیر سے پوچھا کہ تم جیسے بہادر
کو مسلمانوں نے کس طرح گرفتار کر لیا۔ اسپر چامنڈرای بولا اژدھات کی لاٹ چھیدنا
آسان ہے مگر بات کا نباہنا دشوار ہے۔ جس کے باندھنے کا انہوں نے بیڑا اٹھایا
تھا۔ اسی کے سامنے بکری کی طرح بندھے ہوے لیجائے گئے۔ وہی مثل بڑے بول
کا سر نیچا۔ دھیر نے کہا اب میں کیا زبان کھولوں مگر اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وقت
آرہا ہے جب میں اپنا قول پورا کرکے دکھاؤنگا اور ملچھوں کی فوج کو پامال کرکے شہاب الدین
کو باندھ لاؤنگا۔ چامنڈرای۔ پھر وہی بات جس بادشاہ کی فوج میں تین لاکھ
گھوڑے اور ساٹھ ہزار ہاتھی ہوں اسے تو کسطرح جیتا پکڑ لائیگا۔ فرزند! بڑا
بول نہیں بولا کرتے۔ مگر جب بات منہ سے نکل گئی تو جان جائے مگر آن نہ جائے۔
الغرض ایسی باتوں میں دربار برخاست ہوا۔ دھیر اپنے گھر لوٹا وہاں اس کے ہم قوم
پنڈیر راجپوت جمع تھے۔ انہوں نے اسکی بڑی آؤ بھگت کی اور اسکی گرفتاری پر
افسوس کرتے رہے۔ یہاں دھیر نے صاف صاف کہا کہ میری گرفتاری درحقیقت
جیت راو اور چامنڈرای کی شرارت سے ہوئی۔ خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ شاہ نے
مجھے دیکھ لیا اور میں نے بھی وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ لیا۔ جب میں پہلے پہل
وہاں پہنچا شاہ کے وزیر تتار خاں اور اسکے امرانے مجھ پر رعب بٹھانے کی کوشش
کی مگر میں نہیں دبا۔ بار بار کہتا رہا کہ اب تو قول کر لیا ہے اسکو پورا کرکے ہی دکھاؤنگا۔
بہرحال شاہ نے بڑی عزت کیساتھ مجھے رخصت کیا اور کہا کہ تجھ سے جو کچھ ہوسکے
کر دکھانا۔ اب آپ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ معاملہ یہانتک طول پکڑ

چکا ہے۔ آپ صاحبان کو میری قسم کی پاسداری ضرور ہے۔ اس میں میری ہی عزت نہیں ہے بلکہ آپ لوگوں کی بھی ہے۔ یہ سنکر رندھیر راو نے ہری راو سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ اسنے جواب دیا۔ ہمیں چاہئے کہ پنڈیریوں کا ایک علیحدہ دستہ رکھیں اور سب سے اول موقعہ تاک لیں۔ اور جیسے ہی شاہ کی فوج پہنچے ہم سب سے پہلے حملہ کر دیں +

تین مہینے گذر گئے۔ اسوقت ایسپ میاں (یوسف میاں) نام گھوڑوں کا ایک تاجر عراقی گھوڑے لئے دلی آیا۔ پنڈیر نے اس سے پانسو گھوڑے خریدے۔ اور قیمت کا یہ فیصلہ ٹھہرا کہ دو تہائی نقد ادا کر دی گئی اور ایک تہائی باقی رکھی۔ ایکدن موقعہ پاکر جیت راو اور چامنڈ رای نے ایسپ میاں سے کہا کہ تم کس خواب خرگوش میں ہو کہیں روپے کے لالچ میں اپنی جان نہ کھو بیٹھنا۔ سوداگر یہ سنکر ایک سناٹے میں آگیا۔ اسنے پوچھا اب میں کیا کروں۔ چامنڈ رای نے کہا کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلا کرتا۔ تم اسے دق کرو۔ یہ بات سوداگر کے دل میں بیٹھ گئی۔ وہ اپنے پڑاو پر گیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ ایک جلسہ کیا جائے اور اس میں دھیر کو مدعو کیا جائے۔ جب آدھی رات گذر جائے اسوقت سب نرغہ کرکے اسکو قتل کر ڈالیں۔ یہ صلاح منظور ہوئی اور جلسہ کی تیاریاں ہونے لگیں زردوزی اور کارچوبی کام کے کپڑے بچھائے گئے مشعلوں کی روشنی کا انتظام ہوا۔ میر معروف کا گماشتہ مالن خاں پنڈیر کے پاس گیا اور بولا کہ آج ہمارے ہاں بڑے تکلف کا جلسہ ہے۔ مہربانی کرکے آپ بھی اس میں شریک ہوجئے۔ دھیر نے میر کی دعوت قبول کرلی۔ کھانا کھایا۔ پان چبایا۔ کپڑے پہنے اور جلسہ میں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ شہاب الدین دریائے سندھ پار کرچکا ہے اور منزلیں طے کرتا برابر چلا آرہا ہے

یہ خبر سنکر دھیر نے جلسہ میں جانا ملتوی کر دیا اور تین ہزار پنڈیر بنسیوں کی فوج لیکر شاہی سپاہ سے مورچہ لینے کے خیال سے روانہ ہوگیا ۔ جیت راو اور چامنڈ رای بھی ساٹھ ہزار فوج کیساتھ تیار ہو گئے ۔

اسدفعہ شہاب الدین کیساتھ اپنی معمولی فوج کے علاوہ بارہ اور بیرونی سردار بھی تھے جو اسکی اعانت کے لئے آئے تھے ۔ انکے ہاتھیوں کے گلوں میں گنگا جمنی حمیل پڑے تھے ۔ انکے سروں پر چتر لہرا رہے تھے اور نقیب آگے آگے بولتے جاتے تھے ۔ انکے جھرمٹ میں شہاب الدین کا ہاتھی تھا ۔ مسلمانی فوج کی یہ ترتیب تھی ۔ ہراول میں ہاتھیوں کا حلقہ ۔ انکے پیچھے سوار تھے اور پیدل سب کے پیچھے تھے ۔ راجپوتی فوج میں چامنڈ رای کیساتھ سب سے پہلے ہاتھیوں کی قطار ۔ انکے پیچھے پیدل اور سوار برابر ۔ ان کے بعد خالص سواروں کی فوج اور سب کے پیچھے ہاتھیوں کی قطاریں تھیں ۔ جونہی دونوں فوجیں مقابل ہوئیں مسلمانی فوج کی طرف سے زنبورے چھوٹنے لگے ۔ لیکن ہندو فوجیں ایسے پاؤں گاڑ کر کھڑی ہوئی تھیں کہ اس آتش فشانی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا ۔ چامنڈ رای اس ہوشیاری کیساتھ اپنے لشکر کی کمان کر رہا تھا کہ اس کا ہر قدم آگے ہی بڑھتا تھا ۔ اسوقت پنڈیر بنسیوں نے ایسی زبردست یورش کی کہ شاہی ہراول ٹوٹ گیا ۔ ہاتھی چمک چمک کر الٹے بھاگے اور اپنی ہی فوج کو روندنے لگے ۔ تتار خاں نے بڑھ کر فوج کو سنبھالا ۔ اتنے میں کرمیہ بنسی راجپوتوں نے بائیں النگ سے زور ڈالا ۔ یہ سب گھوڑ چڑھے تھے انکی اچانک ایلغار سے ساری شاہی فوج کا سلسلہ درہم برہم ہوگیا اور آتشیں ہتیاروں کی آتش فشانی بند ہوگئی ۔ اب تلواروں اور نیزوں کی باری تھی ۔ دونوں طرف کے بہادر دل کھول کر لڑے ۔ پنڈیر بنسیوں نے غنیم کی فوج میں تہلکہ مچادیا

تھا - چار گھڑی دن باقی رہ گیا تھا - یکایک مسلمانی فوج نے کچھ ہمت دکھائی - مگر چامنڈ رای ہراول میں تھا وہ ڈٹا رہا - اب مسلمانوں نے دوبارہ آتش افشانی شروع کردی تھی - اتنے میں دھیر سین نے عقب میں پہنچکر ہلّا بولدیا اور پیدلوں کو کاٹتا چھانٹتا شہاب الدین کے ہاتھی تک جا پہنچا اور گھڑی بھر کے رن میں دھیر کے تین سو ساتھی کام آئے - ان بارہ سرداروں نے شہاب الدین کے گرد حلقہ باندھ لیا اور کسی کو شہاب الدین تک نہ آنے دیا - اتنے میں شام ہوگئی - یہ منگل کا دن اور مہینہ کی آٹھویں تاریخ تھی - اس جنگ میں گوپی چند کا لڑکا - دھیر پنڈیر کا بھائی اور کوئی پانسو دوسرے راجپوت کام آئے اور مسلمانی سپاہ کے آٹھ سو سپاہی کھیت رہے -

دوسرے دن پھر جنگ شروع ہوئی - پرتھی راج تازہ دم فوج لئے علیحدہ تیار کھڑا تھا - جب اسنے دیکھا کہ گھمسان کا رن ہو رہا ہے وہ یکایک شہاب الدین پر ٹوٹ پڑا - مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی - مگر وہ دین کی دہائی دیتے ہوئے بادشاہ کے ہاتھی کے گرد جمع ہوگئے - اس موقعہ پر دھیر اور بادشاہ کی آنکھیں چار ہوئیں - بادشاہ فوراً گھوڑے سے اُتر کر ہاتھی پر چڑھ گیا اور مہاوت کو حکم دیا کہ ہاتھی کو دھیر پر چلا دے ہاتھی نے دھیر پر حملہ کیا مگر اسنے گھوڑے کو ایڑ دیکر وار خالی دیا - اتنے میں ان بارہ سرداروں نے شاہی ہاتھی کو اپنے حلقہ میں لے لیا - راجپوت دھیر کی امداد کو بڑھے - بادشاہ کو دیکھ کر دھیر بولا " ہوشیار ہو جانا میں آیا " جالندھری دیوی اسوقت اس کے ساتھ تھی اور اسکی حفاظت کر رہی تھی - بہادر دھیر نے بڑھ کر شاہی ہاتھی کی کونچ میں تلوار کا وار کیا - ہاتھی بیٹھ گیا - اب ایک طرف سے ہاڑا ہمیر نے اور دوسری طرف سے دھیر نے لپک کر شاہ کے دونوں بازو پکڑ لئے - اس وقت بادشاہ نے تو نیچی آنکھیں کرلیں مگر اس کے ساتھیوں نے بہت زور دکھایا - ادھر

دھیر کے ساتھ ہی میر حسین کا فرزند تھا وہ ان مسلمانوں سے خوب لڑا - یہ دیکھ کر شاہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور میر حسین کے فرزند کے ایک تیر ایسا مارا کہ وہ ہلاک ہوگیا - دوسرا تیر اسنے دھیر پر چھوڑا - تیسرا تیر چھوڑنے والا تھا کہ کمان اسکے ہاتھ سے چھین لی گئی - اسنے تلوار سونت لی مگر دھیر نے تلوار چھین کر اسکی مشکیں کس لیں اور گھوڑے پر ڈالکر اپنے لشکر کی طرف لوٹ گیا - مسلمانوں نے بہتیری کوشش کی لیکن کچھ پیش نہ گئی - آخرکار مایوس ہوکر بھاگ چھوٹے - واہ رے دھیر تیرے کیا کہنے - جہاں نوسو ہاتھیوں کا حلقہ تھا اور ایک لاکھ امیرزادے ننگی تلواریں لئے مرنے مارنے کو تیار تھے اور ساری فوج ملاکر جہاں چار لاکھ ہتیار پانی کے رنگ برس رہے تھے - انکے بیچ میں شاہ کو پکڑ لانا تیرا ہی کام تھا -

شہاب الدین کی گرفتاری پر مسلمانوں کے پانو اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے - شاہی سامان راجپوتوں نے لوٹ لیا - اس لڑائی میں پادشاہ کیساتھ سیرن نامی ایک خواص تھا - شاہ کی گرفتاری کے وقت خواصی میں بیٹھا تھا - جب راجپوتوں نے شاہی ہاتھی کو گھیر لیا - سیرن پادشاہ کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ نکلا اور اپنی چہیتی بیوی کے پاس غزنیں پہنچا - جب اس نیک بندی کو یہ معلوم ہوا کہ اسکا خاوند اپنے مالک کو تنہا چھوڑ کر بھاگ آیا ہے تو وہ بہت خفیف ہوکر بولی کہ اگر تو وہاں کٹ مرتا اور میں تیری مٹی کے ساتھ زندہ دفن ہوتی تیری اس بزدلانہ گریز سے ہزار درجہ بہتر ہوتا - وہ بولا کہ نیک بخت ! میں تو تیری ہی خاطر اپنی جان بچاکر آیا ہوں - خیر اگر زندگی ہے تو اپنے مالک کو چھڑا کر لاتا ہوں - یہ کہکر سیرن اپنی بیوی سے رخصت ہوا اور رات دن قطع منازل کرتا دلّی آ پہنچا -

شاہ کو گرفتار کرنیوالے دھیر کا رتبہ بہت بڑھایا گیا اور پرتھی راج نے بیشمار انعام دیا - دھیر بھی اپنا قول پورا کرکے خوشی کے مارے جامہ میں پھولا نہیں سماتا تھا

سیرن غزنیں سے چلکر دھیر کے خواص بیجلا کے پاس پہنچا اور اسے اس امر پر آمادہ کیا کہ دھیر سے کہہ سنکر پادشاہ کی رہائی کی تدبیر کی جائے۔ بیجلا نے موقعہ پاکر دھیر سے عرض کی کہ ابتو آپ کی قسم بھی پوری ہوگئی۔ پادشاہ اگر یہاں سے جیتا جاگتا چھوٹ نکلے تو بڑا نام ہو۔ دھیر نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے۔ دس پانچ دن کی ڈھیل دیکر اور مہاراجہ سے عرض معروض کر کے شاہ کو چھڑا دونگا۔ بیجلا بظاہر اس جواب پر مطمئن ہوگیا۔ مگر جب دھیر کے ساتھ دربار میں گیا تو موقعہ پاکر یوں اٹھا کہ جس شاہ نے میرے لال دھیر کو پکڑ کر چھوڑ دیا اسے مہاراج اسکی زندگی کا دان دیں تو بڑا کام ہو۔ بیجلا کے منہ سے یہ الفاظ سنکر دھیر کے ایک آگ سی لگ گئی اور وہ تلوار کھینچکر بیجلا پر جھپٹا۔ پرتھی راج نے اسے ڈانٹا اور کہا دھیر! کیا لڑکپن کرتے ہو اتنی بڑی جنگ ہوئی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے اور ہزاروں ہاتھی گھوڑے اور اونٹ کٹ گئے۔ لیکن تمہاری تلوار کو ابتک خون سے سیری نہیں ہوئی جو اس ۸۰ برس کے بڈھے کو قتل کرنے اٹھے ہو۔ بیٹھ جاؤ ایک طرف۔ دھیر خاموش ہوگیا مگر عرض کی کہ میں نے جس بات کے لئے اسے منع کر دیا تھا اسنے وہی بات یہاں آکر بھرے دربار میں کہدی۔ میں نے شاہ کو پکڑ کر اپنی قسم پوری کر دی اب حضور کو اختیار ہے۔ چھوڑیں یا ماریں۔ مگر اسکے طرفدار آپ کی خدمت میں عرض کرینگے۔ میں نے اسی لئے اس مورکھ سے کہا تھا کہ دس پانچ دن جب کر۔ پرتھی راج ایک دانشمند انسان تھا۔ وہ فوراً بات کی تہ کو پا گیا۔ اسی وقت شہاب الدین کی طلبی کا فرمان دیا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوا۔ اسکی آنکھ شرم سے اونچی نہیں اٹھتی تھی۔ پرتھی راج نے اسکی بانہہ پکڑ کر گدی کے برابر بٹھا دیا۔ تیس ہاتھی اور پانسو گھوڑے فدیہ میں لئے جانے اور شاہ کے رہا کئے جانے کا حکم دیا۔ یہ سنکر شہاب الدین تین مرتبہ کورنش بجا لایا۔ پرتھی راج نے پھر شاہ سے خطاب کر کے کہا۔ شہاب الدین! تم ایک والی

ملک ہو مگر بڑے ڈھیٹ اور بے شرم ہو۔ تم بار بار یہاں سے رہا کئے جاتے ہو۔ مگر بار بار چڑھائی کر کے آتے ہو۔ اب میں تمہیں فہمائش کرتا ہوں کہ تمہارا اسی میں بھلا ہے کہ تم دلّی کی حدود میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرو۔ یہ کہکر پرتھی راج نے شاہ کو سکھپال میں بٹھا کر غزنیں کی طرف رخصت کیا اور فدیہ وصول کرنے کے لئے لوہانا آجانواہ کو اسکے ساتھ مقرر کر دیا۔ راہ میں ہزیمت خوردہ فوج کے سپاہی شاہ کیساتھ ہولئے۔ اور سب کے سب مع الخیر غزنیں پہنچ گئے۔ فدیہ کے ہاتھی گھوڑے حوالہ کرکے لوہانا کو رخصت کر دیا گیا۔ جب لوہانا فدیہ لیکر دلی پہنچا۔ پرتھی راج نے یہ تمام فدیہ دھیر کو عنایت کر دیا۔ اسکے علاوہ چار دیہات کا پٹہ اور لکھ دیا۔ دھیر کا دماغ اور بھی چل نکلا۔ اُسے اسبات کا بڑا غرور تھا کہ میں نے شاہ کو پکڑ کر چھڑا بھی دیا۔ بلکہ ایک دو مرتبہ یہ بھی کہتا سُنا گیا کہ یہ راج آجکل پنڈیر بنسیوں کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ جیت راو اور چامنڈ رای اس کے قدیمی دشمن تاک میں لگے ہوئے تھے کہ کب موقعہ ملے اور ہم اسے اکھاڑیں۔ یہ بات انہوں نے راجہ کے کان میں ڈالدی بلکہ اور بھی لگائی بجھائی کی۔ پرتھی راج نے برافروختہ ہو کر حکمدیا کہ کوئی پنڈیر بنسی دلّی میں نہ رہنے پائے۔ یہ حکم سُنکر دھیر کے سارے متعلقین دلی چھوڑ کر لاہور چلے گئے۔ لاہور ان ایام میں سلطنت دہلی کا ایک حصّہ تھا۔ دھیر ان دنوں کانگڑہ میں تھا۔ جب اسنے یہ خبر وحشت اثر سُنی بہت رنجیدہ ہوا اور دریائے سندھ عبور کرکے سیدھا غزنیں پہنچ گیا۔ شہاب الدین نے اسکی بڑی عزّت کی اور ساٹھ گاؤں کا پروانہ دیکر اسے اپنے دربار کے اُمرا میں جگہ دیدی۔ مگر دھیر نے کہا کہ میں مہاراجہ پرتھی راج کے ہوتے کسی دوسرے کا ملازم نہیں بنتا۔ میں صرف آپ سے اپنی عزلت کے لئے ایک گوشہ چاہتا ہوں اور بس۔ اسپر شاہ نے اسے پھاٹک کے کنارے ڈھلا پہاڑ کی جگہ دیدی۔ دھیر غزنیں سے ڈھلا پہاڑ اُٹھ آیا اور اپنے فرزند پاوس پنڈیر

کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ یہاں چلے آؤ۔ اس خط کے پہنچتے ہی پنڈیروں نے لاہور میں
لوٹ مار مچا دی اور خزانہ لوٹ کر دھیر کے پاس چلے آئے۔ اس لوٹ مار کی خبر سنکر
دھیر اپنے بھائی بیٹوں سے بہت خفا ہوا۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ جو ہونہار تھا
سو پیش آیا۔ پرتھی راج نے جب لاہور کی لوٹ کا حال سنا فوراً دھیر کو لکھا کہ تم
گزشتہ واقعات کی کوئی پروا نہ کرو اور میرے پاس چلے آؤ۔ یہ خط پاکر دھیر بہت
خوش ہوا اور اپنی خوش قسمتی پہ ناز کرنے لگا۔ دل میں سوچا کہ جو ہونی تھی ہو چکی۔
اب چلکر اپنے آقا سے مل لوں اور اس کے قدموں پہ سر رکھ کر اپنی خطاؤں کی معافی
مانگوں۔ یہ سوچکر اُسنے کانگڑہ ہو کر دلی جانے کی تیاری کی۔ کوچ میں دو ایک دن
باقی تھے کہ گھوڑوں کے بعض سوداگر آ پہنچے۔ دھیر نے کہا یہ بھی اچھا ہُوا۔ بلا سے
مہاراج کی نذر کے لئے کچھ گھوڑے تو خرید لوں۔ الغرض اُسنے دو ہزار گھوڑے انتخاب
کئے اور نقد قیمت دے دی۔ سوداگر رخصت ہو گئے۔ دراصل یہ گھوڑے شاہ کی
فرمایش سے آئے تھے۔ جب تاجر غزنیں پہنچے۔ شاہ نے باقیماندہ گھوڑوں کو ناپسند
کیا۔ عین اس موقعہ پر کسی نے شاہ سے لگا دی کہ اچھے اچھے گھوڑے تو وہ دھیر
کو فروخت کر آئے ہیں۔ یہ سنکر شاہ برافروختہ ہوا۔ انکے گھوڑے چھین لئے۔
اور انہیں قید کر دیا۔ بعض جو بچ گئے سیدھے دھیر کے پاس آئے اور بولے کہ آپ
کی وجہ سے ہماری یہ درگت ہوئی۔ دھیر نے انکو تسلی دی اور اپنے پاس رکھا۔ شاہ
کو خط لکھا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو وہ گھوڑے میں آپکی خدمت میں بھیجدوں
غریب سوداگروں پر تعدی کرنا تو مناسب نہیں۔ یہ خط پاکر شہاب الدین نے
سوداگروں کو چھوڑ دیا اور ان کا روپیہ بھی کوڑی پائی سے ادا کر دیا۔ سوداگر
دھیر کے اسقدر ممنون ہوئے کہ سب کے سب اس کے پاس چلے آئے اور وہیں
قیام کیا۔ ان میں اسقدر رسم و راہ بڑھ گئی کہ ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے

لگے اور ایک دوسرے کا اعتبار کرنے لگے - لیکن اس آمد و رفت کا انجام نہایت
دردناک ہوا - شہاب الدین کو اسبات کا پتہ لگ گیا کہ دھیر دلّی کو جانیوالا ہے
اس لئے وہ اسکی جان کا لاگو ہو گیا - ظاہر میں تو اس کے خلاف کارروائی کرنے کی
کوئی وجہ نہ تھی - اس لئے اسنے ان سوداگروں کو اپنا آلۂ کار بنایا - اپنے معتمد
بھیجکر شاہ نے سوداگروں کو اس امر پر آمادہ کر دیا کہ وہ پنڈیر کو ہلاک کر ڈالیں -
پہلے تو وہ اس اقدام پر راضی نہیں ہوئے مگر جب دین کا واسطہ دیا گیا طیار ہو گئے
ان کی مدد کے لئے شاہ نے چار ہزار پٹھان بھی بھیجدئے - دھیر کے توابعین تو پہلے
ہی رخصت ہو چکے تھے - وہ سوداگروں کی محبت میں کانگڑہ کی سمت روانہ ہوا
دریاے اٹک پار کر کے ابھی ایک ہی پڑاو کیا تھا کہ سوداگروں نے کسی بہانہ سے
اسے اپنے ڈیروں میں بلایا اور باتوں میں لگا لیا - عقب سے پٹھانوں کے سردار
کالن خاں نے آ کر دھیر کی گردن پر تلوار کا ایک ہاتھ ایسا مارا کہ سر بھٹا سا اُڑ گیا -
مگر دھڑ نے تلوار سونت کر بہت سے مخالفین کا کام تمام کر دیا - آخر میں وہ بھی
گرا - پنڈیر کی لاش غزنیں روانہ کی گئی جسے دیکھ کر شاہ دنگ رہ گیا - پرتھی راج
نے جب یہ خبر سُنی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اپنی حماقت اور جلد بازی پر افسوس
کرنے لگا - پرتھی راج کے پاس یہ خبر بھادوں سدہ پندرہ کو آئی - گھڑی بھر افسوس
کر کے وہ پھر اپنی چہیتی سنجوگتا کے ساتھ برسات کا لطف اُٹھانے میں مصروف ہو گیا -
ہم یہ کہنا بھول گئے کہ جب دھیر کے بھائی بندوں نے یہ خبر سنی وہ فوراً
پٹھانوں پر چڑھ دوڑے اور ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا +

بڑی لڑائی رو پرستاو
چھیاسٹویں داستان

راول سمرسنگھ نے خواب میں ایک حسین عورت کو دیکھا - اس سے پوچھا

کہ تو کون ہے اسنے کہا کہ میں دلّی کی حکومت کا اقبال ہوں - یہ خواب دیکھ کر
راول جی نے اپنی رانی پرتھا بائی سے کہا کہ اب پرتھی راج پکڑا جائیگا اور دلّی
پر مسلمانی حکومت قائم ہو جائیگی - راول جی نے اپنے فرزند رتن سنگھ کو حکومت
دیدی اور خود نگمبودہ کی جاترا کے لئے طیّار ہو گئے - انہوں نے اپنے ماتحت راوتوں
کو جمع کیا - دیوراج کو قلعہ کی حفاظت پر مقرر کیا اور پرتھا کو ساتھ لے کر نگمبودہ کی
طرف کوچ کیا - ہاتھی - گھوڑے ساتھ تھے - گھوڑوں کی یہ قسمیں تھیں :- ترکی
عراقی - کچھی - بنگال عیسی - تازی وغیرہ - راول جی نے آمیر کے قریب خیمہ لگایا
جوتن گڈھ کے راوت رندھیر نے راول جی کے لشکر پر لوٹنے کے ارادہ سے دھاوا
کیا اور راول کے لشکر کو گھیر لیا - جنگ ہوئی اور رندھیر مارا گیا - سنجوگتا کا
پردھان راول جی کی پیشوائی کے لئے دس کوس آگے آیا اور راول جی بخیریت
نگمبودہ پہنچ گئے - مگر پرتھی راج کو انکی آمد کی خبر نہ ہوئی - سنجوگتا کی داسیاں
(کنیزیں) ان کے لئے کھانا پان وغیرہ لیکر آئیں اور راول جی سے سنجوگتا کا
سلام عرض کیا - راول جی نے پرتھی راج کا حال دریافت کیا - انہوں نے
تاریخ وار قنوج کی تمام کیفیت بیان کی - اسپر راول جی بڑے غمگین ہوئے
پرتھا بائی رانی اچھنی کے ساتھ رہنے لگیں اور ؟یت راو - راول جی کی خاطر
مدارات کرتا رہا - کنور رینسی نے ساونتوں کیساتھ راول جی کی گوٹ کی -
اکیس روز تک راول جی نگمبودہ میں رہے - پرتھی راج نے خواب میں ایک حسینہ کو
دیکھا اس سے پوچھا تو کیا چاہتی ہے - اسنے کہا - میں ایک بہادر انسان کی قربانی چاہتی
ہوں - اسکی آنکھ اسی وقت کھل گئی - صبح ہو چکی تھی - اسنے اپنا خواب سنجوگتا کو سنایا
رانی نے کہا کوئی تشویش کی بات نہیں - فکر مت کرو -

پرتھی راج کی اس حالت کی خبر پا کر شہاب الدین نے اپنے سرداروں سے صلاح

لی اور یہ رائے قائم ہوئی کہ دلّی کو جاسوس روانہ کیا جائے اور مفصل حالات معلوم کئے جائیں۔ مخبر دلّی آئے اور دھرمائن کالیتہ سے تمام حال دریافت کرکے واپس غزنیں کو لوٹے۔ جتنے عرصے وہ نہیں پہنچے سلطان دلّی کی خبروں کے لئے بڑا بیتاب تھا۔ اور تتارخاں سے پوچھتا رہتا وہ کہتا کہ اچھی خبر آئے گی۔ نیتی راو کنوار نے مفصل کیفیت شاہ کی خدمت میں لکھ دی۔ چاروں جاسوس خبریں لیکر علٰحدہ علٰحدہ پہنچے۔ سلطان ان خبروں سے اسقدر خوش ہوا کہ اسنے پیر کے چادر چڑھائی اور دعا مانگی۔

جَما سو یہان (سبحان) شہاب دین سلطان
پیغمبر پروردگار اللہ کریم کوار (کیبار)
سلطان جلال سکندر جایا سلطان سہاب دین اللہ اُپایا

شہاب الدین نے سات ہزار کاغذ لکھ کر دیس دیس بھیجے جن میں یہ قابل ذکر ہیں:—

کدواس (قزلباش)، کیلاس (کیلاش)، دلیں۔ روہ۔ خندھار (قندھار) گکھڑ۔ گروان۔ خوراسان۔ ملتان بھٹنیر۔ بھکروان وغیرہ

دہلی میں سلطان کے حملہ کی خبر پہنچی۔ شہر کے مہاجن نگر سیٹھ کے پاس آئے سیٹھ کا نام سری منت تھا۔ وہ مہاجنوں کو لیکر گرو رام کے پاس پہنچا اور شاہ کے آنے والے حملہ کا ذکر کیا۔ گرو رام پروہت نے کہا کہ میں تو برہمن ہوں پوتھی پاٹ جانتا ہوں۔ راج کاج کی باتیں کیا سمجھوں۔ سری منت نے کہا کہ آپ راج گرو ہوکر ایسی باتیں کرتے ہو تو پھر ہم کس کے پاس جائیں۔ پروہت جی سب کو لیکر چندکوی کے پاس آئے۔ کوی سب کو لیکر راجہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ کنیزوں نے کوی جی سے کہا کہو کیا حکم ہے ہم اطلاع کریں۔ اسنے ایک پرچہ لکھا جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ شاہ غزنیں سے حملہ کے ارادہ سے آرہا ہے۔ پرتھی راج نے پرچہ پڑھ کر چاک کر دیا۔ سنجوگتا نے دریافت

کیا خیر تو ہے ۔ راجہ نے کہا مجھے رات کے خواب کی تعبیر معلوم ہو گئی ۔ اس کے بعد راجہ محل سے نکل کر کوی کے پاس آیا اور اپنا رات والا خواب سنایا ۔ اسوقت راجہ کو راول جی کی آمد کی خبر معلوم ہوئی ۔ اسنے اپنے ساونتوں سے کہا کہ جس طرح ہو سکے راول جی کو یہاں لانے کی تدبیر کرو ۔ ادھر سنجوگتا نے لونڈی بھیجکر راجہ کو اندر بلوایا اور بولی کہ میں نے راول جی کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے ۔ اس کے بعد پرتھی راج لباس بدل کر مع اراکین دربار راول جی سے ملنے گیوده جاتا ہے ۔ مزاج پرسی کے بعد پرتھی راج راول جی سے اپنی سرگذشت سناتا ہے ۔ راول جی نے ملامت کے لہجہ میں کہا کہ عورتوں کی صحبت سے کسی کو بھی راست نصیب نہیں ہوئی ۔ کوی چند نے ساونتوں کا راول جی سے تعارف کراتا ہے ۔ اسکے بعد راول جی محل میں آتے ہیں ۔ سنجوگتا کے ہاں مع سرداروں کے کھانا کھاتے ہیں ۔ اسکے بعد دربار لگتا ہے اور پرتھی راج کوی چند اور گرو رام سے کہتے ہیں کہ کوئی ایسی صورت نکالو جس سے راول جی واپس اپنے گھر چلے جائیں ۔ دوسرے دن علی الصباح دربار لگتا ہے اور پرتھی راج راول جی کو رخصت کرنے کی فکر میں لگتا ہے ۔ راول جی واپس چتوڑ جانے سے انکار کر دیتے ہیں ۔ پرتھی راج منت کرتا ہے مگر وہ نہیں سنتے ۔ وہ اصرار کرتا ہے کہ آپ ہمارے ہاں مہمان آئے تھے اب ہم آپ کو رخصت کرتے ہیں آپ تشریف لے جائیے اور اپنے ملک کا انتظام کیجیے ۔ راول جی جواب دیتے ہیں کہ میں سلطان سے ملنے آیا ہوں ۔ پرتھی راج ہاں ہاں کر کہتا ہے کہ جیسے دل میں آئے کیجیے آپ مختار ہیں ۔ راول جی شکایتاً کہتے ہیں کہ آپ نے اور کام تو خیر جیسے کیئے ویسے کیئے مگر چامنڈ رای کو بیڑیوں میں کیوں ڈالا ۔ راجہ نے کہا اس نے میرا چہیتا ہاتھی مار ڈالا تھا ۔ آخر راول جی کے کہنے سننے پر پرتھی راج خود چامنڈ کے گھر اسکی بیڑیاں اتروانے جاتا ہے ۔ راجہ چند اور گورو رام کو اسکی بیڑیاں نکالنے کا حکم دیتا ہے ۔ وہ پوچھتا ہے کہ بھلا اسوقت میری بیڑیاں کھولے جانے کا کیا موقعہ ہے ۔ چند

اسکو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے گروہ کہتا ہے کہ پرتھی راج مہاراج کی پہنائی بیڑیاں کیسے اُتار دُوں۔ پرتھی راج اپنی تلوار اسے انعام میں دیتا ہے۔ وہ بیڑیاں اُتروا لیتا ہے۔ چند کہتا ہے کہ لوہے کی بیڑیوں کے کھلوا دینے سے کیا ہوتا ہے۔ راجہ کے نمک کی بیڑی تمہارے پاؤں میں اور اسکی روٹی کا طوق تمہارے گلے میں بدستور پڑا ہے۔ راجہ نے چامنڈرای کو گھوڑے بھی انعام میں دیے +

اب تمام ساونت اور پرتھی راج جنگ کی صلاح کے لئے راول جی کے پاس بگمبودہ جلتے ہیں۔ یہاں کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر کی ایک سِل گھومنے لگی۔ سب کو اچنبھا ہوا۔ اتنے میں سِل کے نیچے سے ایک بیر نکلا۔ کوی چند نے اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اُسنے جوابدیا کہ مَیں شیوجی کی جٹاؤں سے نکلا ہوں اور میرا نام بیر بھدر ہے۔ پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ کوی نے کہا کہ جنگ کے لئے چامنڈرای کی بیڑیاں کھولی گئی ہیں۔ اسکی مبارک باد کا شور ہو رہا ہے۔ بیر بھدر کہنے لگا کہ مَیں نے تو اپنی آنکھوں سے بڑی بڑی جنگیں دیکھی ہیں۔ یہ جنگ بھلا کیسی ہوگی۔ کوی نے کہا کہ آپ نے تو دیوتاؤں کی جنگیں دیکھی ہیں۔ مگر اس لڑائی کو بھی دیکھ کر آپ خوش ضرور ہونگے۔ بیر بھدر نے کہا کہ مجھے جنگ کا لطف دکھانے والا صرف دریودھن تھا۔ میں مہابھارت کی جنگ عظیم کے بعد سے ابتک سوتا رہا ہوں۔ شاعر نے کہا کہ آپ ہمارے راجہ کی سبھا میں چلکر صلاح و مشورہ میں حصہ لیجیے اس لئے کہ آپ ماضی۔ حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے واقف ہیں۔ بیر نے ایک جمائی لی اور اُٹھ کر پرتھی راج کی سبھا میں آیا۔ اور ساونتوں کے نام دریافت کئے۔ چند نے ایک ایک کا نام بتایا۔ جام رای جادو نے کہا کہ کیماس کے مرنے سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے ہیں۔ چامنڈرای نے کہا کہ گذشتہ کا افسوس کیا! مستقبل کی تدبیر کرو۔ جام رای نے کہا تمہاری عقل تو چرخ ہو گئی ہے۔ ورنہ کیا سوجھتا نہیں کہ سو میں سے سات باقی رہ گئے ہیں۔

اسپر دونوں میں بات بڑھی - چامنڈ رای نے رام رائے پر لنگڑے کی پھبتی کسی - اسپر سب کے سب ہنس پڑے اور بلبھدر نے سب کو ڈانٹا - اب جنگ کی صلاح ہونے لگی اور ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی - بالآخر یہ قرار پایا کہ جو راول جی کہیں وہ منظور کیا جائے - راول جی نے کہا - کنور رینسی کو گدی پر بٹھا کر جنگ کا سامان کیا جائے پرتھی راج نے یہ رائے منظور کرلی اور جیت راو پر کنور کی ذمہ داری ڈال دی گئی مگر جیت راو نے اس ذمہ داری کو نامنظور کیا - اب یہ عہدہ پرسنگ رای کھیچی اور دوسرے ساونتوں کو پیش کیا گیا - مگر سب نے دلی میں رہنے سے انکار کر دیا - آخرکار بدرجۂ مجبوری راول جی نے اپنے بھتیجے بیر سنگھ کو اس کام پر مامور کیا - ادھر کنور رینسی لڑائی میں شامل ہونے کے لئے بضد ہوے - پرتھی راج نے انہیں سمجھایا کہ فرزند کے لئے اپنے والد کے احکام کی اطاعت کرنا سب سے بڑا فرض ہے - وہ اس پر بھی جنگ میں شمولیت کے لئے اصرار کرتے رہے - آخر میں سب کے سمجھانے سے خاموش ہو گئے - اسوقت بھیانک بھیانک بدشگونیاں دیکھنے میں آئیں - راجہ نے جوتشی کو بلوایا اُسنے بدفالی اور گرہ چال کا پھل بتایا - راجہ سنکر ملول اور افسردہ خاطر ہوا - دلی کی گدی رینسی کے حوالہ ہوئی - دربار برخاست ہوا - پرتھی راج راول جی کو ان کی اقامت گاہ تک پہنچانے گیا +

آدھی رات کے وقت پرتھی راج کو شاہ کی آمد کی اطلاع پہنچی وہ تمام رنگ رلیاں چھوڑ کر جنگ کے لئے تیار ہو گیا - کوی چند نے بیربھدر سے جنگ کا انجام پوچھا - اسنے کہا کہ پرتھی راج گرفتار ہوگا - کوچ کے وقت سنجوگتا نہایت غمگین تھی - اب نئی نئی بدفالیاں نظروں میں آئیں - غزنیں کے جاسوسوں نے شاہ کو پرتھی راج کے کوچ کی خبر پہنچا دی - راجپوتی لشکر کا پہلا پڑاو پانی پت پر ہوا - دلی سے سو (کذا) کوس آگے سندھ ندی ہے اور دلی سے دو سو کوس شہر لاہور ہے - لاہور سے اسی کوس

پرے بیہٹ ندی ہے۔ شہاب الدین نے دریائے سندھ عبور کیا اور بیہٹ پر آ گیا۔ اور سات آٹھ دن میں چنہاب (چناب) پہنچا سمجھو۔ چناب لاہور سے صرف چالیس کوس ہے ❊

پاوس پنڈیر سعار کا مالک پرتھی راج کے پاس آیا اور معافی مانگی۔ راجہ نے اس کے قبیلہ کے لاہور لوٹنے کی شکایت تو کی مگر قصور بھی معاف کر دیا۔ شاہی فوج کی رفتار اور ناکہ بندی کا حال سنکر پرتھی راج نے چندکوی کو ہمیر کو منانے کے واسطے جالندہر گڈھ بھیجا۔ شاعر نے جا کر ہمیر کو سمجھایا اور کہا کہ پرتھی راج کا ساتھ دو۔ ان میں بہت سوال و جواب ہوے۔ آخر یہ ٹھہری کہ جالندھری دیوی کے استھان جائیں وہاں کوی نے دیوی کی پوجا کی اور مندر میں بند ہو گیا۔ ہمیر شاہ کی مدد کے لئے چلا گیا اس خبر سے پرتھی راج سخت برافروختہ ہوا۔ چامنڈ رای نے کہا اگر کوئی کسی سے جا ملا تو پروا نہیں۔ ہمیں چاہئے کہ چار چار تلواریں باندھیں۔ پرتھی راج نے دھیر کے فرزند پاوس پنڈیر کو ہمیر کے روکنے کے لئے بیڑا دیا۔ پاوس اس مہم کے لئے تیار ہوا۔ جام رای جادو نے مسلمانی فوج کے نکاس کا راستہ روکا۔ اور پاوس اور ہمیر میں آگے پیچھے چھیڑ چھاڑ ہوتی گئی۔ آخر پاوس نے بڑھ کر ندی کا گھاٹ روک دیا۔ جب ہمیر دریا سے پار ہونے لگا۔ پاوس پنڈیر نے اسپر حملہ کر دیا۔ لڑائی ہوئی۔ ہمیر کے دو بھائی اور پانچ پنڈیر سردار مارے گئے۔ مگر ہمیر بھاگ نکلا اور پاوس کی فتح ہوئی یہ سنکر پرتھی راج بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ آیندہ سے پنڈیر لوگ چار چار تلواریں باندھا کریں۔ ادھر ہمیر سلطان کے پاس پہنچا۔ نذر دی اور اپنی سرگذشت سنائی شہاب الدین نے چار تلواریں باندھے جانے کا قصہ سنکر کہا کہ ہاتھ میں ایک مضبوط پکڑی ہوئی تلوار چار تلواروں پر بھاری ہوتی ہے۔ پھر شاہ نے قاضی سے آلِ جنگ پوچھا کنڈلیا:- ایہ گندی متی مُرد تم مردوں مردانے

تم گربتی سبتی ہرن   میں فقیر سلطان
میں فقیر سلطان   آپ کہی پچھیے قاضی
بہشت بھاکھ جو کہی   ہوے حاجی کے غازی
جو امید جیسے ہوئی   راج دوئی اللہ بندی
کوئی گمان جن کری   کہے کایا ایہ گندی

پرتھی راج کی فوج سب ملا کر ستّر ہزار تھی - اسنے پاوس پنڈیر کو شاہ کی گرفتاری کے لئے متمرر کیا - یہ سنکر شاہ نے اپنے امراء سے قسمیں لیں اور خورسان خان رستم خاں تازی - تتار خاں - فیروز خاں - عثمان خاں - خان نوری حُبّاب - خان خانان خورسان - حبش خاں حبشی - سبحان خاں - بیرم وغیرہ نے وفاداری کی قسمیں کھائیں شاہ نے دریاے سندھ عبور کیا - میر محمود روہیلہ شاہ سے عہد کرتا ہے - سلطان چناب کے کنارے آ پہنچتا ہے اور پرتھی راج کے پاس خریطہ بھیجتا ہے - خریطہ لانے والوں کے یہ نام ہیں - خان خان تتار - خان رستم - خان حاجی - خان فیروز کو ساب (قصّاب) جدو جوان اور بلبھدر نے کہا کہ تم ہمیر نمک حرام کے بھروسہ پر نہ بھولنا - شاہ نے دریاے ستلج عبور کیا اور آگے بڑھا - دلّی سے آنیوالے ایلچی اسے یہاں ملے اور شاہ چوہانوں کی فوج اور اسکی تیاری کا حال سنکر متفکر ہوا - سرداروں نے تسلّی دی کہ ابکے تو چوہان کو ضرور گرفتار کرلینگے اور قاضی نے شاہ سے کہا کہ آپ میرے قول پر یقین کیجے کہ چوہان اس مرتبہ ضرور گرفتار ہوگا - مسلمان سرداروں نے پھر قول دیا اور شاہ آگے روانہ ہوا - راجپوت فوج طیّار ہوئی - جام رای جادو نے پرتھی راج سے کہا کہ سارا معاملہ خیریت سے گذریگا - راول جی ہمارے ساتھ ہیں - پرتھی راج نے راول جی سے کہا کہ آپ عقبی فوج کی خبر رکھیں - راجپوتی فوج احتیاط کے ساتھ شاہی فوج کی طرف بڑھی - شاہی لشکر سنتول پور کے پاس آگیا - اس میں سرداران ذیل شامل تھے :-

میمنہ میں:- تتار خان - خورسان خان - خان رومی - خانخان - محمود خان - رستم خان
گروع خان - غوریش (قریش) خان - جیہان (جہان) خان - ہمیام خان - میران مسند -
قاضی کمال - حبشی حسین - شادی - ہمیر +

میسرہ میں:- خورسان خان - ایسپھ (یوسف) خان - عالی اکوب (آل یعقوب؟)
غازی خان حبوب - عالیل خان - ساریخان - فیروز خان - پہاڑ پیر - علی اسد خان -
عمّاد میر - محمود خان - ساریخان سیر - تاجن خان ترکام تام - کمال خان - روچن
(روشن) خان - سلیم خان - محمود سید - فیتن - سوب - عبدالمیر - ملتان اوب -
معروف خان - ماسوف میر - فیروز خان فتح نصیر - پیرن میر - سیرن سادی - غازی امداد
امّاد (عمّاد) خان - فتح فرید - بنکٹ راو وامن برید - سارنگ دیو - ہر چتر سین -
ملک غالب - باجنت خان عوزی - منگدہ راو مرہٹہ +

مقابل میں:- معروف خان - محمود میر - میر تاجن خان - عالیل سید خان -
سادیپ خان - حبشی سلیم - آیوب خان رومی - مہدی سہدی - سلیم خان - جمن
میران - سلیم سید - موسم میر - حاجی خاں نیازی - احمد خان +

آتشی اسلحہ کا ذکر شعر ذیل میں آتا ہے ؎

زنبور بھور ہتھ ناری بھار   آتش چرت اَد بھوت پار

جنگ شروع ہوئی - راول جی نے کنہ سے کہا کہ تم عقبی فوج کی دیکھ بھال کرو
اُسنے کہا کہ میں تو آگے جا کر جنگ کروں گا - مسلمانی فوج نے ہمیر کو بیچ میں لیکر لڑنا
شروع کیا - پرتھی راج نے پاوس پنڈیر سے کہا کہ نمک حرام ہمیر کا سر کاٹا جائے -
پنڈیر بنسیوں نے دھاوا کیا - ہمیر کی حفاظت کے واسطے کئی یون (مسلمان) سردار
اور تین ہزار گکھڑ مقرر کیئے گئے - ہمیر پہ پنڈیروں کا نرغہ زیادہ ہونے لگا - ہمیر کا
ایک بھائی - پنڈیروں کے بارہ سردار اور بیجلا خاص مارے گئے - اس حملہ کے ہوتے

ہی ایک لاکھ یوں فوج نے آکر ہمیر کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ لیکن بہادر پاوس باز نہ آیا۔ اسنے ہمیر کے پاس پہنچکر اسکا سر کاٹ لیا اور سر لیکر سیدھا پرتھی راج کے پاس پہنچا۔ راجہ نے اسکو شاباش دی۔ پاوس کا بھائی بھی مارا گیا۔ دوپہر کے وقت راول سمر سنگھ اور تتار خان کا مقابلہ ہوا۔ معرکہ بڑے زور شور سے رہا آخر میں تتار خان کام آیا۔ نصرت خان آگے بڑھا۔ اسنے سمر سنگھ کا مقابلہ کیا۔ جب اسکے ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ شاہ نے اسے تازہ مدد بھیجی۔ اب نصرت خان اور کنہ رای کا مقابلہ ہوا اور دونوں مارے گئے۔ میاں مصطفٰے نے دھاوا کیا۔ راول جی کی فوج سے اسکو پالا پڑا اور میران مصطفٰے دونوں بھائی مارے گئے۔ اسوقت شاہی فوج سے گیارہ میروں نے یورش کی۔ دونوں فوجیں مل گئیں اور خوب چپقلش رہی۔ آخر میں وہ گیارہ میر اور راول جی کھیت رہے۔ جام رای ہراول میں آیا۔ شاہی فوج سے سبحان خان نے حملہ کیا۔ دونوں سرداروں میں خوب ہتیار چلا اور جام رای قتل ہوا۔ پجّون کے فرزند بلبھدر نے دہاوا کیا۔ اسکی مدد پہ نَو اور سردار بڑھے۔ بل بھدر سے جلال جلوس مقابلہ پر آیا اور دونوں لڑتے لڑتے مارے گئے۔ غازی خان سے پاوس پنڈیر کا معرکہ ہوا اور پاوس قتل ہوا۔ اتوار اور پیر کو جنگ رہی۔ آخری دن چامنڈ رای کے مقابلہ میں غازی خان آیا اور چامنڈ بڑے جوش کے ساتھ لڑا۔ جیت راو نے ہراول سنبھالی۔ میاں منصور روہیلہ اور چامنڈ رای میں رزم کی ٹھنی اور دونوں بہادری کے ساتھ لڑتے لڑتے ہلاک ہوئے۔ جیت راو کے مقابلہ کے لئے شاہ کا بھانجا گیارہ ہزار فوج کیساتھ آیا۔ اس بہادر کے قتل پہ پرتھی راج نے بڑا رنج کیا۔ پرسنگ رای کھیچی شاہی فوج پہ حملہ کرتے ہوے کام آیا۔ بگرّی رای نے بڑی مردانگی سے پانچ مسلمان سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود بھی لقمۂ اجل ہوا۔ اب شاہی فوج نے پرتھی راج

کے گرد گھیرا ڈالا۔ سنگھ پرمارنے اسوقت غیر معمولی دلاوری دکھائی اور پندرہ
مسلمان سرداروں کو کھیت رکھ کر راہی عدم ہوا۔ اب شاہی فوج کا حوصلہ بہت
بڑھ گیا تھا لوہانانے بڑھ کر اسکے بڑھتے سیلاب کو روکا۔ اگرچہ مارا گیا مگر مرتے
مرتے بھی اپنے قاتل کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ کمدھج راہی کی باری آئی۔ آرج سنگھ
داد شجاعت دے رہا تھا کہ کسی مسلمان سردار نے پیچھے سے آکر اس کا کام تمام
کر دیا۔ پرتھی راج کے محافظ سرداروں کی غیر معمولی بہادری سے یوَن فوج نے
گھونگٹ کھایا۔ خان ساٹھی۔ خان فیروز۔ عالم۔ سالم۔ فتح۔ اکھوب (یعقوب)
پیرن۔ محبت۔ میرن۔ راجن۔ تاجن۔ ہاجن۔ پیرن۔ توگن۔ کالن (کلّن)
حاجی غازی۔ سیرن خان۔ غنی خان نیازی۔ حاسن (حسن) خان۔ برہم (بیرم)
خان۔ غزنی خان۔ داؤد خان۔ مصطفےٰ خان۔ عمر خان۔ کوچک (کوچک) خان۔
جلال۔ بیرن۔ میرن۔ ونگین۔ ودسن۔ غالب خان۔ میر ایلچی خان۔ علی خان۔
سکنت خان۔ جلو خان۔ قایم خان۔ میرزا مہدی۔ جوسن (جوش) خان وغیرہ
سردار بھاگے۔ شاہی فوج سے شاہ کا بھانجا آگے بڑھا۔ خان خانان کے سوای
۱۴ میروں کو مار کر سمر سنگھ جی کام آئے۔ ملچھ لشکر نے پرتھی راج کو زیادہ سختی کے
ساتھ گھیرا۔ اسنے اپنے آپ کو چاروں طرف سے محصور دیکھ کر گرو رام کو کنڈل
دان کیا۔ گرو رام کنڈل لیکر چلا۔ مگر مسلمانی لشکر نے اسے گھیر لیا۔ اور بہول خان
نے اسکا سر اڑا دیا۔ مگر گرو کے دھڑنے گرتے گرتے بھی شاہ کے بھانجے کو قتل
کر ڈالا۔ راجہ نے گرو کے قتل پر بڑا رنج کیا۔ مسلمانی لشکر کا حلقہ راجہ کے گرد اور
بھی تنگ ہوتا گیا۔ گرو رام کے کنڈلے نے راجہ کی خوب حفاظت کی۔ عرب خان
اوزبک نے پرتھی راج پر حملہ کیا۔ مگر اس کے تیر باراں سے ساری فوج تتر
بتر ہو گئی۔ اب محمود خان راجہ کے مقابلہ پر آیا۔ راجہ نے اسے بلا تامل ہلاک

کر دیا۔ اس کے مارے جانے پر اکتیس میر سرداروں نے مل کر پرتھی راج پر یورش
کی اور بولے کہ کمان ہاتھ سے پھینک دے۔ راجہ نے نہیں مانا اور تیر چلایا مگر تیر
خطا گیا۔ راجہ نے اب کٹار نکالی۔ مگر فوراً ہی گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے پکڑنے
والوں کے یہ نام ہیں :-

محمد۔ عالیل۔ آکھوب (یعقوب) خان۔ ساریر خان سلطان۔ فیروز خان۔
غازی خان۔ الیسف (یوسف)۔ الوخان۔ قاسم قایم خانی۔ محمود۔ مہیمام خان
عالم۔ آکوب (یعقوب)۔ عالم خان۔ فیروز۔ فوروز +

پرتھی راج کی گرفتاری کی خبر سنکر سنجوگتا نے اپنی جان دیدی اور شاہ پرتھی راج
کو لے کر غزنیں چلا گیا +

بان بیدھ پرستاو

سرسٹھویں داستان

جالپا دیوی کے مندر کا دروازہ کھلنے پر کوی چند رخصت ہوتا ہے اور دلّی
پہنچتا ہے۔ شہر کی ابتر حالت سے شاعر بہت پریشان ہوتا ہے اور بیوی سے
راجہ کی گرفتاری کا حال سنکر اور بھی غمزدہ ہوتا ہے اور جوگ لے لیتا ہے۔
بھوانی دیوی کا دھیان کرتا ہے۔ دیوی اسے درشن دیتی ہے۔ شاعر اپنے فرزند
جلہ کو راسو پڑھاتا ہے اور بیوی کو الوداع کہتا ہے۔ چلتے وقت کہتا ہے۔ کہ
ناموری دنیا میں اعلےٰ ترین وصف ہے۔ وہ اپنی دشمن بھن غزنی کی طرف روانہ
ہوجاتا ہے اور صعوبت راہ سے دوچار ہوتا ہے۔ بھگوتی دیوی کی سمرن کرتا
ہے۔ دیوی اپنا درشن دیتی ہے۔ وہ اس سے امداد کا جویا ہوتا ہے۔
دیوی خوش ہو کر اپنے آنچل کا ٹکڑا اسے عنایت کرتی ہے اور شاعر دیوی کی

مہربانی سے بخیریت تمام غزنی پہنچ جاتا ہے۔ دربار شاہی کا رُخ کرتا ہے اور ڈیوڑھی پر پہنچکر دربان سے اپنا تعارف کراتا ہے اور اپنے فضل و کمال کا تذکرہ کرتا ہے۔ دربان اسے عزت کی جگہ بٹھاتا ہے اور کہتا ہے۔ کوی چند! میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کوی یہ دیکھ کر کہ وہ پہچان لیا گیا ہے وہاں سے چل دیتا ہے۔ سہ پہر کو شاہ ہدف؟ کھیلنے کی خواہش کرتا ہے ؎

ہدف ساہ کھلّن چڈھن دیو آپ فرمان

شاہ کی سواری نکلی۔ شاعر نے ہاتھ اٹھا کر اسیر باد دی اور ثنا خوانی شروع کی۔ شاہ اسکی طرف ملتفت ہوا اور پاس بلا کر سب حال پوچھا۔ کوی نے ہر بات کا معقول جواب دیا۔ پادشاہ فیروز خاں حبشی کو شاعر کی خاطر مدارات کے لئے حکم دیتا ہے۔ شاعر بھیم کھتری کے گھر ٹھہرتا ہے اور اس سے ایک علٰحدہ مقام مانگتا ہے بھیم اسکو علٰحدہ مکان دے دیتا ہے کوی وتیج منتر کا جاپ شروع کرتا ہے۔ دیوی نمودار ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ شاہ کی۔ پرتھی راج کی اور تیری موت بیک وقت واقع ہوگی۔ بھیم پوچھتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تینوں ایک ہی وقت میں فوت ہوں۔ شاعر اسکو بھی دیوی کے درشن کرا دیتا ہے۔ اس رات مسلمانوں کے جنتر منتر نہ چل سکے اور ملّا لوگ بڑے حیران رہے۔ صبح ہوتے ہی شاہ نے کوی کو بلانے کا ارادہ کیا اور ' حجاب ' کو شاعر کے لانے کا حکم دیا۔ مگر تتار نے اسے روکا۔ شاہ نے کہا دیکھیں تو سہی اس میں کیا بھید ہے۔ باتوں باتوں ہی میں بڑے بڑے بھید افشا ہو جاتے ہیں۔ تتار نے عرض کی کہ دشمن اور سانپ پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اگر ایسا ہی منظور ہے تو پہلے آپ اپنی قبر کھدوالیں اور پھر چند کو بلوانے کا خیال کریں۔ شاہ نے کہا وہ بڑا باکمال انسان ہے۔ میں تو اس سے ضرور ملوں گا۔ تو نادان کیا سمجھے۔ کوی دروازہ پر آگیا۔ مگر تتار خاں کے اشارہ سے دربان اسے

اندر جانے سے مانع ہوا۔ شاعر نے فوراً دیوی کی سمرن شروع کر دی۔ آخر شاہی حکم کی تعمیل میں حجابِ شاعر کو بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور سوال و جواب ہونے لگتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر پرتھی راج کے پاس جاتا ہے اور سلام کرتا ہے مگر غمزدہ پرتھی راج مطلق توجہ نہیں کرتا۔ شاعر اسکی بردا اولی (وصف خوانی) شروع کر دیتا ہے۔ راجہ اسکو پھٹکارتا ہے۔ کوی کہتا ہے کہ ہونہار سے تو میں لاچار ہوں اور راجہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر راجہ نہیں مانتا۔ آخر وہ راجہ سے کہتا ہے کہ تو وہ بردان دے جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔ راجہ جواب دیتا ہے کہ میں اب نابینا ہوں۔ نشانہ کیسے بیدھ سکتا ہوں۔ شاعر نے کہا کہ آپ وعدہ کر لیجیے۔ میں شاہ کو بلاؤنگا۔ اسکے بعد دونوں میں سوال و جواب ہوئے۔ حجاب شاعر کو لے کر شاہ کے پاس آیا۔ کوی نے شاہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو راجہ دان دینے کے لئے تیار ہے۔ تتار نے خفا ہو کر کوی کو ڈانٹا۔ کوی نے پھر شاہ سے عرض کی کہ اگر بادشاہ قول دیں۔ تو اپنی آنکھوں سے تماشہ دیکھ لیں۔ شاہ حکم دینے پر راضی ہوا۔ گھڑیال منگوا کر سجایا گیا اور تماشہ دیکھنے کے لئے تماشائیوں کی بھیڑ لگ گئی۔ تتار خان نے کہا کہ آج جمعرات ہے۔ اسکو ملتوی رکھیے اور شاہ سے اپنا خواب بیان کیا اور پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ شاہ نے کہا میں قول دے چکا ہوں۔ اپنے وعدہ سے نہیں پھرونگا۔ تتار دق ہو کر دربار سے اٹھ آیا۔ شاہ نے کوی کو پان دیا اور کہا کہ ہم نے تو قول دیدیا تم راجہ سے دان مانگو۔ شاعر راجہ کو لیکر دربار میں آیا۔ حجاب نے راجہ کے ہاتھ میں کمان دی۔ راجہ نے چلّہ چڑھانے میں کئی کمانیں توڑ ڈالیں۔ سب کے بعد راجہ کو میرا کی کمان دی گئی۔ راجہ اسے چڑھاتا ہے میرا کہتا ہے کہ اگر تم نے گھڑیال کو اڑا دیا تو شاہ تمکو آزاد کر دیگا۔ بلکہ اور انعام

بھی دیگا۔ کوی نے کہا کہ راجہ کو اسکی اپنی کمان دی جائے۔ حجاب راجہ کی کمان لیکر آیا تتار نے کہا یہ تماشہ مت دیکھو۔ اس میں مارے جاؤگے۔ راجہ اپنی کمان پاکر بہت مسرور ہوا۔ نصرت خاں نے اسکے ہاتھ میں ترکش دیا۔ چند نے راجہ کو سمجھا بجھا کر اسکو اپنے ارادہ میں پکا کر دیا۔ راجہ نے شاعر سے کہا۔ میرے دوست! مجھ میں اب وہ ہمت نہیں رہی۔ کیا کروں۔ کوی نے کہا تم کمان تو سنبھالو۔ اگر میں ویسا ہی نہ کر دوں تو کوی نہیں۔ اسپر پرتھی راج جوش میں آکر بولا۔ میں ضرور دشمن کو مار گراؤنگا۔ کوی نے راجہ کو اور جوش دلایا۔ راجہ بولا میں سات دشمنوں کو ایک ہی تیر میں چھیدونگا۔ کوی نے کہا۔ سات نہیں ایک کو چھید لے۔ راجہ نے شاعر کے اشارہ پر شاہ کی طرف رُخ کیا اور کمان لے کر شاہ کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ کوی نے ڈنڈوگی بجا کر شاہ سے حکم دینے کی درخواست کی اور ادھر راجہ کو حوصلہ دیا۔ شاہ کے ہاں کہنے پر راجہ نے اسکے تالو کا نشانہ باندھا۔ پہلے حکم پر تیر سنبھالا۔ دوسرے پر چلّہ چڑھایا اور تیسرے حکم پر شاہ کا تالو چھید ڈالا۔ پادشاہ فی الفور گر گیا۔ اب شاعر نے راجہ کو خودکشی کے اقدام پر آمادہ کرنا چاہا۔ وہ بولا یہ میرے لئے ممکن نہیں۔ شاہ کے ہلاک ہونے پر کھلبلی مچ جاتی ہے۔ اتنے میں کوی چند چھری سے اپنا سر کاٹ ڈالتا ہے اور وہی چھری راجہ کو دے دیتا ہے۔ اور پرتھی راج اس چھری سے اپنا کام تمام کر ڈالتا ہے +

محمود شیرانی

سیاحت نامہ ابراہیم بیگ

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ اگست ۱۹۳۵ء)

حاجی کریم اصفہانی مقیم مصر ایک نقل بیان کرتے تھے کہ ایک وقت میں مجھ پر بڑی سخت مصیبت آ پڑی - ایک دن کچھ کھانے کو بھی نہ تھا اور تمام دوست آشناؤں سے قرض لے چکا تھا - اب کسی سے ایک پیسہ ملنے کی امید نہ تھی - مزید برآں چھ مہینے سے مکان کا کرایہ بھی ادا نہ کر سکا تھا - ایک عرب کا وہ مکان تھا جو نالش کرکے ڈگری بھی حاصل کر چکا تھا کہ میں بارہ اشرفیاں کرایہ کی دیکر مکان خالی کر دوں - ہزار منت و سماجت سے ۱۰ دن کی مہلت اس سے لی اور سوچ میں تھا کہ کیا کروں - یکایک میرے خیال میں آیا کہ اسکا چارۂ کار ابراہیم بیگ سے ہو سکیگا -

اس مشکل کے حل کے لئے میں نے ایک خط لکھ کر تیار کیا - گویا یہ خط میرے ایک عزیز کا طہران سے آیا ہے - پھر حاجی مرزا رفیع تاجر اصفہانی کے پاس جاکر ایک پرانا لفافہ لے آیا - جسپر ڈاک خانہ طہران کی مہر تھی - خط کو اس لفافہ میں رکھ کے اس راستہ میں جاکر منتظر بیٹھا جدھر سے روزانہ وقت معین پر ابراہیم گزرا کرتا تھا - یہانتک کہ ابراہیم دُور سے آتے دکھائی دیا - میں نے اسکو دیکھ کر خط نکال کر پڑھنا شروع کیا - گویا میں نے اسکو نہیں دیکھا ہے - جب میرے پاس پہنچا تو میں نے سر اٹھا کر اُسے سلام کیا - جواب سلام دے کر ابراہیم نے مجھ سے دریافت کیا - حاجی! کہاں سے آ رہے ہو - میں نے کہا کہ ڈاک خانہ سے - ایک خط طہران سے میرے نام آیا ہے - ابراہیم نے کہا طہران سے؟ میں نے کہا جی ہاں - پھر اُس نے پوچھا

کوئی نئی بات ہے ؟
میں نے کہا گو ابھی پورا خط میں نے نہیں پڑھا ہے لیکن نام بادشاہ وغیرہ دکھائی دیتا ہے۔ نہایت بے چینی سے کہنے لگا۔ چلو قہوہ خانہ میں چل کے ایک پیالی چاے پئیں۔ اتنے میں تم خط بھی پڑھ لو تو دیکھیں کیا خیر ہے۔ میں نے کہا اگرچہ مجھے کام بہت سے ہیں۔ مگر تم اخبار طہران کے سننے کے بہت مشتاق رہتے ہو لہذا کیا مضائقہ ہم قہوہ خانہ میں داخل ہوے۔ فوراً قہوہ اور حقہ کا حکم دیا اور میں نے ابتدا سے اس خط کو پڑھنا شروع کیا۔

مضمونِ خط

برادر مکرم۔ آپ کا خط ملا آپ کی سلامتی سے دل خوش ہوا پچیس اشرفی کی ہنڈی حاجی عبد الرزاق تاجر اسکوبی کے نام آپ نے بھیجی تھی مبلغ مذکور وصول کر کے بموجب حکم محمد رضا مشہدی کے نام اصفہان میں وہ رقم بھیجدی تاکہ وہ دس اشرفیاں تمہارے گھر میں دے دیں اور پندرہ اشرفیاں قرضہ میں دے دیں۔ وہ خود بھی تمکو لکھیں گے اور کوئی بات قابل تحریر نہیں؛

چند دن قبل ایک اہم مسئلہ پیش آیا۔ قریب تھا کہ حکومت ایران سلطنت انگریزی سے اعلان جنگ کر دے۔ بلکہ اعلان کر بھی دیا تھا۔ حال ہی میں کچھ فیصلہ ہو کر ذرا اطمینان ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مسئلہ سیاسی کا جواب وزیر مختار انگریز نے صدر اعظم کو بے احترامی سے دیا۔ شہنشاہ ایران نے وزیر خارجہ کو تاکیدی حکم دیا کہ فوراً لندن کو تار دیا جاے کہ سفیر کو ایک ہفتہ کے اندر معزول کر کے لندن بلا لیا جاے۔ ورنہ دوسرے ہفتہ میں ہماری فوج بعزم تسخیر ہندوستان ہرات کی طرف حرکت کریگی سفیر جرمنی درمیان میں پڑا اور یہ قرار پایا کہ سفیر انگلیس صدر اعظم سے بالاعلان معافی مانگے ؛

اس خبر کو سنکے ابراہیم بیگ کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ مارے خوشی کے مُنہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ حاجی کریم خط پڑھنے کے بعد جانا چاہتا ہے۔ ابراہیم کہتا ہے بیٹھو کہاں جاؤگے۔ کھانے کا وقت ہے کھانا کھالو تو پھر جانا۔ حاجی جواب دیتا ہے نہیں۔ مجھے بہت سے کام ہیں۔ مَیں رُک نہیں سکتا۔ حاجی کریم چلا جاتا ہے۔

ابراہیم دوسرے دن عادت کے خلاف گھر سے سویرے نکلتا ہے۔ تاکہ اگر کوئی دوست مل جائے تو کل کی خبر اس سے بیان کرے۔ جب کوئی دوست نہ ملا تو حاجی کریم کو ڈھونڈنے لگا۔ حاجی کریم سمجھ چکا تھا کہ میری باتیں ابراہیم پر اثر کر چکی ہیں اور وہ میری تلاش میں ہوگا۔ اس دن گھر سے نہ نکلا تاکہ ابراہیم کو اور زیادہ مشتاق بنائے۔ جب ابراہیم کو کوئی نہ ملا تو مجبوراً مایوسانہ حالت میں اداس گھر واپس آیا اور رات بڑی بے چینی سے کاٹی۔ دوسرے دن موافق عادت گھر سے نکلا اور ایک بڑے قہوہ خانہ میں جا کر بیٹھا۔ حاجی کریم تو اسکی تاک ہی میں تھا۔ دُور سے ابراہیم کو قہوہ خانہ میں بیٹھا دیکھ کر چاہتا ہے کہ آگے بڑھ جائے۔ ابراہیم اُسے دیکھ کر حاجی حاجی کہکر پکارتا ہے۔ بعد سلام و جواب ابراہیم پوچھتا ہے کہاں جاتے ہو حاجی کہتا ہے کہ مجھے ادھر کچھ ضروری کام آ پڑے ہیں ان کے سرانجام کی فکر میں ہوں۔

ابراہیم کہتا ہے ذرا بیٹھو چاے پیو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کوئی دکاندار نہیں ہو اور نہ کسی کے نوکر ہو۔ پھر اتنے نخرے کیوں کرتے ہو۔ حاجی نے کہا یہ سچ ہے مگر ایک عرب حرامزادہ کا میں قرضدار ہوں اور اتنا ہی روپیہ مجھے ایک دوسرے شخص سے لینا ہے۔ شروع ماہ میں دینے کو کہتا ہے مگر مجھے اپنا قرضہ آج ہی شام کو دینا ہے اور روپیہ میرے پاس نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں رستہ میں اس سے مڈھ بھیڑ نہ ہو جائے اور وہ سختی کرے تو آپ کو بھی شرمندگی ہوگی اور میری رُسوائی ہوگی ۔

ابراہیم پوچھتا ہے قرضہ کتنا ہے - حاجی کہتا ہے صرف پندرہ اشرفیاں - ابراہیم کہتا ہے یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے - قہوہ چی سے قلمدان مانگتا ہے اور جیب سے چیک بک نکال کے ایک چیک پندرہ اشرفی کی لکھ کر دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب جی چاہے بنک سے اسے بھنا لینا اور جب تمہارا قرضہ مل جائے تو ادا کر دینا حاجی اظہار تشکر کر کے پرونوٹ لکھ کر دینا چاہتا ہے - ابراہیم کہتا ہے اسکی ضرورت نہیں اور طہران والا خط حاجی سے مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حرامزادے ایران کے بارہ میں کیا کیا جھوٹ بکا کرتے ہیں -

اس حکایت سے ابراہیم کا تعصب قومی اور بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسکندر نے چونکہ ایران کو تباہ کیا - اواسطخر میں آگ لگادی اور دارا کو قتل کیا - اسلئے اسکندریہ کا کبھی نام نہ لیتا تھا - اگر اس کے نام لینے کی ضرورت آپڑے تو بندر مصر کہتا - ممکن ہے کہ بعضے کوتہ نظر اسکی اس حالت کو حمیت - جہالت اور تعصب بیجا پر محمول کریں مگر ایسا نہیں - یہ ہم وطن اگرچہ جوان ہے - مگر تجربہ کار - صحبت یافتہ - کامل خردمند - ہوشیار - وضع زمانہ سے باخبر - تربیت یافتہ اور مہذب ہے - صرف اتنی بات ہے کہ نام ایران سنکر بے اختیار ہو جاتا ہے اور عشق وطن اس پر مستولی ہے - اسلئے اپنے معشوق کا نام زشتی کے ساتھ نہیں سُن سکتا اور یہ خود دلیل اس کے اخلاق حسنہ کی ہے (حب الوطن من الایمان)

یوسف عمو

یوسف ابن عبد اللہ کا مسقط الراس صوبہ تبریز کا وہ خارقان تھا - یوسف کا چچا تبریز میں رہا کرتا تھا - اس لئے یوسف کا باپ اسکو نو برس کی عمر میں تبریز میں لیجا کر اس کے چچا کے سپرد کر آیا - اس کے چچا نے محلہ کے ایک مکتب میں

اسے بٹھادیا۔ وہاں آٹھ سال تک علوم دینیہ پڑھتا رہا اور چار سال تک ایک مدرسہ میں صرف و نحو کی تکمیل کی۔ خط نستعلیق میں بھی اچھی مہارت پیدا کرلی +

جب بیس سال کا ہوا تو اسکے باپ میں آگے تعلیم دلانے کی استطاعت نہ تھی۔ تبریز آکر اسے مدرسہ سے اٹھالیا اور اپنے ساتھ تفلیس لے گیا۔ ایک سال تفلیس میں قیام کیا۔ اس کے بعد یوسف نے اپنے پدر مرحوم سے خواہش کی کہ اسکو اسلامبول جانے کی اجازت دے۔ باپ نے اجازت دے دی اور وہاں پہنچکر یوسف کی ملاقات ایک ہمشہری سے ہوئی +

حالات پرسی کے بعد اسنے کہا کہ اسلامبول مفلسوں کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں لہذا بہتر ہے کہ ہم تم مصر چلیں۔ اسکی تجویز پر عمل کرکے یوسف مصر آیا اور دو تین ماہ تک حتی الامکان تحصیل معاش میں سعی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یوسف کو معلوم ہوا کہ ابراہیم بیگ کے باپ کو ایک محرر کی ضرورت ہے تو وہ اس کے پاس گیا۔ بعد امتحان اسے منظور کرلیا۔ وہ اسکی محرری کیا کرتا تھا۔ اسوقت تک ابراہیم پیدا نہیں ہوا تھا۔ چندماہ بعد اللہ نے اسے ابراہیم بیگ عطا فرمایا +

حاجی اس کے ساتھ اسقدر محبت کرتا تھا کہ اسکو بھائی [داداش = بھائی (ترکی)] کہا کرتا تھا۔ یہانتک کہ ابراہیم بیگ آٹھ سال کا ہوا تو اسے مکتب میں داخل کیا۔ عربی، فرانسیسی اور انگریزی مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ مگر فارسی اور خوشنویسی کی تعلیم یوسف دیتا تھا۔ پھر نوبت یہ آئی کہ ابراہیم کی تعلیم و تربیت کے سوا اس کے ذمہ کوئی اور کام نہ تھا اور حاجی نے ایک نوکر یوسف کے لئے مخصوص کردیا۔ ہر طرح کی راحت و آرام یوسف کے لئے مہیا تھی۔ بڑی کوشش اور اصرار کیا کہ یوسف اپنی شادی کرلے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ گھر حاجی کے گھر میں مختار کل تھا۔ کسی کو اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ اسکی محبت تربیت ابراہیم پر منحصر تھی۔ یوسف کہتا ہے۔ کہ

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ ابراہیم کی تربیت میں نے کی کیونکہ وہ جوان خود از روے فطرۃ قابل و مستعد تھا - اسکو خلاق عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے قابل وکامل و باتربیت پیدا کیا تھا - چنانچہ حسن اخلاق و آداب محاورہ و مکالمہ و شرم وحیا و فروتنی و تواضع میں بے نظیر تھا اور حسن و جمال - قد و قامت - چشم و ابرو - خط و خال - رفتار و گفتار - ملاحت و صباحت میں اپنے زمانہ کا یوسف تھا

وہ تھا ماہرو ساتھ ہی سرو قد　　فراست کی اوسکی نہ تھی کوئی حد
نجابت میں اور اصل میں بے نظیر　　صفات اسکے تھے سب کے سب دلپذیر

مصر کی ہزاروں عورتیں اور لڑکیاں زلیخا کی طرح اس عزیز مصر کے جمال بے مثال کی مجنوں اور مفتوں تھیں اور تاک لگائے رہتی تھیں کہ اگر موقع ہاتھ لگے تو اس کے پیراہن عصمت کو چاک کر ڈالیں - مگر یہ جوان پاکدامن اس قسم کی باتوں سے اصلا خبردار نہ تھا ؂

محبوبہ

اسکو چھ برس کی عمر میں بنام چرکس خریدا گیا تھا - ترکوں اور عرب میں اس قسم کی کنیز رکھنا بہت عام ہے کہ چھوٹی عمر میں خرید کر اسکی تربیت کرتے ہیں اور جوان ہونے پر مثل اولاد اسکی شادی کر دیتے ہیں - بعضے اپنے ساتھ یا اپنی اولاد کے ساتھ اسکی شادی کر لیتے ہیں - اصلی نام تو اس لڑکی کا معلوم نہیں لیکن والدہ ابراہیم نے اس کا نام محبوبہ خانم رکھا تھا - یہ محبوبہ بہت سمجھ دار - فہیم اور ہوشیار تھی - تھوڑی سی مدت میں بہت سے کمالات سیکھ لئے - تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اسکو اور چیزوں کی تعلیم دی گئی - کھانا پکانا اور امور خانہ داری میں بھی کمال حاصل کر لیا ؂

پھر والدہ ابراہیم بیگ نے ایک معلّمہ گھر پر رکھ کے اسکو علم موسیقی سکھلوایا

جیسا کہ اس زمانہ میں دستور ہے کہ تربیت یافتہ خواتین کے لئے فن موسیقی ایک حد تک لازم اور ضروری ہوگیا ہے۔ محبوبہ کو والدہ ابراہیم بیگ نے چودہ برس کی عمر میں آزاد کر دیا اور خانم کا خطاب دیا اور گھر کے کل لوگوں کو چاہے وہ اولاد ہو یا نوکر چاکر تاکید کر دی کہ کوئی بغیر لفظ خانم کے اسکا نام نہ لے۔ یا خانم کو چک کہے۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ اسکا ارادہ ابراہیم کیساتھ اسکی شادی کرنے کا تھا۔ کیونکہ مصر میں ایسی حسین باکمال کمتر پائی جاتی تھی بلکہ نادرۃ الامثال تھی۔ اگر محبوبہ کی کسی دوسرے کیساتھ شادی کی جاتی تو وہ شاہزادگان عظام کی ہمسری کے لائق تھی ۔

ظاہر ہے کہ مصر و اسلامبول میں اکثر شاہزادوں کی بیویاں تعلیم وتربیت یافتہ دختران چرکس ہی ہیں۔ محبوبہ علاوہ وجاہت اور معرفت کے عورتوں میں محبت اور تعصب ایرانیاں کی وجہ سے خاص ممتاز تھی۔ گویا تعصب ابراہیم اس کے دل میں سرایت کر گیا تھا۔ کل اہل ایران کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آتی تھی۔ چنانچہ چھٹ پنے میں جب کوئی دروازہ کھٹ کھٹاتا تو یہ کواڑوں کے پیچھے جاکر ایک پٹ کو ذرا سا کھول کر دیکھتی۔ اگر عجمی ہوتا تو اس کے لباس اور بات چیت سے معلوم کرکے کہتی۔ بسم اللہ تشریف رکھئے۔ اوسکو بلاکر مردانہ کمرہ میں بیٹھاتی اور زنانہ میں اطلاع کرتی۔ اگر عرب یا ترکی ہوتا تو دروازہ بند کرکے پوچھتی تم کون ہو اور کیا کام ہے۔ جب غرض معلوم کر لیتی تو اندر آکے خبر کر دیتی۔ چاہے وہ عرب کا گورنر ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتی۔ سب اس کے رنگ ڈھنگ پر ہنستے تھے اور طرفداری ایران میں مشہور ہوگئی تھی ۔

المختصر سب میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ محبوبہ کبھی ابراہیم بیگ کی محبوبہ

ہوگی - اس لئے کسی کو منگنی لانے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور محبوبہ بھی اس بات کو سمجھ چکی تھی - لہذا ابراہیم سے عشق کرتی تھی - یوسف عمو کہتے ہیں میں نے کبھی محبوبہ کو نہ دیکھا کہ وہ ابراہیم بیگ کو دیکھے اور اس کے رخسار مثل گل شگفتہ نہ ہو جائیں - لیکن ابراہیم عشق و عاشقی کی باتوں سے بالکل ناآشنا تھا - یہ محبوبہ اٹھارہ سال کی تھی - جب ابراہیم بیگ اور یوسف نے ایران کا سفر کیا اور یہی اس افسانہ کی ہیروئن ہے ؛

حاجیہ خانم ابراہیم کی ماں بہت سلیقہ شعار مواظب طاعات باشرم وحیا دیندار - عصمت مآب اور منتظم عورت ہے - خوش خلقی - بلند ہمتی اور تہذیب وسخاوت میں بھی اپنی آپ نظیر ہے ؛

سکینہ خانم ابراہیم کی بہن بارہ برس کی لڑکی ہے - اپنے بھائی کو بہت چاہتی ہے - عشق و عاشقی سے بالکل بے خبر ہے ،

حاجی مسعود حبشی غلام ہے - ابراہیم کے باپ نے اسے دس برس کی عمر میں خریدا تھا - جب پدر ابراہیم حج کے لئے مکہ معظمہ جا رہا تھا تو اسے آزاد کر کے اپنے ساتھ لے گیا - اس لئے حاجی مسعود ہو گیا - ایک خدمتگار صادق - کاردان - وفادار - مطیع - بہی خواہ آقا ہے - اس کے علاوہ چند مرد اور عورت خدمتگار تنخواہ دار ہیں - کچھ ان میں سے وقت ضرورت بدل بھی جاتے ہیں اور انکو ان کی پاک فطرتی کے موافق انعام بھی ملا کرتا ہے - اہل خانہ میں شمار صرف ۶ آدمیوں کا ہے :-

(۱) حاجیہ خانم (۲) ابراہیم بیگ (۳) محبوبہ خانم (۴) سکینہ خانم (۵) مرزا یوسف عمو (۶) حاجی مسعود (قنبر باورچی کا نام ہے) ؛

کتاب سیاحت نامہ ابراہیم بیگ جلد دوم

اس سے پہلے امتحان ایم۔ اے پنجاب یونیورسٹی میں جلد اول اس سیاحت نامہ کی داخل تھی۔ ۱۹۳۱ء میں میں نے اسکی بھی فرہنگ لکھی تھی جو چھپ چکی ہے۔ اب پنجاب یونیورسٹی نے اس سیاحت نامہ کی جلد دوم داخل نصاب ایم۔ اے و منشی فاضل کی ہے۔ اس سئے اسکی بھی فرہنگ مجھ کو لکھنا پڑی۔ چونکہ امتحان میں کریٹیکل کوئسچن (سوالات انتقادی) بھی ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب سے بھی کچھ بحث کی جائے۔

جناب آقا محمد کاظم صاحب شیرازی ممبر بورڈ آف اگزامینرز کلکتہ۔ اور حضرت موید الاسلام جلال الدین الحسینی مرحوم مدیر اخبار فارسی حبل المتین کلکتہ کی تحریرات سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب صرف ایک افسانہ ہے جسکو حاجی زین العابدین ساکن جبلاغی تاجر مراغہ نے تصنیف کیا ہے اور موید الاسلام سے اسکی تصحیح و ترمیم کرائی گئی ہے۔ کیونکہ موید الاسلام بڑے سیاست دان آدمی تھے۔ انہوں نے اس کتاب میں جابجا مناسب محل پر اخبار حبل المتین کا بھی ذکر کیا ہے۔

موضوع اس قصہ کا یہ ہے کہ سلطنت ایران کی بدانتظامی دکھا کر اس کو اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے اور قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرے۔ تاکہ متنبہ ہو کر قوم حقوق طلبی میں ساعی ہو۔ اگر نتیجہ موافق مقصود برآمد ہو تو بعد اصلاح ایران بھی ایک متمدن ملک ہو کر آزادانہ راحت کی زندگی بسر کرے اور اسباب ترقی ملک و قوم مہیا ہو جائیں اور ایرانیوں کا بھی بیدار قوموں میں شمار ہونے لگے۔ بطور نمونہ زیادہ تر جاپان کو پیش کیا گیا ہے۔

افراد کی طرح اقوام کو بھی عروج و زوال۔ صعود و ہبوط سے چارہ نہیں۔

یک زمانہ وہ تھا کہ ایران تمدن و تہذیب کا مرکز تھا - یونان - مصر و عرب پر انکی حکومت
تھی - دوسروں نے ان سے علم مملکت داری اخذ کیا - بااب وہ زمانہ آگیا کہ اس کے
خواب غفلت سے دوسری بیدار قومیں اسکی طرف چشم طمع لگانے لگیں - جب کسی قوم کا
شعار خود غرضی - نفع شخصی - آرام طلبی ہو جاتا ہے تو پھر وہ قوم پستی میں پڑ جاتی
ہے اور غیر اقوام کے لوگ اسکی غفلت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں '

آجکل کے جدید تعلیم یافتہ سیاست دان افراد میں سے اکثروں کا خیال ہے - کہ
مذہب ترقی دنیوی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے - مطلقاً اس مسئلہ کو صحیح نہیں
کہا جا سکتا - چنانچہ ابتداء اسلام میں باوجود پابند مذہب ہونے کے مسلمانوں نے اور
حال میں جاپانیوں نے دنیاوی ترقی کیسے کی - جس ملک میں ایک مذہب کے لوگ ہوں
وہاں مذہب ہرگز مانع ترقی نہیں ہو سکتا

البتہ جس ملک میں . . . . مختلف مذاہب
کے لوگ بستے ہوں تو تصادم معتقدات سب کو متحد نہیں ہونے دیتا اور بغیر اتحاد
ترقی محال ہے - پھر بھی کارکنان سلطنت اگر بیدار مغز ہوں اور اصول مملکت
داری سے واقف تو اپنی قوت تدبیر سے وحدت شہری کی سلک میں اقوام مختلفہ کو
منسلک رکھ سکتے ہیں - اتحاد قومی - وطن پرستی - بہی خواہی ملک بڑے اسباب
ترقی ملک و ملت ہیں '

ہیرو (پہلوان داستان) اس افسانہ کا ابراہیم بیگ کو جو ایک فرضی شخص
ہے قرار دیا گیا ہے - جسکو متمدن - مہذب - تعلیم یافتہ سیاست دان - ضروریات
زمانہ سے واقف اور اعلےٰ درجہ کا وطن پرست جس کا جذبہ وطن پرستی حد جنون تک
پہنچ گیا ہے - بتایا گیا ہے - ساتھ ہی متحمل - بردبار - جفاکش اور دیندار بھی ہے '
عبارت و مضمون - عبارت سادہ - متین اور سنجیدہ ہے - چونکہ افسانہ کو بہیئہ اہل ایران

کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لئے اگر کوئی اس طرح کے واقعہ کے بیان کرنے کی ضرورت آ پڑی ہے تو عبارت آجکل کی تہذیب سے گر گئی ہے مثلاً بیان واقعہ شاپ شوپ و شلف لف جو حبل المتین ایڈیشن میں موجود ہے اور مبارک علی والے ایڈیشن سے حذف کر دیا گیا کیونکہ آجکل کی تہذیب کے خلاف تھا۔ صنائع و بدائع سے کام نہیں لیا گیا۔ تضمین اشعار و اقوال و اقتباس آیات و ترجمہ نہج البلاغہ سے کتاب کو دلچسپ اور بات کو مدلل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جلد اوّل میں ابراہیم کے سفر ایران و اسلامبول کا ذکر ہے۔ حکام ایران کی رشوت ستانی۔ قوم فروشی۔ جبّاری۔ ظلم۔ تمرّد۔ فرعونیت۔ خود غرضی۔ عیش پرستی و دیگر قوم کی حرکاتِ ناشایستہ کا بیان ہے اور سلطنت کی بد انتظامی کو خوب دل کھول کے ظاہر کیا گیا ہے۔

جلد دوم میں حاجیہ خانم کے مادرانہ جذبات اور محبوبہ خانم کے عشقیہ جذبات کو نہایت موثر طریقہ سے ادا کیا گیا ہے۔ جسکے پہلو میں درد بھرا دل ہو تو ان بیانات کو پڑھ کے بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑینگے۔ اس کے خاتمہ اور لاحقہ میں اصلاح ملک کی صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ زیادہ تر نمونتہً جاپان ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسری جلد میں نے نہیں دیکھی لہذا اسکی نسبت کیا اظہار خیال کروں۔

بیانات سے مصنف اچھا خاصہ پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے گو اسکی لائف میں اسکی تعلیم معمولی بتائی گئی ہے۔ دوسری سلطنتوں کی سیاسی چالوں سے بھی خوب واقف معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ سارا بیان سیاسیات پر مبنی ہے لہذا سیاسی لوگ ایران کے بہی خواہ اس سے زیادہ حظ اٹھا سکتے ہیں۔ عام طبائع کے لئے زیادہ دلچسپ نہیں۔ مفرس کئے ہوئے فرانسیسی الفاظ عبارت میں اکثر صرف کئے گئے ہیں۔ یا قدیم فارسی و عربی کے الفاظ ہیں۔ زبان حال فارسی کا سرمایہ اس میں بہت کم ہے۔ تراکیب

عمل البتہ جدید ہیں - ترکی کی کل نظمیں اس لاہوری ایڈیشن سے نکال دی گئیں ۔
اس زمانہ کے سیاسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے روسی اور انگریزی سیاست کو بھی اچھی طرح بیان کرکے سلطنت اور قوم ایرانی کو آگاہ کیا ہے - مختصر یہ ہے - کہ اسکو بجاے سیاحت نامہ سیاست نامہ کہنا زیادہ موزون ہوگا ۔
مصنّف نے ایران کی چیزوں میں سے چار چیزیں ابراہیم بیگ کو پسند کرائی ہیں :-

(۱) روضۂ مطہرہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام ٭
(۲) - کاروان سرا اور بعض سڑکیں شاہ عباس صفوی ہمعصر شہنشاہ اکبر کی بنوائی ہوئیں ٭
(۳) وجود محترم ایک بزرگ ایرانی کا جنکو مقنن اور سیاست دان بتایا گیا ہے - مگر کسی مصلحت سے ان کا نام نہیں لیا ۔
(۴) دارالفنون ناصری طہران میں ٭

ایم - اے کے نصاب میں علاوہ سیاحت نامہ زبان حال فارسی کی کتاب حاجی بابا اصفہانی اور نصاب منشی فاضل میں ان کے ساتھ وکلاے مرافعہ بھی داخل ہے - اور امتحان میں موازنہ اور تقابل کے سوالات بھی آجاتے ہیں - اسلئے ان دونوں کتابوں کا ذکر بھی افادہ طلبہ سے خالی نہ ہوگا ۔

سرگذشت حاجی بابا اصفہانی

حاجی بابا بھی ایک افسانہ (رومان) ہے - لیکن فارسی حاجی بابا کے شروع میں ایک خط لگایا ہے جسکو پرسی جیرائن پرسیک سیاح انگلیسی نے ڈاکٹر فندگرومین سفیر سویڈن متعینہ استنبول کے نام لکھا ہے - اس میں بیان کیا ہے کہ حاجی بابا استنبول

سے پلٹ کے توقات میں پہنچے تو سخت بیمار ہو گئے ۔ ڈاکٹر پرسی جیرائن ایران سے پلٹ کے توقات کے چاپارخانہ میں آکر ٹھہرے ۔ حاجی بابا اور ان ڈاکٹر کی ملاقات قسطنطنیہ سے تھی ۔ مگر حاجی کو اس کا علم نہ تھا کہ وہی ملاقاتی ڈاکٹر ہیں بلکہ ایران سے آیا ہوا آدمی سمجھ کر انکو اپنے علاج کے لئے بلایا تھا اور ان کے علاج سے صحت ہو جانے پر اپنی لکھی ہوئی سرگذشت ہدیۃً ڈاکٹر کو دے دی ڈاکٹر مستشرق تھا اور ایشیائی معاشرت کو بطرز یورپ کسی ایشیائی آدمی کی تصنیف کردہ کتاب میں دیکھنے کا بہت دلدادہ تھا ۔ اس لئے اس ہدیہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور اپنے ساتھ ۱۸۲۴ء میں لندن لے گیا ۔ اسی سن میں جیمس جسٹنیاں موریہ نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا ۔

میرے پاس انگریزی کا حاجی بابا بلیکی اینڈ سن لندن ۱۹۰۴ء کا چھپا یا ہوا ہے ۔ اس میں یہ خط نہیں ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں گڑھ کے لگایا گیا ہے ۔ علاوہ اس کے اسی کتاب کے شروع میں موریہ کی لائف بھی ہے ۔ اس میں حاجی بابا کو مصنفہ موریہ بتایا ہے اور اسکی دوسری تصانیف سے اسکو پسند خلائق لکھا ہے ۔

جب یہ انگریزی حاجی بابا ایشیا میں پہنچا اور اسکی شہرت ہوئی تو اس کا ترجمہ شیخ احمد کرمانی بن احمد بن ملا محمد جعفر پیش نماز نے زبان حال فارسی میں کیا ۔ جس کو ہندوستان میں پہلے ایڈیٹر اخبار حبل المتین کلکتہ نے چھاپا ۔ یہ نسخہ بالکل معرا ہے اور بعض الفاظ دلشکن کسی فرقہ کے نکال ڈالے اور کچھ الفاظ بدل دیے ہیں ۔ اس کے بعد بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ نے فلٹ صاحب کے انگریزی فٹ نوٹس کے ساتھ بلا ترمیم و تنقیص اس فارسی ترجمہ کو شائع کیا ۔

ایک ترجمہ اسد اللہ شیرازی نے بحالت قیام ہندوستان بمبئی میں ۱۳۲۲ھ

میں بزبان فارسی جدید کیا۔ اس ترجمہ کو مرزا محمد ملک الکتاب نے ۱۳۲۹ھ میں بمبئی سے شائع کیا۔ یہ ترجمہ بھی خوب ہے اور پنجاب یونیورسٹی کے امتحان یم او ایل کے نصاب میں داخل ہے۔ مگر شیخ احمد کا ترجمہ جتنا شوخ۔ ظرافت سے مملو اور دلچسپ ہے اتنا اس اللہ والا نہیں۔ انگریزی سے ترجمہ اردو مترجمہ مرزا حیرت دہلوی مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا ہے اور عطر چند کپور پبلشر لاہور نے ماس بلگرامی سے ترجمہ فارسی حاجی بابا کا کرا کے دس چھوٹی چھوٹی جلدوں میں ایک سٹ چھاپا ہے۔ مگر یہ بھی فیکٹ کا ترجمہ ہے۔ فارسی حاجی بابا فلٹ ایڈیشن کی فرہنگ میری مؤلفہ مع سوانحعمری موریر اصل مصنف حاجی بابا و شیخ احمد کرمانی مترجم فارسی کی لائف کے ساتھ شیخ مبارک علی بک سیلر اندرون لوہاری دروازہ لاہور نے ۱۹۲۱ء میں چھاپی ہے۔ جس کے تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں'

ترجمہ فارسی شیخ احمد کرمانی بالکل روزمرّہ کی زبان میں ہے اور بہت خوب ہے۔ دو جگہ بہار یہ عبارت جہانکشائے نادری سے لی گئی ہے۔ جو دلچسپی اس فارسی ترجمہ میں ہے وہ انگریزی حاجی بابا میں نہیں۔ حال میں حاجی بابا ان لندن بھی یورپ سے چھپ کے ہندوستان میں آگیا ہے۔ یہ حاجی بابا کی دوسری جلد ہے۔ جس کا وعدہ جلد اوّل کے آخر میں کیا گیا ہے'

موضوع اس کتاب کا بھی یہی ہے کہ سلطنت ایران کی بدانتظامی۔ حکام ایران کا ظلم و جور و رشوت ستانی۔ خود غرضی۔ اپنے ذاتی نفع کے لئے سلطنت کی زیان رسانی۔ مکاری۔ بے ایمانی۔ قوم کی جہالت۔ علوم و فنون جدیدہ سے ناواقفیت۔ باوجود نادانی تفاخر۔ بیوفائی۔ غفلت شعاری استبداد۔ عادات و رسوم مذمومہ کا اظہار کر کے یورپین قوموں کو ابھارا جائے تاکہ انکی غفلت سے فائدہ اٹھائیں اور ہو سکے تو رفتہ رفتہ ایران میں قدم جما کے کل یا جزو ایران

پر قابض ہو جائیں - ساتھ ہی تضحیک و تہجین قوم ایران بھی مقصود ہے - برخلاف مولف سیاحت نامہ کہ وہ ہمدردی اور دلسوزی سے اظہار عیوب کرتا ہے اور اصلاح کا متمنی ہے۔

موریر بجز اظہار عیوب ایک خوبی بھی کسی ایک شخص میں بھی نہیں بتاتا جب مریم ارمنی عیسائی عورت کا ذکر آتا ہے تو اس کا پیکر نہایت عفت مآبی عصمت شعاری کا دکھاتا ہے جتنی کہ ہتک ناموس کے موقع پر جان دے دینے پر اسے آمادہ بلکہ مرتکب دکھاتا ہے - برخلاف مصنف سیاحت نامہ اگر اس کو موجودہ طرزِ حکومت میں کوئی خوبی نہیں دکھائی دیتی ہے تو وہ متقدمین پر فخر کرتا ہے اور ایران کو تمدن و تہذیب کا مرکز قرار دیتا ہے - یہ بھی کہتا ہے کہ دوسری قوموں نے ملک داری ایران سے سیکھی - قوم میں استعداد و قابلیت موجود ہے - صرف ایک مصلح اور رہبر کی ضرورت ہے - فریدوں و جمشید و شاہ عباس صفوی کے کارناموں کا ذکر کرتا ہے - موریر نے ایران کی اک ردی تصویر کھینچی ہے

ہیرو اس کتاب کا ایک ادنیٰ شخص قوم کا نائی ہے - سلطنت کے بدڈھنگے پن کو دیکھ کر ابتداء سے منصب وزارت کا متمنی ہے اور آخرکار اسکو اپنے خیال میں کامیاب بھی دکھایا ہے - باوجودیکہ کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا دغاباز - مکّار - جعل ساز اور ابن الوقت بھی ہے - ایسے شخص کے ہیرو بنانے سے بھی مصنف کی غرض تضحیک و تحمیق و توہین قوم ایران ہے - سلطنت ایران کی تاریخ میں حاجی بابا نام کا کوئی سفیر یا وزیر نہیں پایا جاتا - یہ امر بھی دلیل اس کے افسانہ ہونے کی ہے - برخلاف زین العابدین مصنف سیاحت نامہ کے کہ اس نے اپنی کتاب کا ہیرو جامع صفات حسنہ شخص کو قرار دیا ہے *

قصہ کا پلاٹ ایسا دلچسپ ہے کہ کتاب کو ہاتھ میں لینے کے بعد بغیر ختم کئے اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ اشخاص متعلق قصہ کا قیافہ وحلیہ قوم کے اخلاق و عادات و رسوم و طرز معاشرت علی الخصوص مترجم فارسی ایسے مضحک اور ظریفانہ انداز سے بیان کرتا ہے کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ رزم و بزم۔ حسن و عشق وغیرہ کی داستانوں میں واقعہ کی ایسی تصویر کھینچتا ہے گویا وہ منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔ کسی واقعہ کے جزئیات کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔ سب جھوٹ ہو یا سب سچ۔ کچھ جھوٹ ہوا اور کچھ سچ۔ بہرطور معاشرت ایران کا نہایت دلچسپ پیرایہ میں نقشہ کھینچا ہے۔ شوخی و ظرافت میں اصل کتاب انگریزی سے یہ ترجمہ فارسی کہیں بڑھا ہوا ہے'

گو ساری کتاب با محاورہ اور روزمرہ کی بول چال فارسی جدید کے موافق ہے۔ مگر بعض مقامات پر فاضلانہ اور عبارات رنگین سے بھی کام لیا گیا ہے۔ تضمین اشعار نے خوبی عبارت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ الفاظ و محاورات جدید فارسی کی یہ اچھی خاصی فرہنگ ہے۔ چونکہ ہر قسم کے مباحث اس کتاب میں آگئے ہیں۔ اگر کوئی اس کے الفاظ و محاورات و محل استعمال کو ذہن میں رکھے تو جدید فارسی کے لکھنے اور بولنے پر اسکے متتبع کو اچھی قدرت حاصل ہو سکتی ہے۔ طلبہ کو ترجمہ فارسی کے لئے اس کتاب کو اپنا استاد اور سرمشق بنانا چاہیے''

مختصر حالات زندگی مترجم فارسی حاجی بابا

حاجی بابا فلٹ ایڈیشن کے مترجم شیخ احمد کرمانی بن احمد بن ملا جعفر پیش نماز ہیں۔ انہیں نے جیمس موریر کے انگریزی حاجی بابا سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے ترجمہ میں مترجم صرف اصل قصہ (فیکٹ) انگریزی سے لے کر اپنی شوخ اور ظریفانہ

عبارت میں ترجمہ کرتے ہیں۔ تضمین اشعار واقوال و رنگینی عبارت و برجستگی محاورات و الفاظ سے بہت کچھ اس ترجمہ میں اضافہ کر دیا ہے۔ شیخ کا تخلص روحی ہے۔

۱۸۵۵ء میں غدر ہندوستان سے دو سال پیشتر کرمان میں پیدا ہوئے۔ مترجم کے حالات زندگی بہت سادہ اور غم انگیز ہیں۔ عربی پڑھنے کے بعد شیخ احمد کرمان سے اصفہان آئے۔ یہاں مرزا آغا خان کرمانی سے ملاقات ہوئی شاید انہیں کی صحبت میں بابی مذہب اختیار کیا۔ یہ دونوں ل کے ۱۳۰۵ھ میں قسطنطنیہ میں گئے تاکہ یورپین زبانیں سیکھیں۔ قسطنطنیہ پہنچکر مشرقی زبانوں کی تعلیم دے کر اپنی معاش حاصل کرتے تھے اور خود فرانسیسی و انگریزی و ترکی عثمانی سیکھتے رہے۔ اس کے بعد بمدد مرزا حبیب شاعر اصفہانی چند تصانیف انگریزی کے تراجم فارسی میں کئے۔ منجملہ ان کے حاجی بابا اور ژیل بلاس مصنفہ لوساج فرانسیسی ہیں جنکو شہرت اور مقبولیت عامہ کا مرتبہ ملا۔ علاوہ ان کے چند کتب حکمیہ کے بھی مصنف ہیں۔ ان کے رفیق آغا خان استنبول میں اخبار اختر کے ایڈیٹر ہوئے۔ یہ اخبار ایران و ہندوستان میں آیا کرتا تھا۔ مگر ناصر الدین شاہ نے اسکی تند و تیز تحریروں سے اسکا داخلہ و اشاعت ایران میں بند کر دیا مرزا یحییٰ شیرازی بابی (جنکا بابی لقب صبح ازل تھا) کی بہن اور بیٹی سے ان دونوں کی شادی ہوئی۔ جب یہ دونوں قسطنطنیہ میں تھے تو حکومت ایران نے ان دونوں کو بجرم سازش گرفتار کرایا۔ جب سلطان ترکی کے سامنے انکا مقدمہ پیش ہوا تو سلطان نے انکو بری کر دیا اور برداشت صعوبت کے صلہ میں پانسو تومان انکو انعام دئے۔

اس کے بعد یہ دونوں سید جمال الدین کے پیرو ہو گئے جو بابی فرقہ کے لیڈر تھے۔ ان دونوں نے بہت سے خطوط مجتہدین ایران کو لکھے کہ سنیت اور شیعیت

کے تفرقہ کو نظر انداز کر کے ترکی سلطنت سے اتحاد پیدا کیا جائے تاکہ اغیار کے مظالم کو اپنے ملک سے دور کیا جا سکے۔ یہ تحریریں ایرانی عہدہ داروں نے پکڑیں اور بغاوت کا الزام لگا کر سلطان ٹرکی سے انکو گرفتار کر کے ایران بھیجنے کا مطالبہ کیا۔ جب یہ ایران بھیجے جا رہے تھے سلطان ٹرکی نے تار دیا کہ انکو ترابزند میں روک دیا جائے۔ اسی اثنا میں مرزا محسن خاں سفیر ٹرکی دربار طہران میں ناصرالدین شاہ ایران کی پنجاہ سالہ جوبلی کی مبارکباد سلطنت ٹرکی کی طرف سے لیکر جانے والے تھے تو انکو اسکا موقع ملا کہ شاہ ایران سے ان کی رہائی کی تمنا کریں۔ مگر انکی یہ عرض مقبول نہ ہوئی۔ رسم جوبلی ادا ہونے سے کچھ دن پہلے ناصرالدین شاہ کو ایک بابی نے مزار شاہزادہ عبدالعظیم میں گولی کے فیر سے شہید کر دیا۔ یہ شہادت انکے حق میں اور بھی مضر ثابت ہوئی۔ طہران سے حکم آیا کہ انکو طہران بھیجدیا جائے۔ یہ بیچارے طہران تک نہیں پہنچنے پائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طہران سے تار وصول ہونے پر یہ دونوں خفیہ طور سے تبریز کے گورنر کے سامنے ذبح کر دئے گئے۔ وقت ذبح گورنر کے بھی آنسو نکل پڑے۔ یہ قتل ایک مطبخ میں ۴ر صفر ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۵ر جولائی ۱۸۹۶ء واقع ہوا اور لاشیں کسی کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ وقتِ قتل شیخ احمد کی عمر صرف اکتالیس سال کی تھی (از دیباچہ فلٹ ایڈیشن مطبوعہ کلکتہ)

جیمس موریہ مصنف انگریزی حاجی بابا

قبیلہ موریہ ہیوگونیاٹ خاندان سے تھا جو نانٹس قانون کی منسوخی پر فرانس کو ترک کر کے مانسٹریو کے متصل سوئٹزرلینڈ میں جا بسا۔ اس خاندان کی ایک شاخ لیوانٹ کے وسیلہ سے تجارت کرتی تھی۔ اسکے افراد میں سے ایک اسحاق موریہ تھا جو ۱۷۵۰ء میں سمرنا میں پیدا ہوا اور ۱۸۱۷ء میں بمرض طاعون قسطنطنیہ

میں مرا۔ اسے برطانوی رعایا ہونے کے حقوق حاصل ہوگئے تھے۔ اس لئے لیوانٹ کمپنی کا دو سال قونصل جنرل رہنے کے بعد قسطنطنیہ ہی میں برٹش سفیر مقرر ہوگیا ۱۷۷۵ء میں اسنے ہالینڈ کے کونسل جنرل متعینہ سمرنا کی لڑکی کلیرا وان لینپ سے شادی کی۔ کونسل مذکور کی تین بیٹیاں تھیں اور تینوں حسین جنکی تصویریں جارج رمنے کی بنائی ہوئیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ باقی دو بہنوں کی شادی امیر البحر والڈگریف (جو بعد ازاں ہیرن رڈسٹاک ہوگیا) اور مارکوئس چینبرین سے ہوئی۔

اسحاق موریر کا سب سے بڑا بیٹا جان فلپ (۱۷۷۶ء پیدائش اور ۱۸۵۳ء وفات) اور منجھلا بیٹا داؤد رچرڈ (۱۷۸۴ - ۱۸۷۷) دونوں کے دونو نہایت واقفکار سفیر تھے اور داؤد رچرڈ کا کلوتا بیٹا سر رابرٹ برنٹ داؤد موریر (۱۸۲۶ - ۱۸۹۳) جرمن کے مختلف درباروں اور اسپین اور میڈرڈ اور پیٹرس برگ میں برطانوی سفیر رہا۔ اسحاق کا چوتھا بیٹا ولیم (۱۷۹۰ - ۱۸۶۴) بحری افواج میں داخل ہوا اور ۱۸۶۲ء میں نائٹ امیر البحر کا عہدہ پایا۔ اس کا دوسرا بیٹا جیمس جسٹنیان موریر بڑا معاملہ فہم سفیر تھا۔ لیکن بحیثیت مصنف سرگذشت حاجی بابا زیادہ مشہور ہے۔

جیمس موریر سمرنا میں ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا۔ خاندانی روایت کے مطابق موریر نے بمقام ہارو تعلیم حاصل کی۔ مگر وہاں کے اسکول کے رجسٹروں میں اس کے نام کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ جس زمانہ میں وہ اپنے باپ کے ساتھ قسطنطنیہ میں مقیم تھا۔ اسکا تعارف سر ہارفورڈ جونس سے ہوا اور ۱۸۰۸ء میں ہارفورڈ کے ساتھ پورٹ اسمتھ سے بمبئی روانہ ہوا جہاں سے اسے ایران جانا تھا۔ کیونکہ جونس ایران کا سفیر مقرر ہوکر آیا تھا۔ جونس کو بمبئی میں بہت ٹھہرنا پڑا۔ موریر

بمبئی ہی میں جونس کے پرائیویٹ سکرٹری کے عہدہ سے سکرٹری سفارت کے منصب پر مامور کیا گیا - بالآخر یہ جماعت فصل بہار میں طہران دارالسلطنت ایران پہنچے - سفیر کے پہنچتے ہی شاہ ایران سے ایک مفید معاہدہ ہوگیا '

مئی ۱۸۰۹ء میں مرزا ابوالحسن سفیر ایران کے ساتھ موریر لندن چلا گیا - وہ تبریز - ارض روم اور ایشیا ہوتا ہوا سمرنا پہنچا - وہاں سے قسطنطنیہ اور اس کے بعد نومبر ۱۸۰۹ء میں ہز مجسٹی جہاز فار ڈایبل (Fhebe) پر سوار ہو کر پارٹس ماؤتھ واقع انگلینڈ کو چلا گیا - اسکے سفر کا ابتدائی حصہ ایسے ملک میں واقع ہوا جس کے حالات برائے نام معلوم تھے - یہ حالات اسنے اپنی ایک دلچسپ اور ہردلعزیز کتاب مطبوعہ ۱۸۱۲ء موسومہ سفرنامہ ایران و آرمینیا و ایشیائے کوچک میں بیان کئے ہیں - اس کتاب کا فوراً ہی فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں ترجمہ ہوگیا '

جس زمانہ میں وہ انگلینڈ میں تھا وہ دربار طہران کے سفیر خاص سرگور اوسلے کا سیکرٹری مقرر کیا گیا اور انکے ہمراہ اسپٹ ہیڈ جہاز میں ۱۸۱۰ء کو روانہ ہوا جب سرگور اوسلے ان معاملات کی نسبت گفت و شنید کر چکے جو روس اور فرانس کے اتحاد کے متعلق تھے اور ۱۸۱۲ء میں شہنشاہ ایران سے ایک معاہدہ بھی ہوگیا تو وہ ۱۸۱۴ء میں انگلینڈ واپس آگیا اور موریر کو عارضی طور پر افسر سفارت خانہ طہران بنا کے چھوڑ گیا - ۱۸۱۵ء میں موریر انگلینڈ بلالیا گیا - اور اسنے اسی پہلے راستہ سے یہ سفر کیا '

اسنے ایک کتاب موسومہ سفرنامہ روم و ایران و آرمینیا و ایشیائے کوچک تا قسطنطنیہ میں اپنے تجارب سفر کو بیان کیا ہے - جسکو اسنے ۱۸۱۸ء میں طبع کرایا ۱۸۱۷ء میں اسکی پنشن ہوگئی لیکن ۲۶-۱۸۲۴ء تک وہ مکسیکو میں اسپیشل کمشنر رہا -

جہاں اسنے اس عہدنامہ پر دستخط کئے جو ۱۸۲۶ء میں اس ریاست سے کیا گیا'
اسکی بقیہ زندگی خصوصیت کیساتھ ادبی خدمت سے متعلق ہے اور اس کی تصانیف میں سے سرگذشت حاجی بابا اصفہانی کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اسکی اس کتاب کو فوری کامیابی حاصل ہوئی اور اسکی کوئی سابقہ تصنیف بلحاظ محاسن و ہردلعزیزی اس کتاب پر فوقیت نہ لیجا سکی'

اس کتاب سے ایرانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر نہایت خوبی کے ساتھ روشنی پڑتی ہے اور یہ اس کے ان طویل اور دانشمندانہ مشاہدات کا نتیجہ ہے جو اسے مناسب ترین حالات کے ماتحت میسر آئے۔ جن لوگوں نے اسکے بعد معاشرت۔ رسوم و عادات ایرانی پر قلم اٹھایا ہے۔ ان سے بھی اس کی تحریر کی خوبی کی تصدیق ہوتی ہے'

فی زماننا حاجی بابا ہی موریر کی ایسی تصنیف ہے جس سے لوگ بخوبی واقف ہیں۔ لیکن اس کی بعض دوسری تصانیف کو بھی اچھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور کچھ زمانہ تک وہ بحیثیت ناول نویس کے بھی مشہور رہا ہے۔ دوسرے ناول جنکو قبولیت عامہ حاصل ہوئی حسب ذیل ہیں :-

زہراب میرعمال مطبوعہ ۱۸۳۲ء عایشہ دوشیزہ فارس مطبوعہ ۱۸۳۴ء - سرگذشت ٹام اسپائسر مطبوعہ ۱۸۴۰ء - ایک نظم موسومہ مرزا مطبوعہ ۱۸۴۲ء مسلمہ ایک ایرانی افسانہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء - مارٹین ٹاؤٹ رنڈ یا فرانسیسی لندن میں مطبوعہ ۱۸۴۹ء جسے اُسنے فرانسیسی زبان میں لکھا اور خود ہی انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اسکا انتقال ۱۹ - مارچ ۱۸۴۹ء میں تقریباً ستر برس کی عمر میں ہوا - سروالٹر اسکاٹ نے اپنے ناول طلسمات میں معاشرت مشرقی کی تفسیر اور تصویر کھینچنے میں اپنی کمزوری کا اعتراف کیا ہے اور اس خصوصیت میں

حاجی بابا کی بے حد تعریف کی ہے ' (از مقدمہ انگریزی حاجی بابا) '

وکلائے مرافعہ

حاجی بابا اور سیاحت نامہ تو ناول ہیں مگر یہ کتاب ڈراما ہے۔ مکالمہ (ڈائیلاگ) منشیانہ عبارت سہل کے ضمن میں ڈرامے سے تعلیم تہذیب۔ اخلاق و اصلاح رسوم و عادات مقصود ہوتی ہے۔ حکماء عصر کا خیال ہے کہ عیوب و قبائح کے دُور کرنے میں تمسخر اور تضحیک سے جو کام نکلتا ہے اتنا کام پند و بند نہیں دیتے '

اس کتاب کی عبارت ٹھیٹھ (کلو کیل) فارسی ہے اور وکلا کی جعلسازیوں کو دکھایا گیا ہے کہ جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے کن کن چالاکیوں اور مکاریوں سے کام لیتے ہیں تاکہ مقدمہ کو کامیاب بنائیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام وکلائے مرافعہ رکھا ہے ورنہ ہیرو اس ڈرامے کا عزیز بیگ اور ہیروئن سکینہ خانم حاجی غفور کی بہن ہے '

زبان حال فارسی میں بہت سے مصادر۔ نو ایجاد چیزوں کے نام بڑھ گئے ہیں یا انکا نام اپنی زبان میں رکھا ہے۔ یا یورپ کی کسی زبان سے علی الخصوص فرانسیسی سے مفرس کیا ہے اور ان جدید الفاظ کی مقدار دس بارہ ہزار سے کم نہیں جملوں میں نشست الفاظ بھی بہت کچھ نئی ہو گئی ہے '

ایرانی ڈرامہ

جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا تو اسکندریہ کی طرح ایران کا کتبخانہ

نوٹ: اگر شاد وال کے حالاتِ زندگی دیکھنا ہوں تو انکی شرح مرد خیس مطبوعہ دیوان پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۲۰ء دیکھئے * نیز فرہنگ سیاحت نامہ ابراہیم بیگ جلد دوم جسکو شیخ مبارک علی بک سیلر لاہور نے چھپوایا ہے

بھی جلا دیا اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ ابتداء اسلام میں لوگ پابند مذہب تھے اور دوسرے ادیان کی کتابوں کو کفر و ضلالت کی کتابیں سمجھتے تھے اسلئے جلا دیا۔ اس واقعہ سے انکار کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی قدیم علوم و فنون کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کچھ زردشتی مذہب کی معدودے چند کتابیں آتش پرستوں کے ہاتھ میں رہ گئی ہیں۔ اسلام سے پہلے کا ایک شعر بھی اصلی فارسی کا نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ پہلی صدی ہجری کا بھی کوئی شعر عربی آمیز فارسی کا بھی نہیں ملتا۔ قیاس اسے قبول نہیں کرتا کہ ایک متمدن قوم میں شعر اور ڈرامے کا وجود نہ ہو۔ جبکہ ہندوستانیوں اور ایرانیوں کو ایک ہی نسل ایرین سے بتایا جاتا ہے اور ہندوستان میں شعر اور ڈراما مع اصول اور ریفائنڈ پایا جاتا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ایران میں ان کا وجود نہ ہو۔

یوں تو قصہ کہانی کا ہر ملک میں اور ہر قوم میں مدت دراز سے وجود ہے مگر بحیثیت تمثیل اس فن کا عرب میں ہونا نہیں پایا جاتا۔ البتہ کچھ عورتیں پیشہ ور ہوتی تھیں۔ جنکو کسی کی موت پر بلایا جاتا تھا۔ اور یہ مجلس ماتم برپا کر کے اشعار حزن انگیز سے سوگواروں میں جذبۂ غم و الم کی تحریک کرتی تھیں۔ ان عورتوں کو نوائح و ماتم کہتے تھے اور مراثی بھی عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حماسہ میں ایک باب ہی مراثی کا ہے اسکو ناقص نمونہ تمثیل کا کہہ سکتے ہیں۔

اسلام میں تشبیہ و تمثیل و تقلید وغیرہ کا شمار لہو و لعب میں ہے۔ اور اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے خلفاء بنی عباسیہ کے زمانہ میں جب علوم و فنون یونانی سے عربی میں لائے گئے۔ تب بھی یہ فن لطیف عربی میں ترجمہ نہیں کیا گیا۔ میرے خیال میں ممانعت قانون اسلام اسکی طرف عدم توجہ کی وجہ وجیہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب خلفاء عباسیہ ایرانی عظمت و جلال و تمدن و تعیش

سے متاثر ہوئے تو جن شعراء عرب کے اشعار راگ اور راگنیوں میں گائے گئے۔
ان پر ایک مستقل کتاب اغانی لکھی گئی۔ ابونصر فارابی فن موسیقی کے بڑے ماہر
تھے اور اس فن میں ان کی تصانیف موجود ہیں۔ صفی الدین عبدالمومن ارموی نے
رسالۂ شرفی شرف الدین ہارون کے نام پر لکھا۔ اور فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔
باوجودیکہ اسلام میں غنا حرام ہے۔ اسی طرح جب انگریز مصر میں دخیل ہوئے۔
اور یورپین تمدن وہاں پھیلا تو باوجودیکہ اہل مصر بھی عرب اور مسلمان ہیں۔ پھر بھی
باوجود ممانعت لہو و لعب بہت سے انگریزی اور فرانسیسی ڈراموں کے تراجم
مصریوں نے عربی میں کئے۔ چنانچہ مصر کے مشہور ڈرامانسٹ شیخ نجیب امداد
مصری کا ڈراما الطبیب المغصوب جو مولیر کے ایک ڈرامے کا ترجمہ ہے بہت مشہور
ہے۔ مولیر کے اسی ڈرامہ کا ترجمہ طبیب اجباری کے نام سے ایران میں بھی ہوا۔
یہ تماشا ہندوستان کے پارسی ناٹکوں میں بھی کھیلا جاتا تھا۔ عربوں میں تمثیل کا
وجود اب بھی نہیں۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ عربوں میں فن ڈرامہ کا نہ ہونا ارتقاء
تمدّن کی کمی کی دلیل ہے۔ قبول اسلام سے پہلے کا علم ادب فارسی مفقود ہے
مگر قبول اسلام کے بعد چونکہ یہ قوم بہ نسبت عرب کے ہمیشہ سے متمدّن تھی۔
اس لئے گو حالت ابتدائی میں سہی مگر پھر بھی اس کا وجود ایران میں پایا جاتا ہے
جو دو قسموں پر منقسم ہو سکتا ہے (۱) تمثیل انفرادی (۲) تمثیل مجلسی،

تمثیل انفرادی میں ایک ہی شخص کسی واقعہ یا قصہ کو نظم یا نثر میں بطور
نقل اس طرح بیان کرتا ہے کہ اسکی تصویر سامعین کے سامنے کھینچ دیتا ہے۔
جس کا نقشہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد مرحوم نے اپنی کتاب سخندان پارس
میں اس طرح کھینچا ہے :-

ایران کے بازاروں میں اور اکثر قہوہ خانوں میں ایک شخص نظر آئیگا جو کھڑا

داستان کو بہ رہا ہے اور لوگوں کا انبوہ اپنے ذوق و شوق میں مست اسے گھیرے ہوئے ہے۔ ہر مطلب کو نہایت فصاحت کے ساتھ نظم و نثر سے مرصع کرتا ہے اور صورت ماجرا کو اس تاثیر سے ادا کرتا ہے کہ سماں باندھ دیتا ہے۔ کبھی ہنسیا ربھی لگائے ہوتا ہے۔ جنگ کے معرکہ یا غصہ کے موقع پر شیر کی طرح بپھر جاتا ہے۔ خوشی کے محل پر اسطرح گاتا ہے کہ سامعین وجد کرنے لگتے ہیں۔ الغرض غیظ و غضب۔ عیش و طرب۔ غم و الم ہی کی تصویریں اپنے بیان سے نہیں کھینچتا ہے بلکہ خود اسکی تصویر بنجاتا ہے۔ اسے در حقیقت بڑا صاحب کمال سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اکیلا ہوکر ان مختلف کاموں کو پورا پورا ادا کرتا ہے جس کو کہ تھیٹر میں ایک سنگت کرتی ہے۔ ایسے ممثلوں کو قصہ خواں کہتے ہیں'

سر جان مالکم اپنی کتاب تاریخ ایران میں ان قصہ خوانوں کی نسبت اس طرح رقمطراز ہیں:۔

اوضاع سلطنت کے سامانوں میں سے ایک قصّہ خواں بھی ہے جس کو نقال شاہ کہتے ہیں۔ اس منصب والے کو تاریخ سے باخبر۔ اخبار و اشعار و نوادر و نکات سے واقف اور دقیقہ یاب و نکتہ سنج ہونا لازم ہے۔ ایرانیوں کے پاس اسباب تماشا بہت ہیں۔ لیکن تقلید کا رواج جس طرح یورپ میں ہے ان کے یہاں نہیں مگر ان کے قصّہ خواں تن تنہا وقت تقریر حکایت مجلس (ایکٹ) ایک پوری سنگت ہوتے ہیں۔ حسب اقتضاے حالت اشخاص مختلفہ مثلاً حالت غضب و حلم و عقل و عشق و سرور و غم و سلطنت و گدائی۔ امارت و چاکری۔ فرمانروائی و فرمانبری میں تبدیل حرکات و تغیر آواز وغیرہ ایک شخص واحد میں پائے جاتے ہیں'

بعض قصہ خواں اس فن کو خاص طور پہ سیکھتے ہیں اور ان کا یہی پیشہ ہوتا ہے۔ جس طرح ہندوستان میں داستان کو تعلیم حاصل کرکے داستان طلسم ہوشربا یا داستان امیر حمزہ کہتے ہیں۔

بعضے شاہنامہ کی داستانیں یا کوراوغلی کا قصّہ بیان کرتے ہیں جو ایک ڈاکو تھا جیسے ہندوستان میں سنتھیے شاہی فقیر واقعات غدر یا واقعہ امیر علی کو ہاتھ میں پہنے ہوئے لوہے کے کڑوں کو ڈنڈوں سے بجا بجا کے نظم میں بیان کرتے ہیں۔ روضہ خوان کو جسے ہندوستان میں حدیث خوان۔ واقعہ خوان یا نثار کہتے ہیں۔ اسی تمثیل انفرادی کا ایک مذہبی مقلد کہا جا سکتا ہے، جو واقعات حضرت امام حسین علیہ السلام کو مؤثر طریقہ سے بیان کرکے سامعین کو مصروف نوحہ و بکا رکھتا ہے۔

تمثیل مجلسی میں پوری سنگت (کمپنی) کام کرتی ہے۔ اس تماشے کو فارس (Farce) کہنا مناسب ہوگا۔ ان ایکٹروں (ممثل۔ مقلد۔ نقال) کو تماشاچی عاشق اور لوطی کہتے ہیں۔ اس جماعت میں نقال بھی ہوتے ہیں جو گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر پھرتے رہتے ہیں اور باجوں کے ساتھ گاتے بجاتے ہیں۔ مداری اور بازیگر بھی جزو تماشا ہوتے ہیں جو اثنائے نقل میں اپنے جانوروں اور کرتب سے لوگوں کو خوش کرتے ہیں۔

عشرۂ محرم میں چالیس گز مربع ایک چبوترہ میدان میں بناتے ہیں جسے سکو کہتے ہیں۔ یہ چبوترہ قد آدم بلند ہوتا ہے۔ اس کے گرد دس فٹ چوڑا راستہ مشبہین کی آمد و رفت کے لئے چھوڑا جاتا ہے اور اس راستہ کے بعد زائرین کی نشست کا انتظام ہوتا ہے۔ معرکہ کربلا کا سین جب دکھایا جاتا ہے تو پہلے توپ کا فیر ہوتا ہے۔ سب سے پہلے سقاؤں کی ایک جماعت مشکیں لئے "بیاد تشنہ

لب کربلا" کے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوتی ہے - یہ گویا حضرت عباس علمدار
کے پانی لانے کے لئے فرات پر جانے کی شبیہ ہے - اسی سے ماتم شروع ہوتا
ہے - اس کے بعد تعزیہ کے دوسرے ارکان داخل ہوتے ہیں - جن میں جناب
رسالت مآب اور دوسرے انبیا - فرشتے - پنجتن پاک اور دیگر اہلبیت - حر - یزید
ابن سعد - شمر وغیرہ شامل ہوتے ہیں - جو لوگ ان مقدس ہستیوں اور خاندان
عترت وطہارت کی خواتین کی شبیہیں بنتے ہیں ان کے چہروں پر نقاب پڑی
ہوتی ہے تاکہ ادب ملحوظ رہے اور تساوی نہ پائی جائے - جو لوگ شمر و یزید
و عمر سعد کی شبیہ بنتے ہیں انکی صرف زبانی لعنت ہی سے گت نہیں بنائی جاتی
بلکہ بعض اوقات ان پر پتھر برسانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا - اس جماعت
کو تعزیہ گردان کہتے ہیں - تعزیہ کا وہ مصداق نہ سمجھنا چاہیئے جو ہندوستان
میں بانس - ابرک - لکڑی یا سونے چاندی سے بناتے ہیں - اس قسم کا تعزیہ
تو ہندوستان کے سوا عرب وعجم میں نہیں پایا جاتا - تمثیل انفرادی و مجلسی میں سے
ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں (۱) تمثیل بہجت (کامڈی) (۲) تمثیل غم (ٹریجڈی)،
یہی دو ناقص صورتیں ایران میں پائی جاتی ہیں لیکن جب قفقاز (کاکیشیا)
اور اس کے ملحقات سلطنت روس میں شامل ہوگئے تو شہر تفلیس میں اس کے
عامل - ایم - دارنسوف نے ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں منجملہ دیگر اصلاحات
اہل شہر کی تفریح کے لئے ایک تھیٹر بھی قائم کیا جس میں یورپین زبانوں کے
ڈرامے ایکٹروں کے ذریعہ سے نقل ہونا شروع ہوئے - اس تماشہ خانہ کا ذکر
شہنشاہ ناصر الدین قاچار مرحوم اپنے سفرنامہ میں اس طرح فرماتے ہیں :-
ایک مختصر عمارت چونا کاری کی ہے - ایک جھاڑ نکل کا گیس سے روشن
کیا جاتا ہے - تھیٹر کا ہال عہدہ داران روس سے بھرا ہوا تھا - تقریباً دو سو

نشستیں ہیں ۔ بینڈ خوب بجاتے تھے ۔ پردہ اٹھا ۔چند ایکٹ دکھلائے ۔زبان روسی میں باتیں کرتے اور گاتے تھے ۔گانا اور ناچنا خوب تھا ۔قصہ بہت بامزہ اور مضحک تھا ۔ روسی مرد اور عورتیں حسین تھے ۔ ایک فرانسیسی رقاصہ بھی تھی ۔ نہایت حسین ۔خوب ناچتی تھی ۔ دو سال ہوئے کہ یہاں آئی ہے (زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ناٹک ساگر دیکھئے)

اصلی مصنّف وکلاء مرافعہ اور اسکی وجہ تصنیف

اس ناٹک کے کھیلوں کا اثر مرزا فتح علی آخوند زادہ کے دل پر بہت ہوا ۔ یہ شخص تاتاری نسل کا تھا ۔ اس کے آبا و اجداد کا وطن قراچہ داغ تھا ۔ اس کا باپ دربند میں پیشۂ معلمی کیا کرتا تھا ۔ اسی وجہ سے اسے آخوند زادہ کہتے تھے ۔ روسی رعایا ہونے کی وجہ سے وہ روسی فوج میں داخل ہوا اور ذاتی قابلیت اور حسن کارگذاری کی وجہ سے قاپووان (کپتان) کے ممتاز عہدہ تک ترقی کی ۔آخر عمر میں وہ تفلیس میں مقیم ہو گیا ۔

اسنے علوم متداولہ میں اچھی تعلیم پائی تھی اور یورپین رسوم و تہذیب کا بیحد دلدادہ تھا ۔ اپنی قوم کے نقائص سے بھی واقف تھا ۔ اسنے تفلیس کے اس ناٹک کی کامیابی اور اس کے فوائد سے متاثر ہو کر آذری ترکی میں جو فارسی اور ترکی کا مجموعہ ہے ایک تاریخی حکایت اور چھ تمثیلیں اس ناٹک میں کھیلے جانے کیلئے تصنیف کیں ۔جن کے نام بقید سنوات حسب ذیل ہیں ۔ان میں سے اکثر کی بنیاد فرانسیسی ڈراما نگار مولیر کی کامڈیوں پر ہے ۔

(۱) حکایت ملا ابراہیم خلیل کیمیاگر ۔ ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء

(۲) موسیو ژوردان (حکیم نباتات) ۔ ۱۲۶۷ھ ״ ۱۸۵۰ء

(۳) خرس قولدور باسان یعنی خرس دزد افگن ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء

(۴) سرگذشت وزیر خاں لنکران (سراب) ۱۲۶۸ھ " ۱۸۵۱ء

(۵) مرد خسیس ۱۲۶۹ھ " ۱۸۵۲ء

(۶) وکلاء مرافعہ ۱۲۷۲ھ " ۱۸۵۵ء

(۷) رقصہ یوسف شاہ سراج ۱۲۷۲ھ " ۱۸۵۵ء

پھر ان سب کو ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں ایک ساتھ ساتوں کتابیں تفلیس میں بنام تمثیلات قابو وان مرزا فتح علی آخون زادہ چھپواکر شائع کیا اور اپنے افسر جرنیل بریاتکسی کے نام پر معنون کیا۔ ان کے تراجم فارسی جو مرزا جعفر قراچہ داغی نے کئے ہیں۔ ان میں سے مرد خسیس اور وکلاء مرافعہ کی شرح مع مقدمہ بسیط بر ڈراما و فرہنگ ۔ اور فرہنگ وزیر خاں لنکران و حکیم نباتات میں نے لکھی ہے ۔ جنکو شیخ مبارک علی بک سیلر اندرون لوہاری دروازہ لاہور نے چھاپا ہے ۔ گو باقی چار تمثیلوں کی بھی میں نے فرہنگ لکھی ہے ۔ مگر وہ چھپی نہیں ،

مرزا جعفر قراچہ داغی مترجم تمثیلات مذکور از ترکی بہ فارسی

شاہزادہ جلال الدین مرزا جیسے خود صاحب علم تھے ویسے ہی قدردان اہل علم وکمال بھی تھے ۔ بہت سے اہل قلم ان کے ذاتی ملازم تھے ۔ چنانچہ مرزا جعفر قراچہ داغی بھی ان کے نوکر تھے ۔ مرزا جعفر کا تخلص تحقیق بتایا جاتا ہے ۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ شاعر بھی تھے ،

کوئی تذکرہ یا تاریخ ایسی نہ ملی جس میں اس باکمال کے حالات زندگی درج ہوں ۔ ہاں اس کے خود بیان کردہ واقعات سے جو مسٹر سڈنی چرچل نے جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی مطبوعہ ۱۸۸۶ء میں شائع کئے ہیں۔ ان سے

اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی پیدائش ۱۸۳۲ء میں ۔ قراچہ داغ میں ہوئی۔ کپتان فتح علی مرزا سے اس کا دور کا رشتہ بھی تھا۔ اسکی زوجہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا اور مرحومہ کی یادگار صرف ایک اکلوتی بیٹی تھی جسے وہ بہت چاہتا تھا'

وہ ایران کی مروجہ تعلیم کو ناپسند کرتا تھا اور نصاب تعلیم جو اس ملک میں جاری تھا وہ ایسا نہ تھا کہ طلبہ میں صحیح قابلیت پیدا کر سکے ۔ اسلئے اس کو یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کسی طرح اس نصاب کی اصلاح کی جائے ۔ اتفاقاً ایک دن اسی فکر میں اسے اپنے مربی شاہزادہ جلال مرزا کے کتب خانہ میں مرزا فتح علی کی تمثیلات کی وہ جلد جو اسنے شاہزادہ کو ہدیۃً بھیجی تھی ہاتھ لگی۔ اسنے اس کتاب کو بڑے شوق سے پڑھا اور اسقدر محظوظ ہوا کہ اسی وقت سے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہو اسکے ترجمہ فارسی کی تمنّا کو پورا کرنا چاہیے ۔ چنانچہ سب سے پہلے ملا ابراہیم خلیل کیمیا گر کا ترجمہ ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں کر کے شاہزادہ کے سامنے پیش کیا ۔ شہزادہ اسکی خوبیاں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور مترجم کی حوصلہ افزائی کر کے باقی حصّوں کے جلد تراجم کرنے کی تاکید کی ۔ چنانچہ ۷ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ کو موسی ژوردان کا ترجمہ مکمل کیا'

یہ دونوں ترجمے شائع نہ ہونے پائے تھے کہ شاہزادہ کا انتقال ہو گیا اور مرزا جعفر کی نوکری جاتی رہی ۔بیکاری میں اسے بہت دشواریاں پیش آئیں ۔ کبھی کبھی کوئی نوکری مل جاتی تھی ۔ مگر مستقل ذریعہ معاش کوئی نہ تھا ۔تاہم اس نے ہمّت نہ ہاری اور ترجمہ کا کام برابر جاری رکھا ۔چنانچہ خرس قولدور بسان۔اور حکایت یوسف شاہ سراج کے تراجم ۱۲۹۰ھ میں ختم ہوئے اور سرگزشت وزیر خان لنکران و مرد خسیس و وکلائے مرافعہ کے تراجم ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئے ۔ پھر اسی سن میں چھئوں تمثیلیں مع قصّہ یوسف شاہ سراج کو اکجائی طہران سے شائع کیا۔ اور

مرزا فتح علی مصنف اصلی کے پاس اسے تفلیس بھیجا جنے انہیں بہت پسند کیا اور اپنے خطوط میں مترجم کے مساعی کی بہت تعریف کی۔

۱۸۸۶ء میں فرانسیسی کونسل متعینہ تبریز نے مصنف اور مترجم کے حالات پر ایک نوٹ لکھ کے پروفیسر جی باربرڈی مینارڈ کو بھیجا جس کا انگریزی ترجمہ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابت ۱۸۸۶ء میں درج ہے۔ اس سے مصنف اور مترجم کے تعلقات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اقتباس از جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن

مرزا جعفر ایرانی حج کے ارادہ سے تفلیس میں سے گذر رہا تھا کہ وہیں مرزا فتح علی سے شناسائی ہوگئی اور دونوں میں اتحاد پیدا ہوگیا۔ مرزا جعفر کی ملاقات وہاں کے چند آزاد منش ایرانیوں سے بھی ہوئی۔ جن کی صحبت کے اثر سے وہ ارادہ حج سے دست بردار ہو کر تفلیس میں مقیم ہوگیا اور سلطنت روس کی ملازمت بھی کرلی۔ اس مدت میں اپنے دوست مرزا فتح علی کی تمثیلات کا فارسی میں ترجمہ کیا اور تفلیس ہی میں ۱۸۸۳ء میں اسکا انتقال اکاون برس کی عمر میں ہوا۔ دس ہزار تومان ترکہ چھوڑا۔ جو اس کے وارثوں نے تفلیس جاکر وصول کیا۔

لیکن مرزا جعفر کو ان باتوں سے انکار ہے۔ اس کے ذاتی بیان کا بھی خلاصہ اسی جرنل میں حسب ذیل درج ہے :-

(۱) مرزا جعفر کے پاس اتنا روپیہ کبھی نہیں ہوا جسکا ذکر اوپر درج ہے۔
(۲) مرزا جعفر کبھی تفلیس نہیں گیا اور نہ مرزا فتح علی ہی سے کبھی ملاقات ہوئی۔
(۳) البتہ دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا اور وہ بھی تمثیلات کے ترجمہ کے زمانہ میں۔

(۴) مرزا جعفر ۱۸۸۶ء تک زندہ تھا اور ۱۸۸۲ء سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے گوشہ نشین ہوگیا تھا اور ناقدری ابنائے زمان کا شکوہ سنج تھا،

مترجم کو عمر بھر اس امر کی شکایت رہی کہ ایرانیوں نے اس کی عملی قدر دانی نہ کی چنانچہ یہ کتاب نہ تو ایران میں کسی ورس میں داخل ہوئی اور نہ ناٹکوں میں اس کے تماشے کھیلنے کی نوبت آئی۔ کیونکہ ایران میں اسوقت تک کوئی تھیٹر تھا ہی نہیں۔ یورپین مستشرقین نے البتہ ان تمثیلات کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ چنانچہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ان کے تراجم اور فرہنگیں شائع ہوئیں،

الگزینڈر راجرس نے وکلاے مرافعہ۔ خرس قولدوربسان اور حکیم نباتات کوایک ساتھ مع ترجمہ لفظی بزبان انگریزی و فرہنگ و مقدمہ مختصر شائع کیا اور اسکا نام اے راجرس پرشین پلیز رکھا۔ یہ ترجمہ اغلاط سے پُر ہے۔ . . . . .
. . . . اور سرگذشت وزیر خان لنکران کا ترجمہ ہیگر ڈلیسٹر ینج نے کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک بسیط دیباچہ ہے۔ جس میں خصوصیات فارسی زبان حال سے بحث کی گئی ہے اور فرہنگ بھی اس کیساتھ ہے۔ کراس بی لاک وُوڈ اینڈ سن نے لندن میں چھاپا۔ اس کے بعد ممبرز بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ نے بھی اسے چھپوایا (اب یہ بورڈ دہلی میں آگیا ہے) پروفیسر جی بار بی اے ڈی مینارڈ نے خرس قولدورباسان۔ وکلائے مرافعہ۔ ابراہیم خلیل کیمیاگر کا ترجمہ فرانسیسی مع دیباچۂ طویل اور حواشی قومی پریس میں چھپوایا۔ مرد خسیس اور حکایت یوسف شاہ سراج مترجمہ ومطبوعہ لندن پریس میں نے نہیں دیکھیں۔ البتہ ساتوں مجلسیں اکجائی مطبوعۂ طہران کتب خانہ ریاست رام پور میں مَیں نے دیکھی تھیں۔ مرزا محمد ملک الکتاب شیرازی نے سرگذشت وزیر خان لنکران۔ وکلاے مرافعہ۔ موسی ژوردان کو ایک ساتھ بمبئی سے شائع کیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن سے

ایک مجلس کم کر دی - لاہور میں علاوہ خلیل کیمیا گر کے چھٹوں مجلسیں علیحدہ علیحدہ چھپ گئی ہیں اور ان میں سے اکثر نصاب ایم - اے منشی فاضل - منشی عالم اور منشی اور میٹرک میں پنجاب یونیورسٹی نے داخل کی ہیں - بعض ان میں کی دوسری یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی داخل ہیں - سول اور ملٹری افسروں کے امتحان کے نصاب میں بھی ان میں سے بعض داخل ہیں '

ان تمثیلوں کے شائع ہوتے ہی ایرانی اہل قلم نے اپنے یہاں اس فن کی ترویج و ترقی میں توجہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس فن کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں - جن میں سے اکثر مترجمہ ہیں - منجملہ ان کے شیکسپیر کی کتاب ہنری چہارم کا ترجمہ انگریزی سے اور مولیر کے متعدد ڈراموں کا ترجمہ جن میں سے طبیب اجباری بہت مشہور ہے فرانسیسی سے اور تیاتر ضحاک کا جس میں ضحاک اور فریدوں کا قصہ خالص تاریخی رنگ میں بیان کیا گیا ہے ترکی سے ترجمہ کیا گیا '

ہزار و یک کابوس فرانسیسی تاریخ کا فارسی ترجمہ جس میں انقلاب عظیمہ فرانس کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں - از تصانیف الگزینڈر دوما ۱۳۲۳ھ میں طہران میں طبع ہوئی '

شرلوک ہومس از تصانیف کونن ڈائل مطبع خورشید طہران میں ۱۳۲۳ھ میں چھپی '

عروس مجبوری از تصانیف مولیر شاعر فرانساوی ۱۳۳۱ھ میں چھپی '

عاشق و معشوق ایک ڈراما فارسی میں فرانسیسی سے ترجمہ کر کے ۱۳۳۴ھ میں مطبع طوس میں چھپا '

طہران مخوف یا یادگار یک شنبہ ۱۳۴۲ھ میں کاویانی پریس برلن میں چھپا '

تیاتر مرزا ملکم خان تین تمثیلوں کا مجموعہ کاویانی پریس برلن میں چھپا '

بوسۂ عذرا - سہ تفنگدار - جیجک علیشاہ - رستم و سہراب و دختر فرعون وغیرہ ڈرامے ایران میں ترجمہ ہوکر چھپ چکے ہیں،

باذاق مستورات نے بھی ڈراموں کی طرف توجہ کی - چنانچہ تاج ماہ آفاق الدولہ ہمشیر آقائے مرزا اسمٰعیل خان اجودان باشی نے نامۂ نادری، نادر شاہ کے عروج و زوال کے حالات کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔

سیّد اولاد حسین شادان بلگرامی

خزائنِ مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری

فقہ و عقائد شیعہ فارسی

۱- کامل بہائی - دیکھو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال عدد ۱۱۰۲،

[اوراق ۲۵۷؛ سطور ۲۰، شکستہ آمیز - کرم خوردہ - تقطیع ″۱۱½ × ″۸ : ″۹½ × ″۶]

حسن بن علی بن محمد بن حسن الطبری کی مشہور و معروف کتاب اصول فقہ شیعہ کے متعلق جو ۶۷۵ھ اور ۶۷۸ھ کے درمیان تصنیف ہوئی،

تاریخ کتابت - ۱۰۰۱ھ، کاتب - سید نجف علی ولد سید ودیعت مدار بن سید محمد مراد حسینی،

۲- بیان الاحسان [اوراق ۵۳، سطور ۱۶ - نسخ تقطیع ″۷ × ″۴½ : ″۵ × ″۳½]

علاء الدین سمنانی (المتوفی ۷۳۶ھ) کا رسالہ چار فصلوں میں،
کاتب۔ عبد الصمد بن حسن حاجی بن منگلی حاجی اوتلی،
تاریخ کتابت ندارد،
مضامین: فصل اوّل i ۔ در الہیات
" ii ۔ در نبوات
" iii ۔ در ولایات
" iv ۔ در بیان حقیقت نام این رسالہ

۳۔ تحفۃ الحسینیہ ۔ دیکھو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال عدد ۱۱۲۹،
[اوراق ۸۵ ۔سطور ۱۱-۱۲ شکستہ ۔تقطیع ۷ × ۴ : ۶ × ۲]
مذہب شیعہ کے اصول عقاید کے متعلق رسالہ از محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانی
اصفہانی (المتوفی ۱۲۰۵ھ)،
اس پر حسین بخش کی مہر ہے،
تاریخ کتابت ۱۳۰۲ھ، کاتب ۔ شیخ رضا علی، بپاس خاطر میر
احمد علی خان،

۴۔ شرح صغیر [اوراق ۴۰ ۔سطور ۱۴ ۔ نسخ ۔تقطیع ۶ × ۳½ : ۴ × ۲]
آقا سید علی کی کتاب شرح صغیر کا فارسی ترجمہ از محمد علی بن محمد شریف بہبہانی
یہ حج بیت اللہ کے قواعد و ارکان سے متعلق ہے ۔ اس کے ساتھ ایک تتمہ
بھی ہے،
کاتب ندارد، تاریخ کتابت ۱۲۳۰ھ

۵۔ جامع عباسی ۔ دیکھو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ عدد ۱۱۱۲ تا ۱۱۱۳،
[اوراق ۱۸۸ ؛ سطور ۱۵ ۔ نستعلیق ۔تقطیع ۹×۵ : ۶½ × ۳]

بہاء الدین عاملی (المتوفی ۱۰۳۰ھ) کی کتاب عقاید شیعہ کے متعلق جو شاہ عباس صفوی (۹۹۵ - ۱۰۳۷ھ) کے نام پر لکھی گئی،

کاتب محمد علی، تاریخ کتابت - محرم ۱۱۹۰ھ

۶ - حاشیہ جامع عباسی - دیکھو کشف الحجب - ص ۱۷۲

[اوراق ۲۱۸ - سطور ۲۵ - نیم شکستہ - تقطیع ½۹ × ½۵ : ½۸ × ۴]

حاشیہ شیخ محمد بن علی بن خاتون العاملی العیناثی (۱۰۵۴ھ) نے لکھا،

کاتب - محمد علی بن آقا محمد باقر دانشمند خانی لکھنوی

تاریخ کتابت - ۱۱۸۰ھ

۷ - احزان الصدور [اوراق ۵۷ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹×۵ : ۶×۳]

صدر الدین محمد بن زبردست خان کا رسالہ حضرات اہل بیت کے مصائب کے ذکر میں (۱۰۳۲ھ)،

کتاب کے شروع میں مصنف کی مُہر مورخہ ۱۰۳۲ھ موجود ہے،

۸ - معارف الصدر - [اوراق ۴۱ - سطور ۱۶ - نستعلیق - تقطیع ½۹ × ½۵ : ½۶×۳]

اسی مصنف کا ایک اور رسالہ " امام غائب " کے متعلق کتاب کے شروع میں مُصنف کی مُہر مؤرخہ ۱۰۳۲ھ موجود ہے،

۹ - تبصرۃ الناظرین [اوراق ۱۰ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ½۵ : ۶ × ۳]

رؤیۃ باری تعالٰے کے بارے میں اسی مُصنف کا رسالہ جس میں معتزلہ اور اشاعرہ کے اعتقادات کا ردّ کیا ہے،

تاریخ کتابت - محرم ۱۱۳۵ھ

۱۰ - صراط الصّدر [اوراق ۲۳ - سطور ۱۵ - شکستہ آمیز - تقطیع ۹×۵ : ½۶ × ۳]

اسی مصنف کا اصول اسلام پر رسالہ،

۱۱- طریق الصّدر - اس کے ساتھ اسی مضمون پر ایک اور رسالہ ہے جس پر مصنّف کی مُہر موجود ہے ؛

تاریخ کتابت - ۸ ر ذوالقعدہ ۱۲۲۷ھ ؛

۱۲- اعلام المحبّین [اوراق ۳۰ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۸×۵½ : ۶×۴]

لوحی سبزواری حسینی کا رسالہ عقائد اسلام (شیعہ) کے متعلق (۱۰۳۶ھ)

کاتب و تاریخ کتابت ندارد ؛

۱۳- حدیقۃ المتقین [اوراق ۱۷۶ - سطور ۲۱ - نسخ - تقطیع ۸×۴½ : ۶½×۳½]

ملّا محمد تقی مجلسی اصفہانی (المتوفی ۱۰۷۰ھ) کا کتاب عقاید اسلام پر شیعہ نقطۂ خیال سے ؛

تاریخ کتابت و کاتب ندارد ؛

۱۴- ایضاً - [اوراق ۳۷۵ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ۱۱×۷ : ۶½×۳½]

اسی کتاب کا ایک اور نسخہ ؛

کاتب - فیض علی ؛

۱۵- گوہر مراد - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - عدد ۳۷۴ ؛

[اوراق ۱۲۵ - سطور ۲۴ - نستعلیق - تقطیع ۸×۶ : ۵½×۴]

مذہب شیعہ کے متعلق مشہور کتاب از لاہیجی مصنّف مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز ؛

یہ نسخہ غیر مکمّل ہے ؛

۱۶- مجموعہ رسایل فقہ [اوراق ۷۷ - سطور ۱۷ - نسخ - تقطیع ۹×۶ : ۶×۳½]

۱- کتاب الصوم از سید محمد باقر بن محمد تقی رشتی (المتوفی ۱۲۶۰ھ)

۲- مختصر جواب و سوال مختلف مسائل نماز و طہارت پر

۳- فتاوی
تاریخ کتابت - شوال ۱۲۴۵ھ
کاتب ندارد

۱۷- رسالہ شکیات [اوراق ۲۴ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۹×½۶:۶×½۳]
نماز میں سہو اور شک کے متعلق رسالہ من تصنیف سید محمد باقر بن محمد تقی موسوی رشتی (المتوفی ۱۱۰۰ھ)
تاریخ کتابت - ۲۰ رشوال ۱۲۴۵ھ

۱۸- بدایۃ الہدایہ دیکھو کشف الحجب ص ۸۲
[اوراق ۹۲ - سطور ۱۵ - نسخ - تقطیع ۸×½۴ : ۵×½۲]
محمد بن الحسن الحر العاملی کا رسالہ فقہ شیعہ کے متعلق
کاتب ندارد
تاریخ کتابت ۱۱۱۴ھ

۱۹- حق الیقین - دیکھو ریو - ج ۱ - ص ۳۳
[اوراق ۳۲۰ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ½۱۱×½۶ : ۹×۵]
ملا محمد باقر بن تقی مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) کا رسالہ عقاید شیعہ میں (۱۱۰۹ھ)
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۲۰- تتمہ تحفۃ الزائر - دیکھو بوہار لائبریری کیٹالاگ - ج ۱ - ص ۹۲
[اوراق ۱۸۴ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ½۸×۶ : ½۶×۴]
ملا محمد باقر مجلسی کی کتاب عقاید شیعہ کے بارے میں
کاتب - سید علی   تاریخ کتابت - صفر ۱۲۶۵ھ

۲۱۔ **عین الحیوٰۃ** ۔ دیکھو کشف الحجب ۔ ص ۳۸۷
[اوراق ۳۰۵ ۔ سطور ۱۷ ۔ ۲۰ ۔ تعلیق ۔ تقطیع ۹ × ۵ ½ : ۸ × ۴]
عقاید شیعہ کے متعلق باقر مجلسی کی مشہور کتاب
یہ نسخہ مصنف نے اپنے ہاتھ سے ۱۰۹۴ھ میں تحریر کیا ۔

۲۲۔ **ایضاً** ۔ [اوراق ۴۰۹ ۔ سطور ۱۷ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ۹ ½ × ۹ : ۷ × ۴]
عین الحیوٰۃ کا ایک اور نسخہ
کاتب ۔ فتح محمد ۔ تاریخ کتابت ۔ صفر ۱۰۰۰ ؟

۲۳ ۔ **رسائل باقر مجلسی** [اوراق ۱۶۵ ۔ سطور ۱۲ ۔ نسخ و نستعلیق ۔ تقطیع ۷ × ۴ ½]
۱ ۔ ورق ۱ ۔ ۱۵ ۔ مہینے کے مختلف ایام کے اثرات
۲ ۔ ورق ۱۶ ۔ ۳۷ الف ۔ رسالہ متعلقہ صلوٰۃ
۳ ۔ ورق ۳۷ الف ۔ ۶۶ ۔ ادعیہ
۴ ۔ اوراق ۶۷ ۔ ۱۶۵ ۔ صراط النجات
کاتب ۔ عماد الدین الطبسی
تاریخ کتابت ۔ ۱۱۲۷ھ

۲۴ ۔ **منتخب الاعمال** [اوراق ۱۰۲ ۔ سطور ۱۳ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ۱۰ × ½ ۵ : ۷ × ۴]
ملا محمد مقیم کی کتاب عقائد شیعہ پر (۱۱۷۳ھ)
تاریخ کتابت ۔ ۱۱ ۔ جمادی الثانی ۱۲۰۹ھ

۲۵ ۔ **مرشد العوام** [اوراق ۱۶۳ ۔ سطور ۱۶ ۔ نیم شکستہ ۔ تقطیع ۸ × ½ ۵ : ½ ۶ × ۴]
فقہ شیعہ کے متعلق ابو القاسم بن حسن الجیلانی کا رسالہ
یہ کتاب کا صرف پہلا حصہ ہے ۔

کاتب - ابراہیم دماوندی
تاریخ کتابت - ۲۸ - ذوالحجہ ۱۲۰۱ھ

۲۶ - **وجیزہ** [اوراق ۱۱۶ - سطور ۱۷ - نسخ - تقطیع ۶×۴ ۱/۲ : ۴ ۱/۲×۲ ۱/۲]
محمد جعفر بن محمد صفی الفارسی کی کتاب نماز کے متعلق
کاتب ندارد،
تاریخ کتابت - ۱۹ - شعبان ۱۲۴۹ھ

۲۷ - **ایضاً** - [اوراق ۷۲ - سطور ۱۵ - نسخ - تقطیع ۹×۶ : ۶×۳ ۱/۲]
کاتب - حاجی محمد اصفہانی
تاریخ کتابت - بمقام اصفہان ۱۲۴۵ھ

۲۸ - رسالہ **صلوۃ** [اوراق ۴۸ - سطور ۱۴ - نستعلیق - تقطیع ۷×۳ ۱/۲ : ۴ ۱/۲×۳]
نماز کی جزئیات کے متعلق ملا محمد ابراہیم کا رسالہ
کاتب - کربلائی لاجان (؟)
تاریخ کتابت - ۱۲۴۰ھ یا ۱۲۴۱ھ (؟)

۲۹ - **زاد التوابین** [اوراق ۲۴ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۹×۶ : ۵ ۱/۴×۳]
۱ - زاد التوابین (ورق ۱ - ۶) مصنفہ محمد امان
۲ - زاد المسافرین (ورق ۷ - ۲۴) مصنفہ مرزا امان بیگ
کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۲۴ - ربیع الثانی ۱۲۲۴ھ

۳۰ - **نجاۃ المتقین** [اوراق ۳۳۲ - سطور ۲۰ - نسخ - تقطیع ۹×۵ : ۶ ۱/۲×۳]
حسن بن ہدایت اللہ بن محمد مہدی عسکری کی کتاب عقاید شیعہ پر جو
محمد شاہ قاچار کے لئے لکھی گئی،
غالباً یہ نسخہ خود نوشت ہے - کتاب کے آخر میں مصنف کا نوٹ

مورخہ ۱۲۵۸ھ اور مصنف کی مہر ہے جس پر " ابن ہدایت اللہ عسکری " مرقوم ہے ؛

۳۱ - اسئلہ و اجوبہ [اوراق ۸۲ - سطور ۱۳ - نسخ - تقطیع ۹×۶ : ۵½×۳]
فقہ شیعہ کے متعلق بعض مسائل اور ان کے جوابات از محمد باقر بن محمد تقی رشتی مرتبہ حسن بن امان اللہ دہلوی (۱۲۴۴ھ) ؛
کاتب ندارد - تاریخ کتابت - ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ

۳۲ - جامع رضوی [اوراق ۲۱۵ - سطور ۲۲ - نستعلیق - تقطیع ۱۱×۶ : ۸½×۴]
ابوالقاسم جعفر بن سعید الحلی کی عربی کتاب شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام کا فارسی ترجمہ جو عبدالغنی بن ابی طالب نے نواب افراسیاب خان بہادر کشمیری کے عہد میں کیا ؛
کاتب و تاریخ کتابت ندارد ؛

۳۳ - رسالہ اصول دین [اوراق ۲۸ - سطور ۱۲ - ۱۷ - نیم شکستہ - تقطیع ۹×۶ : ۵½×۳]
ملا محمد باقر مجلسی کے کسی شاگرد کی تصنیف امامت حضرت علی رض وغیرہ کی تائید میں ؛
کاتب و تاریخ کتابت ندارد ؛

۳۴ - چہل مجلس [اوراق ۷۹ - سطور ۱۷ - نسخ - تقطیع ۹½×۵½ : ۷×۳]
محمد مومن بن محمد رضا کی کتاب عقاید شیعہ کے متعلق
کاتب و تاریخ کتابت ندارد ؛

۳۵ - مناقب علی و فاطمہ [اوراق ۳۷ - سطور ۱۲ - ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۹½×۶ : ۷×۳½]

مصنف کا نام معلوم نہیں،
آغاز : صافیہ فضلای بنی آدم وضوحی تمام وظہوری لاکلام وارد الخ
عالمگیر بادشاہ غازی کے زمانے میں تصنیف ہوئی،

۳۶ - اسّ الایقان [اوراق ۲۶۱ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ½۹ × ½۶ : ½۲ × ۳]
میر فدا علی کی کتاب شیعہ مذہب کے ارکان خمسہ کے متعلق
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۳۷ - کنز الفوائد [اوراق ۶۹ - سطور ۱۲ - ۱۶ - نستعلیق - تقطیع ½۸ × ۴ : ۷ × ½۳]
محمد کاظم بن محمد شفیع ہزار جریبی کا مختصر سا رسالہ عقائد شیعہ کے متعلق
کاتب - محمد مہدی کوثر
تاریخ کتابت - ۱۲۶۷ھ

۳۸ - مجمع الفوائد [اوراق ۳۳۶ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ۷ : ۸ × ۶]
امداد علی بن فضل علی کی کتاب فقہ شیعہ کے متعلق
کاتب - امداد علی
تاریخ کتابت - ندارد،

۳۹ - شمس الایقان [اوراق ۳۸ - سطور ۱۵ - شکستہ آمیز - تقطیع ۸ × ½۵ :
½۶ × ۴]
مصنف کا نام معلوم نہیں،
آغاز : حمد خداوند مختار وحی بری از کم وکیف وعنوان الخ
کاتب و تاریخ کتابت ندارد،

۴۰ - عناوین - کشف الحجب - ص ۳۸۷،
[اوراق ۱۳۸ - سطور ۱۹ - نسخ - تقطیع ½۸ × ۶ : ۶ × ۳]

آقا بن عابد دربندی کی کتاب خزائن الاصول کا خلاصہ جو دربندی نے خود کیا - کتاب کا پورا نام " العنا وین فی اصول الفقہ" ہے '
کاتب - غلام رضا حیران یزدی
تاریخ کتابت - ندارد

۴۱ - مقاصد الایمان [اوراق ۲۴ - سطور ۱۵ - شکستہ - تقطیع ۸×۶ : ۷×۴]
شیعہ مذہب کے ارکان و اصول کے متعلق مختصر سا رسالہ
نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۴۲ - نصرۃ الحسینیہ [اوراق ۲۲ - سطور ۱۵ - تعلیق - تقطیع ۹×$5\frac{1}{2}$: ۶×$3\frac{1}{2}$]
کتاب کا پورا نام " نصرۃ الحسینیہ فی اباحۃ الضرائح المحکیہ " ہے '
مصنف کا نام سید علی بن ولدار علی لکھنوی (المتوفی ۱۲۳۵ھ) ہے -
مطالب کتاب کے نام سے ظاہر ہوتے ہیں '

۴۳ - مرقہ وسطی [اوراق ۶۵ - سطور ۱۵ - شکستہ آمیز - تقطیع ۴×$6\frac{1}{2}$: ۵×۳]
اسمعیل خاتون آبادی اصفہانی کا مختصر رسالہ فقہ شیعہ کے متعلق
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۴۴ - ترجمہ خطبۂ شقشقیہ [اوراق ۷۵ - سطور ۱۷ - نستعلیق و شکستہ آمیز - تقطیع ۹×$5\frac{1}{2}$: ۷×۳]
شروع میں فضیلت علیؓ و خلافت علی کی تائید میں پندرہ ورق کا رسالہ ہے - مصنف کا نام معلوم نہیں - لیکن کتاب میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا ذکر ہے - (المتوفی ۱۲۳۹ھ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ان کے کسی معاصر نے لکھی '
خطبۂ شقشقیہ (ورق ۱۷ - ۷۵) حضرت علیؓ کے ایک خطبہ کا ترجمہ ہے

جو نواب مختار الملک سید محمد خان بہادر ضیغم جنگ کے حکم سے ترجمہ کی گئی،
کاتب و تاریخ کتابت ندارد،

۴۵ - **معارف الانوار** [اوراق ۲۹۷ - سطور ۲۲ - نسخ - تقطیع ½۷ × ۵ : ۶ × ½۳]
حضرت علی و دیگر ائمہ کے اقوال و ملفوظات مرتبہ محمد کاظم بن محمد شفیع
ہزار جریبی،
کاتب - محمد رضا بن جلال تاریخ کتابت - ۲۲ محرم ۱۲۲۹ھ

۴۶ - **انوار الرشاد** [اوراق ۳۰۷ - سطور ۱۵ - نسخ - تقطیع ۸ × ½۵ : ۶ × ½۳]
کتاب کا پورا نام "انوار الرشاد فی ردّ الاجتہاد" ہے - (۱۲۵۵ھ)
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۴۷ - **تحفۃ الابرار** [اوراق ۸ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۶ : ۷ × ۴]
حضرت علیؓ کے قصیدہ "مونس الابرار" کی شرح
مصنف کا نام معلوم نہیں - کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۴۸ - **رسالہ** [اوراق ۵ - سطور ۱۸ - نسخ - تقطیع ½۱۱ × ½۷ : ½۸ × ۵]
اصول فقہ شیعہ پر کسی گمنام اصفہانی مصنف کا مختصر رسالہ
تاریخ کتابت - ۲۲ - محرم ۱۲۱۷ھ - بپاس خاطر مرزا ابوالحسنات

۴۹ - **اصول ایمان** [اوراق ۳۷ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۵ : ۶ × ½۳]
شیخ عبدالحق صاحب دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کی اولاد میں سے ایک بزرگ
محمد سالم نے حب اہل بیت پر یہ کتاب لکھی،
تاریخ کتابت - ۱۷ - ذوالحجہ ۱۲۶۱ھ

سید محمد عبداللہ

انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح امیر خسرو

از

(پروفیسر محمد حبیب بی ۔ اے (آکسن) پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

حضرت امیر خسرو کی تالیف خزائن الفتوح کا انگریزی ترجمہ جو ۱۹۳۱ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوتا ہے ۔ در اصل ۲۱ - ۱۹۲۰ء میں تیار کیا گیا تھا ۔ جب پروفیسر حبیب آکسفورڈ میں بحیثیت ریسرچ طالب علم پروفیسر مارگولیوتھ کی نگرانی میں کام کر رہے تھے ۔ اس ترجمہ میں پروفیسر مارگولیوتھ کا بھی ہاتھ ہے اور بہت مقامات کی موصوف نے نظر ثانی بھی کی ہے ۔

ولایت سے واپسی ہندوستان پر حبیب صاحب نے اپنے تلامذہ جناب ایس ۔ اے رشید ۔ معین الحق اور سلطان حمید کی معیت میں اس ترجمہ پر پھر نظر ثانی کی ۔ ان کا بیان ہے کہ حتی الامکان اس ترجمہ کو صحیح بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور تحت اللفظی کی رعایت کا لحاظ رکھا گیا لیکن جہاں تحت اللفظی سے مقصد حل ہوتا نہیں دیکھا وہاں مصنف کے الفاظ کا محض ترجمہ دینے کے بجائے اس کے خیالات کا چربہ اتارنے کی کوشش کی ہے ۔ ممکن ہے کہ حبیب صاحب اپنے اس خیال میں صحیح ہوں لیکن ہمیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خسرو ان حضرات کے بس میں نہیں آئے ۔ ان کی طرز نگارش کی اشکال و دقت پسندی اور مخصوص صنائع و بدائع کے لئے ان کا التزام و اہتمام وغیرہ ایسے امور ہیں جو ان کی نثر کو دوسرے شعرا کی نظم سے مشکل بنا دیتے ہیں ۔

پروفیسر حبیب نے اس ترجمہ کو جہانتک کہ وہ سمجھ سکے ہیں مطلب خیز بنا دیا ہے۔ لیکن جہاں وہ خسرو کا اصل مقصد سمجھنے سے قاصر رہے وہاں یا تو انہوں نے تحت اللفظی ترجمہ کی کوشش کی یا بے بسی کے عالم میں اس خاص مقام سے دامن بچا کر نکل گئے۔ اس لئے قسمیہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنے ترجمہ میں ہمیشہ خسرو ہی کے مطالب و معانی کے بالالتزام پابند رہے ہیں'

حقیقت یہ ہے کہ ترجمہ کی غرض سے خزائن الفتوح کا انتخاب محترم پروفیسر کی بڑی سنگین اور قابل افسوس غلطی ہے۔ یہ پتھر ان کے دست و بازو کو دیکھتے ہوئے بہت بھاری نکلا'

پروفیسر نے اصل متن کے ساتھ نہایت آزادی سے کام لیا ہے۔ اوّل تو کوشش کر کے تمام عربی اشعار و امثال و عبارات کو بغیر کسی اعلان و معذرت کے اپنے ترجمہ سے حذف کر دیا۔ گویا یہ حصہ ان کے نزدیک خزائن الفتوح سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ جہاں امیر خسرو نے اپنے مخصوص مگر پیچیدہ انداز میں بحساب جمل تاریخ دی پروفیسر نے اس حصہ کو بھی یک قلم ترک کر دیا متن کی ایسی حک و تنسیخ ہم کہتے ہیں آجتک کسی مترجم نے روا نہیں رکھی۔ مگر سب سے زیادہ قابل افسوس وہ عمل ہے کہ جہاں کہیں کسی مشکل اور پیچدار لفظ یا فقرہ سے سابقہ پڑا اور پروفیسر صاحب اس کے سمجھنے سے قاصر رہے فوراً اسکو بلا تامل اپنے ترجمہ سے خارج کر دیا۔ تقریباً ایک چوتھائی سے زیادہ کتاب اس عمل کے نذر ہوگئی ہے۔ علیٰ ہذا نسبت والی سرخیاں متن سے ہٹا کر حاشیہ میں داخل کر دی ہیں۔ مگر جس مقصد کے واسطے یہ سرخیاں متن میں لائی گئی تھیں جب شروع ہی سے پروفیسر نے اس التزام کو شرمندۂ التفات نہیں کیا۔ تو ان کا حاشیہ میں دکھانا محض بیکار ہے۔ کیونکہ بحالت موجودہ اس سے انگریزی

واں قاری کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا '

ترجمۂ ہذا میں ہر قسم کی اغلاط لغوی - تاریخی اور جغرافیائی نظر آتی ہیں سب سے زیادہ تعداد ان اغلاط کی ہے جو زباندانی سے تعلق رکھتی ہیں - انکی مثالیں آگے آئیں گی '

بعض اوقات پروفیسر نے ذیلی حواشی سے بھی کام لیا ہے - لیکن اکثر حالات میں یہ حواشی (ان میں تاریخی حواشی شامل نہیں) ہمارے لئے کوئی ندرت نہیں رکھتے اور ایسے موقعے الّا ماشاءاللہ بہت کم ہیں جن میں وہ ہماری معلومات میں جدید اضافہ کرتے ہوں - حالانکہ خزائن الفتوح ایک مشکل اور ادق تصنیف ہے - اور اس میں ادبی و تاریخی و دیگر قسم کے حواشی کی کافی ضرورت ہے - مگر دیکھا جاتا ہے کہ جہاں حاشیہ کی ضرورت ہے وہ مقام تشنہ چھوڑ دیا گیا اور جہاں ضرورت نہیں آسان آسان حاشیے بہم پہنچائے گئے - میں سب سے پہلے بعض غیر ضروری حاشیوں کی مثالیں دیتا ہوں - جن میں مغالطہ خیز حاشیے بھی شامل ہیں '

(۱) ص ۶ حاشیہ ۴ " الف خان یا الغ خان علاء الدین کے چھوٹے بھائی الماس بیگ کا خطاب تھا " - ضیاء برنی اور امیر خسرو کی شہادت کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ الماس بیگ کا خطاب ' الغ خان ' تھا نہ ' الف خان ' تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے :- " چون در شہور سنہ خمس و تسعین و ستمایہ سلطان علاء الدین بر تخت گاہ پادشاہی جلوس کرد برادر را الغ خان و ملک نصرت جلیسری را نصرت خان و ملک ہزبر الدین را ظفر خان و سنجر خسر پورہ امیر مجلس خود را الپ خان خطاب کرد (ص ۲۴۲) '

(۲) دول رانی خضر خان ص ۵

سپہ کش بود الغ خان معظم   کہ بر ہر فتح فتحی می شدش ضم (ص۵۹)

قصہ مختصر الماس بیگ کے لئے یہ خیال کرنا کہ اس کا خطاب الف خان تھا بالکل بے بنیاد ہے'

(۲) ص۶ حاشیہ ۱۔ " اس عہد کی اصطلاح میں 'شہر' (City) سے مراد ہمیشہ دہلی ہوا کرتی تھی - باقی شہر اپنے اپنے ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ ملک کے دار الخلافہ کے واسطے خاص حرمت مقصود تھی لہذا احتراماً اس طرح سے مذکور ہوتا تھا" مترجم کے اصل الفاظ ہیں :-

The city (shahr) in the language of those days always meant Delhi. Other cities were called by their names. A certain sanctity was attached to the Capital of the country, and it was referred to with respect.

شہر ان خاص معنوں میں نہ اس عہد میں اور نہ کسی اور زمانہ میں مستعمل ہوا اور یہ حاشیہ بالکل مغالطہ انگیز ہے البتہ لفظ " حضرت " اس غرض سے لایا جاتا تھا - مثلاً حضرت بغداد - حضرت غزنیں اور حضرت دہلی - بالفاظ دیگر ہر دار السلطنت پر اس کا اطلاق ہوتا تھا - قران السعدین ؎

حضرت دہلی کنف دین و داد

تنہا 'حضرت' سے بھی یہی مراد ہوتی تھی - دولرانی خضر خان ؎

چو سرداران حضرت سر نہادند   دلیران سر تہ خنجر نہادند (ص۵۹/۲)

خود خزائن الفتوح کا جملہ جس پر مترجم نے یہ نوٹ دیا ہے یوں ہے :-" تا بمیقات

خویش در حوالی حضرت آمد" (ص۱۲/۲)

(۳) خزائن الفتوح میں ص۱۲ پر یہ شعر آتا ہے ؎

؎ ذکر ارزانی نرخ غلّہ کہ بہ یک دانگ گران شد پلّہ

مترجم نے اس کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے :-

Account of the cheapness of corn when a single dáng turned the scale.

p. 12 para 3.

دانگ اس عبارت میں قابل تشریح ہے چنانچہ پروفیسر نے بھی اپنے ترجمہ میں اس پر حاشیہ دیا ہے۔ مگر حسب معمول ناکافی اور تشنہ و بیہودا :-

The fourth part of a misqal ; a trifling weight.

مگر اس تشریح سے ہماری مشکل حل نہیں ہوتی۔ آخر اس چھوٹے وزن یا مثقال کے چوتھے حصے نے ترازو کا پلڑا کیسے بھاری کر دیا؟ ہم سمجھتے ہیں مصنف کا مقصد اس دانگ سے نہیں ہے بلکہ مسکوکات کے دانگ سے جو درم کے ایک چھٹے حصے کے برابر ہوتا ہے۔ سعدی ؎

نہ دینار داوش سیہ دل نہ دانگ

مثنوی نہ سپہر ؎

مرکب و مرکوب اصولی بزند یوزنہ در دانگ و درم فرق کند

(ایضاً) دیگر ؎

کس ملکان راندہد دانگ و درم نیقدر است از پی درویش کرم

کتاب بحر الفضائل میں جو ۸۳۷ھ کی تالیف ہے مرقوم ہے :- "و از شش

دانگ یک درم شرعی شود امّا درم دہلی چہار دانگ است" مسالک الابصار
سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں ایک تنگہ آٹھ درم کے برابر ہوتا تھا
راقم کے پاس چاندی کے ایسے سکّے موجود ہیں جو مسعود غوری کے عہد سے
علق رکھتے ہیں اور جو چھے مل کر وزن میں ایک درم کے برابر ہوتے ہیں -
غالباً یہی دانگ کہلاتے ہونگے '
فارسی نامہ میں جو گذشتہ صدی کی تصنیف ہے - یہ نسبت دی گئی ہے :-
۴½ ماشہ = ایک مثقال　　۳½ ماشہ = ایک درم　　۴ رتی = ایک دانگ
شعر کا مطلب یہ ہے کہ غلّہ اس قدر ارزاں ہے کہ ایک دانگ کی قیمت
کے غلّہ میں ترازو کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے '
مترجم کا قلم اکثر آسان اور سہل اسماء و تلمیحات پر چلا ہے - مثلاً ص۱۶ '
حاشیہ ۱ فرہاد پر ہے - جس کے لئے کہا گیا ہے کہ اسنے ایک بڑے پہاڑ میں
سوراخ کیا تھا ' ص۱۸ حاشیہ ۱ وضو اور تیمم پر اور صفحہ ایضاً حاشیہ ۲
سدّ سکندر پر جس کو پروفیسر صاحب سکندر ذوالقرنین (دارای اوّل) کی ساختہ
بتاتے ہیں ' ص۱۹ ' حاشیہ ۱ ضحاک پر ' ص۲۲ حاشیہ ۱ قارون پر '
(۴) ص۲۵ ' حاشیہ ۱ کیخسرو پر حسب ذیل دیا ہے :-
کیخسرو ایران کا ایک مشہور شہنشاہ اور رستم پہلوان کا آقا - اسکے پاس
ایک پیالہ یا آئینہ تھا - دنیا میں جو کچھ واقع ہوتا تھا - وہ اس میں دیکھ لیا کرتا تھا"
کہا جاتا ہے کہ اوّل تو اس حاشیہ کی ضرورت ہی نہ تھی - جو شخص خزائن
الفتوح کے پایہ کی تالیف میں دلچسپی لیگا - ظاہر ہے کہ ایسے سادہ اور مبتدیانہ حواشی
اس کی رہبری نہیں کر سکتے - مزید براں یہ حاشیہ منتقدانہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا
کیونکہ کیخسرو کی طرح رستم کے کئی آقا ہیں مثلاً کیقباد و کیکاؤس اور لہراسپ و

گشتاسپ۔ کیخسرو کی دوسری نشانی یہ دی ہے کہ اس کے پاس ایک پیالہ یا آئینہ تھا۔ ہماری بدقسمتی کہ خود پروفیسر کو یقین نہیں کہ وہ پیالہ تھا یا آئینہ۔ پیالہ کے لئے جمشید بھی مشہور ہے اور آئینہ کے واسطے سکندر۔ اس طرح حاشیۂ ہذا کی روشنی میں کیخسرو کی شخصیت بالوضاحت ہم پر نہیں کھلتی اور کمر یار کی طرح یہ عقدہ کہ کیخسرو کے پاس آئینہ تھا یا جام۔ پروفیسر حبیب آجتک حل نہیں کر سکے'

(۵) خسرو سومنات کے بتوں کے ذکر میں یہ فقرہ لاتے ہیں ص ۵۲/۴ خزائن:۔
"وآن بتان را که در نیم راه بیت الخلیل خانه گیر شده بودند و رهزن گمراهان گشته سنت خلیل به شکستن ایشان درست کردند" اس فقرہ کا ترجمہ ہے:۔

The idols, who had fixed their abode midway to the house of Abraham (Mecca) and there waylaid stragglers were broken to pieces in pursuance of Abraham's tradition. p 36, l. 1.

ظاہر ہے کہ عبارت بالا میں 'گمراہان' سے مراد بت پرست ہیں۔ پروفیسر نے اس کے ترجمے *stragglers* پر حاشیہ حسب ذیل دیا ہے:۔

"Obviously referring to the customs of Mussalmans praying at Hindu shrines. Muslim pilgrims to Mecca, it seems used to visit Somnath on their way. It was a great seaport

and the place from which the pilgrims embarked on their voyage. p 36.

یہ حاشیہ ہمارے لئے نہایت حیران کن ثابت ہوا ہے - یہ کونسی رسم ہے - جس کے زیر اثر مسلمان ہندوؤں کے مقدس مقامات میں جا کر عبادت کرتے تھے اور پھر کس غرض سے - خصوصاً مسلمان عازمان بیت اللہ سومنات کیوں جاتے ؟ ہمارے لئے یہ سب کچھ گونگے کے خواب کا حکم رکھتا ہے - امیر خسرو کی عبارت بالا میں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا - حاجیوں کی بندرگاہ کی حیثیت سے سومنات کو کسی وقت بھی شہرت نہیں ملی - حاجیوں کیلئے گجرات کا راستہ اسی وقت سے کھلا ہے - جب علاء الدین کی فتوحات نے اسکو سلطنت دہلی کے ساتھ شامل کر دیا ہے '

(۶) خزائن الفتوح میں قدم قدم پر حواشی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے - مگر پروفیسر صاحب کا انتخاب اس بارہ میں نہایت انوکھا ہوتا ہے - مثالاً فتح زنتنبھور کے وقت امیر خسرو لکھتے ہیں -

ص۵۸/۱۱ " و در باب آن دار الکفر خطاب دار الاسلام از آسمان نزول یافت "

یوں تو دار الکفر اور دار الاسلام عام ترکیبیں ہیں اور خزائن الفتوح میں کئی موقعوں پر ملتی ہیں لیکن جس انداز سے امیر خسرو ان اصطلاحات کو یہاں لائے ہیں - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص معنے مقصود ہیں یعنے یہ کہ زنتنبھور کا مسلمانی نام دار الاسلام رکھا گیا - قریب قریب یہی خیال اسی تالیف کے شعر ذیل میں ادا ہوا ہے ؎

داستان فتح زنتنبھور کاندر یک غزا گشت زان سان دار کفری دار اسلام از قضا (ص۵۳/۱۳)

امیر کے ہاں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بجای صاف الفاظ میں یہ کہنے کے کہ فلاں شخص

---

[1] صفحہ کے بالائی ہندسوں سے مراد صفحات اور زیرین سے مراد سطور ہیں ۔

یا شہر کا یہ نام رکھا گیا وہ اسی قسم کی ترکیبیں اس مطلب کے اظہار کے لئے لاتے ہیں ۔ مثلاً یہاں ایک مقام پر کہا ہے کہ آسمان سے اس کا خطاب دارالاسلام نازل ہوا ۔ دوسری جگہ کہا کہ تضاست وہ دار اسلام بنگیا ۔ اسی طرح دیولدی کے نام کے ذکر میں کہتے ہیں کہ آسمان نے دیولدی اس کا نام رکھا چنانچہ دول رانی خضر خان ؎

پری روئی نہ مردم حور زادہ　　سپہرش نام دیول دی نہادہ (صفحہ ۱۴)

اور خزائن الفتوح کے تسمیہ میں کہتے ہیں کہ غیب سے اس کا نام خزائن الفتوح ہوا

این نامہ کہ نقد فتح دارد درجیب　　شد نام خزائن الفتوحش از غیب (صفحہ ۱۴)

یہ موقعہ حاشیہ کے لئے نہایت ضروری تھا

رنتھنبور ۷۰۰ھ میں فتح ہوتا ہے ۔ علاءالدین خلجی کے مسکوکات پر دہلی اور دیوگیر کے علاوہ ایک دارالضرب "دارالاسلام" بھی ملتی ہے ۔ جسکے طلائی ونقرئی سکے ۷۰۲ھ سے شروع ہو کر آخر عہد علائی تک ملتے ہیں اور کافی تعداد میں ملتے ہیں ۔ سکہ شناس آجتک یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس دارالاسلام سے کونسا شہر مراد ہے ۔ بلکہ وہ یہی سمجھتے رہے کہ دہلی ہی کا نام دارالاسلام ہے یہ بھی یاد رہے کہ علاءالدین اپنے مفتوحہ علاقوں کے نام بھی بدل دینے کا عادی ہے مثلاً چیتوڑ (چتوڑ) کی فتح کے بعد خضر خان اپنے فرزند کے نام پر اس شہر کا نام خضر آباد رکھ دیا ۔ سوانہ کا نام خیر آباد رکھا ۔ ایک اور شہر کا نام

---

[1] یہ بیان سرسری مشاہدہ پر مبنی ہے اور بالکل ممکن ہے کہ تحقیقات سے یہ ثابت ہو کہ اس ٹکسال کے سکے ۷۰۰ھ سے شروع ہوتے ہیں [2] دیکھو فہرست مسکوکات انڈین میوزیم کلکتہ از نیلسن رائٹ صفحہ ۵ جلد دوم سلسلۂ مسلمیہ [3] دول رانی خضر خان ؎ بانعام خضر خاں شاہ کردش　پس آنگہ نام خضر آباد کردش (صفحہ ۶۷)

[4] سوانہ اب ریاست جودھپور میں شامل ہے ۔ خزائن الفتوح صفحہ ۷۳ ؎

حدیث فتح سوانہ کہ گشت خیر آباد　زتیغ شہ کہ ہمیشہ بخیر باقی باد

اپنے فرزند مسعود کے نام پر مسعود پور رکھا[1] - ایک اور شہر خود بادشاہ کے نام پر علاپور[2] کہلایا - علیٰ ہذا ایرج پور کا نام سلطان پور[3] بھی غالباً علائی دور کی یادگار ہے -

(۷) امیر کے بیان بالا کی روشنی میں رنتنبھور کا مسلمانی نام دارالاسلام قرار پاتا ہے - مگر پروفیسر اس موقعہ کو غیر ضروری سمجھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں - اس کے عین بعد فتح مانڈو کا قصّہ چھڑ جاتا ہے ، جسکی ابتدا میں یہ شعر آتا ہے

کیفیت فتح حصن ماندو ضبط ہمہ مالوا بہ یک دو (خزائن ص۵۹)

شعر ہذا میں 'ماندو' اور 'دو' ہم قافیہ ہیں - جس سے یہ قیاس لگانے کی کافی گنجائش نکل آتی ہے کہ ماندو کا تلفظ بفتح دال ہندی ہے نہ بضم جیسا کہ پروفیسر صاحب حسب اتباع عام لکھ رہے[4] ہیں - امیر تغلق نامہ میں بھی 'ماندو' کا قافیہ 'دوادو' لائے ہیں - چنانچہ

خود او در دہلی و جان در دوادو تنش در شہر و جان در دھار و ماندو (تغلق نامہ ص۱۱۱)

جہانگیر کے سکّہ کے شعر ذیل سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے

ز نام شاہ جہانگیر سکّۂ مندو دہد بنور جہانی[5] چو مہر و مہ پرتو

یہاں میں جہانگیری سکّہ کا ایک اور شعر نقل کرتا ہوں جس کا رواج بروی تزک جہانگیری کمبایت میں ہوا تھا '

---

[1] "اختر فرخندۂ ملک ملوک الوزرائی بہ طالع سعد در مسعود پور رسید و دران مقام کہ از پور مسعود بادشاہ نامی گشتہ است ، دو روز پای علم بر سر مسعود پور بود" (خزائن الفتوح ص۶۸)

[2] تغلق نامہ سنہ ۱۶۹۸ ص۸۹ ، چو آمد نیک نزدیک علاپور علاپور از مہابت شد بلا پور

[3] " و بہ سلطان پور عرف ایرج پور رسیدند " (خزائن الفتوح ص۸۱)

[4] ص۴۲ سطر۱ ترجمۂ انگریزی خزائن الفتوح [5] 'نور جہانی' جہانگیر کے ایک خاص سکّہ کا نام ہے - اس شعر کے لئے دیکھو فہرست مسکوکات مغلیہ لکھنؤ میوزیم از مسٹر براون '

بزر این سکہ زد شاہ جہانگیر ظفر پرتو		پس از فتح دکن آمد چو در گجرات از مندو

بہر حال ایسے ضروری مقامات سے پروفیسر صاحب حاشیہ دیے بغیر خاموشی کیساتھ گذر جاتے ہیں اور اسی مندو کے بیان میں جہاں آنکھ کا ضلع چل رہا ہے اندھے بادل کی طرح برس پڑتے ہیں اور اپنے ناظرین کی اطلاع کے لئے سرمہ پر حسب ذیل حاشیہ دیتے ہیں۔

(۸) ص۴۳ حاشیہ ۱ :۔ 'سرمہ ہندوستان میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ کچھ تو دوا کی غرض سے اور کچھ آنکھوں کے سنگار کی غرض سے۔ سرمہ پپوٹوں میں ایک بڑی کھٹل سوئی (سلائی) سے لگایا جاتا ہے۔ شاہی لشکر کے لوگ راجاؤں کے ضعف بصارت کے لئے اپنے نیزے استعمال کرتے تھے۔ سرمہ عام طور پر لکڑی اور ہاتھی دانت کی سرمہ دانیوں میں رکھا جاتا ہے' میں جناب مترجم کے اصل الفاظ بھی نقل کر دیتا ہوں :۔

Antimony (surma) is extensively used in India, partly as a medicine, and partly as a toilet for the eyes. Surma is put on the eyelids with a large blunt needle; the Imperial army used its spears instead to cure the dim sight of Rais. Surma is generally kept in small phials of wood or ivory. Note 1, p. 43.

ہم نہیں جانتے کہ اس موقعہ پر جناب مترجم کا ذوق سلیم زیادہ مستحق داد ہے

یا ان کی معلومات جو انہوں نے نہایت مہربانی سے ہمارے لئے اس حاشیہ میں محفوظ کر دی ہے خصوصاً راجاؤں کی ضعف بصارت کا نسخہ جو ابتک کسی طبّی تالیف میں بھی نمودار نہیں ہوا'

(۹) ص $\frac{46}{5}$ " پادشاہ بینا کہ میان سیاہی چتر بالعین انسان عین است عین اللہ علیہ " اور ترجمہ

The wise king under the shadow of his canopy is like the idea of man; for the Eye of God is over him[3]. *p 46 l. 18.*

ہمیں حیرت ہے کہ پروفیسر صاحب ' بالعین ' (ہو بہو - عین بین) کا ترجمہ ' مانند ' اور انسان عین (مردمک چشم - آنکھ کی پتلی) کا ترجمہ ' خیال انسان ' کرتے ہیں گویا یہ لغزشیں اس فقرہ کے لئے کافی نہیں تھیں کہ سونے پر سہاگہ حاشیۂ ذیل اضافہ کیا -

[3] *An allusion to the Platonic Doctrine of Ideas.*

ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ ' افلاطون کا یہ نظریۂ تصور ' ان کے ناظرین کو کعبہ پہنچانے کے بجائے ترکستان لے جا رہا ہے '

میں بخوف طوالت انہی بعض حواشی کے تبصرہ پر قناعت کرکے ان کے بعض جدید نظریوں کا جائزہ لیتا ہوں '

بعض جدید نظریے

(۱) پروفیسر حبیب کی تحقیقات کی رو سے ملک نایک آخر بک علاءالدین خلجی

کا سپہ سالار جو علی بیگ اور ترتاق دو مغل حملہ آوروں کو ہزیمت دیکر گرفتار کرتا ہے۔ حقیقت میں ایک ہندو[1] تھا۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ کوئی اسلامی مورخ اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ پروفیسر کی اصل عبارت حسب ذیل ہے :-

The commander of the army of Islam, on this occasion, was a Hindu. The mir'at-i-Sikandari says that Naiks are a tribe of outcast Rajputs. Be this as it may, the surname 'Naik' is common enough today. The following lines from Khusrau's Dawal Rani leave no doubt as to malik naik's religion. As he (Targhi) wished to injure the Faith through his infidels, fate decreed that he should meet his death at the hands of an infidel (Hindu). The soil of the wilderness drank the blood of the armies of Ali Beg and Tartaq when the two Turkish Khans were suddenly captured by a Hindu slave (servant) of the Court

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترجمۂ انگریزی صفحہ ۲۸-۲۹ حاشیہ ۵

and the conflagration was quelled by the sharpness of the Imperial sword" p. 29.

اس بیان میں پروفیسر نے دو مختلف مہموں کو خبط کر دیا ہے - دول رانی میں خسرو نے قتلغ خواجہ کی مہم کے بعد ترغی کی مہم کا ذکر کیا ہے جو حسب ذیل ہے ؎

ازان پس بست در ترغی کمر سخت — فگند او ہم بخاک از تیغ شہ رخت
اگرچہ سخت چشمیہا بسی کرد — ہم از کیش محمدؐ بیلکی خورد
چو از کفار در دین خواست آزار — کشانیدش زمانہ ہم ز کفار (صلا دول رانی)

آخری شعر کا مطلب ہے کہ چونکہ کافروں کے ذریعہ سے اسنے دین اسلام کو آزار دینا چاہا تھا - زمانہ نے انہی کافروں کے ہاتھ سے اسے مروا دیا - یہاں کفّار سے مراد کفّار مغل ہیں نہ ہندو - پروفیسر نے "کفار" کا ترجمہ "ایک کافر" جو کیا ہے وہ درست نہیں،

ترغی کی مہم کے بعد امیر خسرو ترتاق اور علی بیگ کے حملہ کا ذکر کرتے ہیں وہو ہذا :-

پس اندر دشت خون آشام شد ریگ — ز لشکرہای ترتاق و علی بیگ
سپاہ دین کہ چون دریا در آمد — مغل را موج دریا بر سر آمد
شد از یک بندۂ ہندوی درگاہ — گرفتار آن دو خان ترک ناگاہ
ز تیغ شاہ کآبی بود و بس تیز — فرو رفت آن دو خان آتش انگیز (ص ۶۱)

مصرع "شد از یک بندۂ ہندوی درگاہ" میں ہندو سے مراد ہندو مذہب کا مقلد نہیں بلکہ "غلام" ہے - یعنے ایک بندہ کے ذریعہ سے جو غلام درگاہ شاہی ہے " بندۂ ہندوی درگاہ" کے معنے درگاہ کا ہندو غلام جو پروفیسر سمجھے

ہیں۔ یقیناً درست نہیں'

ہمیں اس ملک کے نام کے متعلق بھی کسی قدر غور کرنی چاہئے۔ برنی نے اسکا نام (ص۲۴۲ فیروزشاہی) ملک اتا یک آخر بک لکھا ہے مگر ص۳۲۲ پر ملک نایک آخر بک بیان کیا ہے۔ خزائن الفتوح میں 'بندۂ خاص آخر بیگ میسرہ ملک مانک' (ص۱[1]) بیان کیا ہے۔ بدایونی اور فرشتہ ملک مانک بتاتے ہیں اور کوئی تعجب نہیں اگر صحیح نام مانک ہو۔ پروفیسر صاحب نے ان مختلف شکلوں 'اتابک' 'نایک' اور 'مانک' میں سے نایک کو ترجیح دی۔ مگر وجہ ترجیح بیان نہیں کی۔ ہمیں اس لفظ نایک پر یہ اعتراض ہے کہ اگرچہ وہ فوج میں ایک عہدہ کا نام ہونے کے علاوہ ایک ادنیٰ درجہ کی ہندو ذات کا بھی نام ہے مگر کسی شخص واحد کے نام کی حیثیت سے استعمال نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ اس نام میں ملک کے بعد جو لفظ ہے وہ علم شخصی کے طور پر آیا ہے'

پروفیسر صاحب نے مرآت سکندری کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ نایک راجپوتوں کا ایک خارج شدہ فرقہ ہے۔ لیکن حوالہ دیتے وقت انہوں نے بڑی بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ مرآت سکندری میں 'نایک' نہیں ہے بلکہ 'نانک' جسکو راجپوتوں کا نہیں بلکہ کھتریوں کا ایک ذات باہر فرقہ بتایا ہے۔ چنانچہ اس تاریخ کے مصنف سکندر بن منجھو کے الفاظ ہیں:۔

"اول کسے کہ از ایشان بشرف اسلام مشرف شد و بصفت ایمان موصوف گشت سہارن بودہ المخاطب بہ وجیہ الملک مشار الیہ از قوم نانک (کذا) است

---

[1] خزائن الفتوح میں 'نایک' کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر عہدہ کی حیثیت سے نہ بحیثیت اسم شخص چنانچہ:۔
"بعد ازان بالک دیو نایک کہ بالک دیو در شیطنت و فتنت موازی بود فسون و نیرنگی کہ دانست درآموخت"
ص۱۴۵/۱۵ اس عبارت میں بالک دیو نام ہے اور 'نایک عہدہ' ۔ بدایونی ملک کافور کا نام ملک مانک بتاتا ہے'

و در تاریخ ہنود مسطور است کہ نانک (کذا) و کھتری برادران یکدیگر اند یکی از ایشان بشرب شراب رغبت نمود او را کھتریان از قوم خود اخراج نمودند و چنین مخرجی را بزبان ہندوئی نانک (کذا) گویند یعنی از قوم برآوردہ شد۔ ازین رسم و آئین و دین نانک (کذا) امتیاز یافت"۔ مرآت سکندری ص۳۰۳ و ۴۰۴ بمبئی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء

مگر ہم دریافت کرتے ہیں کہ پروفیسر صاحب نے مرآت سکندری سے آخر کیا فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ نانک اس حوالہ میں بھی ایک قوم کا نام ہے۔ نہ کسی شخص خاص کا۔ قصہ مختصر پروفیسر کا یہ نظریہ کہ ملک نایک آخر تک ہندو تھا بالکل غیر مدلل اور بے بنیاد ہے'

(۲) ایک جدید نظریہ محترم پروفیسر کی تحقیقات نے یہ پیش کیا ہے۔ کہ چونکہ ملک کافور ہزار دیناری نے دکن پر تین حملے کئے تھے لہذا اسکو "سہکش" کہا جاتا تھا۔ ایک اور موقعہ پر وہ لکھتے ہیں کہ ملک کافور ہزار دیناری سلطنت کا قائم مقام اور حملہ آور فوج کا سالار تھا۔ مصنف اس کے واسطے ہر قسم کے تعریفی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اکثر اوقات اسکو 'سہکش' (تین مہموں کا سر کرنے والا) کے خطاب سے یاد کرتا ہے'

ہم حیران ہیں کہ یہ نرالی وضع کا خطاب "سہکش" کونسی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ فارسی زبان میں تو اس کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔ بہر حال یہاں چند مثالیں عرض ہیں :-

۱۔ ملک "ملک سہکش فرمان داد کہ غنایم لشکر ہر چہ بابت سپاہیان بود بدیشان باز گذاشتند" (ترجمہ)

(باقی دارد)

ایران کے بعض اہم کتبخانے

ایران کی ادبی اور علمی زندگی کا دور تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اور خاندانِ صفوی کے زوال کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس آٹھ سو برس کے زمانے میں اہلِ ایران نے علوم و ادبیاتِ عربی و فارسی کی جو خدمات انجام دیں ان پر تاریخ شاہد ہے۔ علم و فن کے ان مربیوں نے جو تصانیف یادگار چھوڑیں اور فنِ خطاطی کے بے نظیر نمونوں میں ان کو محفوظ کر کے اپنے کتب خانوں کی زینت بنایا انکی تعداد بلا شک و شبہ لاکھوں سے متجاوز ہو کر کروڑوں کے اعداد میں پہنچتی ہے،

لیکن جس کثرت سے ایران میں کتابیں پیدا ہوئیں اسی قدر ان کی تباہی بھی عالمگیر ہوئی۔ سب سے بڑی آفت جو وہاں کے علمی خزانوں پر نازل ہوئی۔ وہ تاتاریوں کا عالم سوز حملہ تھا جس نے ایران کی ادبی تاریخ کے عہدِ زرّیں کی تمام یادگاروں کو سرتاسر فنا کر دیا۔ تیموریوں اور صفویوں کے زمانے میں اگرچہ علم و فن کو دوبارہ ترقی ملی۔ لیکن اس کے بعد سے آج تک یعنی مسلسل دو سو برس سے ملک میں جو بدنظمی اور بے آئینی چلی آ رہی ہے۔ اس نے نہ صرف وہاں کی علمی مصروفیتوں کو بہت ضعف پہنچایا ہے بلکہ کتابی ذخیروں کے تلف ہونے کی بھی ذمہ دار ہے۔ قوم کی بد مذاقی اور حکومت کی طرف سے لاپرواہی اس نقصان کا بہت بڑا باعث ہوئی ہے۔ قاچاریوں کے عہد میں پبلک لائبریریاں جو عموماً اوقاف سے تعلق رکھتی تھیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں رہیں جو نہ اپنی ذمہ داری

کو محسوس کرتے رہے اور نہ کتابوں کی قدر و قیمت کو پہچانتے تھے۔ اُدھر یورپ کی روز افزوں علمی ترقی اور قلمی کتابوں کی مانگ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دو سو سال کے عرصے میں یورپین سیّاح ایران کے بہترین علمی جواہرات خرید خرید کر لے گئے۔ اہلِ روس کی دست درازیاں اس پر مزید اضافہ تھیں، اگر دستِ قدرت ان آفات سے ایران کو محفوظ رکھتا تو آج کتابوں کی وہاں وہ کثرت ہوتی کہ دنیا کے کسی ملک میں اس کی نظیر نہ مل سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں کی سرد اور خشک آب و ہوا کتابوں اور خصوصاً قلمی نسخوں کے محفوظ رکھنے میں بہت ممدّ ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں جو کتابوں کے دو بڑے دشمن ہیں یعنی برسات اور دیمک وہاں موجود نہیں ہیں'

گذشتہ موسم گرما کی تعطیل میں پنجاب یونیورسٹی نے مجھے ایران کی علمی و ادبی مشغولیتوں کے مطالعہ کرنے کے لئے وہاں بھیجا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مجھے وہاں کے کتب خانوں کو دیکھنا ضروری تھا چنانچہ مشہد۔ طہران۔ اصفہان شیراز جہاں جہاں میرا جانا ہُوا عمومی اور شخصی کتابخانوں کا معائنہ میں نے اپنا اوّلیں فرض سمجھا۔ اس کوشش میں مجھے ناکامی کچھ تو اس وجہ سے ہوئی کہ تعطیلات گرما کی وجہ سے پبلک لائبریریاں اکثر بند تھیں۔ اگرچہ حکّام ادارۂ معارف (محکمۂ تعلیم) کی مہربانی سے ان میں سے بعض مجھے خاص طور پر کھول کر دکھلا دی گئیں۔ لیکن ایسی حالت میں کتابوں سے مستفید ہونا تو درکنار ایک مرتبہ سے زیادہ وہاں جانا بھی ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ اس کے ان عمومی کتب خانوں میں ایسی کتابیں جن کو 'نوادر' سے تعبیر کیا جاتا ہے کالعدم ہیں۔ یہ 'نوادر' ایران میں اگر ہیں تو شخصی کتب خانوں میں ہیں۔ جہاں ایک اجنبی کو رسائی حاصل کرنے کے لئے عرصۂ دراز تک وہاں قیام کرنا ضروری ہے۔ مجھے ان شخصی کتابخانوں

میں سے کسی کو دیکھنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ جسکی ایک خاص وجہ تھی۔ حکومتِ ایران نے حال ہی میں اسبات کو محسوس کیا ہے کہ شخصی کتبخانوں کے مالک بوقتِ حاجت اپنی نفیس اور نایاب کتابیں یورپ اور امریکہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور اسطرح نادر کتابیں مسلسل ایران سے باہر جارہی ہیں۔ وزارتِ معارف نے اسکی روک تھام کے لئے یہ قاعدہ نافذ کر رکھا ہے کہ کوئی قلمی کتاب حکومت کی اجازت کے بغیر ایران سے باہر نہیں جا سکتی۔ علاوہ اس کے محکمۂ معارف اپنی لائبریری کے لئے قلمی کتابیں لوگوں سے بعض حالتوں میں بالجبر خریدتا ہے اور انکی قیمتیں خود معین کرکے ادا کرتا ہے۔ مالک کو بسا اوقات وہ قیمت نہیں ملتی جو وہ چاہتا ہے۔ ان حالات میں لوگ مجبور ہیں کہ اپنے قلمی نوادر کو چھپا کر رکھیں۔ مجھ سے ہر جگہ غلطی یہ ہوئی کہ ادارۂ معارف ہی کے وسیلے سے پرائیویٹ کتابخانوں کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ لہذا جس شخص سے اپنی کتابیں دکھلانے کو کہا گیا اسنے کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے ٹالدیا۔ شاید وہ یہ سمجھتے رہے کہ میں معارف والوں کا ایجنٹ بنکر کتابیں دیکھنے آرہا ہوں اور جاکر مخبری کرونگا کہ فلاں شخص کے پاس فلاں کتاب بہت اچھی ہے۔ اسکو حاصل کر لینا چاہئے۔ لیکن اپنی جگہ پر میں بھی مجبور تھا کہ اور کوئی ذریعہ میرے لئے ناممکن تھا۔ تھوڑی سی مدتِ قیام میں مراسم اور شخصی تعلقات پیدا کر لینا بھی آسان بات نہ تھی۔

ان مشکلات کے باوجود میں وہاں جن کتب خانوں کو دیکھ سکا اور جو کچھ میرے مشاہدے میں آیا یا اوروں کی زبانی سُنا اس کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ کتابخانۂ مجلسِ شورای ملّی (طہران)

ایران کی پبلک لائبریریوں میں سب سے زیادہ منظم اور باترتیب کتابخانہ یہی ہے۔ آجکل اس کے لائبریرین آقای اعتصام الملک ہیں جو ملک کے مشہور اہلِ قلم میں سے ہیں۔ انہی کی زبانی معلوم ہوا کہ اسوقت وہاں کتابوں کی تعداد تیرہ ہزار ہے۔ جن

سے دسواں حصّہ یعنی تیرہ سو قلمی ہیں باقی مطبوعہ ہیں۔ ان مطبوعہ کتابوں میں فارسی عربی کے علاوہ یورپ کی ہر زبان کی کتابیں ہیں۔ قلمی نسخوں میں نادر چیزیں کم ہیں۔ بخانے کی فہرست دو تین سال پیشتر دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی لیکن وہ مکمل یں ہے۔ اس فہرست میں دیوان حافظ کا ایک نسخہ بخطّ سلطان علی مشہدی بتایا گیا ہے۔ مجھے اس کے دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ لیکن وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ پچھلے سال جب سویڈن کتابخانے کو ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لائے تھے وہ انکی نذر کر دیا ہے۔ علاوہ اس کے تصاویر کا ایک بیش قیمت مرقّع ان کی بیوی کو جو ان کے ہمراہ ہیں پیش کیا گیا۔ میں نے یہ معلوم کرکے تعجّب اور افسوس کا اظہار کیا۔ اسپرلائبریرین صاحب نے فرمایا کہ ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ جب کوئی ممتاز شخص کتابخانہ دیکھنے آتا ہے تو کوئی عمدہ سی کتاب یادگار کے طور پر ہم اسکو دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سے قبل جب امیر امان اللہ خاں تشریف لائے تھے تو شاہنامہ کا ایک نہایت نفیس یاتصویر نسخہ جو بیسویں صدی کا لکھا ہوا تھا اور مطلّا اور مذہّب تھا انکو تحفتہً دیا گیا تھا۔ پھر جب وہ معزول ہوکر کابل سے بھاگے تو وہ نسخہ بچّہ سقا کے ہاتھ آیا۔ ایک سال بعد جب اسکی سلطنت بھی ختم ہوئی تو پھر معلوم نہیں وہ کس کے ہاتھ لگا۔ ان حالات کے معلوم کرنے کے بعد ہمیں کیونکر یہ امید ہوسکتی ہے کہ ایران میں کوئی کتب خانہ ترقّی کر سکتا ہے؟ اور کسی کتب خانے کی مطبوعہ فہرست کتب پر کیا اعتبار ہوسکتا ہے کہ جو کتابیں اس میں مذکور ہیں وہ وہاں موجود بھی ہیں یا کسی مہمان عزیز کو نذر دی جاچکی ہیں؟

چونکہ اس کتب خانے کی فہرست کا ایک حصّہ چھپ چکا ہے اور باقی زیر طبع ہے۔ اس لئے زیادہ تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، میری نظر سے جو کتابیں گذریں ان میں مفصّلہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:—

۱- کتاب المناظر ابن ہیثم - نوشتہ ۱۱۰۹ھ - عمدہ اور مکمل نسخہ ہے '
۲ - دیوان حافظ سلطان علی مشہدی کے شاگرد محمد نور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے
ساری کتابت آب زر سے رنگ برنگ کے کاغذوں پر ہوئی ہے (دیکھو
فہرست کتب خانہ مذکور) '
۳ - کافیہ - نحو عربی کی مشہور کتاب یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ
کتابت سنہ ۶۹۰ھ '
۴ - تحفۃ الاحرار جامی - بخط بابا شاہ اصفہانی (خطاط معروف) ' تاریخ
کتابت سنہ ۹۸۲ھ

۲- کتابخانۂ سلطنتی (طہران)

ایران کے کتب خانوں میں بلحاظ نوادر سب سے اہم یہی کتب خانہ ہے' وہ
شاہان ایران کی ذاتی ملکیت سمجھا جاتا ہے لہذا اسکو دیکھنے کے لئے دربار شاہی
سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ حکومت ایران اس وقت طہران میں ایک بہت بڑا
عجائب گھر تعمیر کر رہی ہے جو غالباً اگلے سال موسم گرما کے آخر میں بنکر تیار ہوجائیگا
اُس کے ایک حصے میں بہت بڑی لائبریری بنائی جائیگی اور یہ فیصلہ ہوچکا ہے -
کہ کتاب خانۂ سلطنتی کی سب کتابیں وہاں لے جاکر رکھی جائینگی - چونکہ کتابخانے
کی پرانی عمارت کسی دفتر میں منتقل کردی گئی ہے - اس لئے کتابوں کو وہاں سے
اٹھا لیجانے کے خیال سے صندوقوں میں بھر کر رکھ دیا گیا ہے - چنانچہ اسی وجہ
سے مجھے اس کتاب خانے کے دیکھنے کا موقع نہ ملا - لیکن مجھے اپنے فاضل دوست
ڈاکٹر سعید نفیسی کی زبانی وہاں کے بعض نوادر کا پتہ ملا - جن کے نام و نشان حسب
ذیل ہیں :-

- جامع التواریخ - کامل و مکمل نسخہ جو خود رشید الدین (مصنف) کے لئے لکھا گیا - اس میں چینی مصوّر منگ کے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویریں ہیں '

- مجموعہ رسائل رشید الدین - یہ نسخہ بھی خود مصنّف کے لئے لکھا گیا تھا - اسکی تاریخ کتابت سنہ ۷۰۸ھ ہے - رسائل حسب ذیل ہیں :-

(ا) توضیحات رشیدی - قرآن کی بعض آیات کی تفسیر ہے ' اور چند مذہبی دقائق پر بحث ہے '

(ب) مفتاح التفاسیر - قرآن و علم تفسیر پر اصولی بحث ہے '

(ج) السلطانیہ در حقیقتِ سلطان و فضائل آن '

(د) لطائف الحقائق در تفسیر و کلام '

۴ - شاہنامہ - نسخہ بائسنغری (با تصویر) ' بائسنغر مرزا نے شاہنامہ کی جو معروف اڈیشن تیار کروائی تھی اس کا اصل نسخہ '

۴ - کلیات جامی با حواشی از خطِ خود جامی

۵ - مرقع گلشن - یعنی تصاویر کا مرقع جو جہانگیر کے عہد میں ہندوستان کے مشہور مصوّروں نے تیار کیا - اس میں ہندوستان کے جانوروں اور پرندوں کی تصاویر ہیں اور خطّاطانِ معروف مثلاً درویش ' میر علی اور میر عماد کی خوشنویسی کے نمونے ہیں ' تقریباً دو سو صفحوں کا مرقع ہے اور منجملہ ان نوادر کے ہے جنکو نادر شاہ ہندوستان سے لے گیا تھا '

۶ - دیوان حافظ کا ایک نفیس نسخہ جس کو نادر شاہ منجملہ اور کتابوں کے اپنے ساتھ لے گیا تھا - زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی

۷ - حبیب السیر - جس میں بہزاد کے ہاتھ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں[1] '

---

[1] یہ غالباً وہ معروف بہزاد نہیں ہے جس کا زمانہ مصنف حبیب السیر سے اقدم ہے بلکہ شاید دوسرا بہزاد ہے جو جہانگیر کا معاصر ہے '

۸ - تاریخ حافظ ابرو - نسخۂ کامل و بسیار نفیس، تاریخ کتابت معلوم نہیں ہو سکی ان کے علاوہ قرآنِ کریم کے بہت قدیم اور نفیس نسخے ہیں جنکی تفصیل زبانی گفتگو میں معلوم کرنا مشکل تھا،

اس کتاب خانے کی فہرست اب تک مرتب نہیں ہوئی - لیکن امید ہے کہ جب اسکو ایک پبلک لائبریری بنا دیا جائیگا تو اسکی فہرست بھی ضرور شائع کیجائیگی اس وقت وہاں کتابوں کی تعداد پندرہ ہزار ہے - جن میں سے تین ہزار قلمی ہیں،

۳ - کتابخانۂ مدرسۂ سپہسالار (طہران)

یہ مدرسہ طہران کا اورینٹل کالج ہے اور اب اس کا نام "دانشکدۂ معقول و منقول" ہے - اس کے بانی حاجی میرزا حسین خان سپہ سالار و صدر اعظم دولتِ ایران تھے، مدرسہ کی بنا انہوں نے ۱۲۹۶ھ میں رکھی لیکن عمارت کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی یحییٰ خاں مشیر الدولہ وزیر عدلیہ (متوفی ۱۳۰۹ھ) نے کی، مرحوم سپہ سالار نے اپنی زندگی ہی میں کتابوں کا ایک مجموعہ جس کی تعداد تین ہزار سے متجاوز تھی خرید کر مدرسہ کے لئے وقف کر دیا تھا لیکن اس کے بعد بھی کتابیں اضافہ ہوتی رہی ہیں - چنانچہ اس وقت کل چار ہزار کتابیں ہیں جن میں سے دو ہزار پانچسو قلمی ہیں، وزارتِ معارف نے اب اس مدرسہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور مجوزہ طہران یونیورسٹی کیساتھ ملحق کر دیا ہے - چنانچہ گذشتہ سال وزیر تعلیم نے اس کا باقاعدہ افتتاح کیا، طلبہ کی تعداد اس سال ایک سو کے قریب ہے اور کل اساتذہ تیئیس ہیں، کتاب خانے کے لئے نئی کتابیں ہر سال خریدی جاتی ہیں، سالانہ پانچسو تومان (ایک ہزار روپیہ) کی رقم اس مقصد کے لئے منظور کی جاتی ہے، کتاب خانہ کی فہرست اس وقت زیر طبع ہے،

چنانچہ جلد اوّل کا ایک حصّہ جس میں قلمی کتابوں کی فہرست مشتملہ مصاحف وکتب ادعیہ واذکار وتفاسیر ہے چھپ چکا ہے،

یہ کتابخانہ بوجہ تعطیل بند تھا لیکن میری درخواست پر ایک دن مجھے خاص طور پر کھول کر دکھایا گیا، لائبریرین صاحب نے اپنی مرضی اور انتخاب سے جو چند کتابیں مجھے نکال کر دکھائیں ان میں کوئی چیز نادر یا جالبِ توجّہ نہ تھی، خمسہ نظامی کے دو نسخے باتصویر تھے جن میں سے ایک ۹۵۶ھ کا لکھا ہوا تھا۔ دوسرے پر تاریخ نہ تھی۔ لیکن وہ بھی بظاہر دسویں صدی سے تعلق رکھتا تھا، خطّاطی کے دو تین مرقعے تھے۔ جن میں اکثر بارھویں صدی کے نمونے تھے، ایک شاہنامہ مصوّر تھا کہ وہ بھی غالباً بارھویں صدی سے تعلق رکھتا تھا، آتشکدۂ آذر کا ایک خوشخط نسخہ (تیرھویں صدی کا) تھا، البیرونی کی آثار الباقیہ کا ایک باتصویر نسخہ تھا۔ جس کی تاریخ کتابت ۱۰۷۵ھ تھی، خاقانی کی مثنوی تحفۃ العراقین بخط نستعلیق (باریک) مورخہ ۱۰۶۳ھ تھی، روضات الجنّات فی تاریخ ہرات (معروف) کا ایک نا تمام نسخہ جو بظاہر زیادہ پُرانا نہیں تھا، دیوان وحشی (یزدی) کا مکمل نسخہ جس پر تاریخ نہ تھی۔ لیکن بظاہر دسویں صدی کے آخر یا گیارھویں کے شروع کا لکھا ہوا تھا، تاریخ صفویہ (ضخیم) از سیّد عبداللہ خاں ولد سیّد علی خاں، تاریخ کتابت ۱۱۲۸ھ، ظفر نامہ تالیف شرف الدین (معروف) مورخہ ۱۰۶۰ھ، تیمور نامہ (مثنوی معروف از ہاتفی)، ناقص الاول مورخہ صفر ۹۸۰ھ تعداد اوراق ۹۷، وغیرہ وغیرہ،

لیکن ایک کتاب اس لائبریری میں ایسی تھی کہ جس کا نسخہ بظاہر منحصر بہ فرد معلوم ہوتا ہے اور جس کو اچھی طرح نہ دیکھ سکنے کا مجھے بہت افسوس ہے، اس کا نام حدایق السیر ہے۔ اور اس کا موضوع وہی ہے جو نظام الملک کے سیاست نامہ

کا ہے ، قابل ذکر بات اس کتاب کے متعلق یہ ہے کہ وہ روم یعنی ایشیائے کوچک کے سلجوقی بادشاہوں میں سے کسی کے لئے (بزبان فارسی) لکھی گئی ہے اور کتابت بھی بخطّ نسخ اسی زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ آخر میں خواجہ نصیرالدین طوسی کا پانچ یا چھ صفحے کا ایک رسالہ سیاستِ ملوک پر ہے۔ میں نے بہت چاہا کہ مجھے اس کتاب کو زیادہ غور سے دیکھنے کا موقع مل جائے۔ لیکن دو ہی چار دن کے بعد لائبریری کی الماریوں کو روغن کرنے کی خاطر سے کتابوں کو نکال کر زمین پر ڈھیر کر دیا گیا اور وہ کتاب کہیں نیچے دب گئی۔ دو ہفتے تک وہ ڈھیر اسی طرح پڑا رہا اور کوئی آثار ان کتابوں کو جلد اٹھوانے کے نظر نہیں آرہے تھے۔ اسی اثنا میں وہاں سے میری روانگی کا وقت آگیا۔ کتاب کے صرف اسّی ورق تھے۔ اور بخطّ جلی لکھی ہوئی تھی۔ اگر مجھے دو تین گھنٹے بھی مل جاتے تو اس کو ختم کرنے کے لئے کافی تھے۔

۴ - کتابخانہ پروفیسر سعید نفیسی (طہران)

پروفیسر ڈاکٹر سعید نفیسی ایران کے مشہور مصنّفین میں سے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ شاعر بھی ہیں۔ فرانس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ روسی اور فرانسیسی کو مادری زبان کی طرح لکھتے اور بولتے ہیں۔ انگریزی اور عربی سے بھی خوب واقف ہیں۔ علم دوست اور کتابوں کے عاشق ہیں۔ آج کل دانش سرائے عالی (آرٹس کالج)، طہران میں ادبیات فارسی کے پروفیسر ہیں۔ اور اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی کے سوانحعمری لکھنے کی خدمت پر مامور کئے گئے ہیں۔ ان کا ذاتی کتاب خانہ بہت بڑا ہے۔ قدیم طباعت کی نادر کتابیں ان کے پاس بہت ہیں اور قلمی نسخوں کا بھی معتدبہ ذخیرہ ہے۔ میں جب ان کی خدمت میں حاضر

ہوا تو انہوں نے اپنی بعض قلمی کتابیں مجھے دکھائیں۔ جن کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

۱ - مصادر زوزنی - یعنی قاضی ابو عبداللہ الحسین بن احمد زوزنی متوفی ۴۸۶ھ کی کتاب المصادر، لغت عربی بفارسی، تاریخ کتابت ندارد،

۲ - السامی فی الاسامی للمیدانی، مورخہ ۶۸۱ھ لغت کی مشہور کتاب ہے،

۳ - حدیقۂ سنائی با مقدمہ، عمدہ نسخہ ہے، تاریخ کتابت ۷۵۸ھ،

۴ - تہذیب الاسماء - تالیف محمود بن عمر بن منصور القاضی الربخنی السجزی، لغت عربی بفارسی، مورخہ ۹۱۲ھ،

۵ - کتاب گزیدہ در تصوف، غالباً پانچویں صدی کی تصنیف ہے، نسخہ منحصر بفرد، مصنف نامعلوم۔ کتابت بخط نسخ ظاہراً دسویں صدی کی معلوم ہوتی ہے،

۶ - نور العیون تالیف محمد بن منصور بن ابی عبداللہ الجرجانی المعروف بہ "زرین دست" در امراض چشم بطور سوال و جواب، ۴۸۰ھ میں ملکشاہ سلجوقی کے لئے لکھی گئی، نسخہ منحصر بفرد،

۷ - تاریخ طبری ترجمہ بلعمی، نہایت نفیس نسخہ مورخہ ۸۳۸ھ۔ بلعمی کی تاریخ طبری پہلے ہندوستان میں بھی طبع ہو چکی ہے۔ لیکن اب طہران میں جناب ملک الشعرا بہار نے اسکی تصحیح کرکے مطبع میں چھپنے کے لئے بھیجا ہے،

۸ - دیوان فلکی شروانی، پروفیسر ہادی حسن (علیگڈھ یونیورسٹی) نے اسکو اب سے چار پانچ برس پہلے لنڈن میں چھپوایا تھا۔ لیکن اس نسخے میں مواد اس مطبوعہ اڈیشن سے زیادہ ہے،

۹ - دیوان معزی، غالباً کامل ترین نسخہ ہے،

۱۰ - دیوان ذوالفقار شروانی ، نسخۂ کمل ،
۱۱ - سکندر نامہ در نثر ، تالیف عبدالکافی بن ابی البرکات ، غالباً چھٹی صدی کی تصنیف ہے اور نسخہ بظاہر دسویں صدی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے ، ناقص الاوّل و الآخر ،

۵ - کتابخانۂ حاجی حسین آغا (در مشہد و طہران)

حاجی حسین آغا خراسان کے بہت بڑے رئیسوں میں سے ہیں - وکیل آباد (علاقۂ مشہد) میں ان کی جاگیر ہے - جس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ تومن (دو لاکھ روپیہ) ہے ، کتابیں جمع کرنے کا انہیں ایسا ہی شوق ہے جیسا ہمارے ہاں نواب خدابخش خاں مرحوم کو تھا - گذشتہ تیس برس کے عرصے میں لاکھوں روپیہ انہوں نے کتابوں پر خرچ کیا ہے - ایران میں اس وقت ان کا کتب خانہ بلحاظ تعداد اور ندرت کے بلاشبہ بہترین ہے - لیکن افسوس ہے کہ وہ پبلک کے لئے وقف نہیں ہے اور نہ انہوں نے کتابوں کو مرتب کر کے رکھا ہے کہ کم از کم اُن کے دوست آشنا ہی اُن سے مستفید ہو سکیں - وہ خود وکیل آباد یا مشہد میں مقیم رہتے ہیں اور کتابیں طہران میں ہیں - اور وہاں بھی وہ صندوقوں میں بے ترتیبی سے بھری ہیں میں اُن سے مشہد میں ملا - نہایت با اخلاق اور ظریف طبع ہیں - شاعر بھی ہیں - چنانچہ آجکل تاریخ ایران کو ایک مثنوی میں نظم کر رہے ہیں جس کے کئی ہزار اشعار وہ لکھ چکے ہیں - کہنے لگے کہ طہران میں میرا مکان بند پڑا ہے - کتابوں کے صندوقوں کی کُنجیاں میرے پاس ہیں اور وہاں میرا کوئی آدمی نہیں کہ میں آپ کو کنجیاں دے دیتا اور وہ کھول کر آپ کو کتابیں دکھا دیتا - اور جب تک میں ساتھ نہ ہوں کتابوں کو خاطر خواہ دیکھنا مشکل ہے - یہ بھی فرماتے تھے کہ اب میرا ارادہ ہے

کہ طہران میں اپنے خرچ سے ایک لائبریری بنوا کر کتابوں کو وقف کر دوں۔ اگر ایسا ہو جائے تو سبحان اللہ لیکن ان کا یہ خیال برسوں سے چلا آرہا ہے۔ دیکھئے کب پورا ہو۔ وہ خود نہایت مصروف آدمی ہیں۔ جائداد کے بکھیڑوں سے انہیں فرصت نہیں'

خود انہوں نے اپنی زبانی بتلایا کہ میرے پاس اس وقت چھیالیس ہزار کتابیں ہیں جن میں سے چھبیس ہزار قلمی ہیں' اس مجموعے میں ہر علم و فن کی کتاب موجود ہے۔ چھ ہزار قلمی دواوین ہیں۔ عربی اور فارسی کا شاید ہی کوئی شاعر ہو جس کا دیوان ان کے کتب خانے میں نہ ہو کہتے تھے کہ چار ہزار قلمی نسخے میرے پاس ایسے ہیں جو منحصر بہ فرد ہیں۔ چالیس باتصویر نسخے موسیقی کی کتابوں کے ہیں۔ اور کئی ایک فنِ نباتات میں ہیں' دیوان حسن دہلوی کا کامل ترین اور قدیم ترین نسخہ اور صائب کا خود نوشتہ دیوان بھی ان کے پاس ہے'

چند کتابیں ان کے پاس مشہد میں بھی ہیں۔ ان میں سے صرف دو انہوں نے مجھے دکھائیں۔ ایک تو امالی طوسی (مورخہ ۵۸۹ھ) اور دوسری رسائل ابن سینا جو مصنف کا خود نوشتہ نسخہ معلوم ہوتا ہے' تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ لیکن جا بجا عبارت کو کاٹ کر درست کیا گیا ہے' کاغذ اور لکھائی بھی مصنف کے زمانے کے معلوم ہوتی ہے اور ایک جگہ حاشیے پر کتاب کے کسی مالکِ سابق نے ۴۸۱ھ کی تاریخ درج کی ہے۔ جس سے اس گمان کو اور بھی تقویت ہوتی ہے'

کتب خانۂ حاجی حسین آغا کے بعض نوادر کا ذکر "کتابخانہ ہای ایران" مؤلفہ آقا عبدالعزیز نجفی[1] (ص ۷۹ - ۸۵) میں ملتا ہے' خدا کرے کہ یہ کتب خانہ جلد مرتب ہو کر رفاہ عام کے لئے وقف ہو جائے'

---

[1] مطبوعہ طہران' ۱۳۱۱ھ شمسی'

۶۔ کتابخانہ آستانۂ رضوی در مشہد

اس کتاب خانہ کی فہرست چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور پہلی جلد کے شروع میں اسکی مختصر تاریخ بھی لکھی گئی ہے۔ یہ کتب خانہ صدیوں سے قائم ہے اور ایران کے بہت سے سابق بادشاہوں نے اس میں کتابیں وقف کیں جن میں سے اکثر نوادر روزگار تھیں۔ لیکن افسوس کہ ۱۹۱۲ء میں روسیوں کی تاخت و تاراج سے اسکو بہت نقصان پہنچا۔ اس وقت وہاں کل دس ہزار کتابیں ہیں۔ جن میں سے نصف یعنی پانچہزار کے قریب قلمی ہیں۔ لیکن ان قلمی کتابوں میں زیادہ تعداد قرآن کریم کے نسخوں کی ہے یا کتب فقہ شیعہ کی۔ ادب۔ تاریخ اور دوسرے علوم کی کتابوں میں کوئی چیز قابل ذکر نہیں'

قرآن کے نسخوں میں قابل ذکر ایک نسخہ بخط کوفی ہے۔ جس میں تعداد اوراق ۶۸ ہے اور صرف اوّل سورۂ ہود سے آخر سورۂ کہف تک ہے' تقطیع ۱۳¼" × ۹½"' اس نسخے کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ جناب امیر حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ کے ہاتھ کا نوشتہ ہے' آخری صفحہ پر "کتبہ علی بن ابی طالب" درج ہے' زائرین کثرت سے اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں' چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور ۱۰۰۸ھ میں شاہ عباس نے اسکو آستانۂ رضوی کے کتابخانہ میں وقف کیا۔ وقف نامہ شیخ بہاء الدین عاملی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہم نے خود دیکھا

ایک اور نسخہ بخط کوفی حضرت امام حسنؑ کا لکھا ہوا بتلایا جاتا ہے اور سند میں یہ عبارت پیش کی جاتی ہے جو آخری صفحہ پر درج ہے: "کتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنۃ احدی و اربعین" یہ بھی مثل اوّل چمڑے پر لکھا ہوا ہے' تقطیع ۷" × ۵"' صرف دو سیپارے ہیں' سورۂ یٰسین کی آیت ۴۵ سے شروع ہوتا ہے' تعداد اوراق ۱۲۲' شاہ عباس کا وقف نامہ

مؤرخہ ۱۰۰۸ھ بخط شیخ بہاء الدین عاملی اس پر بھی درج ہے'

اسی طرح ایک تیسرا نسخہ جو انہی صفات سے متصف ہے۔ امام زین العابدین کا لکھا ہوا بتلایا جاتا ہے'

قرآن کریم کے دیگر قیمتی نسخوں میں جن کے اندر فن خطاطی کا کمال بھی دکھایا گیا ہے۔ ایک سورۂ یٰسین کی نقل نہایت جلی قلم میں امیر تیمور کے پوتے ابراہیم سلطان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی تقطیع ۳۴" × ۲۵" ہے۔ یعنی لمبائی تقریباً ایک گز اور چوڑائی دو فٹ' ہر صفحہ پر صرف سات سطریں ہیں۔ جن میں سے اوپر اور نیچے کی سطریں بیچ کی پانچ سطروں سے زیادہ جلی ہیں۔ آخری صفحے پر عبارت ذیل درج۔

"کتبہ اضعف عباد الرحمن ابراھیم سلطان ابن شاھرخ بن تیمور کورکان عفا اللہ عنھم فی سنۃ سبع وعشرین و ثمانمایۃ الھجریۃ ..... تقرب الفائز بکتابۃ ھذا السفر الکریم من القرآن العظیم بوقفہ علی الروضۃ الطاھرۃ العلویۃ الموسویۃ الرضویۃ بمشھد طوس الی روحہ الزکیۃ تقبل اللہ منہ"

قرآن کریم کا ایک اور جزو (پارہ ۲۹ کا ایک حصہ) بہت بڑی تقطیع کے کاغذ پر جو کتاب کی شکل میں مجلد نہیں بلکہ نقشے کی طرح لپیٹا ہوا ہے۔ شاہرخ کے دوسرے بیٹے بایسنغر میرزا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے' اس میں کتابت کے ایک صفحہ کا سائز طول میں دو گز اور عرض میں ڈیڑھ گز کے قریب ہے اور خط ثلث میں لکھا ہوا ہے'

ایک کامل خوشخط نسخہ قرآن کا بتقطیع ۱۲" × ۱۳" ہے۔ جس کے آخر میں یاقوت مستعصمی کا نام بعبارت ذیل درج ہے :

کتبہ یاقوت المستعصمی فی شھر رجب الحجۃ اربع [و] ستمایۃ لیکن ۶۰۴ھ یاقوت کے زمانے سے بہت پہلے کی تاریخ ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ

نسخہ مجہول ہے۔ اور یوں بھی تذہیب و آرائش کا کام جو اس نسخے کے اوراق میں
ہے بظاہر دسویں یا گیارھویں صدی کا معلوم ہو رہا ہے،

ان سب نسخوں کے ایک ایک دو دو صفحوں کے فوٹو نمونے کے طور پر میں
نے اتروائے تھے اور وہ اس وقت موجود بھی ہیں۔ لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ
سے ہم میگزین کے موجودہ نمبر میں انکو شائع نہیں کر سکتے،

ادب کی کتابوں میں اس کتب خانے میں مثنوی مولانا روم کا ایک قدیم نسخہ
(غالباً نویں صدی کا) بخط نسخ ہے، تعداد اوراق ۳۶۹ (= ۷۳۸ صفحے) اور فی
صفحہ ۳۵ شعر، ایک عمدہ نسخہ میر علی شیر نوائی کے ترکی دیوان کا ہے، تاریخ کتابت
۱۰ جمادی الاولی ۸۹۶ھ دار السلطنت ہرات میں بخط درویش محمد طاقی لکھا گیا،
عمدہ نستعلیق خط ہے، تعداد اوراق ۱۹۰ (= ۳۹۴ صفحے)، فی صفحہ ۱۵ شعر،

ایک نسخہ کتاب مفید الخاص از محمد زکریا رازی (طبیب معروف) نہایت
قدیم اور قیمتی ہے، جلی نسخ میں لکھا ہوا ہے اور کتابت غالباً پانچویں صدی ہجری
کی ہے۔ لیکن نامکمل ہے۔ یعنی فقط جزو دوم ہے۔ اس میں ۵۸ تصاویر ہیں، تعداد
اوراق ۱۶۹، تقطیع ۱۰″ × ۸″، نادر شاہ کا وقف کیا ہوا ہے،

ایک مجموعہ فارسی رباعیات کا مسمیٰ جواہر الخیال ہے جس میں کل ۲۷۰۰ رباعیاں
ہیں اور ۲۰ بابوں میں بلحاظ مطالب کے ترتیب دی گئی ہیں، ان کا جامع میرزا
محمد صالح رضوی معاصر سلیمان صفوی ہے۔ تعداد اوراق ۹۷، بخط مؤلف،

کلیات امیر خسرو (دیوان غزلیات و قصاید) کا ایک عمدہ نسخہ جو غالباً دسویں
صدی کا لکھا ہوا ہے، خط باریک نستعلیق فی صفحہ تقریباً ۲۸ شعر، تعداد صفحات
۱۰۴۸، تقطیع ۹″ × ۴½″،

تاریخ یمینی کے فارسی ترجمہ کا ایک نسخہ مؤرخہ ۱۲۵۱ھ ہے۔ مترجم کا نام

ابو الشرف ناصح بن ظفر بن سعد المنشی الجرباذقانی معاصر جمال الدین الغ بابک ایبہ ہے[1]، جوامع الحکایات عوفی کا ایک مکمل نسخہ مورخہ ۱۰۲۹ھ ہے۔ لیکن کتابت مختلف ہاتھوں کی معلوم ہوتی ہے اور بیچ میں بہت سے اوراق بالکل جدید ہیں، اس کتاب کے دو عمدہ لیکن ناکمل نسخے آقای ملک الشعراء بہار کے ذاتی کتب خانے میں بھی ہیں۔ وہ آجکل اسکی تصحیح میں مشغول ہیں۔ امید ہے کہ عنقریب وہ مطبع میں چھپنے کے لئے بھیجدی جائیگی،

اِن کے علاوہ فارسی شعراء کے دواوین بھی بہت سے ہیں لیکن سب کے سب پچھلی عدی کے نسخے ہیں۔ جن میں کوئی ندرت نہیں،

مشہد میں ایک اور کتاب خانہ مدرسۂ فاضلیہ کا ہے۔ جس میں مطبوعہ اور خطی کتابیں سب ملا کر ایک ہزار جلدیں ہیں، اسکی فہرست اب سے پانچ سال پہلے مشہد میں طبع ہوئی تھی۔ مدرسہ کے بانی ایک شخص مسمّی فاضل خاں ملقب بہ علاء الملک تھے جو صفویوں کے عہد میں گذرے ہیں، مدرسہ کی بنا ۱۰۶۱ھ میں رکھی گئی اور ۱۰۷۵ھ میں فاضل خاں کی وفات کے بعد اس کے بھائی ملا امیر عبداللہ نے اسکی تکمیل کرائی، لیکن اس کتب خانے میں ادبی اور تاریخی دلچسپی کی چیزیں کم ہیں، زیادہ تعداد دینیات کی کتابوں کی ہے، طالب علموں کی تعداد اس مدرسے میں اسوقت ساٹھ کے قریب ہے۔ آمدنی کے لئے اوقاف ہیں،

طہران میں بھی دو مدرسے اسی طرز کے ہیں۔ جنکے ساتھ کتب خانے ملحق ہیں۔ ان میں سے ایک مدرسۂ صدر کہلاتا ہے اور دوسرا مدرسۂ مروی، یہ دونو مدرسے فتح علی شاہ قاجار کے زمانے سے چلے آرہے ہیں، طالب علموں کی تعداد تیس تیس چالیس چالیس کے قریب ہے۔ بوجہ تعطیلات گرما دونو مدرسے بند تھے اور میں ان کتاب خانوں کو نہ دیکھ سکا،

---

[1] طہران میں چھپ چکا ہے (۱۲۷۲ھ)

شخصی کتاب خانوں میں دو اور قابل ذکر ہیں۔ ایک تو حاجی نورالدین آغا کا کتاب خانہ اصفہان (محلّہ احمد آباد) میں اور دوسرا آقای محمد حسین شیرازی مخاطب بہ شعاع الملک کا کتاب خانہ شیراز میں، مقامی طور پر یہ دونو کتب خانے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ایران میں پرائیویٹ لائبریریوں کو دیکھنے کے لیئے وہاں مدّت دراز تک قیام کرنا ضروری ہے۔ میں ان دونو کو دیکھنے کی کوشش میں ناکام رہا،

قلمی کتابیں ایران میں اگرچہ بہت کم رہ گئی ہیں۔ لیکن جتنی بھی باقی ہیں۔ اگر ان کو منظّم حالت میں لایا جا سکے کہ شائقینِ علم کی رسائی بآسانی ان تک ہو سکے تو ہمارے خیال میں علوم عربی و فارسی کے محققین کو وہاں اپنی تحقیقات میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ حکومتِ ایران کی توجہ سے تھوڑی سی مدّت میں ایسا ہونا ممکن ہے *

محمد اقبال

تبصرہ و تنقید

(۱) تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم تالیف قضی القضاۃ بدرالدین ابن جماعۃ الکنانی (المتوفی ۷۳۳ھ) دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ھ انتساب وغیرہ (ص ا تا ۵) مقدمہ ناشر (۶-۱۶) ذکر الابواب التی ھی اجزاء الکتاب (۱۷-۱۸) فہرس الابواب والفصول مع الفوائد المستخرجۃ من کتاب تذکرۃ السامع (۱-۵۳) متن و حواشی (۱-۲۳۶) فہرس اسماء الرجال (۱-۲۱) تصحیح (۱-۳) یعنی کل قریباً ۳۳۱ صفحہ، فہرست مطبوعات دائرہ اور طباعت پروگرام کے ۴ صفحہ علاوہ ہیں۔ تعلیم کے متعلق سوالات ذیل کی اہمیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے (۱) تعلیم کا حقیقی مقصد کیا ہے (۲) تعلیم کی ضرورت کیوں ہے؟ (۳) تعلیم حاصل کرنے کے لئے کس قسم کے ائمہ فن کی ضرورت ہے (۴) طریقہ تعلیم کیا ہونا چاہئے؛ انضباط اوقات، تجویز نصاب کے اصول کیا ہیں - تاکہ مختصر سی مختصر مدت میں ایک نہایت ہی اہم کام سرانجام دیا جاسکے (۵) تربیت دماغ کے ساتھ ساتھ تربیت جسمانی کے قواعد و ضوابط کا لحاظ (۶) دفترہائے حاضری - قواعد و ضوابط متعلقہ بورڈنگ ہاؤس وغیرہ،

سنتہ مذکورہ اور ان کے ملحقات کی ضروری اور دلنشین بحث یا وجہ جستجو کے موجودہ شایع شدہ عربی لٹریچر میں نظر سے نہیں گذری، مگر زمانہ جس سرعت سے رنگ بدل رہا ہے اسکو دیکھ کر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ بہت جلد ہمارے سلف کے حیرت انگیز کارنامے دنیا کے سامنے آنے والے ہیں،

نہایت مسرت و ابتہاج سے عرض کیا جاتا ہے کہ دائرۃ المعارف النظامیہ (دکن) نے اپنی سنتہ مستمرہ کے مطابق حال میں قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعۃ شافعی (متوفی ۷۳۳ھ) کی نایاب کتاب "تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم" شایع کرکے

سلف کے علمی کارناموں میں از سرنو روح پھونک دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم گاہیں کن اصولوں پر تعمیر کی جاتی تھیں ،

کتاب مذکور ۱۳۵۳ھ میں شایع ہوئی ہے۔ کاغذ ، طباعت بہت ہی اعلےٰ ، طرز جدید کی فہرستیں بھی ساتھ شامل ہیں۔ مولانا سید زین العابدین کو علمی دنیا اچھی طرح جانتی ہے۔ آپ نے جس محنت سے اس کتاب کا یہ مسودہ حاصل کیا اور پھر اس پر مفید تحشیہ کر کے اسکو علمی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسکی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جس نے کتاب کا مطالعہ کیا ہو ،

کتاب مذکور جس موضوع پر لکھی گئی وہ ساتویں آٹھویں صدی میں بھی گوگرد سرخ کا حکم رکھتا تھا۔ خود قاضی القضاۃ عزالدین ابن جماعۃ کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں " وقد جمعت بحمد اللہ من تفاریق آداب ہذہ الابواب مالم اره مجموعۃ فی کتاب " ص۲

تمام تر کتاب ۵ ابواب پر مشتمل ہے اور تقریباً ص۲۶۰ پر ختم ہے :-

۱- فی فضل العلم و اہلہ ، و شرف العالم والمتعلم ، از ص۵ تا ص۱۵ [علم اور حاملین علم کی تعریف و توصیف]

۲ - فی آداب العالم فی نفسہ ومراعاۃ طالبہ و درسہ از ص۱۵ تا ص۶۷ [حاملین علم کے ذاتی اوصاف اور طلبہ و اسباق کی متعلقہ ہدایات]

۳ - فی آداب المتعلم فی نفسہ ومع شیخہ ورفقتہ و درسہ ، از ص۶۷ تا ص۱۶۳ [طالب علم کے ذاتی اخلاق اور شیخ ، طلبہ اسباق سے متعلقہ فرائض]

۴ - فی مصاحبۃ الکتب و ما یتعلق بہا من الادب ص۱۶۳ تا ص۱۹۳ [کتب کے متعلق ضروری ہدایات]

۵ - فی آداب سکنی المدارس للمنتہی والطالب از ص۱۹۳ تا ص۲۳۶ [منتہی اور مبتدی

طلبہ کے لئے بورڈنگ ہاؤس کے قواعد]

پھر ہر باب کے تحت کئی کئی فصول اور مختلف انواع ہیں۔ جن کے ضمن میں مؤلف نے حیرت انگیز لطائف علمیہ جمع کرکے علمی دنیا کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہموارہ اس احسان کا شکریہ وردِ زبان رکھے۔

قیمت درج کتاب نہیں ہے۔ یہ نفیس و لطیف کتاب دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے طلب کی جائے ٭

(ن)

۲- فتاویٰ عثمانی - کتاب المیراث

یعنی زبان اردو میں شرع اسلام کا ایک جامع ذخیرہ - مصنفہ مولوی محمد منورالدین صاحب مشن بلڈنگ دریا گنج - دہلی - قیمت غیر مجلد دس روپے، مجلد بارہ روپے، ادریس المطابع برقی پریس دہلی - ۱۹۳۴ء - تقطیع کلاں - تعداد صفحات - ۳۸۶ - طباعت عمدہ،

کتاب فتاویٰ عثمانی مسمّی بکتاب المیراث جو علم فرائض میں جدید طرز پر مصنفہ جناب مولانا مولوی محمد منورالدین صاحب دہلوی کی ہے میری نظر سے گذری - میں نے اس کتاب کے بعض بعض مقامات کو عمیق نظر سے دیکھا - کتاب مذکور باعتبار ترتیب و حل مطالب عالیہ و طرز بیان و عام فہم ہونے کے بے نظیر اور بے مثل ہے - جناب مصنف صاحب نے معقولات کو محسوسات بنا کر صور اور اشکال حسنہ سے مزین فرما کر قوم کے سامنے یہ ہدیہ پیش کیا ہے - علم المیراث کے اہم مسائل کو جناب مولانا نے اس کتاب میں ایسا حل فرمایا ہے کہ ہر شخص بلا تعب و مشقت اس کتاب کے مطالعہ سے بخوبی سمجھ کر مہتدی اور ہادی ہو سکتا ہے امید ہے کہ یہ مفید کتاب مقبول عام ہوگی - حضرت مصنف سے طلب کی جائے ٭

(ر - خ)

۳ - فلسفۂ جمال - ۸۶ صفحات کا ایک رسالہ ہے - جس میں جناب ریاض الحسن ایم - اے نے فلسفۂ حسن اور اس کے جزئیات سے بحث کی ہے مضمون چھ حصّوں پر منقسم ہے - جن کے عنوانات یہ ہیں (۱) فلسفۂ جمال (۲) حسن اور آرٹ (۳) ہم آہنگی اور وحدت (۴) حسین اور بدصورت کا تعلق - (۵) صاحب فن کی بزرگی و عظمت (۶) آرٹ اور اخلاق'

آخر الذکر عنوان فلسفہ و ادب کی دنیا میں ایک معرکتہ الآرا مسئلہ بنا رہا ہے - مؤلف نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اسپر بہت کچھ اضافہ ممکن ہے ع

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

رسالے کے موضوع کی اہمیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مؤلف کی نگارش کا ڈھب و لہجہ ایک قابل قدر کوشش ہے اور چونکہ اس نوع کے عنوانوں پر اردو زبان کا سرمایۂ نقد و نظر بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے - اس لئے زیر نظر رسالے کا مطالعہ ہمارے لئے باعث مسرّت ہے - اگرچہ کہیں کہیں جگہ مطالب کی تشنگی دامنگیر فکر و تامل ہوتی ہے اور کہیں کہیں مثالوں کے طور پر پیش کردہ اشعار مؤلف کے دعاوی اور متعلقہ بحث کے شواہد کا قرار واقعی مناسب ثبوت بہم نہیں پہنچاتے - تاہم موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے اسکا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا' رسالہ "ہندوستانی اکیڈمی یو پی" الہ آباد نے شایع کیا ہے اور مینجر "کتابستان" ۱۷ - الف - سٹی روڈ - الہ آباد سے عہ میں طلب کیا جا سکتا ہے +

(ش)

۴ - باپ کے خط بیٹی کے نام - پنڈت جواہر لال نہرو عدید ہندوستان کی ایک مشہور اور نمایاں شخصیت ہیں - وہ صرف ایک بڑے باپ کے بیٹے ہی نہیں بلکہ ذاتی طور پر بھی جوہر قابل ہیں +

زیر نظر کتاب پنڈت جی کے اُن دلچسپ اور قابل قدر خطوط کا مجموعہ ہے جو وہ ۱۹۲۸ء میں اپنی دہ سالہ صاحبزادی اندرا کو لکھتے رہے تھے۔ اصل خطوط انگریزی زبان میں لکھے گئے تھے۔ اب اُردو داں دنیا کے لئے ان کا اُردو ترجمہ شایع کیا گیا ہے جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہے،

یہ خطوط بتلاتے ہیں کہ ایک قابل اور وسیع معلومات رکھنے والا باپ خطوں ہی خطوں میں اپنی بچی کی تعلیمی ترقی اور عام اطلاعات میں کس حد تک مفید اضافہ کر سکتا ہے،

خطوط میں زمین اور کائنات زمین، دنیا اور دنیا کے ملکوں کے بننے، جانوروں اور آدمیوں کے پیدا ہونے اور پھلنے پھولنے کا حال بتلایا گیا ہے۔ ہر خط ایک دلچسپ سبق کی حیثیت رکھتا ہے جس میں نہایت شیریں لہجے، دلچسپ انداز اور انتہائی سلاست و سادگی کے رنگ میں، بچوں کے لئے انہی کی زبان میں تاریخی اور سائنٹفک معلومات کا سرمایہ جمع کر دیا گیا ہے،

کتاب بچوں کے لئے بہت مفید ہے اور ادب الصبیان میں قابل ذکر اضافے کی حیثیت رکھتی ہے،

مذہب کے متعلق ایک دو جگہ پنڈت جی کا اظہار خیال شاید مذہبی حلقوں میں اچھی نظروں سے نہ دیکھا جائے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ "مذہب ڈر کا نتیجہ ہے" بچوں کی کتاب میں قطعی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے،

انگریزی خطوط ہماری نظر سے نہیں گزرے لیکن اُردو ترجمے کے مطالعہ کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ باوجود اپنی سادگی اور عام فہم زبان کے اس سے اچھا اُردو ترجمہ ممکن تھا۔ کتاب ۱۸۳ صفحات پر مشتمل ہے اور دو روپے میں منیجر "کتابستان" الٰہ آباد سے طلب کی جا سکتی ہے۔

(ش)

۵۔ **قاموس الاعلام**۔ مؤلفہ حکیم سید شمس اللہ قادری جسکو ادبیاتِ اُردو کے اسمائے تاریخی کا انسائیکلو پیڈیا کہا گیا ہے۔ مؤلف نے اسکو دو حصّوں میں شائع کرنے کی تجویز کی ہے۔ حصّۂ اول تاریخی ہوگا جس میں مشاہیر رجال، اقوام و ملل اور دول، و سلاطین کے حالات ہونگے، حصّہ دوم جغرافی جس میں ولایتوں اور شہروں کے تاریخی تذکرے لکھے جائینگے۔ ہمارے پیش نظر حصّہ اوّل کا جزو اوّل ہے۔ جو بڑی تقطیع پر ۶۰ صفحوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے،

حکیم سید شمس اللہ قادری اُردو کے کہنہ مشق ادیب ہیں۔ قاموس الاعلام کے لکھنے کی تجویز ہمارے نزدیک نہایت قابلِ قدر ہے۔ جسکی تکمیل کے بعد زبانِ اُردو کے سرمایہ میں ایک گرانقدر اضافہ ہوگا۔ جس پیمانہ پہ کتاب کی تالیف شروع کی گئی ہے وہ اتنا وسیع ہے کہ ایک مصنّف کا اپنی ذاتی کاوشوں سے اسکو پورا کر لینا معجزہ سے کم نہ ہوگا۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ حکیم صاحب کو خدا عمر و تندرستی سے بہرہ مند کرے کہ اسکو تکمیل پر پہنچائیں،

ہمارے خیال میں زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ ایک علمی انجمن اس تالیف کو اپنے ذمّے لیتی اور حکیم صاحب کی نگرانی میں کتاب لکھی جا کر حیدر آباد سے شائع ہوتی، اس طرح کام جلدی بھی ہوتا جامع تر بھی ہوتا اور ذمّہ واری بھی بٹ جاتی۔ یورپ میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اسی نوعیت سے ایک بین الاقوامی انجمن کی سرکردگی میں شائع ہو رہا ہے،

قاموس الاعلام کے جزوِ اوّل میں جو ہمارے سامنے ہے "آباؑ" سے "آل مروان" تک آرٹیکل لکھے گئے ہیں۔ ہر آرٹیکل کے آخر میں مآخذ کی فہرست دی گئی ہے تاکہ مزید معلومات کے لئے اُن کتابوں کا تتبّع کیا جا سکے۔ افسوس ہے کہ اجنبی اور غیر مانوس ناموں کا تلفّظ کہیں نہیں بتایا گیا جسکو یا تو بذریعہ

اعراب ضبط کیا جا سکتا تھا یا خطوط وحدانی میں بذریعہ لفظی ہدایات (جیسا کہ لغت کی کتابوں میں دستور ہے) واضح کیا جا سکتا تھا ۔ اس قسم کے ناموں میں آخز یا ، آدم بنوری ، آدم الشلبی (؟) ، آرٹا زرکسیز ، آسر حدون ، آق قفتان ، وغیرہ ہیں ،

کتاب کی جامعیت پر رائے زنی کرنا ہمارے نزدیک بے سود ہے ، قوامیس اور تذکرے خواہ کتنے ہی مفصّل کیوں نہ بنائے گئے ہوں ان میں تتمّہ و اضافہ کی ہمیشہ گنجائش باقی رہتی ہے ، لیکن خوشی کی بات ہے کہ قاموس الاعلام کے فاضل مؤلف نے سوانح تاریخی کو حتی الامکان صحت کے ساتھ بیان کیا ہے ، البتہ افسوس یہ ہے کہ طباعت کی غلطیاں بکثرت رہ گئی ہیں ۔ ہمیں ان اغلاط کے جتلانے کی ضرورت نہیں ۔ اس لئے کہ خود مؤلف نے ان کو تسلیم کیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ جلد اوّل کے خاتمے پر غلط نامہ دیا جائے گا ،

کتاب کی اشاعت دفتر رسالہ " تاریخ " حیدر آباد دکن سے ہو رہی ہے ۔

قیمت فی جزو دو روپے (عہ) (م ۔ آ)

۶ ۔ انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج حیدر آباد کا سالنامہ ۔ بابت ۱۳۴۳ فصلی ، مرتبہ

سید محی الدین قادری صاحب زور ، مطبوعۂ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد ، صفحات ۲۲۴ ، قیمت دو روپے ۔ ملنے کا پتہ :۔ سٹی کالج بک ڈپو ۔ حیدر آباد ٭

یہ سالنامہ اداریہ کے علاوہ ۲۲ مضامین اور ۹ نظموں پر مشتمل ہے ۔ نصف سے زیادہ مضامین اور ایک آدھ نظم سٹی کالج سے متعلق ہیں جن میں کالج کے محل وقوع ، تاریخی ارتقا ، اسکی موجودہ حالت اور بعض ممتاز فارغ التحصیل طلبا کے سوانح حیات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے حصۂ نثر میں ابوالمکارم مولوی فیض محمد صاحب صدیقی اور پروفیسر میر ولی الدین صاحب کے مضامین بصیرت افروز ہیں حصۂ نظم میں جناب صفیر صاحب کی غزل دلفریب ہے ، سالنامہ کا دلکش پہلو سٹی کالج کے بعض فارغ التحصیل طلباء کی تصاویر ہیں ۔ پروف پڑھنے میں زیادہ احتیاط چاہیے تھی ، جا بجا غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً صدؔ پر واضع (بجائے واضح) ، صلاؔ عل آئے (بجائے مل میں آئے) صلاؔ صحیح (بجائے صحی) ، صلاؔ متمیع (بجائے متمتّع) ٭ (ی ۔ خ)

تبصرہ و تنقید

(صفحہ ۱۱۱ سے پیوستہ)

مثنویات میر - آنریبل جسٹس سر محمد سلیمان جج ہائی کورٹ الہ آباد نے میر تقی میر کی ۳۲ مثنویوں کا انتخاب کیا ہے - اشعار کی کل تعداد ڈھائی ہزار کے قریب ہے اور شروع میں ۳۶ صفحے کا ایک مقدمہ ہے - جسمیں میر کے حالاتِ زندگی بیان کئے گئے ہیں - انتخاب میں جو اصول مدِ نظر رکھا گیا ہے - اسکو تمہید میں یوں بیان کیا ہے :- " اصول انتخاب یہ رکھا گیا ہے کہ صرف اُن اشعار کو نقل کیا ہے جو فن شاعری کے نقطۂ نظر سے قابل قدر ہیں - جو محض جرتی کے اور پھیکے اشعار تھے - انہیں نکال دیا گیا ہے - فحش اشعار بھی ترک کر دیئے گئے ہیں "-
کتاب کی طباعت عمدہ ہوئی ہے - ہر صفحے کے نیچے مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے -

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۰ء - قیمت ۸ر

سوانح چاند بی بی (ملکہ احمد نگر) دکن کی تاریخی شہرت و عظمت رکھنے والی ملکہ چاند بی بی کے سوانح حیات جو حیدر آباد کی مجلس تاریخی کے سلسلہ میں چھپی ہے - مرتبہ سید احمد اللہ صاحب قادری -

۲۲ مختلف ابواب کے تحت میں چاند بی بی کی سیرۃ کے مختلف عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے - آخر میں ایک انڈکس (اشاریہ) بھی شامل ہے - جسنے کتاب کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے - سید صاحب اپنے ذوق تاریخ کی رعایت سے کچھ نہ کچھ تاریخی سرمایہ وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں - جسکے لئے وہ مستحق تحسین ہیں - کتاب کی کتابت و طباعت قابل داد ہے - اور لیڈی سر اکبر حیدری کے نام پر اسکا انتساب کیا گیا ہے - جنکے خاندان کی خواتین اپنے علمی و تعلیمی مشاغل کے لئے خاص شہرت رکھتی ہیں - قیمت دو روپے -

ملنے کا پتہ :-

سید احمد اللہ قادری - پوسٹ بکس ع ۱۳۶۱ - مدراس

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد ۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو حتی الامکان تقویت دی جاوے ۔ اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت ۔ عربی ۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے ۔ کوشش کی جائیگی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں ۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے ۔

رسالے کے دو حصے ۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اوّل عربی ۔ فارسی ۔ اردو و پنجابی بحروف فارسی پر مشتمل ہے ۔ حصہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی بحروف گورمکھی ۔ ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ۔

وقتِ اشاعت ۔ یہ رسالہ فی الحال سال میں چار بار یعنی نومبر ۔ فروری ۔ مئی اور اگست میں شائع ہوگا ۔

قیمتِ اشتراک ۔ سالانہ چندہ مکمل رسالہ کے لئے ۳ روپے ۔ ہر حصے کے لئے عہ ۲ ۔

اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلۂ کالج کے وقت وصول ہوگا ۔

خط و کتابت و ترسیل زر ۔ خریدارانِ رسالہ کے متعلق جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہئے ۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجے جائیں ۔

محلِ فروخت ۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ۔

قلمِ تحریر ۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم ۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں ۔ یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ۔

[illegible] شائع ہوتا ہے ۔